

روزانہ درس قرآن پاک



# تفسیر

- ① سورة الرعد
- ② سورة ابراهيم
- ③ سورة الحجر
- ④ سورة النحل



جلد : ۱۱

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی دام مجسم  
خطیب جامع مسجد نور، گوہرانوالہ، پاکستان

# گیارہواں ایڈیشن

## (جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ رعد، ابراہیم، حجر، نحل) جلد ۱۱
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسنی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۲۵۰/- دو سو پچاس روپے
تاریخ گیارہواں ایڈیشن	شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بمطابق اگست ۲۰۰۷ء

### ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، ریلوے بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوٹریٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۸) اسلامیہ کتب خانہ اذگامی، ایبٹ آباد
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور



# فہرست مضامین بحالہ القرآن فی درس القرآن جلد ۱

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۲	زمین کا پھیلاؤ		
۳۳	سلسلہ ہائے کوہ	۱۹	سورۃ الرعد
۳۴	پہاڑوں کے فائدے	۲۰	درس اول (آیت ۱ تا ۲)
۳۵	مختلف الانواع پھل	"	آیات و ترجمہ
"	شب و روز کا تغیر	۲۱	نام اور کوائف
۳۶	زمینی خطے	"	مضامین سورۃ
۳۸	بانغات اور کھیتیاں	"	محکمات متشابہات اور مقطعات
"	مختلف الاقسام درخت	۲۲	بحث برائے تقریب فہم
۴۱	درس سوم ۳ (آیت ۵ تا ۷)	۲۳	القدر کی بحث
"	آیات و ترجمہ	۲۴	شما و لی اللہ کی توجہ
۴۲	رابط آیات	۲۵	الکتاب
"	قیامت کا انکار	"	قرآن برحق
۴۳	منکرین کے لیے سزا	۲۶	آسمان کی حقیقت
۴۵	بھلائی سے پہلے برائی	۲۸	استوی علی العرش
۴۶	معافی اور سزا	۲۹	تسخیر شمس و قمر
۴۷	معجزے کی فرمائش	۳۰	بعث بعد الموت
۴۸	ہر قوم کے لیے ہادی	۳۱	درس دوم ۲ (آیت ۳ تا ۴)
۵۰	درس چہارم ۴ (آیت ۸ تا ۱۱)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۳۲	رابط آیات

۸۲	سیلاب کی جھاگ	۵۱	رابط آیات
۸۳	دھات کی جھاگ	"	شکم مادر میں بچے کی کیفیت
۸۵	حق و باطل میں کشمکش	۵۳	عالم الغیب والشہادۃ
۸۶	حق و باطل کی مثال	۵۵	اللہ تعالیٰ کا خفاظی نظام
۸۷	شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	۵۷	اجتماعی حالت کی تبدیلی
۸۸	مسلمین اور مکذبین	۶۰	درس پنجم ۵ آیت (۱۲ تا ۱۳)
۸۹	سود الحجاب	"	آیات و ترجمہ
۹۰	درس ہفتم ۸ آیت ۱۹ تا ۲۵	۶۱	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	۶۲	خوف اور امید کا اتصال
۹۱	رابط آیات	"	گمراہ اور چمک
۹۲	عالم اور نابینا کی مثال	۶۳	خدا فی طاقت
۹۳	عقل مند دل کے اوصاف	۶۶	دعوت حق
"	۱۔ ایٹائے عمد	۶۹	درس ششم ۶ آیت (۱۵ تا ۱۶)
۹۶	۲۔ باہمی ملاپ	"	آیات و ترجمہ
۹۷	۳۔ خشیت الہی	"	رابط آیات ہر چیز سجدہ کرتی ہے
"	۴۔ صبر	۷۳	سجدہ تلاوت
۹۸	۵۔ اقامت صلوٰۃ	۷۴	مسائل سجدہ تلاوت
۹۹	۶۔ اتفاق فی بدیل اللہ	۷۵	آسمان وزمین کا رب
۱۰۰	۷۔ برائی کا ازالہ بخیر سے	۷۶	مشرک اور مؤحد کا تقابل
"	جنت میں گھر	۷۷	شُرک کی تردید
۱۰۱	فرشتوں کا سلام	۷۹	درس ہفتم ۷ آیت (۱۷ تا ۱۸)
۱۰۲	درس نہم ۹ آیت ۲۸ تا ۲۶	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۸۰	رابط آیات
"		"	بارش اور نہی ناسے

۱۲۷	اجتماعی ہدایت	۱۰۲	ربط آیات
۱۲۸	یائیس کے مختلف معانی	۱۰۳	عہد شکنی
۱۲۹	کفار کے لیے دائمی مشکلات	۱۰۴	فاد فی الارض
۱۳۱	مسلمانوں کے لیے عبرت	۱۰۵	لعنت کا طوق
۱۳۳	درس سوار و ہم ۱۲ (آیت ۳۲ تا ۳۵)	۱۰۶	رزق کی کشادگی اور تنگی
"	آیات و ترجمہ	۱۰۷	دنیا کا حقیر سامان
۱۳۴	ربط آیات	۱۱۰	درس دهم ۱ (آیت ۲۷ تا ۳۰)
۱۳۵	استہزائے رسل	"	آیات و ترجمہ
۱۳۶	خدا کے شریک	۱۱۱	ربط آیات
۱۳۸	بے حقیقت باتیں	"	نشانی کا مطالبہ
۱۴۰	تہذیبیں اعمال	۱۱۳	اطمینان قلب
۱۴۲	متقین کے لیے العامات	۱۱۴	ذکر الہی کے طریقے
۱۴۵	درس سیر و ہم ۱۲ (آیت ۳۶ تا ۳۷)	۱۱۶	ایک اشکال
"	آیات و ترجمہ	۱۱۷	اہل ایمان کے لیے بشارت
۱۴۶	ربط آیات	۱۱۸	تلاوت قرآن پاک
"	تشریح کتاب پر خوشی	۱۲۰	اسمائے پاک
۱۴۷	اہل کتاب کا کردار	۱۲۲	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۱)
۱۴۸	حق پرست اہل کتاب	"	آیات و ترجمہ
۱۵۱	قرآن کا عملی انکار	۱۲۳	ربط آیات
"	شُرک سے برأت	"	شان نزول
۱۵۳	دعوت الی اللہ	۱۲۴	قرآن فدریعیہ ہدایت
۱۵۴	قرآن اور عربی زبان	۱۲۵	قرآن کا مفہوم
۱۵۶	وعیب عامہ	۱۲۶	قرآن کی برکات



۱۸۴	ظلمت سے نور کی طرف	۱۵۷	درس چہارم (آیت ۳۱ تا ۴۰)
۱۸۵	کافروں کا انجام	"	آیات و ترجمہ
۱۸۶	دین کے راستے میں رکاوٹ	"	رابط آیات
۱۸۷	سجی کی تلاش	۱۵۸	انبیاء کی ازواجی حیثیت
۱۸۹	درس سوم ۲ - (آیت ۴ تا ۶)	۱۶۱	معجزات کا اظہار
"	آیات و ترجمہ	"	نسخ شرائع اور احکام
۱۹۰	رابط آیات	۱۶۳	شاہ ولی اللہ کا فلسفہ
"	رسول در زبان قوم	۱۶۴	عبد اسلام کی پیشین گوئی
۱۹۲	جزائے عمل کے اسباب	۱۶۷	درس پانچواں (آیت ۴۱ تا ۴۳)
۱۹۳	قومی دین الاقوامی نبی	"	آیات و ترجمہ
۱۹۴	مسلمانوں کا عروج و زوال	۱۶۸	رابط آیات
۱۹۵	مہدی علیہ السلام کی بعثت	"	کفار کی پے پے ناکامی
۱۹۶	مذکورہ بالا م اللہ	۱۶۹	عبد اللہ بن عباسؓ کی توجیہ
۱۹۷	فرعونوں سے نجات	۱۷۱	مسلمانوں کا منزل
۲۰۰	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۹)	۱۷۲	حب مال و جاہ
"	آیات و ترجمہ	۱۷۳	خدا فی تدبیر کی کامیابی
۲۰۱	رابط آیات	۱۷۵	رسالت کا انکار
"	مقام شکر	۱۷۷	سورة ابراہیم
۲۰۲	انسان پر انعامات اللہ	۱۷۸	درس اول (آیت ۱ تا ۳)
۲۰۳	نعمت کا صحیح استعمال	"	آیات و ترجمہ
۲۰۵	شکر بمقابلہ ناشکری	۱۷۹	نام اور کوائف
۲۰۶	ناشکری کی سزا	"	مضامین سورۃ
۲۰۷	خدا تعالیٰ سے بے نیازی	۱۸۱	حروف مقطعات

۲۳۷	دور کی گمراہی	۲۰۸	سابقہ اقوام کا حشر
"	مخلوق کی تبدیلی	۲۱۰	انبیاء سے سلوک
۲۳۸	درس ہفتم (آیت ۲۱)	"	خدائی پروگرام کا انکار
"	آیات و ترجمہ	۲۱۲	درس چہارم (آیت ۱۰ تا ۱۲)
"	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
۲۳۹	خدا کے حضور پیشی	۲۱۳	رابطہ آیات
"	محنتی کاموں کا ظہور	۲۱۴	دعوت الی اللہ
۲۴۰	تابع اور متبوع	۲۱۵	بشری رسالت کا انکار
۲۴۱	غدا میں تخفیف کی تدبیر	۲۱۷	بشری رسالت کی تصدیق
۲۴۲	بے قراری یا صبر	۲۱۹	توکل بر خدا
۲۴۳	درس ہشتم (آیت ۲۲ تا ۲۳)	۲۲۰	اسباب کی تین قسمیں
۲۴۴	رابطہ آیات	۲۲۱	صبر کی دولت
"	جہنمی اور شیطان آمنے سامنے	۲۲۳	درس نہجم (آیت ۱۳ تا ۱۷)
۲۴۵	امام شعی	"	آیات و ترجمہ
۲۴۶	شیطان کی تقریر	۲۲۴	رابطہ آیات
۲۴۷	ملاہمت کے قابل کون؟	"	کفار کی دہکی
"	اہل ایمان کی کامیابی	۲۲۶	ایک اشکال
۲۴۸	سلامتی کی دعائیں	۲۲۷	اللہ کی طرف سے تسلی
۲۴۹	درس نہجم (آیت ۲۴ تا ۲۶)	۲۲۹	فیصلے کا مطالبہ
"	آیات و ترجمہ	۲۳۱	منکرین کے لیے سزا
"	رابطہ آیات	۲۳۲	درس ششم (آیت ۱۸ تا ۲۰)
۲۵۰	کلمہ طیبہ کی مثال	۲۳۴	کفار کے اعمال کی مثال
۲۵۱	درخت اور مسلم مرد	۲۳۵	ایمان شرط قبولیت ہے



۲۷۸	شکر ذریعہ گمراہی ہے	۲۵۹	پاکیزہ درخت کی خصوصیات
۲۸۰	اقامتِ صلوٰۃ	۲۶۰	کلمہ طیبہ کی خصوصیات
۲۸۱	اتفاق فی سبیل اللہ	۲۶۱	مرد مسلمان اور کھجور کا درخت
۲۸۲	بر محل اور بروقت خرچ	"	سدا بار آور کھجور
۲۸۵	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۳۲ تا ۳۴)	۲۶۲	شاہ ولی اللہؒ کی توجہ
"	آیات و ترجمہ	۲۶۳	سکھنڈیشہ کی مثال
۲۸۶	ربط آیات	۲۶۵	درس دهم ۱۰ (آیت ۲۷)
"	خدا تعالیٰ کی سبحان	"	آیات و ترجمہ
۲۸۸	آسمان اور زمین کی تخلیق	"	ربط آیات
"	بارش اور اس کے فوائد	۲۶۶	ثابت قدمی کا وعدہ
۲۸۹	دیگر انعامات اللہ	"	قبر کی منزل
۲۹۰	کشتیوں کی تسخیر	۲۶۷	قبر کا حال
۲۹۱	تسخیر شمس و قمر	۲۶۸	قبر کے سوال و جواب
۲۹۲	مطلوبہ نعمت کی عطائیگی	۲۶۹	قبر کا عذاب
۲۹۳	نعمت شماری پر عدم قدرت	۲۷۰	فتنۃ قبر
۲۹۵	انسانی کمزوریاں	۲۷۱	روح اور جسم کا تعلق
۲۹۶	درس سیزدهم ۱۳ (آیت ۳۵ تا ۳۷)	۲۷۳	ظالموں کی گمراہی
"	آیات و ترجمہ	۲۷۴	درس یازدهم ۱۱ (آیت ۲۸ تا ۳۱)
۲۹۷	ربط آیات	"	آیات و ترجمہ
"	شر امن	۲۷۵	ربط آیات
۲۹۸	شکر سے بیزاری	"	کھڑا نعمت
۲۹۹	گمراہی اور معافی	۲۷۶	انعامات اللہ
۳۰۰	اولاد ابراہیم کی آباد کاری	۲۷۸	قوم کی جہنم رسیدگی

۳۲۵	۳۰۲	اللہ کے حضور پیشی	۳۰۲	فطرب میں سبزہ زار
۳۲۸	"	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۵۲)	"	محترم گھر
"	۳۰۳	آیات و ترجمہ	"	دلوں کی کشش
"	۳۰۵	خلاصہ مضامین	"	درس چہارم ۱۲ (آیت ۳۸ تا ۴۱)
۳۲۹	"	۱۔ پیغام خداوندی	"	آیات و ترجمہ
۳۳۲	۳۰۶	۲۔ انذار بذرعیہ قرآن	"	ربط آیات
۳۳۳	"	۳۔ دعوت توحید	"	اللہ کا علم محیط
۳۳۴	۳۰۷	۴۔ نصیحت برائے اہل عقل	"	عطلے اولاد پر شکر یہ
"	۳۰۸	خلاصہ کلام	"	اقامت صلوٰۃ کی دعا
۳۳۷	۳۱۰	سورۃ الحج	"	مشرک کے لیے دعا مغفرت
۳۳۸	۳۱۳	درس اول ۱ (آیت ۵ تا ۱۵)	"	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۲ تا ۴۶)
"	"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۳۳۹	۳۱۴	نام اور کوائف	"	ربط آیات
"	۳۱۵	مضامین سورۃ	"	ظالموں کے لیے مہلت
۳۴۰	۳۱۷	حروف مقطعات	"	دنیا میں واپسی کی خواہش
۳۴۱	۳۱۸	قرآن کی حقانیت	"	خدا تعالیٰ کا جواب
۳۴۲	۳۱۹	کفار کی آرزو	"	کفار کی مخفی تدبیریں
"	۳۲۰	کفار کے لیے مہلت	"	مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ
۳۴۳	۳۲۲	حضور علیہ السلام کی تشویش	"	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۴۷ تا ۵۱)
"	"	مقررہ وقت پر ہلاکت	"	آیات و ترجمہ
۳۴۶	۳۲۳	درس دوم ۲ (آیت ۶ تا ۱۵)	"	ربط آیات
"	"	آیات و ترجمہ	"	اللہ تعالیٰ کا وعدہ
۳۴۷	۳۲۴	ربط آیات	"	زمین و آسمان کی تبدیلی

۳۴۰	درس پنجم ۵ (آیت ۲۶ تا ۳۵)	۳۴۰	دیوانی کا الزام
"	آیات و ترجمہ	۳۴۸	نزول ملائکہ کی فرمائش
۳۴۱	ربط آیات	۳۴۹	حفاظتِ قرآن کا ذمہ
۳۴۲	مثلاً تخلیق انسان	۳۵۰	حفاظتِ قرآن کا قدرتی نظام
۳۴۳	انسانی وجود کے عناصر	"	قبولِ اسلام کا ایک واقعہ
۳۴۴	فرشتوں کی تخلیق	۳۵۲	لفظی اور معنوی حفاظت
"	انسان کی برتری	۳۵۳	رسولوں کے ساتھ استنزار
۳۴۵	جنت کی تخلیق	"	کفار کا مسلسل انکار
۳۴۶	انسان کی تخلیق	۳۵۵	درس سوم ۳ (آیت ۶ تا ۲۱)
"	روح کا مسئلہ	"	آیات و ترجمہ
۳۴۷	فرشتوں کو سجدے کا حکم	۳۵۶	ربط آیات
۳۴۸	سجدہ تعظیمی	"	آسمانی بُرج
۳۴۹	ابلیس کا انکار	۳۵۷	اشیاطین کے لیے شہاب
۳۵۰	شیطان راندہ درگاہ	۳۵۸	زمین کے فوائد
۳۵۱	درس ششم ۶ (آیت ۳۶ تا ۴۴)	۳۵۹	معیشت کے سامان
"	آیت و ترجمہ	۳۶۰	قدرت کے خزانے
۳۵۲	ربط آیات	۳۶۲	درس چہارم ۴ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
"	ملت کی درخواست	"	آیات و ترجمہ
۳۵۳	گمراہ کرنے کا عزم	۳۶۳	پانی کی قدرتی بہیم رسانی
۳۵۵	مخلصین کی حفاظت	۳۶۶	زندگی اور موت کا نظام
۳۵۶	گمراہوں کی جہنم رسیدگی	۳۶۷	متقدمین اور متأخرین
۳۵۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۴۵ تا ۶۰)	۳۶۸	عورتوں اور مردوں کی صفیں
"	آیات	"	قیامت اور جہنم کے عمل
۳۶۰	ترجمہ		



۳۹۱	رابط آیات	۳۹۱	قوم پر عذاب	۳۱۲
"	متقین کے لیے بہشت	"	مثلہ فراست	"
۳۹۲	کہ ورت سے پاک دل	۳۹۲	نشانات عبرت	۳۱۳
۳۹۳	خوف اور امید	۳۹۳	درس و حکم ۱۰ (آیت ۸۰ تا ۸۹)	۳۱۴
۳۹۴	ابراہیم علیہ السلام کے لیے خوشخبری	۳۹۴	آیات و ترجمہ	"
۳۹۵	ابراہیم علیہ السلام کی حیرانگی	۳۹۵	رابط آیات	۳۱۵
۳۹۶	قوم لوط پر عذاب	۳۹۶	اہل حجر کی تکذیب	"
۳۹۷	درس و حکم ۸ (آیت ۶۱ تا ۷۰)	۳۹۷	نشانیوں سے اعراض	۳۱۸
"	آیات و ترجمہ	"	پرانی تہذیبوں کے آثار	۳۱۹
۴۰۰	رابط آیات	۴۰۰	عذاب کی آمد	۴۲۰
۴۰۱	فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس	۴۰۱	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	"
۴۰۲	اہل بستی کی اغلاقی پستی	۴۰۲	بیع مثنائی کا نزول	۴۲۲
۴۰۳	لوط علیہ السلام کی طرف سے دفاع	۴۰۳	مال و دولت سے بے رغبتی	۴۲۳
۴۰۴	فرشتوں کی مداخلت	۴۰۴	اہل ایمان کے لیے شفقت	"
۴۰۵	بستی سے خروج کا حکم	۴۰۵	درس یا زوہم ۱۱ (آیت ۹۰ تا ۹۹)	۴۲۵
۴۰۶	عذاب کا فیصلہ	۴۰۶	آیات و ترجمہ	"
۴۰۷	درس نہم ۹ (آیت ۷۱ تا ۷۹)	۴۰۷	رابط آیات	۴۲۶
"	آیات و ترجمہ	"	کتاب الہیہ کی تقسیم	"
۴۰۸	رابط آیات	۴۰۸	لازمی بازپرس	۴۲۹
"	لوط علیہ السلام کی پیشکش	"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۳۰
۴۰۹	ہم جنسی کی سزا	۴۰۹	تبلیغ و تحمید	۴۳۲
۴۱۰	قوم کا اصرار	۴۱۰	مغروم تک عبادت	۴۳۳
۴۱۱	مثلہ قسم	۴۱۱	سورة النحل	۴۳۵

۴۵۶	پانی کی ضرورت	۴۳۶	درس اول (آیت ۱ تا ۴)
۴۵۸	نباتات کے لیے پانی	"	آیات و ترجمہ
۴۶۰	شمس و قمر و سیارہ پشیاں	۴۳۷	نام اور کوائف
۴۶۲	مچھلی بطور تازہ گوشت	"	مضامین سورۃ
"	فقی مسائل متعلقہ مچھلی	۴۳۹	عذاب الہی کی آمد
۴۶۴	سمندر میں کے دیگر فوائد	"	غلیہ اسلام کی پیش گوئی
۴۶۶	درس چہارم ۶ (آیت ۱۵ تا ۲۱)	۴۴۰	نزول وحی
"	آیات و ترجمہ	۴۴۱	رسالت کا انتخاب
۴۶۷	ربط آیات	"	دعوتِ توحید
"	زمین کا توازن	۴۴۲	تخلیق انسانی بطور دلیل
۴۶۸	سمندری اور زمینی راستے	۴۴۴	درس دوم ۲ (آیت ۹۳ تا ۹۵)
۴۶۹	انعامات اللہ	"	آیات و ترجمہ
۴۷۱	شرک کی تردید	۴۴۵	ربط آیات
۴۷۳	درس پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۲۵)	۴۴۶	موشیوں کے فوائد
"	آیات و ترجمہ	۴۴۷	اُون اور گوشت
۴۷۵	ربط آیات	۴۴۸	دودھ کی نعمت
۴۷۶	مسئلہ الوہیت	۴۴۹	خوبصورتی کا ذریعہ
۴۷۷	لفظ "الہ" کی تحقیق	۴۵۰	جانوروں کے حقوق
۴۷۸	فیکہ آخرت	"	بار برداری کا کام
۴۷۹	تکبر کی بیماری	۴۵۱	ناخوردنی جانور
۴۸۰	وحی الہی کا انکار	۴۵۲	منتقل کی سواریاں
۴۸۱	دوسرا ترجمہ	۴۵۳	مستقیم اور منحنی راستے
۴۸۲	درس ششم ۶ (آیت ۲۶ تا ۲۹)	۴۵۴	درس سوم ۳ (آیت ۱ تا ۱۴)
		"	آیات و ترجمہ
		۴۵۵	ربط آیات



۵۰۹	۴۸۲	ہدایت اور گمراہی	آیات و ترجمہ
۵۰۹	۴۸۳	درس نہم (آیت ۳۷ تا ۴۰)	رابط آیات
۵۱۱	۴۸۴	آیات و ترجمہ	مخالفین کی چالبازیاں
۵۱۲	۴۸۵	رابط آیات	غزوہ اور فرعون کی کارگزاری
"	۴۸۷	ہدایت سے محرومی	مسئل سازشیں
۵۱۵	۴۸۹	تسلی کا مضمون	ظالموں کی رسوائی
"	۴۹۱	اچھی اور بُری حرص	جہنم میں داخلہ
۵۱۷	۴۹۲	بعث بعد الموت کا انکار	درس ششم (آیت ۳۰ تا ۳۴)
۵۱۹	"	قیامت کی ضرورت	آیات و ترجمہ
۵۲۰	۴۹۳	خدا کا اٹل فیصلہ	رابط آیات
۵۲۲	۴۹۴	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	متقین سے سوال و جواب
"	۴۹۵	آیات و ترجمہ	متقین کے لیے بہتر گھر
۵۲۳	۴۹۶	رابط آیات	پاکیزہ موت
"	۴۹۷	مہاجرین کی حوصلہ افزائی	جنت میں داخلہ
۵۲۴	۴۹۸	ہجرت کے وسیع معانی	غدا کا انتظار
۵۲۵	۵۰۱	ہجرت کی اقسام اور مسائل	درس ششم ۸ (آیت ۳۵ تا ۳۶)
۵۲۷	"	مہاجرین کے لیے اجر	آیات و ترجمہ
۵۲۹	۵۰۲	رسول مرد ہوتے ہیں	رابط آیات
۵۳۱	"	تقلید کی ضرورت	شرک پرانی بیماری ہے
۵۳۲	۵۰۳	فقہی اختلاف کی حیثیت	مشرکین کی دلیل
۵۳۴	۵۰۵	تشریح بذریعہ سنت	انسان کی فعل مختاری؟
۵۳۶	۵۰۷	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۵ تا ۵۰)	رسولوں کی ذمہ داری
"	۵۰۸	آیات و ترجمہ	ظنوت کیا ہے؟

۵۵۵	آیات و ترجمہ	۵۳۷	رابط آیات
"	رابط آیات	"	منکرین کے لیے سخت وعید
۵۵۶	خدا کے لیے بیٹیاں	۵۳۸	۱۔ زمین میں دھنس جانا
۵۵۷	تولید بیٹی پر روسیاہی	۵۳۹	۲۔ بیرونی ذرائع سے عذاب
۵۵۸	بیٹی سے مگر خلاصی	"	۳۔ چلتے پھرتے گرفت
۵۵۹	زلفہ درگور	۵۴۰	۴۔ عذاب بعد از خوف
۵۶۰	جدلی کی مثال	۵۴۱	زمانہ جاہلیت کے اشعار
۵۶۱	جہنم کی لعنت	۵۴۲	سائے کا سجدہ
۵۶۲	عورت نصف انسانیت ہے	۵۴۳	ہر چیز سجدہ ریز ہے
۵۶۳	درس چہار و حکم ۱۴ (آیت ۶۱ تا ۶۵)	۵۴۴	فرشتوں کا تعمیل حکم
"	آیات و ترجمہ	۵۴۵	درس ہوازد و حکم ۱۲ (آیت ۵۱ تا ۵۶)
۵۶۵	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۵۶۶	ظالموں کی گرفت	۵۴۶	رابط آیات
۵۶۷	ظلم کا اثر	"	عقیدہ اثنینیت
"	مقررہ وقت تک منہلت	۵۴۷	عقیدہ تثلیث
۵۶۸	بہائی سے بھلائی کی توقع	۵۴۸	کرہ و رد و معبود
۵۶۹	دوزخ کی آگ	۵۴۹	وامی اطاعت
"	تزیین اعمال	۵۵۰	الغامت الہیہ
۵۷۰	تبیین کتاب کافر فیضہ	۵۵۰	مصیبت میں رجوع الی اللہ
۵۷۱	برایت اور رحمت	۵۵۱	شرکاد کا حصہ
۵۷۲	مادی حیات کا سامان	۵۵۲	نذر غیر اللہ
۵۷۳	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۶۶ تا ۶۷)	۵۵۳	لازمی باز پرس
"	آیات و ترجمہ	۵۵۴	درس سیر و حکم ۱۳ (آیت ۵۷ تا ۶۰)

۶۰۰	۵۷۵	حافظہ کی کمزوری	رابطہ آیات
۶۰۲	۵۷۶	درس ہفتم ۱۸ (آیت ۱ تا ۷)	مولائیوں میں سامانِ عبرت
"	۵۷۷	آیات و ترجمہ	دودھ کی نعمت
۶۰۳	۵۸۰	رابطہ آیات	دودھ کا کارخانہ
"	"	رزق میں تفاوت	مشروب اور اچھی روزی
۶۰۴	۵۸۲	حقوق کی ادائیگی	لفظ "سکر" کی تحقیق
۶۰۵	۵۸۳	مختلف نظامہائے معیشت	درس ششم ۱۶ (آیت ۶۸ تا ۶۹)
۶۰۶	"	فطری اور غیر فطری مساوات	آیات و ترجمہ
۶۰۷	"	نوعی اور شخصی بقا	رابطہ آیات
۶۰۹	۵۸۵	شرک کی تردید	مکھیوں کی طرف وحی
۶۱۰	۵۸۶	اللہ سے براہِ راست تعلق	مکھیوں کا چھتہ
۶۱۳	۵۸۷	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۷ تا ۱۷)	مکھیوں سے استفادہ
"	"	آیات و ترجمہ	شہد میں شفافیت
۶۱۴	۵۸۹	رابطہ آیات	شہد کی پیدائش
"	۵۹۱	غلام اور آزاد کی مثال	مکھیوں کی فضیلت
۶۱۶	"	رزقِ حلال	مکھیوں کی تنظیم
۶۱۷	۵۹۲	باطنی اور ظاہری خرچ	غور و فکر کا مقام
"	۵۹۳	گونگا غلام اور عادل آزاد	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۷)
۶۱۸	"	غلامی کی تاریخ	رابطہ آیات
۶۱۹	۵۹۴	غلاموں سے حسن سلوک	زندگی اور موت
۶۲۰	"	قومی غلامی	زندگی کا عروج و زوال
۶۲۱	۵۹۶	خلاصہ کلام	ارذل العمر
۶۲۲	۵۹۷	درس ستم ۲۰ (آیت ۷ تا ۹)	پیری شعراء کی نظر میں

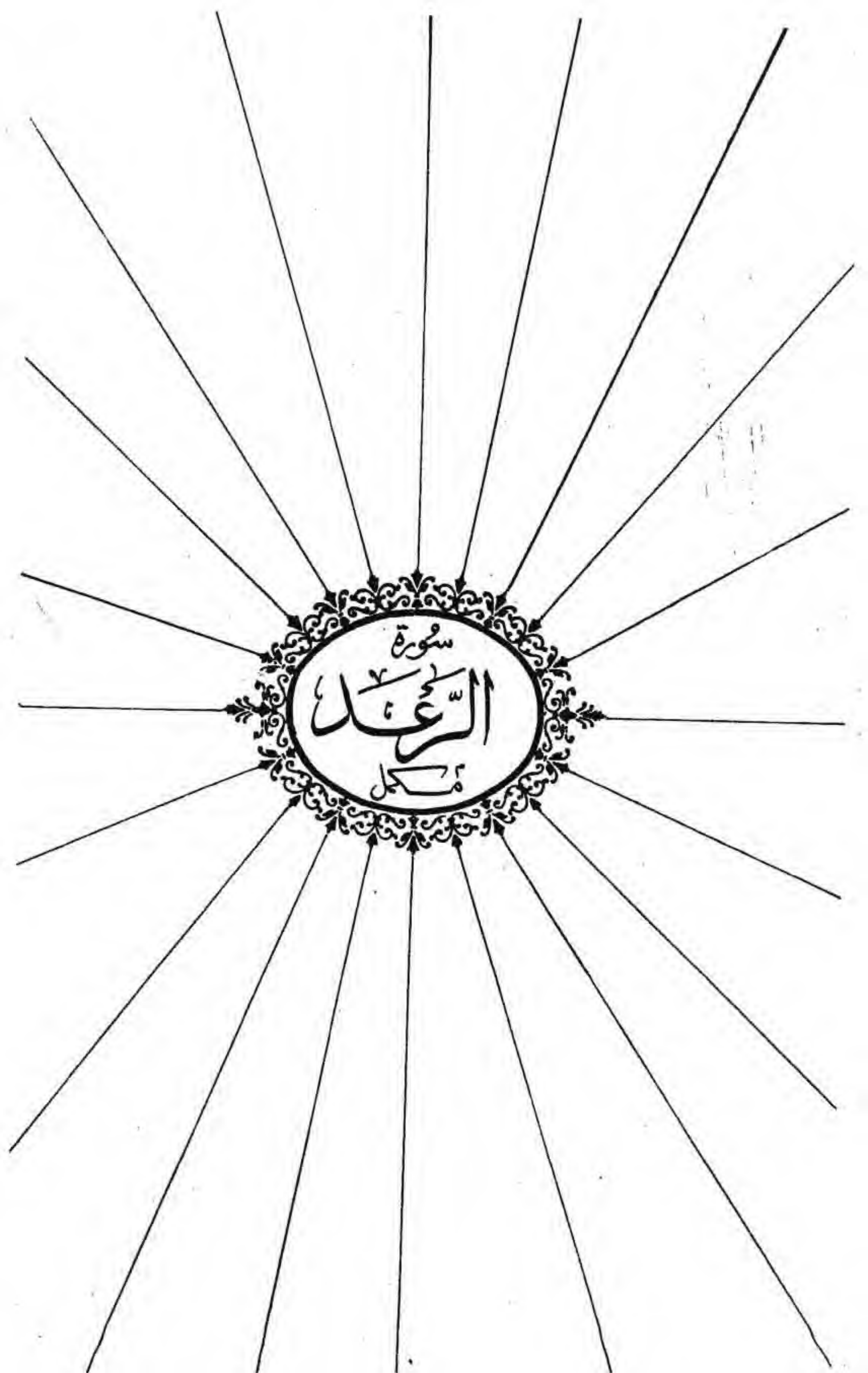


۶۲۷	آیات و ترجمہ	۶۲۷	درس سبست ۲۲ (آیت ۸۸ تا ۸۹)
۶۲۸	رابط آیات	۶۲۸	آیات و ترجمہ
۶۲۹	استعداد عمل اور جزاء	۶۲۹	رابط آیات
۶۳۰	عالم الغیب والشہادۃ	۶۳۰	اسلام کے راستے میں رکاوٹ
۶۳۱	قیامت کی اچانک آمد	۶۳۱	مفسدین کے لیے سزا
۶۳۲	قبر کی منزل	۶۳۲	انبیاء کی گواہی
۶۳۳	انسان کے ذرائع علم	۶۳۳	قرآن بطور تہدیان
۶۳۴	فلسفہ معاش	۶۳۴	ہدایت، رحمت اور خوشخبری
۶۳۵	درس سبست ۲۱ (آیت ۸۰ تا ۸۲)	۶۳۵	درس سبست چہارم ۲۲ (آیت ۹۰)
۶۳۶	آیت و ترجمہ	۶۳۶	آیات و ترجمہ
۶۳۷	رابط آیات	۶۳۷	رابط آیات
۶۳۸	گھر ذریعہ سکون	۶۳۸	جامع ترین آیت
۶۳۹	انسان کی بنیادی ضروریات	۶۳۹	اسلام کا عالمی پروگرام
۶۴۰	چمڑے کے خیمے	۶۴۰	تین مثبت چیزیں (۱) عدل
۶۴۱	سدا کی نعمت	۶۴۱	۲ - احسان
۶۴۲	بچاؤ کی قیدیوں	۶۴۲	۳ - قرابتہ اول کا حق
۶۴۳	الغاثات الہی کا شکریہ	۶۴۳	تین منفی چیزیں - ۱ - فحاشی
۶۴۴	درس سبست ۲۰ (آیت ۸۴ تا ۸۶)	۶۴۴	۲ - منکر
۶۴۵	آیات و ترجمہ	۶۴۵	۳ - سرکشی
۶۴۶	انسان کے خلاف گواہیاں	۶۴۶	درس سبست پانچ ۲۵ (آیت ۹۱ تا ۹۵)
۶۴۷	کفار کی بے بسی	۶۴۷	آیات
۶۴۸	شرکاء کا انکار	۶۴۸	رابط آیات
۶۴۹	عبد از مرگ و اولیاء	۶۴۹	تخریف معنوی کی جہارت

۶۹۰	رابطہ آیات	۶۶۸	عہد کی پابندی
۶۹۱	وقتی طور پر رخصت	۶۶۹	عہد شکنی کی ممانعت
"	دین کی خاطر قربانیاں	۶۷۰	اغیار کی عہد شکنی
۶۹۳	عبد اللہ بن خدیجہ کا ایمان	۶۷۱	گمراہی اور ہدایت کا راستہ
۶۹۴	اضطراری حالت کے مسائل	۶۷۲	بد عہدی ذریعہ فساد ہے
۶۹۵	عزیمت اور رخصت	۶۷۳ (آیت ۱۰۲۹ تا ۱۰۳۰)	درس ہفت و شش ۲۶
۶۹۷	درس ہفت نمبر ۲۹ (آیت ۱۱۳ تا ۱۱۴)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۶۷۵	فانی اور باقی مال
۶۹۸	رابطہ آیات	۶۷۶	حیات طیبہ
"	ذاتی طور پر جوابدہی	۶۷۹	ملاوت سے پہلے تعوذ
۶۹۹	پورا پورا بدلہ	۶۸۰	شیطانِ غلبہ
"	خوشحال بستی کی مثال		
۷۰۱	نماذری کی سزا	۶۸۲	درس ہفت و شش ۲۷ (آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵)
"	انکار رسالت پر عذاب	"	آیات و ترجمہ
۷۰۳	امن و امان کی ضرورت	۶۸۳	رابطہ آیات
۷۰۴	حلال اور طیب روزی	۶۸۴	نسخ آیات کی حکمت
۷۰۵	شکر گزاری	۶۸۶	نزل قرآن کی غرض
۷۰۶	درس سنی ۳ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۹)	"	روح القدس
"	آیات و ترجمہ	۶۸۷	نزل قرآن پر اعتراض
۷۰۷	چار حرام چیزیں	"	اس کا جواب
۷۰۸	۱۔ مردار	۶۸۸	منکرین قرآن کے لیے سزا
۷۰۹	۲۔ خون	۶۸۹	درس ہشت و شش ۲۸ (آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)
"	۳۔ خنزیر کا گوشت	"	آیات و ترجمہ



۷۲۳	رابط آیات	۷۱۰	۴۔ نذر غیر اللہ
۷۲۵	ہفتے کے دن کی تعظیم	۷۱۱	بحالت اضطراری
۷۲۷	جمعہ کے دن آسانی	۷۱۲	حالت و صرمت کا قانون
۷۲۸	فرضیہ تبلیغ (۱) حکمت	۷۱۳	وقتی محرمات
۷۲۹	۲۔ موعظت حسنہ	۷۱۵	رحمت الہی
۷۳۱	۲۔ مباحث بطریق احسن	۷۱۶	درس سی و یک (آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳)
۷۳۵	درس سی و دو (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۷۱۷	رابط آیات
"	زمانہ نزول	"	امامت ابراہیمی
۷۳۶	شان نزول	۷۱۹	اطاعت اور خلیفیت
"	انتظامی کارروائی کی حدود	۷۲۰	ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت
۷۳۹	صبر کی ترغیب	"	شکر نعمت
"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۷۲۲	دنیا کی بھلائی
۷۴۰	تعظیم اور شفقت	۷۲۳	ملت ابراہیمی کا اتباع
۷۴۱	معیت الہی	۷۲۴	درس سی و دو (آیت ۱۲۴ تا ۱۲۵)
		"	آیات و ترجمہ



سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ هِيَ ثَلَاثٌ وَالرَّجُزُ نِصْفُ آيَةٍ وَفِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ  
سورة رعد مدنی ہے یہ تتالیس آیات اور اس میں چھ رکوع ہیں

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْمَرْقَفِ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ  
رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ①  
اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا  
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ  
الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ②

ترجمہ :- الْمَرْقَفِ یہ آیتیں ہیں کتاب کی، اور وہ جو نازل کیا گیا  
ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کا جانب سے برحق ہے، لیکن  
اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ① اللہ کی ذات وہ ہے جس نے  
بلند کیا ہے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو۔  
پھر مستوی ہوا عرش پر اور اُس نے سخر کیا ہے سورج اور چاند  
کو۔ یہ سب چلتے ہیں ایک مقررہ وقت تک۔ وہ تدبیر کرتا  
ہے معاملے کی اور تفصیل بیان کرتا ہے آیتوں کی، تاکہ تم



اپنے رب کی ملاقات کے ساتھ یقین رکھو ②

نام اور  
کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ الرعد ہے۔ رعد بادل کی گرج کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں بادلوں اور انکی گرج کا ذکر ہے، اس لیے اس سورۃ کو رعد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ یوسف کی طرح یہ سورۃ بھی مکہ کی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔ یہ وہی دور ہے جب حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکار سخت مصائب کا شکار ہوئے تھے۔ اس سورۃ کی تینتالیس آیات، ۸۵۵ کلمات اور ۲۰۵۶ حروف ہیں۔ یہ زیادہ لمبی سورۃ نہیں بلکہ چھ رکوع کی درمیانی سورۃ ہے۔

مضامین سورۃ

سورۃ یوسف اور سورۃ رعد کے زمانہ نزول کی طرح ان کے مضامین بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یہی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ توحید کے ساتھ ساتھ شرک کی تمام اقسام کی تردید کی گئی ہے اور ایمان کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔ تو اس سورۃ رعد میں بھی بالعموم انہی چیزوں کا ذکر ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ ضمنی باتیں بھی آئیں گی۔ یہی سورتوں میں اصلاح عقیدہ کے موضوع کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کی فکر پاک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی عبادات، معاملات اور اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

محکمات  
تشابہات  
اور قطعاً

قرآن پاک میں تین قسم کی آیات آتی ہیں۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح اور حقیقت روشن ہو۔ ایسی آیات پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے دوسری قسم تشابہات کی ہے ان آیات کا معنی تو سمجھ میں آتا ہے مگر ان کی حقیقت انسانی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ جیسے اگلی آیت ۲ میں ہے

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر استوی ہوا۔ اس  
حصہ آیت کا معنی تو معلوم ہے مگر یہ حقیقت انسانی سمجھ میں نہیں آ سکتی  
کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استوی ہونے کی کیفیت کیا ہے۔ یہ مشابہت  
میں سے ہے۔ ایسی آیات کے متعلق سورۃ آل عمران میں حکم دیا  
گیا ہے کہ ان کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر دو۔  
آیات یا الفاظ کی تیسری قسم مقطعات کی ہے ایسے الفاظ کا مطلب  
تو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ امام جلال الدین  
سیوطیؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذلك  
یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ ہمارا فرض  
یہ ہے کہ ہم عقیدہ رکھیں کہ ان الفاظ سے اللہ نے جو بھی مراد لی ہے  
وہ برحق ہے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ہماری عقل ناقص اور ذہن  
کمزور ہے۔ اس لیے ہم ہر چیز کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے  
بعض چیزوں کا انکشاف اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا علم آخرت  
میں چل کر ہو گا۔ اس کی مثال کے طور پر محدثین کرام فرماتے ہیں، کہ  
تقدیر کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسکی حقیقت جنت میں جا کر کھلے گی، اسی  
طرح حروف مقطعات کے معانی ہیں۔ جنہیں ہم نہیں جانتے اور یہ  
اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ ہمیں صرف ان پر ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ  
برحق ہیں۔ ایسی چیزوں کو زیادہ کر یہ نے کی اجازت نہیں کیونکہ ایسا  
کرنے سے انسان گمراہ ہو سکتا ہے۔ لہذا تفسیر میں یہ طریقہ بہتر سمجھا جاتا  
ہے کہ انسان ایسی چیزوں میں زیادہ کرید نہ کرے۔

بحث برائے  
تقریب فہم

بعض مفسرین اور متکلمین مشابہات اور مقطعات میں محض  
اس لیے بحث کرتے ہیں کہ انسانوں کے اذہان قرآن کریم کے  
قرب رہیں اور لوگ اللہ کی کتاب سے دور نہ ہو جائیں۔ مگر نہ حقیقت



یہی ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے بھی حروف مقطعات کے متعلق کوئی بحث نہیں کی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں ذکر کرتے ہیں کہ ان حروف میں نہ تو آنحضرت نے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے کلام کیا ہے بلکہ آپ ان حروف کو اسی طرح پڑھتے رہے جس طرح یہ نام لکھے ہوئے ہیں، البتہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حروف کو من وعن تعلیم کر لو اور ان کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ پھر صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں جب عجم کے اکثر لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے متعلق کربہ کی تو ان کے بعض معانی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہوئے مگر یہ محض تقریب فہم کے لیے ہے، یقین سے پھر بھی کچھ نہیں کہا جاتا جب حضرت علیؓ سے تقریب کے مسئلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ فلا تفتحوا یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں، ان میں تحقیق نہ کرو، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ الٹا خرابی پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ بعض مفسرین اور محدثین الکمر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اجتماع کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں اور ان حروف مقطعات کا اشارہ رحمت خداوندی کے اکٹھا ہونے کے مقام کی طرف ہے۔ بعض ان حروف سے بلندی کا جھنڈا مراد لیتے ہیں اور یہ اُس شخص کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو قرآن کریم کی تعلیمات کو اپناتے گا۔ بعض فرماتے ہیں کہ علوم الہیہ یا معارف بانی کی چمک ان حقائق سے ہے جو اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں اور الکمر سے وہ حقائق مراد ہیں۔ علی ہامیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس سورۃ میں اللہ نے ہدایت اور رشد کی پوشیدہ باتیں اور لطائف و اسرار کو بیان کیا ہے اور ان حروف سے ہی چیز مراد ہے

۱۳۲  
الکمر  
کی تفسیر

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْقَمَر میں دس مراد الہامی لغات  
 ل سے لطف اور م سے لازوال ملک مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوا  
 کہ تمام نعمتیں، بے انتہا لطف اور لازوال بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ  
 ہی کو سزاوار ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْقَمَر محففت ہے  
أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ وَأَدْرِي یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں میں  
 جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ الْقَمَر سے وہ اسرار  
 لطیفہ مراد ہیں جو رشیدیہ مبنی ہیں اور شک کو زائل کرتے ہیں۔ امام رازیؒ  
 نے بعض بزرگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے أَنَا اللَّهُ الْعَلِيُّ الرَّحْمَنُ یعنی اللہ  
 فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں جو بادشاہ اور رحمان ہوں۔ بہر حال مختلف مفسرین

شاہ ولی اللہ  
 کی تفسیر

نے یہ مختلف معانی بیان کیے ہیں اور قرآن کریم انہی مطالب و معانی کا منظر ہے  
 امام شاہ ولی اللہؒ نے اپنی تین کتابوں الفوز الکبیر، الخیر الکثیر اور ہوامع  
 میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طریقے  
 سے سمجھایا ہے کہ الْقَمَر سے اُن عیوب کی طرف اشارہ ہے جو متہدک  
 عالم یعنی عالم بالا سے عالم متدنس میں آکر بنی آدم میں پائے جانے والے  
 قبائح کے ساتھ آکر ٹکراتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس مقام سے  
 قرآن پاک نازل ہوتا ہے وہ حظیرۃ القدس کا مقدس جہان ہے  
 جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے اور عالم متدنس یہ مادی جہان ہے  
 جہاں ہر قسم کی آلودگی، شر و رقت، بدعتی، بدعتی، بدعتی، کفر،  
 شرک، انفاق، الحاد اور گندگی پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ  
 ایمان، تقویٰ، نیکی اور طہارت بھی ملی جلی ہوتی ہے۔ تو عالم بالا سے  
 آنے والے علوم و معارف کا تصادم اس مادی جہان کی برائیوں سے  
 مسلل ہوتا رہتا ہے، چونکہ اس سورۃ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے  
 تو الْقَمَر سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حق و باطل ہمیشہ ٹکراتا رہتا



ہے جس سے حق واضح ہوتا ہے اور باطل مٹتا ہے۔

الکتاب

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ یہ آیات ہیں کتاب کی تفسیر میں لانا  
شاہ شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کتاب سے عظیم کتاب مراد ہے قرآن کریم  
ہی وہ عظیم کتاب ہے جو صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے اس  
کے علاوہ باقی تمام کتابیں مجازاً کتاب کہلاتی ہیں۔ حقیقی کتاب یہی ہے یہ  
خدا تعالیٰ کے علم اور صفت کا ظہور ہے۔

امام سیبویہ دوسری صدی ہجری کے امام ہیں۔ ایک موقع پر استاد  
کے سامنے عبارت پڑھتے ہوئے تلفظ کی غلطی کی تو استاد صاحب نے فرمایا  
کہ تم دین کی تعلیم حاصل کر رہے ہو مگر تمہارا تلفظ بھی درست نہیں امام صاحب  
یہ سن کر سخت افسردہ ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے پختہ  
ارادہ کیا کہ عربی قواعد کی تعلیم حاصل کیے بغیر آگے نہیں بڑھوں گا۔ چنانچہ  
انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ علم نحو کی تحقیق و جستجو میں گزار دیا جب آپ نے  
اس علم میں کمال حاصل کر لیا تو استاد کے پاس آئے۔ بہر حال امام صاحب  
نے علم نحو کی تحقیق میں دو ضخیم جلدوں میں کتاب نامی کتاب لکھی۔ اگرچہ  
یہ کتاب آجکل نہیں پڑھائی جاتی مگر اس سے اخذ ضرور کیا جاتا ہے اس  
کتاب کو بھی اس کی عظمت کی بنا پر "الکتاب" کہا جاتا ہے۔ تاہم سب سے  
عظیم الشان کتاب قرآن حکیم ہے اور اس کے متعلق یہاں ارشاد ہے کہ یہ  
الکتاب کی آیتیں ہیں۔

قرآن برحق

فرمایا یہ بڑی کتاب کی آیتیں ہیں، وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ  
رَبِّكَ الْحَقُّ اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے  
اتارا گیا ہے، وہ برحق ہے۔ حق کا معنی ثابت چیز ہوتا ہے جس میں شک و  
شہہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ قرآن پاک کو حق کہا گیا ہے۔ جس کے تمام علوم و  
معارف واقع کے مطابق ثابت ہیں اور اس میں کوئی غلط یا مشکوک چیز



شامل نہیں ہے۔ پھر اسی کتاب کے ضمن میں دین کے جو اصول شریعت  
 برکت ہیں، وہ بھی بلاشبہ حق ہیں۔ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ  
 لَا يُؤْمِنُونَ مَعَكُمْ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تاریخ  
 عالم گواہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اکثریت غلط عقیدے پر ہی رہی  
 ہے۔ لوگ صحیح عقیدے اور صحیح بات کو تسلیم کرنے کی بجائے فائدہ آتی،  
 قومی اور ملکی رسم و رواج کے پیچھے چلتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب  
 کے اصول و احکام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سابقہ سورۃ میں  
 بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے دین ہی رہی ہے  
 بہر حال یہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان بھی ہو گیا۔

آسمان کی  
 حقیقت

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو دلائل کے  
 ذریعے سمجھایا ہے اور ساتھ ساتھ قیامت کو بھی برحق قرار دیا ہے۔ ہر دو  
 مسائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ سے ہوتا ہے اللہ الذی  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اللہ کی ذات، وہ  
 ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جن کو تم دیکھتے ہو۔  
 یعنی نیکیوں آسمان تمہیں صاف نظر آرہا ہے۔ عربی میں اس کے لیے  
 خضراء یعنی سبزی مائل کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت  
 ابوذر غفاریؓ کی تعریف میں فرمایا مَا أَظْلَتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا أَقْلَتِ  
 الْغَبَرَاءُ عَلٰی ذِیْ لَهْجَةٍ أَصْدَقُ مِنْ آجِبِ ذَرٍّ  
 یعنی سبزی مائل آسمان اور گرد و غبار والی زمین کے درمیان حضرت  
 ابوذر غفاریؓ سے سچا آدمی کوئی نہیں ہے۔ یہ زہد و تقویٰ میں عیسیٰ ابن  
 مریم کے مشابہ ہیں۔ بہر حال آسمان کے لیے خضراء کا لفظ بھی استعمال ہوا  
 ہے۔ اگرچہ اس کی زنگت نیکیوں ہے۔

بعض لوگ آسمان کی حقیقت کے قابل نہیں بلکہ اسے محض

حدنگاہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آسمانی کائنات کی وضع قطع بھی زمین جیسی ہی ہے۔ دیگر آسمانی کریموں کی طرح زمین بھی ایک کمرہ ہے اور فضا میں مخلوق ہے۔ تیز ترین راکٹ کے ذریعے جو لوگ زمین سے بہت دور فضا میں چلے جاتے ہیں انہیں زمین بھی چاند، سورج اور دیگر سیاروں کی طرح ایک گول مٹول سیارہ ہی نظر آتی ہے مگر انہیں چاند روشن اور زمین تاریک نظر آتی ہے کیونکہ چاند کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں۔ بہر حال شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آسمان محض ایک حدنگاہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا ارشاد موجود ہے کہ اُس نے تمہارے لیے زمین کو فرش "وَالسَّمَاءَ بَنَاءً" اور آسمان کو چھت بنایا۔ ظاہر ہے کہ چھت ایک ٹھوس چیز ہوتی ہے جو دیواروں اور ستونوں پر کھڑی کی جاتی ہے، مگر آسمان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ چھت ضرور ہے مگر بغیر دیواروں اور ستونوں کے ہے بلکہ اللہ نے اُسے اپنی کمال قدرت کے سامنے کھڑا کیا ہے۔

سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ تمام آسمانی کمرے قانون کشش کے ذریعے اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں اور یہ آپس میں ٹکراتے نہیں آخر قانون کشش بھی تو خدا تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے جس نے تمام کروں کو مربوط بنا رکھا ہے جب تک یہ قانون موجود ہے۔ موجودہ نظام شمسی اسی طرح برقرار ہے۔ پھر جب اس قانون کو ختم کر دیا جائے گا تو سارا نظام درجہ بے رحم ہو کر کرات آپس میں ٹکرا جائیں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس دن آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر اس وقت تک یہ آسمان ایک حقیقت کے طور پر قائم ہے جس کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے



بلند کیا ہے جسے ہر شخص سچشم خود ملاحظہ کر رہا ہے۔

فرمایا اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو کھڑا کیا ثُمَّ اسْتَوٰی

عَلَى الْعَرْشِ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ یہ آیت اس لحاظ سے  
مثابہات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت  
کسی کو معلوم نہیں۔ چنانچہ متکلمین اس کی توجہ تین طریقوں سے کرتے ہیں  
بعض حضرات اس کو مجازی معنوں میں لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا عرش پر  
قائم ہونا اس طرح نہیں جس طرح ہم چارپائی یا کمرسی پر بیٹھتے ہیں بلکہ اس  
کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر خدا تعالیٰ کا کنٹرول ہے۔ عربی میں  
کہتے ہیں اسْتَوٰی بَشَرٌ عَلَى الْعِرَاقِ مِنْ غُلَبِ دِمَ مَهْرَاقٍ  
یعنی بشر عراق کا بادشاہ بن گیا بغیر خون کا قطرہ بہائے۔ تو یہاں پر استوی  
کا معنی اقتدار حاصل ہونا ہے یعنی اسے پورے عراق پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔  
بعض آئمہ کرام اور سلف صالحین استوی کا حقیقی معنی امرادیت لیتے

ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مجسمہ ہم اس کی کیفیت  
سے نااہل ہیں۔ ہم خدا کے بیٹھنے کو اس طرح محمول نہیں کر سکتے جس طرح  
ہم کسی چیز پر بیٹھتے ہیں۔ ہم مادی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہم جہاں بھی مقیم  
ہوں ہمارے دائیں بائیں آگے پیچھے، اوپر نیچے جہت ہوتی ہے۔  
اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ مادی تصورات، محسوسات اور جہت  
سے پاک ہے۔ لہذا اس کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت ہمارے  
ذہن میں نہیں آسکتی۔ ہم اسی چیز پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش  
پر مستوی ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس کے  
عرش پر بیٹھنے کی کیفیت کو متعین نہیں کر سکتے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس معاملہ کو آسان طریقے سے  
پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ارض و سما، ملائکہ، روح اور غلام



مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کر دہ ہے۔ اسی طرح عرش بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عرش سے نیچے کی تمام اشیاء مخلوق میں داخل ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراہ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی تجلی جب عرش پر پڑتی ہے تو سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ پھر اس تجلی کے اثرات نیچے تمام کائنات پر پڑتے ہیں اور پھر عرش کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو عرش پر پڑنے والی تجلی کو تجلی اعظم کہا جاتا ہے اور اسی تجلی کے لیے ہم اپنی زبان میں اللہ کا لفظ بولتے ہیں اسی کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ انسانی ذہن خدا تعالیٰ کی اس تجلی اعظم تک ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے جو انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حظیرہ القدس میں پہنچ جائے تو وہ تجلی اعظم کو نمایاں طور پر محسوس کر سکے گا۔ کیونکہ یہ وہاں پر براہ راست پڑ رہی ہے مگر اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے وہاں تک رسائی ممکن نہیں، البتہ مرنے کے بعد آخرت میں جا کر انسان تجلی اعظم تک ترقی کر سکتا ہے اور اس کو واضح طور پر سمجھ سکتا ہے۔

تسخیر شمس و قمر

فرمایا اللہ عرش پر مستوی ہوا و سحر الشمس والقمر اور اس نے سورج اور چاند کو مسح کر لیا ہے یعنی کام میں لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل یجبرئیل لاجل مسیحی ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت کے لیے چلتا ہے۔ سورج اور چاند اپنے اپنے راستے پر محو سفر ہیں سورج مکمل بارہ ماہ تک ایک ہی مدار میں چلتا ہے۔ جب کہ چاند ہر ماہ اپنا مدار تبدیل کرتا رہتا ہے۔ بہر حال اللہ نے ان کے لیے اپنی اپنی منازل مقرر کر دی ہیں جس میں وہ چلتے رہتے ہیں اور انسان

کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ سورج انسانی ضروریات کے لیے روشنی اور  
 حرارت بہم پہنچا رہا ہے اور اس کے اثرات سے اناج اور پھل پکتے  
 ہیں۔ چاند کی وہی روشنی سے پھلوں میں رس پیدا ہوتا ہے۔ سمندر کے  
 پانیوں میں مد و جزر کا عمل پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر ہواؤں پر بھی ہوتا  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورے نظام شمسی کو ایک مقرر مدت تک کے  
 لیے جاری فرمادیا ہے۔ جب یہ نظام اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے  
 گا تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور پھر دوسرا نظام شروع ہو جائیگا۔  
 فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اللّٰهُ تَعَالٰی ہر معاملے کی خود تدبیر کرتا ہے مگر**  
 اکثر لوگ صفت دوسروں میں تسلیم کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔  
 وہ غیر اللہ کو بھی تدبیر کنندہ مانتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ  
 ہے۔ پھر فرمایا **يُفَصِّلُ الْآيَاتِ اللّٰهُ تَعَالٰی آیتوں کو کھول کر بیان**  
 کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا۔ اور یہ اس لیے کرتا  
 ہے۔ **لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ رَبَّكُمْ تَوْقِنُونَّ** تاکہ تم اپنے رب  
 کی ملاقات پر یقین رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت واقع ہوگی اور  
 مرنے کے بعد اللہ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ وہاں حساب کتاب  
 کی منزل آئیگی اور ہر ایک کو اپنے کیے کا بھگتان کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے  
 توحید کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے کہ جب خدا قادر مطلق ہے، اس نے  
 آسمان کو بغیر ستاروں کے کھڑا کیا ہے، تمام معاملات کی تدبیر کرتا  
 ہے، تو کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ اللہ تعالیٰ  
 نے اپنی آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت پر  
 ایمان لاؤ اور بعث بعد الموت پر یقین رکھو۔

بعث بعد  
 الموت



وما ابرئ ۱۳  
درس دوم ۲

الرعد ۱۳  
آیت ۲ تا ۴

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ  
وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا  
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارُ إِنَّ فِي  
ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ③  
قَطْعُ مُتَجَوِّرٍ وَجَدَّتْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٍ  
وَنَخِيلٍ صُنُوفٍ وَغَيْرُ صُنُوفٍ يُسْقَى بِمَا وَاحِدٍ  
وَنُفْضِلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ④

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پھیلا  
ہے زمین کو اور رکھے ہیں اس میں بوجھل پہاڑ اور پانی کی نہریں  
اور ہر قسم کے پھلوں سے بنایا ہے اس (زمین) میں جوڑا جوڑا۔  
وہ اوڑھاتا ہے رات کو دن پر۔ بیشک اس میں البتہ  
نشانیوں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ③  
اور زمین میں مختلف خطے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ  
بٹے ہوئے، اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں  
اور کھجوریں ہیں ایک تنے سے نکلے ہوئے اور الگ الگ  
بھی۔ ان کو سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے، اور ہم  
فضیلت دیتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر کھانے



میں۔ بیشک اس میں البستہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (۴)

بط آیات

سورۃ رعد میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ البستہ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے۔ پہلی آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا۔ اس کے بعد دلائل قدرت میں سے علویات کا ذکر ہوا اور اللہ نے آسمانوں کی تخلیق اور عرش کو بغیر ستونوں کے قائم کرنے کا ذکر کیا۔ سورج اور چاند کی تسخیر کا ذکر کر کے اللہ نے پوری کائنات پر اپنے کنٹرول اور تسلط کا اظہار فرمایا۔ ابن بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت پر دلیل قائم کی اور سمجھایا کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ اب آج کے درس میں آیات سفلیہ کو توحید کی دلیل بنایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس پر پیدا کی جانے والی بڑی بڑی چیزوں کا تذکرہ کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ انسان دلائل قدرت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے لے آئے اللہ نے انسان کو اپنی عقل استعمال کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ جو لوگ عقل کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے یا غور و فکر نہیں کرتے ان کے لیے دلائل قدرت کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔

زمین کا  
پھیلاؤ

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وہ وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔ مد کا معنی پھیلا دینا یا ہموار کرنا ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِي کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ زمین کو بچھانے والا وہی ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو زمین کو معبود مانتے ہیں حالانکہ معبود تو وہ ذات ہے جس نے زمین کو انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی وضع ایسی بنائی ہے کہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔ زمین انسانوں کے پاؤں تلے روندی جاتی ہے تو یہ عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے؟

ایسا عقیدہ رکھنا تو نہایت ہی جہالت اور بے وقوفی کی بات ہے۔  
 یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین اسی طرح پھیلی ہوئی ہے  
 جس طرح زمین پر کوئی کپڑا یا چمڑا پھیلا دیا جاتا ہے؟ مفسرین کرام فرماتے  
 ہیں کہ زمین کے پھیلاؤ کا یہ مطلب نہیں ہے۔ چھٹی صدی کے عظیم  
 مفسر قرآن امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین گیند کی طرح گول ہے۔ یہ  
 ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس کا قطر چوبیس ہزار میل ہے۔ اب ظاہر  
 ہے کہ اتنی بڑی چیز کی گولائی تو نظر نہیں آ سکتی بلکہ جہاں بھی دیکھیں گے  
 یہ پھیلی ہوئی ہمارے ہی نظر آئے گی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ زمین سمیت  
 تمام کمرے گول ہیں۔ البتہ ان کی جسامت میں بڑا فرق ہے۔ زمین  
 اور سورج میں ایک اور تیرہ لاکھ کی نسبت ہے یعنی سورج زمین کی  
 نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور دونوں کا درمیانی فاصلہ نو کروڑ تیس  
 لاکھ میل ہے۔ جہاں تک چاند کا تعلق ہے، یہ زمین سے قدرے  
 چھوٹا ہے۔ زمین اور چاند کا درمیانی فاصلہ پونے تین لاکھ میل سے  
 سے پانچ لاکھ میل تک ہے۔ یہ تمام آسمانی کمرے ہماری زمین سے  
 دوری کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ زمین سمیت تمام  
 کمرے کو اللہ نے فضا میں معلق کر رکھا ہے جو کہ اُس کی قدرتِ تامہ  
 کا شاہکار ہے۔

سلسلہ ہاکوہ

فرمایا اللہ کی ذات وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا وحب جَل  
 رِفْہَارَ وَاِیسی وَاَنْہَرَا اور اس زمین میں بوجھل ہیاڑ اور پانی کی نہریں  
 رکھی ہیں۔ دنیا بھر میں اونچے اونچے ہیاڑ پائے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و  
 ہند کی شمالی سرحد یہ سلسلہ کوہ ہمالیہ تین ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے۔  
 اس میں مونٹ ایلورسٹ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے جو سطح سمندر سے  
 انتیس ہزار فٹ بلند ہے۔ پاکستانی سرحد کے ساتھ ملنے والا کوہ قراقرم



اور بعض درجہ ہاڑ پختیس ہزار فٹ بلند ہیں۔ ہاڑوں کے چھوٹے  
 بڑے سلسلے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پوانی ریاضی والے کہتے ہیں کہ  
 سطح ارضی پر تیس ہزار فٹ بلند ہاڑ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک  
 گزہ لمبی کسی چیز پر جو کے ستر صدیوں حصے کی کیا حیثیت ہے۔ اس طرح زمین  
 کے پھیلاؤ اور وسعت کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا ہاڑ بھی کوئی  
 حیثیت نہیں رکھتا۔ لہذا ہاڑوں کی موجودگی زمین کے پھیلاؤ پر کچھ  
 اثر انداز نہیں ہوتی۔ البتہ ہاڑی حصے کچھ اٹھہرے ہوئے نظر آئیں گے  
 جب کہ باقی زمین ہموار ہی نظر آئے گی۔ اسی لیے زمین کے لیے صد  
 کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر حقیقت میں زمین گیند کی طرح گول  
 شکل کی ہے۔

ہاڑوں  
 کے فائدے

سورۃ انبیاء میں زمین پر ہاڑ پیدا کرنے کی حکمت یہ بیان کی گئی  
 ہے اَنْ تَمِیْدَ بھرتا کہ زمین حرکت نہ کر سکے یا زمین مضطرب  
 نہ ہو۔ مفسرین نے تَمِیْدَ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ پہلا معنی تو  
 عام فہم ہے کہ زمین پر بوجھل ہاڑ رکھ دیے ہیں تاکہ اس کا توازن قائم  
 رہے اور یہ مضطرب نہ ہو یعنی ڈولنے نہ پائے مگر شاہ ولی اللہ محدث  
 دہلویؒ مضطرب کو اس معنی میں لیتے ہیں کہ اگر ہاڑ نہ ہوتے تو میدان  
 علاقوں کی انسانی زندگی مضطرب ہوتی کیونکہ وہ ہاڑوں سے پیدا ہونے  
 والی ضروریات زندگی سے محروم رہ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاڑوں میں  
 انسانی زندگی کی بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں۔ مثلاً ندی، نالوں اور دریاؤں  
 کے منبع جات ہاڑ ہیں۔ ہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر سینکڑوں سالوں  
 سے برف پڑی ہوئی ہے جو آہستہ آہستہ پگھل کر ندی نالوں کے لیے  
 پانی مہیا کرتی ہے۔ یہ پانی دریاؤں کے ذریعے میدانوں میں پہنچتا ہے  
 اور پھر دریاؤں سے نہریں نکال کر میدانی زمین کو سیراب کیا جاتا ہے۔



جس سے پھل سبزیاں اور انج پیدا ہوتا ہے۔ یہی پانی پہاڑوں کے اندر ہی اندر چلتا رہتا ہے اور کسی جگہ چشموں کی شکل میں ابل پڑتا ہے جس سے خود پہاڑی علاقوں کے انسان، جانور اور زمین سیراب ہوتی ہے پہاڑوں کی بعض جڑی بوٹیاں ہیں جو انسانی صحت کے لیے بڑی مفید ثابت ہوتی ہیں۔ تمام معدنیات مثلاً سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، ابرق، چونا اور پتھر پہاڑوں ہی کی پیداوار ہیں جو انسانی زندگی کے لیے نہایت مفید ہیں۔ پہاڑوں میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے درخت عمارتی اور دوسری کارآمد لکڑی مہیا کرتے ہیں، جو انسانی معاشرے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تجمید کا معنی یہ ہے پہاڑوں کی عدم موجودگی کی صورت میں انسانی زندگی مضطرب رہتی۔

وَمِنْ جَمْعِ الشَّجَرَاتِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے زمین میں ہر قسم کے پھل بھی پیدا کیے۔ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ زمین میں ان کا جوڑا جوڑا بنایا۔ زوجین کا ایک معنی نر اور مادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں میں نر اور مادہ پھل پیدا کیے ہیں۔ اور دو دو کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک پھل میٹھا ہے تو دوسرا پھل کاہ ہے ایک شرس ہے تو دوسرا ترش ہے یا ایک اعلیٰ درجے کا ہے تو دوسرا ادنیٰ درجے کا۔ ہم روزمرہ زندگی میں ایسے پھلوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ مختلف قسم کے پھل ہیں جن کی شکلیں مختلف ہیں۔ رنگ اور ذائقے مختلف ہیں۔ کہیں پھل کا پھل کام دیتا ہے تو کہیں میٹھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہیں ترش چیز درکار ہوتی ہے تو کہیں کسلا کام دیتا ہے گویا انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع پھل پیدا فرمائے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ یُعْشَى الْبَلِّ التَّهَارُ وَهَانُک

مختلف  
الانواع  
پھل

شب و روز  
کا تغیر

دیتا ہے رات کو دن پر۔ شب دروز کا آگے پیچھے آنا خود بخود نہیں  
 بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ دن کو ختم کر کے اس پر رات کو اور دینا  
 دیتا ہے۔ گویا دن پر رات کی چادر ڈال دیتا ہے۔ سورۃ نور میں ہے  
 "يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" اللہ تعالیٰ رات اور دن کو پٹیاں  
 دیتا ہے۔ کہیں رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں  
 دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ شب و روز کا یہ نظم  
 اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی حرکات سے پیدا کیا ہے۔ بسم کلیم  
 یعنی متحد دنیا میں دن اور رات کی طوالت قریب قریب ہوتی ہے البتہ زمین کے کسی ریل کیٹر  
 انتہائی شمال اور انتہائی جنوب میں دن اور رات کی طوالت میں بڑا فرق ہوتا ہے کہیں دو ماہ کی  
 رات اور دو ماہ کا دن ہوتا ہے اور کہیں دن اور رات کی طوالت چھ چھ ماہ تک ہوتی ہے مگر عام تمدن  
 دنیا میں دن اور رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوجاتے ہیں۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ  
 لِّهٰمُ مِّنْ تَفَكَّرُوْنَ بیشک ان تمام چیزوں میں البتہ نشانیاں  
 ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر انسان اس بات  
 میں غور کرے کہ اللہ نے یہ چیزیں کیوں پیدا کی ہیں، ان میں اختلاف  
 کیوں رکھا ہے۔ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو یہ چیزیں  
 پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسان لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان  
 تمام دلائل کو پیدا کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور یہی بات خدا تعالیٰ  
 کی وحدانیت کو باور کراتی ہے۔

آگے فرمایا وَفِي الْاَرْضِ قِطْعٌ مِّنْجُودٍ اور زمین  
 میں مختلف خطے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ساری  
 زمین ایک جیسی نہیں بلکہ متفاوت ہے مگر ہر خطہ ایک دوسرے  
 سے علا ہوا ہے۔ کسی علاقے کی زمین سیاہ ہے، کسی کی سرخ کچی  
 کی سفید ہے اور کسی خطے کی مٹیالی اور کوئی زمین سخت ہے اور کوئی نرم۔

زمینی  
خطے



کوئی ریتی ہے اور کوئی پتھر ملی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کے مختلف خطوں سے مختلف الانواع مٹی لے کر اُس سے آدم علیہ السلام کا مجسمہ بناؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح انسان کی تخلیق مختلف قسم کی مٹی سے ہوئی اُسی طرح ان کے اخلاق بھی مختلف ہیں۔ مٹی کی طرح کوئی سخت مزاج ہے اور کوئی نرم مزاج۔ بعض کلد والی زمین کی طرح نکمے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کے طبائع زر خیز زمین کی طرح بڑے باصلاحیت ہوتے ہیں گویا زمین کا اختلاف نوع انسانی کے اختلاف سے ملتا جلتا ہے۔ حضور کے فرمان کے مطابق تمام نسل انسانی میں مٹی کا اثر قیامت تک موجود ہے گا۔ بعض انسان پاکیزہ اخلاق ہوں گے اور بعض خبیث طینت، اسی طرح بعض لوگ خوش اخلاق ہوں گے اور بعض بد اخلاق۔ یہ تو اس زمین کا اثر ہے اور اس دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ قیامت کے بعد جب نئی زمین پیدا ہوگی تو وہ میرے یا چاندی کی مانند سفید ہوگی اور اس کے کسی حصے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ ساری زمین یکساں نوعیت کی ہوگی۔

اس زمین کے مختلف الانواع ہونے میں یہ حکمت بھی ہے کہ ہر حصے سے مختلف قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کہیں سے پٹرول نکل رہا ہے تو کہیں لکے کوئلہ اور لوہا برآمد ہو رہا ہے۔ کہیں مرمر کا پتھر یا اجاتا ہے تو کہیں سمنٹ اور چونا ملتا ہے۔ کہیں سونا چاندی ہے اور کہیں جواہرات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی ضروریات کی ہیں اور ایک حصے کی چیزیں دوسرے حصے کے بھی کام آتی ہیں اگر ساری زمین ایک سی ہوتی تو ایسی مختلف ضروریات زندگی کی تکمیل کیسے ممکن ہوتی؟



باغات اور  
کھیتیاں

فرمایا اللہ نے زمین میں مختلف خطے پیدا کیے ہیں وَجَدْتُمْ مِّنْ  
أَعْنَابٍ اور انگوروں کے باغات بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں مَنَعَهُ  
کھجور، انار کے آم اور انگور بھی بستی پھیل ہے۔ قَوْلُ رَجُلٍ اور اللہ  
نے کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں، جن میں اناج، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی  
ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے لازمی ہیں۔ وَجَدْتُمْ مِّنْ  
نَّخْلٍ اور بھی پیدا فرمائی ہیں۔ کھجور کا درخت بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے  
اس کی سیخڑوں قسमें ہیں جن کے مختلف ذائقے ہیں۔ ان کی  
منکلیں اور جہامت بھی مختلف ہے۔ کوئی لمبی ہے اور چھوٹی، کوئی  
سیاہ ہے اور کوئی سُرخ، کوئی گھٹلی والی اور کوئی بغیر گھٹلی کے، کوئی  
جلدی استعمال کرنے والی ہوتی ہے اور کوئی لمبے عرصہ تک کار آمد  
رہتی ہے۔ کھجور کے درخت بھی کوئی چھوٹے ہوتے ہیں اور کوئی  
بہت لمبے۔ بعض درخت صدیوں تک قائم رہتے ہیں اور پھل بھی  
دیتے رہتے ہیں۔ جبکہ اس کی بعض اقسام کم عمر بھی ہوتی ہیں۔  
حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کھجور کے درخت کو مومن انسان  
کے ساتھ بہت حد تک مشابہت ہے۔ جس طرح مومن ہمیشہ سربلند  
رہتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی سدا بہار ہے۔ جس طرح اس  
درخت سے لوگ ہر وقت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح مومن کے  
اعمال و اخلاق بھی انسانوں کے کام آتے ہیں کیونکہ مومن کا دل نورانی  
سے منور اور اس کا عقیدہ پاک ہوتا ہے۔ جس طرح کھجور کا درخت  
اوپر کی طرف فضا میں پھیلتا ہے اسی طرح مومن کے اعمال و اخلاق  
بھی پھیلتے ہیں۔ جس طرح کھجور کے درخت کی چوٹی بہت بلند ہوتی  
ہے، اسی طرح مومن کے اخلاق بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔  
اللہ نے کھجور کے درخت کے تذکرے میں فرمایا

مختلف اللہ نام  
درخت

صِنَوَانٍ وَغَيْرِ صِنَوَانٍ کہ بعض درخت ایک جڑ سے دو تنے والے ہوتے ہیں جب کہ بعض کا ایک جڑ پر ایک ہی تنہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے درخت کھجور کے بھی ہوتے ہیں اور بعض دوسرے بھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی حضرت عباسؓ سے کسی بات پر تلخ کلامی ہو گئی حضور کو پتہ چلا تو فرمایا اے عمرؓ! کیا تم نہیں جانتے اِنَّمَا الْعَمْرُ صِنَوَانٌ کہ چچا باپ کی شاخ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی درخت کی ایک جڑ سے دو تنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک دادا کی اولاد میں باپ اور چچا دو تنے یا دو شاخیں ہوتی ہیں۔ فرمایا عباسؓ میرے چچا اور واجب الاحترام ہیں۔ یاد ہے کہ حضور علیہ السلام کے چار چچا تھے۔ جنہوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ ان میں سے حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ نور ایمان سے مشرف ہوئے جب کہ ابو لہب اور ابوطالب کفر پر ہی گئے۔ البتہ ابو لہب حضور کا سخت دشمن جب کہ ابوطالب آپ کا ہمدرد تھا۔ اُس کے ایمان نہ لانے کا حضور کو بڑا افسوس تھا مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔ میں بہتر جانتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں، ہدایت دیتا ہوں فرمایا مختلف قسم کے درخت ہوتے ہیں کِسْفِيْ بِمَاءٍ وَاحِدٍ جنہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ وَتَفْضِلُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْاَكْلِ اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر کھانے میں۔ بعض نہایت ہی خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض پھکے، ترش یا بد ذائقہ، حالانکہ پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے۔ امام رازیؒ۔ امام ابو بکر حباصؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نیچر لوں کا رد ہے جن کا دعوئے ہے کہ ہر کام نیچر کے تحت خود بخود ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک ہی کھیت میں ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والا کوئی خر بوزہ میٹھا اور کوئی پھیکا نہ ہوتا بلکہ فطرت

کے قانون کے مطابق سب کا رنگ اور ذائقہ ایک ہی ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پھلوں کو پیدا کرنا پیچر کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ کا شاہکار ہے جس نے بعض درختوں اور پھلوں کو بعض دوسروں پر فضیلت بخشی ہے۔

فَرَأَىٰ الْإِنسَانَ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ  
 بیشک ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ زمین کے مختلف خطے، باغات، کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت نشانات قدرت میں ہے ہر فنی کمال شئی  
 دَلِيلٌ أَنَّهُ وَلِجَدِّانِ مِیں سے ہر چیز میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔ مگر یہ دلائل ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جو صاحب عقل ہیں۔ اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل کو استعمال نہیں کرتے۔ اَلصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُونَ (انفال) یہ بہرے، گونگے اور بے عقل ہیں۔ نیز فرمایا اُولَٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ان کو دلائل قدرت نظر آتے ہیں مگر یہ فلاح نہیں پائیں گے۔



وَإِنْ تَعَجَّبُ فَعَجَبُ قَوْلِهِمْ إِذَا كُنَّا تُرْبَاءَ إِنَّا  
لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ  
الْأَغْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ  
فِيهَا خَالِدُونَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ  
الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَتُ  
وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ  
وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُولُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا  
أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

ترجمہ :- اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کی بات  
زیادہ قابل تعجب ہے (جب کہ وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم  
مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔  
یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ، اور یہی  
لوگ ہیں کہ طوق ہونگے انکی گردنوں میں، اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے  
جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ⑤ اور آپ سے جلدی طلب  
کرتے ہیں یہ بُرائی کو بھلائی سے پہلے۔ اور تحقیق گزر چکی ہے  
اس سے پہلے مثالیں (عذاب کی)۔ اور بیشک تیرا پروردگار

البتہ بخش کر نیولا ہے لوگوں کیلئے باوجود اُن کی زیادتی کے اور بیشک  
تیرا پروردگار البتہ سخت سزا دینے والا ہے ۶ اور کہتے ہیں وہ  
لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر  
کوئی نشانی اس کے پروردگار کی طرف سے۔ بیشک آپ  
ڈر سناٹے میں ہیں اور ہر قوم کے لیے ہادی ہوا کرتے ہیں ۷

رہط آیات

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامر اور حکمت بالغہ  
پر مشتمل بعض دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔ زمین اور اس میں پیدا ہونے والے مختلف  
قسم کے درختوں اور پھلوں کا ذکر فرمایا۔ سارے ایک پانی سے سیراب ہونے والے  
پھلوں کے ذائقے اور رنگ مختلف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت  
کا کام ہے۔ فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اُن لوگوں کے  
لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں۔ جو ایسا نہیں کرتے  
ان کو یہ واضح دلائل بھی کچھ مفید نہیں ہوتے، وہ اپنی جہالت اور نادانی میں ہی  
پڑے رہتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے  
اور ساتھ ساتھ کافروں کی ضد اور ہٹ دھرمی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی  
بھی دی ہے۔

قیامت  
کا انکار

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ تَعَجَّبْ اَکْرَآپ تعجب کریں اس بات پر کہ یہ  
لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید، بعث بعد الموت اور محاسبہ اعمال پر ایمان کیوں نہیں لاتے  
فَتَعَجَّبْ قَوْلُهُمْ تُوَان کی یہ بات زیادہ تعجب انگیز ہے عَا اَکْنَا  
تُرَابًا کیا جب ہم مرکب مٹی ہو جائیں گے ہمارے اجسام ذرات بن کر خاک میں  
مل جائیں گے عَا اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیدٍ تو کیا ہم نے سکرے سے پیدا ہوں  
گے؟ کفار کی یہ منطق سورۃ السم سجدة میں اس طرح بیان ہوئی ہے عَا اِذَا  
ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ عَا اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیدٍ جب ہمارے اجزاء  
زمین میں رُل مل جائیں گے تو کیا ہم پھر سے دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ سورۃ



الَّذِينَ عَمِلُوا فِي الْحَيَاةِ كُفَّارًا كَمَا يَبَيِّنُ بَيَانٌ بَيِّنٌ مَذْهُوبٌ عَنْهُمْ "عَٰذَا كُنَّا عِظَآءَ مَآخِزَةٍ"  
 کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہو جائیں گے؟ گویا  
 اُن لوگوں کا بعث بعد الموت پر یقین نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا ان کا  
 انکار نہایت ہی تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے  
 اس عظیم کائنات کو بغیر مادے، سابقہ نمونے اور آسے کے پیدا فرمایا  
 تو انسان جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لیے کون سی —  
 مشکل بات ہے وہ تو پہلے بھی انسان

کو پیدا کر چکا ہے، تو اب اس کو دوبارہ کیوں نہیں کھڑا کر سکے گا؟  
 بہر حال وہ لوگ قیامت کے وقوع اور دوبارہ زندگی پر تعجب کرتے تھے  
 کفار کی دوسری تعجب انگیز بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے "أَجْعَلِ  
 ٱللَّهُ لِهَٰٓئِلِهِآ إِلَٰهًا وَآٰلِهَةً مِّثْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰذَا كُشًى عِزٌّ بَعْجَابٌ"  
 (ص) کیا تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی پوجا کی جائے،  
 یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ہر کام کے لیے  
 علیحدہ علیحدہ معبود بنا رکھے ہیں جو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں لوگوں کی بگڑی  
 بناتے ہیں، ان کی عاجزی روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں، بھلا تے  
 ہمارے کام صرف ایک معبود کیسے انجام دے سکتا ہے۔ یہ تو ناممکن  
 بات نظر آتی ہے۔ اللہ نے ان کی دونوں باتوں کی نفی فرمائی ہے  
 اُس کی قدرت میں وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال بھی ہے اور  
 کائنات کے تمام امور اللہ وحدہ لا شریک ہی انجام دینے پر قادر ہے  
 اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔

فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ یَٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا  
 جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، اس کی قدرت کا یقین نہ کیا اور  
 اس کی صفت ہی کو نہ پہچانا۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد کون زندہ ہوگا



مگر اللہ نے فرمایا مَلٰی وَعَدًا عَلَیْہِ حَقًّا (النحل) ہمارا وعدہ بالکل سچ ہے اور ہم ایسا ضرور کریں گے مگر افسوس کہ آخر لوگ نادانی میں ٹپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی سزا بھی سن لیں وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَٰکُ فَتِ آعَنَاقِهِمْ قِیَٰمَتِ وَالْءِ دِنِ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے جو کہ ذلت کی نشانی ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں باطل کو سینے سے لگائے رکھا، قیامت والے دن یہی چیز ان کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ سورۃ لیس میں ہے اِنَّا جَعَلْنَا فِتْنَةً اَعَنَاقِهِمْ اَعْلَٰکَ فِہِی الْحَبَّ اَلْذَّقَانِ فِہِمْ مَقْمَحُوْنَ ان کے گلے میں طوق ہوں گے جن کی وجہ سے ان کی گردنیں اُپر کو اٹھی ہوں گی۔ اور پھر مجرموں کو کھینچنے کے لیے بڑی بڑی زنجیریں ہوں گی سُوْرۃ الْحَاقَّةِ میں ہے فِ سِلْسِلَۃٍ ذُرْعُہَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا تَرْتَرُ گزہ زنجیریں ہونگی جن سے باندھ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں بیڑی یا تھکڑی لگی دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص دین میں ثابت قدم ہے اور یہ اس کے حق میں اچھی علامت ہے۔ اور اگر کوئی گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھے تو یہ ذلت کی نشانی ہے۔ غرضیکہ مشرکین کی شرکیہ باتیں۔ باطل رسم و رواج اور کفریہ کلمات ہی قیامت کے دن اُن کے گلے کا طوق بن جائیں گے۔ بخل کے متعلق بھی سورۃ آل عمران میں آتا ہے۔ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہِ بَخْلِ کی وجہ سے اُن کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ بن کر بخل کو ڈسے گا۔ کیونکہ اس نے دنیا میں مال کا حق ادا نہیں کیا۔ زکوٰۃ نہیں دی یا معاشرے کے کمزور لوگوں کا خیال نہیں رکھا۔ فرمایا

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هِيَ لَوْكَ دوزخ والے ہیں، وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہوگی کیونکہ کفر اور شرک کی سزا دائمی ہے۔ البتہ اعمال کی خرابی کی سزا وقتی ہوگی۔ جو کہ تطہیر قلب کے لیے دی جائے گی۔

بھلائی  
سے پہلے برائی

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین کی ایک اور خرابی کا ذکر فرمایا ہے وَكَيْتَجْعَلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ یہ لوگ آپ سے بھلائی سے پہلے برائی کو چاہتے ہیں۔ بھلائی تو ایمان قبول کرنے اور نیکی اختیار کرنے سے آتی ہے مگر یہ تو انہوں نے کیا نہیں وہ اپنے کفر اور شرک پر اڑے ہوئے ہیں اور خود اپنی زبان سے عذاب طلب کرتے ہیں۔ سورۃ انفال میں ان کا یہ بیان موجود ہے "اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَافَةً مِنَ السَّمَاءِ" اے اللہ! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پھروں کی بارش برسائے یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "أَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَكَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا يَأْخُذُ بِآسْمَانِ" کا کوئی ٹکڑا ہی گرا دے ہم تو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنے بے وقوف لوگ ہیں جو اپنے مومنوں سے سزا کے طالب ہیں اور جب یہ سزا آجاتی ہے تو پھر ٹالی نہیں جاتی۔ فرمایا وَقَدْ خَلَلْتُ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَاتُ اور اس سے پہلے اس قسم کی سزائوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اللہ نے نافرمانوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا مگر یہ لوگ اُن مثالوں کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں



کرتے بلکہ کفر و شرک پر اصرار کر کے ویسی ہی سزاؤں کا دوبارہ مطالبہ کر رہے ہیں جو کہ سخت نادانی کی بات ہے۔

معافی اور  
سزا

فرمایا **وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ذَٰلِكُمْ ظَلْمٌ مِّمَّا تَكْمُلُونَ ۚ** رَبُّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ بِشَاكٍ تِرَاقِبُ رِدْكَارِ الْبَتَّةِ بَخْشِشِ كَرَمِ نَعِ وَالَاہِ لَوُكُوسِ كے لیے باوجود ان کے ظلم اور زیادتی کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور دوسری یہ کہ جو شخص اپنے عقیدے اور فکر کو پاک کر لیتا ہے اُس کے لیے بخشش کا ذریعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لَنَبِيٍّ عِبَادِي عَفَا** اَفِئْتَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيمُ (الحجر) میرے بندوں کو مطلع کرو کہ میں بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں، اور میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ایک طرف تو تیرا رب زیادتی کرنے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے والا ہے اور دوسری طرف **وَرَانَ رَبُّكَ لَشَدِيدٌ** الْعِقَابِ خداتعالیٰ سخت سزائینے والا بھی ہے۔ انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کسی کو مہلت ملے تو اُسے مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خداتعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ حضرت سعید ابن مسیب کی روایت میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی معافی اور درگزر نہ ہو تو انسانوں کے لیے زندگی قطعی خوشکوار نہ ہوتی بلکہ نہایت تلخ ہوتی۔ فرمایا اگر خدا کی گرفت نہ ہوتی تو لوگ بھروسہ کر کے ہی بیٹھ جاتے، گویا معافی اور سزا کا قانون ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسی لیے امام ابو حلیفہ فرماتے ہیں۔ **اَلَا يُحٰمَنُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا** یعنی انسان کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ انسان کو اللہ کی پکڑ کا ڈر بھی ہو اور اس



کی بخشش کی اُمید بھی۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ ایک بزرگ ابو حسان حسن ابن عثمانؒ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ایک آدمی کی سفارش فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اَلَمْ يَكْفِكَ کیا آپ کے لیے سورۃ رعد کی یہ آیت کافی نہیں ہے "وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ" یعنی تیرا پروردگار لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود بخشنے والا ہے۔ بشرطیکہ فکر پاک ہو۔

محب  
کی حالت

کفار کی ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا  
وَقِيلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا كُفُّوا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ  
کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پیغمبر پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر خود اپنے منہ سے طلب کرتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر بے شمار نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں مگر ضدی لوگ محض اپنی من مانی نشانی پر اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مکے میں باغ لگ جائیں، ان میں نہریں جاری ہوں آپ بیٹھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے سامنے کتاب لائیں فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں یا خدا خود سامنے آکر کھڑا ہو جائے (العیاذ باللہ) کوئی منصف مزاج آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ مگر یہ ایسی جاہل قوم تھی کہ من مرضی کی نشانی پانے کے باوجود انکار کر دیتے تھے۔ انہوں نے شوق القہر کا معجزہ خود طلب کیا، مگر جب ظاہر ہو گیا تو کہنے لگے "بِسِحْرِ مُّسْتَمَرٍّ" یہ تو چلتا ہوا جادو ہے یعنی مجھ نے جادو کر دیا ہے۔ تو فرمایا کافر کہتے ہیں کہ نبی پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ اس کے جواب میں

اللہ نے فرمایا کہ تباہیوں کا ظاہر کرنا نبی کا کام نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا کام ہے، وہ جب چاہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر کرے کوئی نبی اپنی مرضی سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا۔

ہر قوم کے  
یہ ہادی

اللہ نے فرمایا، اے نبی علیہ السلام! اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ  
آپ تو ڈرسانے والے ہیں۔ آپ لوگوں کو شدید محاسبے اور عذاب سے  
ڈرائیں کہ آگے ایک منزل آنے والی ہے، اس کے لیے تیاری کریں  
ہر نبی کو اللہ نے مبشر اور منذر بنا کر بھیجا ہے "رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ  
وَمُنْذِرِينَ" (النساء) انبیاء کے علاوہ ان کے پیروکار بھی منذر  
ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھی اہل حق ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو کفر، شرک،  
اور معاصی کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا آپ تو ڈرسانے  
والے ہیں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ہر قوم کا ہادی ہوتا ہے۔ یہ  
سنت اللہ ہمیشہ جاری رہی ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں  
اللہ نے اپنے آخری نبی کو بھی ہادی بنا کر بھیجا ہے آپ کا کام ہدایت  
کا راستہ دکھانا اور ڈرسانا ہے۔ لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنا آپ کے  
فرائض میں شامل نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سابقہ انبیاء خاص  
خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے  
متعلق فرمایا "وَرَسُولًا اِلَىٰ بَنِي اِسْرٰٓئِیْلَ" (آل عمران) یعنی آپ  
کو نبی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو  
تمام اقوام عالم کی طرف نبوت عامہ عطا کی گئی۔ آپ ہر قوم کے ہادی اور  
راہنما ہیں سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے "فَلْيَايْتَهَا النَّاسُ  
اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِیْعًا" اے نبی علیہ السلام! آپ  
کہہ دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں آپ کے علاوہ  
اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت عامہ سے سرفراز فرمایا



”اِنْخُذْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا“ (البقرہ) حضور علیہ السلام تمام قوموں کی طرف رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ مجھے تمام کالے اور سرخ لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اس میں ہر قوم اور ہر ملک چین، جاپان، روس، امریکہ، افریقہ اور ایشیائی ممالک شامل ہیں۔ سورۃ العام میں ہے کہ آپ کو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے ”لِتُنذِرَ اُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا“ تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و پیش کے لوگوں کو ڈرائیں۔ اور فرمایا یہ قرآن آپ کی طرف اس لیے نازل کیا گیا ہے ”لَا نُنذِرُكُمْ بِهِ وَمَنْ“ تاکہ آپ ان کو بھی ڈرائیں اور ان کو بھی جہاں تک یہ قرآن پہنچے۔ تمام جہان والے آپ کے مخاطب ہیں۔ آپ کو تسلیم کیے بغیر کسی کے لیے ہدایت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ بہر حال اللہ نے ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے۔



اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ  
 الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ⑧  
 عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَاءٌ  
 مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَعَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ  
 هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهُ  
 مُعَقَّبَاتٌ مِنْ أَبْيَنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ  
 يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ  
 حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ  
 سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ  
 مِنْ وَّالٍ ⑪

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ وہ ہے جو جانتا ہے وہ جو اٹھاتی

ہے ہر مادہ اور جو سکھتے ہیں رحم اور جو بڑھتے ہیں۔ اور

ہر چیز اُس کے نزدیک ایک خاص اندازے کے مطابق

ہے ⑧ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کا اور ظاہری

باتوں کا۔ وہ بڑا ہے اور سب سے برتر ہے ⑨ برابر

ہے تم میں سے جو پوشیدہ بات کرتا ہے اور جو پکار کر

کرتا ہے وہ بات۔ اور وہ جو چھپنے والا ہے رات

کے وقت اور جو چلنے والا ہے دن کے وقت ⑩ اُس کیلئے آگے پیچھے آنوالے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اُسکی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں تبدیل کرتا کسی قوم کی حالت یہاں تک کہ وہ تبدیل کریں جو کچھ اُنکے نفسوں میں ہے۔ اور جب ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا، پس نہیں کوئی اُس کو پھیرنے والا، اور نہیں ہے اُن کے لیے اُس کے سوا کوئی کارساز ⑪

جیسا کہ سورۃ ہذا کے تعارف میں بیان ہو چکا ہے، اس میں بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ اللہ نے ابتداء میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کرنے کے بعد توحید کے دلائل ذکر کیے۔ ان دلائل میں سے بعض کا تعلق عالم بالا سے اور بعض کا عالم زیریں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا گیا ہے اور درمیان میں حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر بھی آگیا ہے اب آج کے درس میں بھی توحید ہی کے دلائل بیان کیے گئے ہیں جن پر غور کر کے انسان مسئلہ توحید کو پہچان سکتا ہے اور اپنے ایمان کو درست کر سکتا ہے۔

شکم مادر میں  
بچے کی کیفیت

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ اٹھاتی ہے ہر مادہ۔ مادہ سے مراد عورت بھی ہو سکتی ہے اور ہر جانور کی مادہ بھی جس کے رحم میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وہی جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ مطلب یہ کہ پیدا ہونے والے بچے کی تفصیلات سے نہ تو بچے کی ماں واقف ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص جانتا ہے بلکہ اس کی اصل کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ موجودہ میڈیکل سائنس اس حد تک تو ترقی کر چکی ہے کہ یہ بتا سکے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی مگر یہ کوئی نہیں بتائیگا کہ پیدا

ہونے والا بچہ تمام الخلق ہو گا یا ناقص الخلق اس کا رنگ کالا ہو گا یا گورا۔ یہ بڑا ہو کر سعادت مند ہو گا یا شقی۔ یہ کس وقت پیدا ہو گا، اس کی عمر کتنی ہو گی، دولت مند ہو گا یا مفلس، تعلیم پتہ ہو گا یا نہیں۔ فرمایا ان تمام چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے جو خالق اور مالک ہے اور یہی اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزِدُّهُ الرَّحْمُ مَادَرُكَ سَكْرَتِهِ اور پھیلنے کو بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ رحم میں موجود مادے کی مقدار کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ۔ اس کی مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ہر چیز اس کے نزدیک ایک بانہ کے مطابق ہوتی ہے۔ بعض اوقات رحم میں صرف ایک بچہ ہوتا ہے جب کہ بعض اوقات دو یا زیادہ بھی ہوتے ہیں، اور بعض اوقات رحم بالکل خالی ہوتا ہے۔ عام طور پر صحت مند بچے کے لیے مدتِ حمل نو ماہ ہوتی ہے مگر بعض اوقات کچھ ماہ پر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض حمل قبل از وقت بھی گر جاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کچھ رحم مادر میں مدتِ حمل نہیں پوری کر سکا۔ بعض اوقات مدتِ حمل نو ماہ سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ تجربات کی بنا پر فرماتے ہیں کہ مدتِ حمل کے چار سال تک طویل ہونے کے شواہد بھی ملے ہیں امام شافعیؒ بھی زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل چار سال تک بتاتے ہیں جب کہ امام مالکؒ پانچ سال تک کے قائل ہیں۔ امام ضحاکؒ تین یا چار سال تک شکمِ مادر میں رہے اور پیدائش کے وقت ان کے دانت بھی نکلے ہوئے تھے۔ بہر حال مدتِ حمل کے کم و بیش ہونے کی حکمت کو بھی اللہ ہی



بہتر جانتا ہے۔  
 رہی یہ بات کہ ایک عورت کے ہاں بیک حمل کتنے بچے پیدا ہو سکتے ہیں اس  
 کی کوئی انتہا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بیک وقت چار بچے ہو سکتے  
 ہیں اور بعض چھ یا زیادہ کی تعداد بھی متعین کرتے ہیں، تاہم تجربات اس  
 سے زیادہ کے بھی ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں ہندوستان میں قاضی  
 قدوہ گزرے ہیں۔ ان کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر منظری میں  
 انکشاف کرتے ہیں کہ ان کی بیوی کے ہاں ایک حمل میں سو بچے پیدا ہوئے  
 اللہ کی قدرت وہ سارے کے سارے اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے  
 اور حسب معمول مختلف کام کاج کرتے رہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ  
 کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے  
 غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ شکم مادر کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے، اور  
 اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ ہے۔

عالم الغیب  
 والشہادت

آگے ارشاد ہے عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہی اللہ پوشیدہ  
 اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔  
 وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ (یونس)  
 کائنات میں ذرے کے برابر بھی کوئی چیز تیرے رب سے غائب  
 نہیں ہے۔ اس کی نظر تو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر  
 چیز پر ہے۔ مگر یہاں پر غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کی  
 نسبت سے غائب ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔  
 بعض چیزیں ملائکہ کی نسبت سے بھی غائب ہیں اور بعض ان کے سامنے  
 ہیں۔ بعض چیزوں کا احساس انسان کو جو اس کے ذریعے ہوتا ہے اور  
 اور بعض چیزیں۔ وراء المحسوسات ہیں یعنی وہ عقل و حواس سے باہر ہیں۔

تو ہر حال وہ تمام چیزیں جو انسانوں کی نسبت سے غائب ہیں اور جو چیزیں سامنے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ عالم الغیب و الشہادۃ کا یہی معنی ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات الٰہیہ ہے یعنی وہ بہت بڑی ہستی ہے۔ اس کی وسعت کو کوئی نہیں جان سکتا اور نہ کوئی اس کے علم اور قدرت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ المتعال یعنی بہت بلند و برتر ہے۔ اُس کو ہر قسم کا تصرف حاصل ہے۔ وہ ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے، وہ قدرت نامہ اور حکمت بالغہ کا مالک ہے، لہذا جو چاہے سو کرے، اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

فرمایا سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ جو کوئی تم میں سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کرتا ہے یا ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے سب برابر ہے۔ وہ ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہے وہ تَوَعَّلٰیہُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے جو سینوں کے رازوں کے بھی واقف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بھی برابر ہے وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ جَوَارِتِ کے وقت چھپنے والا ہے۔ بعض لوگوں کا کاروبار رات کے وقت شروع ہوتا ہے چور اور بدکار لوگ اپنا کام رات کے وقت انجام دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ سکیں۔ یہ رات کے وقت چھپنے والے لوگ ہیں وَمَسَادِبُ بِالنَّهَارِ اور دن کے وقت چلنے والے بھی اللہ کے ہاں برابر ہیں جو لوگ دن کے وقت کاروبار کرتے ہیں۔ گلی کو چوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں۔ گویا اس کی نظروں سے رات اور دن میں کوئی بھی غائب نہیں، وہ سب کو جانتا ہے۔ انسان کسی بھی



حالت میں ہوں، اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ وہ ان پر نظر رکھتا ہے اور  
اُن کا ضرور محاسبہ کریگا، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور خصوصیت ہے  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَہٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَیْنِ يَدَیْہِ  
وَمِنْ خَلْفِہٖ ہر شخص کے لیے آگے پیچھے آنے والے  
مقرر ہیں، اُس کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ اس سے مراد اللہ کے  
فرشتے ہیں جو اُس نے ہر آدمی کے لیے بطور نگران مقرر کر رکھے ہیں۔  
يَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُس  
 شخص کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی دو طرح کی حفاظت  
 کا انتظام کر رکھا ہے۔ ایک تو ہر شخص کے اعمال کی حفاظت کا کام ہے  
 اور اس کے لیے اللہ نے کرامات کا تین دو فرشتے لگا رکھے ہیں۔ دائیں  
 طرف والا نیک اعمال لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بُرے اعمال  
 محفوظ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سورہ ق میں موجود ہے ”مَا یَلْفِظُ  
 مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ“ جو بھی کلمہ انسان کی زبان سے  
 اچھا یا بُرا نکلتا ہے، فرشتے فوراً لکھ لیتے ہیں۔ یہ فرشتے دن اور رات  
 کے لیے الگ ہوتے ہیں۔ دن کے فرشتے عصر کے وقت تبدیل ہو جاتے  
 ہیں اور رات کے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور ان  
 کی جگہ دن کے فرشتے ڈیوٹی سنبھال لیتے ہیں۔ اسی لیے عصر اور فجر کی دو  
 نمازیں بڑی اہم ہیں کہ ان اوقات میں فرشتے ہر انسان کے متعلق رپورٹ  
 پیش کرتے ہیں۔ بہر حال یہ سلسلہ انسان کے ساتھ عمر بھر قائم رہتا ہے،  
 پھر جب وہ فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا مکمل نامہ اعمال اُس کے گلے  
 میں لٹکا دیا جاتا ہے جو قیامت کے دن کھول کر اُس کے سامنے رکھ  
 دیا جائے گا۔ اسی طرح گویا ہر انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ محفوظ ہو جاتا  
 ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر عمل کو احاطہ تحریر میں لانے کے

اللہ کا  
 حفاظتی  
 نظام



علاوہ ان کی شکل و صورت بھی بنائی جاتی ہے۔ جب فرشتے بعض اعمال کی شکل بنانے سے عاجز آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عمل کو اسی طرح لکھ دو، اس کی شکل و صورت میں خود بنا لوں گا۔

انسان کے اعمال کے حفاظتی فرشتوں کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ بعض ایسے فرشتے بھی مقرر ہیں جو اُسے موزی جانوروں اجناس اور شیاطین کے شر اور ہر قسم کے حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ حفاظت اُس وقت تک ہوتی رہتی ہے۔ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو حفاظت اٹھالی جاتی ہے اور فوراً کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل حفاظتی نظام قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعے ہر شخص کی جان اور اس کے اعمال کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ فریضہ آگے پیچھے یعنی یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے انجام دیتے ہیں۔

امام ابن جریر، قاضی شہداء اللہ پانی پتیؒ اور امام شاہ ولی اللہؒ نے کناہ عددی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہر انسان کی حفاظت کے لیے کتنے فرشتے مقرر ہیں آپ نے فرمایا کہ دو فرشتے تو دائیں بائیں اعمال کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں اور دو آگے پیچھے حفاظت کے لیے ہیں۔ دو فرشتے ہر انسان کی آنکھوں پر مقرر ہیں اور دو ہونٹوں پر۔ ایک فرشتہ منہ پر مقرر ہے کہ کوئی خطرناک چیز منہ میں نہ چلی جائے اور ایک فرشتہ پیشانی پر مقرر ہے اس طرح ہر انسان کے ساتھ کل دس فرشتے بنتے ہیں۔ لیکن امام ابن جریرؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ جو فرشتے اُس کے اعمال اور اس کے جسم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں، ان کی کل تعداد تین سو ساٹھ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہ روایت ابو یعلیٰ کے





ہے اور آٹھ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ قوم کسی ٹھکانے پر لگتی نظر نہیں آتی اس وقت مسلمانوں کا پورا نظام بگڑ چکا ہے۔ فواحش، خور و ہاشا اور خود غرضی کا دور دورہ ہے جسے مسلمان ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہر شخص آرام طلب ہو چکا ہے۔ محنت سے جی چراتا، عیاسیوں کو اسی آرام طلبی اور حب مال و جاہ نے تباہ کیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں مسلمانوں میں انفرادی طور پر تو بڑے اچھے لوگ بھی موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے مگر ان کی اجتماعی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ صفین کے واقعہ تک اور پھر کچھ عرصہ بعد تک بھی مسلمان اجتماعی حیثیت سے قابل رشک تھے مگر بعد میں خود غرضی کی وجہ سے ان کی حالت کافروں سے بھی بدتر ہو گئی ہے پورے یورپ اور امریکہ میں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا۔ مگر ہمارے ایشیائی ممالک میں ہر گلی کوچے اور بازار میں بھکاری آپ کا پیچھا کرتے ہیں۔ انگریزوں میں فحاشی اور عیاشی ضرور ہے۔ مگر بھکاری کوئی نہیں، کیونکہ وہ ہر بیکار آدمی کو گزارہ الاؤنس دیتے ہیں مادی ترقی کا جذبہ بھی مسلمانوں کی نسبت کافروں میں بہت زیادہ ہے جاپانی اپنے ملک کی خاطر ہم لے کر چینیوں میں کود گئے وہ لوگ محنت کے عادی ہیں۔ وقت کو ضائع نہیں کرتے جب کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کھیل کود کے دلدادہ ہیں۔ فضول رسومات۔ لڑائی جھگڑا، اخلاقی مسلمانوں کے مشاغل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ذلت میں مبتلا اور اغیار کے دست نگر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب تک مسلمان خود اس حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس تیس حالت کو تبدیل نہیں کرے گا۔

فرمایا: **وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا** اور جب اللہ تعالیٰ کسی



قوم کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے خود قوم اے  
 اباب پیدا کر لیتی ہے تو فرمایا فَلَاحَ مَرَدُّ لَہُ ' تو اس بُرائی کو پھر کوئی  
 ٹال نہیں سکتا۔ پھر وہ ذلت کے گڑھے میں ہی گرتے ہیں۔ وَمَا  
 لَہُمْ مِّنْ دُونِہِ مِنْ وَّالٍ پھر ان کے لیے  
 خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار اور کار ساز بھی نہیں ہوتا۔ وہ لاکھ شریک  
 عقائد کو اپنائیں، غیر اللہ سے مدد مانگیں، مگر ان کی کہیں شنوائی نہیں ہو  
 گی اور کوئی بھی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

---

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ  
 السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ  
 وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ  
 الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ  
 يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ⑬  
 لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ  
 دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ  
 كَفَّيْنِهِ إِلَى السَّمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ  
 وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ⑭

ترجمہ :- وہی اللہ تعالیٰ ہے جو دکھاتا ہے تمہیں بجلی  
 خوف اور طمع کے لیے اور وہ اٹھاتا ہے بادل بوجھل ⑫  
 اور تسبیح پڑھتا ہے حمد اُس کی تعریف کے ساتھ اور  
 فرشتے بھی اُس کے خوف سے ۔ اور چھوڑتا ہے کڑک کو،  
 پس پنچاتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہے ۔ اور یہ لوگ  
 جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے معاملے میں حالانکہ وہ بہت  
 سخت طاقت والا ہے ⑬ اُسی کی دعوت برحق ہے  
 اور وہ جو لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا، نہیں جواب دے

سکتے، مگر جس طرح کوئی پھیلانے والا ہو اپنے ہاتھ کو پانی کی طرف تاکہ پہنچ جائے پانی اس کے منہ تک۔ اور نہیں ہے وہ پہنچنے والا اُس تک۔ اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر گمراہی میں (۱۴)

یہ آیات بھی پہلی آیات کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ گزشتہ درس میں انسان کی پیدائش کے ضمن میں رحموں کا گھٹنا بڑھنا اور مدت حمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا بیان تھا۔ اللہ کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جس کے مطابق وہ تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔ کوئی شخص کسی چیز کو چھپانے یا ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں چھپنے والے اور دن کے وقت چلنے پھرنے والے ہر نفس سے واقف ہے۔ اُس نے انسان کی جان اور اعمال کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو یکے بعد دیگرے آکر اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ پھر جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ انسان کی حفاظت ہوتی رہتی ہے۔ گزشتہ درس میں ایک دستور الہی کا ذکر بھی کیا گیا فرمایا کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تگ و نہ کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وہ کسی کو اسکی شامت اعمال کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور خدا کے سوا کسی کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کا ارشاد ہے کہ گرفتِ آہنگی جس میں سارے کے سارے مبتلا ہوں گے، اَنْهَلِكُ فَيَنْتَاصِلِحُوْنَ تو کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب بُرائی زیادہ ہو جائیگی تو نیک و بد سب ہلاکت کا شکار ہوں گے



حضور نے یہ بھی فرمایا اَلْاِنْسَانُ اِذَا رَاَوْظْلَالِمًا فَلَا يَأْخُذُ وَيَذِيذُ جب لوگ دیکھ رہے ہوں کہ ظالم ظلم کر رہا ہے اور پھر اُس کے ہاتھ پکڑ کر ظلم کو نہ روکیں، تو قریب ہے کہ اللہ ان سب کو سزا میں مبتلا کر دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایسے لوگ دعائیں کریں گے مگر وہ مستجاب نہیں ہوں گی۔ گویا عام برائی کے دور میں نیک و بد سب کے سب گرفتار ہوں گے، یہ الگ بات ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں ان کی نیت کے مطابق نجات حاصل ہو جائے گی۔

خوف اور  
امید کا  
اتصال

اب آج کے درس میں بھی دلائل توحید ہی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خدا کی ذات وہ ہے جو تم کو برق یعنی بجلی دکھاتا ہے۔ برق کا معنی چمکنا ہوتا ہے اور اسے بجلی پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ وہ چمکتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خَوْفًا وَطَمَعًا خوف اور امید دلانے کے لیے۔ جب بادل گرجتا ہے اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان کا خوف بھی آتا ہے، اور اس سے خوشحالی کی امید بھی ہوتی ہے کہ بارش برسے گی، سبزیاں اُجڑ اور پھل پیدا ہوں گے۔ جس سے انسان اور جانور مستفید ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہے کہ ایمان کا صحیح مقام خوف اور امید کے درمیان ہی ہے۔ انسان نہ تو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور نہ ہی اس کی رحمت سے مایوس ہو، ان دونوں کے اتصال میں ہی کامیابی ہے۔

فرمایا وہی اللہ ہے جو تمہیں خوف اور طمع کے لیے بجلی دکھاتا ہے وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ اور اٹھاتا ہے بادل جو بڑے بوجھل ہوتے ہیں۔ یہ بادل پانی سے بھر پور ہوتے ہیں اور مونس انہیں اُس طرف

گرج اور  
چمک

لے جاتی ہیں جہاں بارش برسا نا مقصود ہوتا ہے۔ بارش کی کمی یا زیادتی، مفید یا مضر اللہ تعالیٰ کے ارادے، مشیت اور تصرف کے ساتھ ہوتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ نیز فرمایا **وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ** اور رعد فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ **وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ** اور دو سر فرشتے بھی خدا تعالیٰ کے خوف سے اس کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔ رعد لغوی طور پر گرج کو بھی کہا جاتا ہے مگر اس مقام پر چھنور علیہ السلام نے فرمایا **الرَّعْدُ مَلَكٌ مُّوَكَّلٌ** رعد ایک فرشتہ ہے، جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔ کوڑا مارنے سے چمک پیدا ہوتی ہے اور پھر بادلوں کے آپس میں ٹکرائے سے بڑی خوفناک گرج پیدا ہوتی ہے ساکنان بھی یہی کہتے ہیں کہ بادلوں میں مثبت (POSITIVE) پازٹیو۔ اور منفی (NEGATIVE) نیگیٹو، عناصر ہوتے ہیں جن کے ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو اس موقع کے لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھلائی ہے۔ **اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا لَفْظُكَ وَلَا تَهْلِكُنَا بَعْدَايَكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ** اے اللہ! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت عطا فرما۔ پاک ہے وہ ذات کہ رعد اس کی تسبیح بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے **وَيُسَبِّحُ الصَّوَاعِقُ**



کر ملک کو بھیجتا ہے۔ جب کسی کو نقصان پہنچانا مطلوب ہوتا ہے تو اس  
بجلی بھیجی جاتی ہے جو اللہ کی فشاء کے مطابق بھڑکے یا زیادہ نقصان  
پہنچاتی ہے۔ بعض اوقات یہ بجلی ہپاٹروں، درختوں یا جانوروں پر  
گرتی ہے تو اس کے حسب حال نقصان ہوتا ہے۔ مفسرین کرام  
فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بجلی اس طرح پڑتی ہے کہ آدمی کے کپڑے  
اتار کر درخت کی شاخ پر رکھ دیتی ہے اور اس آدمی کو کچھ نقصان  
نہیں پہنچتا۔

خدائی  
طاقت

بجلی تو بڑی طاقت والی چیز ہے اور ہر چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے  
اگر کوئی چیز اس کی زد میں آنے کے بعد بھی بچ جاتی ہے تو اس کا  
مطلب یہ ہے کہ ایسا کسی سیر طافت کے مشیت، ارادے اور حکم  
سے ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جہاں کسی کو ہلاک کرنا ہوتا  
ہے، بجلی ہلاک کر دیتی ہے۔ اور بچانا مقصود ہو تو بال بیکانہ نہیں ہوتا۔ فرمایا  
فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَرِسْ بِهِنَا مَا هِيَ اَعْلَىٰ سَاحَتِہٖ  
جس کو چاہتا ہے۔ نقصان اسی کا ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ چاہتا  
ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰہِ اور وہ لوگ اللہ کے  
معلے میں جھگڑا کرتے ہیں، طرح طرح کی یہودہ باتیں کرتے ہیں۔  
وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ حالانکہ وہ بڑی سخت قوت والا ہے  
لفظ مِحَال کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً عذاب دینا، گرفت کرنا اور  
قوت۔ یہاں پر قوت اور طاقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی  
اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے، اس کے سامنے تمام طاقتیں ہتھی ہیں۔  
یہ لفظ م کی زمر کے ساتھ محال بھی آتا ہے، جس کا معنی ناممکن ہے۔  
اگر یہ میم کی پیش کے ساتھ محال ہو تو معنی ہوگا باطل، جھوٹ یا خلاف  
واقعہ۔ تاہم اس مقام پر محال ہے جس سے قوت اور طاقت مراد ہے



بجلیاں، گمہرج اور چمک اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مظاہر ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قیام مدینہ کے دوران قبیلہ عامر کے دو بڑے آدمی عامر ابن طفیل اور اربد ابن ربیع حضور علیہ السلام کے قتل کے ارادہ بد سے آئے۔ عامر نے اربد سے کہا کہ تم میرے ساتھ رہنا، میں محمد سے بات چیت کروں گا، جب میں اُن کو اس بات چیت میں الجھا دوں تو تم اُن پر تلوار سے حملہ کر دینا۔ چنانچہ دونوں ساختھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ عامر حضور علیہ السلام سے مخاطب ہوا کہ اے محمد! اگر میں آپ کا اتباع کر لوں تو آپ میرے لیے کیا حصہ رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ، تو تمہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی۔ جو دوسرے مسلمانوں پر عاید ہوتی ہیں۔ عامر کہنے لگا۔ کیا ایسا نہ کریں کہ دیہات میں میری حکومت ہو اور شہروں پر آپ حکومت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نیابت اور حکومت عطا کرتا ہے پھر عامر کہنے لگا کہ میں آپ سے کچھ اور ضروری بات کرنا چاہتا ہوں آپ ذرا اٹھ کر ادھر آئیں حضور اٹھ کر ایک طرف آئے۔ عامر کا دوسرا ساختھی اربد موقع کی تلاش میں تھا اس نے میان سے تلوار نکالنا چاہی۔ مگر اس کا ہاتھ وہیں جام ہو کر رہ گیا اور وہ تلوار نکال ہی نہ سکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (العائدہ) اللہ تعالیٰ ہی آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ پھر یہ دونوں ساختھی واپس جا رہے تھے کہ اربد پر بغیر بادل کے بجلی گری اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ عامر کو راستہ چلتے طاعون کی گکٹی نکلی۔ راستے میں قبیلہ سلول کی عورت کا خیمہ تھا، وہاں پناہ حاصل کی

اپنی جہالت کی بنا پر گھٹی کو ٹٹول کر کہا غدا غدا البعد یہ تو اونٹ کی  
 گھٹی جیسی گھٹی ہے اور میں سولہ کے خیمے میں سر رہا ہوں، مجھے یہ بات  
 پسند نہیں ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تلوار سونت لی۔ گھوڑے  
 کو دوڑانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام اور ملک الموت کو گالیاں  
 دینے لگا۔ ملک الموت کو کہتا ہے کہ اگر میرے سامنے آ جاؤ تو فوراً تمہارا  
 کام مکمل ہوگا۔ پھر وہ گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے ہی ہلاک ہو گیا۔ بہر حال یہ واقعہ  
 اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت بہت شدید ہے۔ لوگ  
 اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اس کی طاقت کو تسلیم نہیں کرتے  
 جس کی وجہ سے کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ہلاک ہوتے ہیں  
 لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کو تسلیم  
 کریں، اسی کی عبادت کریں اور اسی کو کار ساز اور منتصرف سمجھیں۔

دعوت  
حق

ارشاد ہوتا ہے لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ اس کی دعوت برحق ہے  
 دعوتِ حق سے مراد وہ دعوت ہے جو ایمان اور توحید کی طرف ہی  
 جانے۔ سب سے پہلے یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اہل مکہ کو دی اور  
 فرمایا قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لوگو! کہہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود  
 نہیں اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی ثُمَّ لِيُفْلِحُوا تو فلاح پا جاؤ گے۔  
 صرف اللہ کی عبادت ہی حق کی دعوت ہے اور اس کے برخلاف  
 اختیار کی عبادت سراسر باطل، کفر، شرک، تباہی اور بربادی ہے جو سبھی  
 بات یہ ہے کہ اپنی تمام خواہش و ضروریات میں اسی ایک اللہ کو  
 پکارنا برحق ہے کیونکہ اس کے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے اور نہ حاجت روا  
 نہ کسی کے ہاتھ میں شفا ہے اور نہ موت و حیات، ترقی و تنزل، خیر اور  
 شر سب اسی کے ہاتھ میں ہے، لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو رہا ہے  
فَرِئَا وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ جو لوگ اس کے



علاوہ دوسروں کو پکارنے میں انہی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں  
 فرمایا لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ وہ پکارنے والوں کو  
 کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ کے سوا مافوق الاسباب کوئی کسی  
 کے کام نہیں آسکتا، نہ کسی کی کوئی مشکل حل کر سکتا ہے۔ جس طرح  
 پکارنے والا مخلوق ہے۔ اسی طرح جنات، فرشتے، پیغمبر، اولیاء  
 سب مخلوق ہیں۔ قادر مطلق، علیم کل اور مختار کل صرف اللہ کی ذات  
 ہے۔ وہی پکارنے کے لائق ذات ہے، اس کے علاوہ دوسروں  
 کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے اَلَا كِبَاسِطٍ كَفَّيْهِ اِلٰهَ  
 الْكَمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاَهُ جِئِے کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے  
 تاکہ وہ اس کے منہ میں چلا جائے وَمَا هُوَ بِكَالْعِفِّ مگر وہ اس  
 تک پہنچنے والا نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص لاکھ آوازیں دے  
 پانی کی طرف ہاتھ بھی بڑھائے اور چاہے کہ پانی خود بخود اس کے منہ  
 میں چلا جائے، فرمایا الیسا نہیں ہوگا جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح  
 غیر اللہ کو پکارنا بھی بے سود ہے۔ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوگی  
 بعض فرماتے ہیں کہ پانی کی طرف ہاتھ بڑھانے کا مطلب یہ  
 ہے کہ آدمی پانی کو مسٹھی میں پکڑنے کی کوشش کرے۔ جس طرح  
 پانی مسٹھی میں بند نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر اللہ سے حاجت روائی کا  
 منتظر رہنا امر محال ہے۔ تاہم پہلا معنی زیادہ رائج ہے۔ بہر حال  
 حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف ذات خداوندی سے ممکن ہے  
 جو اس کی مستحق اور متصرف ہے۔ فرمایا وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ  
 اِلَّا فِي ضَلٰلٍ اور کافروں کی پکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے  
 مطلب یہ کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنا بے گمراہی ہے۔ جن کو

کچھ اختیار ہی نہیں، اُن کو پکارتا حماقت محض ہے۔ قرآن کریم میں  
 اس مضمون کو مختلف انداز سے بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔

---



وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝۱۵  
قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ  
قُلْ اَفَاَتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ  
لَا نَفْسِيْهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي  
الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ  
وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلَ اللّٰهُ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ  
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ  
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ ریز ہوتا ہے  
جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ، خوشی سے  
یا ناخوشی سے ، اور ان کے سامنے بھی صبح اور چمچھے پہر ۝۱۵  
(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے ، کون ہے جو رب ہے آسمانوں  
کا اور زمین کا۔ آپ کہہ دیجئے ، وہ اللہ ہی ہے۔ آپ کہہ  
دیجئے (ان سے) کیا تم نے بنایا ہے۔ اُس کے سوا دوسرے  
کو کار ساز ، جو نہیں مالک اپنے نفسوں کے لیے نفع کے اور  
نہ نقصان کے۔ آپ کہہ دیجئے ، کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے

دالا۔ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی۔ کیا ٹھہرائے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک۔ کہ انہوں نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح۔ پس مشابہ ہو گئی ہے ان پر مخلوق۔ آپ کہہ دیجئے، اللہ ہی ہے پیدا کرنے والا ہر ایک چیز کا، اور وہ اکیلا ہے اور سب کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ (۱۶)

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے شرک اور مشرک کی تردید اور توحید کے دلائل بیان کئے تھے۔ آج کی آیات بھی سابقہ مضمون کے تسلسل میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کی حقانیت و صداقت، نبوت و رسالت اور قیامت کا ذکر ہی زیادہ تر فرمایا ہے۔ توحید کے علوی اور سفلی دلائل بیان کیے ہیں توحید کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا پکارنا ہی برحق ہے۔ جو لوگ دوسروں کو بھی پکارتے ہیں، وہ اُن کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا یا کنویں پر کھڑا ہو کہ پکڑے کہ پانی اس کے منہ میں خود بخود چلا جائے یا وہ پانی کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہے، فرمایا جس طرح یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں، اسی طرح غیر اللہ کو مافوقی الاسباب پکارنا بھی بے سود ہے۔ وہ اُن کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

ہر چیز سجدہ کرتی ہے

سورۃ حج اور بعض دیگر سورتوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ انسانوں میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے اختیار اور ارادے سے توحید الہی کو نہیں مانتے اور ان پر عذاب الہی ثابت ہو چکا ہے۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے علاوہ باقی تمام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے



سجدہ ریزہ ہوتی ہیں۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَكَرٌ فِي السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے سجدہ ریزہ ہوتا ہے جو آسمانوں  
 میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ آسمانی مخلوق اللہ کے فرشتے ہیں اور  
 فضا میں دوسری چیزیں بھی ہیں۔ اسی طرح زمین پر مختلف قسم کی چیزیں  
 ہیں جن میں انسان، جانور، درخت، پہاڑ وغیرہ ہیں، یہ سب اپنے پروردگار  
 کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں طَوْعًا وَكَرْهًا خوشی سے یا ناخوشی سے۔  
 خوشی سے مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار اور ارادے سے سجدہ کرتے ہیں جو ایماندار ہیں اللہ تعالیٰ کی  
 وحدانیت کو پہچان کر ناخوشی اسکے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں اور جو نافرمان مشرک اور کافر ہیں  
 وہ اپنی خوشی سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتے ہیں اور نہ اسکے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہاں  
 لوگ خدا تعالیٰ کے تکوینی اصول کے مطابق سجدہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ  
 خود نہیں جھکے تو ان کا سایہ تو بہر حال صبح و شام اپنے خالق کے سامنے  
 سجدہ ریزہ ہوتا ہے۔ یہ ناخوشی کا سجدہ ہے۔ اسی طرح انسان موت کے  
 قانون میں بھی جکڑا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ اس پر ناخوش ہے، مگر موت  
 ہر صورت میں آکر ہے گی۔ تو فرمایا اللہ کے لیے ہر چیز سجدہ ریزہ ہوتی ہے  
 خوشی سے یا مجبوری سے۔

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا نام ہے اور یہ  
 ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس  
 وقت ابن آدم خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتا ہے، تو شیطان  
 الگ ہو کر وادیا کرتا ہے سر پر مٹی ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن آدم کو سجدے  
 کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا فلک جتنے پس اس کے بے میں اُسے جنت  
 ملے گی مگر افسوس ہے میری حالت پر کہ مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، تو میں  
 نے سجدہ نہ کیا فَكَلِمَاتِي نَارٍ پس میرے لیے دوزخ ہے۔ محدثین فرماتے  
 ہیں کہ شیطان کا وادیا کرنا بہ نبلے حسد ہے، وگرنہ وہ اس طرح نادان نہیں

تو حکم الہی کے مطابق سجدہ کیا اور مسلمانوں نے آپ کے اتباع میں ایسا کیا، مگر مشرکوں نے کیسے سجدہ کر دیا؟۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور علیہ السلام تلاوت فرماتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی قہری سچائی نازل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے کافر اور مشرک بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مسائل  
سجدہ تلاوت

سجدہ تلاوت کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو نماز کے سجدہ کے لیے ہیں یعنی انسان باطہارت ہو، اس کے کپڑے اور جسم پاک ہو اور وہ قبلہ رو ہو کہ سجدہ کرے۔ اس سجدے کی دو تجزیں ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جانے، تبلیغ پڑھے اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو۔ اس میں رفع یدین کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، کوئی آدمی کسی ایک مجلس میں متعدد بار بھی آیت سجدہ پڑھے گا۔ یا سنے گا تو سجدہ ایک ہی واجب ہوگا البتہ اگر مقام تبدیل ہو جائے تو ہر مقام پر پڑھنے یا سنانے پر ایک سجدہ لازم آئے گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا نماز کی طرح سجدہ تلاوت کے لیے بھی باوجود ضروری ہے مگر مولانا مودودی کا یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ سجدہ تلاوت بغیر وضو کے بھی ہو سکتا ہے ایک ضروری مسئلہ یہ بھی ہے کہ سجدہ تلاوت صرف اس وقت لازم آئے گا۔ جب قرآن پاک کے اصل الفاظ پڑھے یا سنے گا۔ اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا محض ترجمہ پڑھے یا سنے گا تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ سورۃ منزل میں ”فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو اس کے الفاظ میں پڑھنا ضروری ہے اسی لیے نماز میں بھی اصل قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ کسی دوسری زبان میں محض ترجمہ پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوگی۔ البتہ بعض مفتیان کرام فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کے لیے مجلس میں موجود آدمی کا آیت سجدہ



ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے الظُّلُمُ ظَلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
قیامت والے دن اندھیرا کئی قسم کی شکلوں میں نظر آئے گا۔

سجدہ  
تلاوت

قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ان کمقافات میں سے ہے جن کو پڑھنے  
سے سجدہ لازم آتا ہے۔ اسے سجدہ تلاوت کہتے ہیں اور یہ قرآن کریم کے  
چودہ مقامات پر آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سجدہ واجب  
ہے جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجدے واجب ہیں جب  
کہ باقی تین غیر مؤکدہ ہیں۔ البتہ باقی ائمہ اور محدثین سجدہ تلاوت کو سنت  
کا درجہ دیتے ہیں۔ واجب نہیں سمجھتے۔ آیت سجدہ کو پڑھنے اور  
سننے والے سب پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں یا تو سجدہ  
کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یا سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور یا سجدہ نہ  
کرنے والوں کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے، لہذا امام ابوحنیفہؒ کا  
مسک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجدہ واجب ہے۔

جس وقت آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو وہ پڑھنے والا ہے یا  
سننے والا اگر سجدہ کی شرائط پوری کرتا ہے تو فوراً سجدہ کر لے اور اگر اس  
کے لیے تیار نہیں تو بعد میں جب بھی موقع ملے، سجدہ کر لے۔ حدیث  
میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مجلس میں سورۃ نجم کی آخری آیت  
تلاوت فرمائی اور اسی مجلس میں سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے  
بھی سجدہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ کچھ کافر اور مشرک بھی مجلس میں موجود تھے  
وہ بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، صرف ایک بوڑھا کافر ایسا تھا جس  
نے سجدہ تو نہ کیا، البتہ حضورؐ کی سی مٹی لے کر اپنی پیشانی پر بگالی۔ یہ شخص  
ابی ابن خلف یا امیہ ابن خلف تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں  
کہ میں نے اس شخص کو بدر کی جنگ میں بحالت کفر مرتے ہوئے دیکھا۔  
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ حضور علیہ السلام نے

ہونا جس طرح کوئی شخص اپنی غلطی کا اعتراف کر کے تائب ہو جاتا ہے ۔  
 بہر حال انسان کے لیے وہی سجدہ کارگر ہوگا۔ جو اُس نے اپنے ارادے  
 اور اختیار سے کیا ہوگا۔ اور جو کوئی مجبوراً سجدہ ریز ہوگا۔ جیسے سایہ کا سجدہ یا اللہ  
 کے تکوینی اصولوں کے مطابق غیر ارادی سجدہ ہرگز مفید نہیں ہوگا۔

فَرَمَا وَظِلَّلَهُمْ بِالْعُدُوِّ وَالْأَصْكَالِ اور اُن کے سامنے بھی  
 سجدہ ریز ہوتے ہیں صبح بھی اور پچھلے پہر کو بھی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے  
 اگر انسان اللہ کو سجدہ نہ بھی کرے اور اکٹڑ جائے تو اس کا سایہ تو بہر حال زمین  
 پر ہی سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ نحل میں بھی بیان کیا گیا ہے ۔  
 اَوَلَمْ يَرَوْا اَلْحَبَّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَّقِيُوْهُ  
 ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّعَائِلِ سَجْدًا لِلّٰهِ وَهُمْ  
 ذٰخِرُوْنَ کیا ان لوگوں نے مخلوق خدا میں ایسی چیزیں نہیں دیکھیں ۔  
 جن کے ملنے دائیں اور بائیں سے لوٹتے رہتے ہیں اور خدا کے آگے  
 عاجز ہو کر سجدے میں پڑے ہستے ہیں۔ اگلی آیت میں یہ بھی فرمایا کہ تمام  
 جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سب خدا کے آگے سجدہ  
 کرتے ہیں، اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا غور نہیں کرتے۔

نہاں پر صبح کے وقت کو صفر و استعال کیا گیا ہے اور پچھلے پہر کو جمع  
 اگلی آیت میں بھی نور کو واحد اور ظلمت کو جمع کے صفیے میں بیان کیا گیا ہے  
 گویا صبح کو روشنی سے اور پچھلے پہر کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور  
 حقیقت بھی یہی ہے کہ روشنی ایک ہی ہے اور اندھیرے بہت سے  
 ہیں۔ نور ایمان ایک روشنی ہے جب کہ اندھیرے مختلف ہیں جیسے  
 روحانی اندھیرے اور مادی اندھیرے۔ اندھیرا کفر کا بھی ہوتا ہے۔ اور نکر  
 کا بھی۔ نفاق کا اندھیرا بھی ہے اور ریاکاری کا بھی۔ اندھیرا قبر کا بھی ہوگا  
 اور طعنا کا بھی اور پھر ان کے دل و دماغ میں بھی اندھیرے ہوتے



پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے گراموفون، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو یا  
ٹیلیوژن پر سجدہ کی آیت سنی ہے تو اس پر سجدہ نہیں آئے گا۔ مگر قصیح بات  
یہی ہے کہ اگر الفاظ قرآن کسی انسان نے پڑھے ہیں اور وہی سننے میں  
بھی آئے تو ذریعہ سماعت کوئی بھی ہو، اس پر سجدہ کر لینا ہی بہتر ہے۔

آسمان و  
زمین کا  
رب

ارشاد ہوتا ہے **قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**  
اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کون ہے رب آسمان کا اور زمین کا۔ رب  
کا معنی پرورش کرنے والا ہے۔ عربی میں اس کو کہتے ہیں تَرْبِيَةً  
الشَّيْءُ حَالًا فَحَالًا یعنی کسی چیز کو تدریج حد کمال تک پہنچایا۔ انسان  
حیوان یا پودا کوئی بھی ہو اُسے حد کمال تک پہنچنے کے لیے ایک زمانہ  
صرف ہوتا ہے۔ اور یہ کام آہستہ آہستہ کون کرتا ہے۔

فرمایا **قُلِ اللّٰهُ اے پیغمبر! آپ اس کا جواب**

یہ دیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کی تربیت کرے اُسے حد کمال تک  
پہنچاتا ہے۔ اور اگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں  
تو **قُلْ اَفَاَتُخَذْتُمْ مِّنْ دُونِهٖ اَوْلِيَاءَ** آپ  
کہہ دیجئے، کیا تم نے اُس کے سوا دوسروں کو کار ساز بنا لیا ہے؟ مطلب  
یہ ہے کہ جب پرورش کرنے والا اور حد کمال تک پہنچانے والا فقط  
اللہ ہے تو تم مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دوسروں کے آگے  
دست سوال کیوں دراز کرتے ہو؟ آگے خلق کی دلیل بھی آرہی ہے۔ کہ  
اللہ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں اور کار ساز بھی کوئی نہیں تو پھر اس کے  
سوا معبود بھی کوئی نہیں۔ مافوق الاسباب اسی کو پکارو اور اسی سے  
حاجت روائی کے لیے درخواست کرو۔ یہ شرک کی تردید ہو رہی ہے  
فرمایا اگر تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے، ان کی حد درجہ تعظیم  
کرو گے، ان کے نام کی نذر و نیاز دو گے تو یاد رکھو کہ وہ تمہاری حاجت براری

لیا کہیں گے لَا يَمْلِكُونَ لَا نَفْسٍ مِّنْ نَّفَعًا وَلَا مَضِيًّا۔ وہ تو اپنی جان کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے جیسے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران) آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اللہ نے سورۃ یونس میں اپنے نبی علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا ہے قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي شَيْئًا وَلَا لِنَفْعٍ إِلَّا مَّا شَاءَ اللَّهُ آپ کہہ دیں کہ میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ النافع اور النضر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہی اس کا مالک ہے اُس کے سوا کسی کے نفع نقصان پر کوئی قادر نہیں۔

مشک اور  
موجودہ کا  
تقابل

ارشاد ہوتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی۔ کوئی مسلمان آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بینا اور نابینا برابر ہیں یا روشنی اور اندھیرا برابر ہیں۔ یہ دراصل مشرک اور موجد کی مثال ہے۔ مشرک دل کا اندھا ہے جسے توحید کی روشنی نظر نہیں آتی اور وہ شرک کی نجاست میں ہی پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْعَشْيُ كُوْنٌ خَجَسٌ (التوبہ) بیشک مشرک ناپاک ہیں۔ سورۃ حج میں ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ بت پرستی کی گزرگاہ اور نجاست سے بچو۔ قلبی طہارت تو نور ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور دین کی سمجھ آتی ہے اور مستقبل کے بارے میں بھی عقیدہ پاک ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا نہ تو اندھا اور بینا برابر ہیں اور نہ ہی اندھیرے اور روشنی۔ لہذا مشرک اور موجد بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مشرک کی بخشش



شُرک کی  
تردید

کا کوئی جاس نہیں جبکہ مَوْحِدُ اللہ کی ابدی رحمت میں ہوگا۔  
 آگے اللہ نے شرک کی تردید ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔  
اَمْ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ کَآءَ کَیَا اِنۡہُوں نے اللہ کے لیے  
شریک بٹھرایے ہیں خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ اور ان شرکاؤں نے  
 بھی اسی طرح مخلوق پیدا کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو  
 پیدا فرمایا ہے فَتَشَابَہُ الْخَلْقُ عَلَیْہِمُ اور اس پیدائش  
 کا ان پر شبہ پڑ گیا۔ یعنی پتہ ہی نہیں چلتا کہ خدا کی مخلوق کون سی ہے  
 اور شرکاؤں کی کون سی ہے۔ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ان شرکاؤں  
 نے کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ بلکہ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ  
 آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور باقی سب مخلوق  
 ہے۔ مخلوق میں نہ تو ربوبیت کا کمر شمعہ مانا جاسکتا ہے اور نہ وہ کار ساز  
 بن سکتی ہے۔ مشرکین کا دوسروں کو کار ساز بنانا تو خلاف واقعہ اور صریح  
 شرک ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے اَرُوْنِیْ مَاذَا  
خَلَقُوْا مِنْ اَلْاَرْضِ (فاطر) مجھے دکھاؤ تو سہی تمہارے شرکاؤں  
 نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے، کوئی انسان، جانور، پہاڑ، درخت، اناج  
 کھیرے مکوڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے  
 اور ان میں کسی شریک کا کوئی حصہ نہیں۔

بعض مشرکین ایک کے بجائے کئی کئی خدا تسلیم کرتے ہیں مثلاً  
 ہندوؤں کے نزدیک پیدا کرنے والا برہما جی ہمارا ج ہے، جب کہ  
 قائم کرنے والا وشنو جی ہمارا ج اور فنا کرنے والا شیو جی ہمارا ج ہے۔  
 ادھر عیسائیوں نے بھی باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا تسلیم کر لیے  
 ہیں۔ مجوسیوں نے اہرن من اور بنوان دو خداؤں کو مانا مگر اللہ نے فرمایا  
 کہ خدا نہ دو ہیں نہ تین اور نہ زیادہ بلکہ وہو الْوَلَدُ الْقَهَّارُ وہ اکیلا

ہے اور ہر چیز کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ یعنی زندہ اور محنتے والا بھی وہی ہے ”يُحْيِي وَيُمِيتُ“ یعنی زندہ کر دینا والا اور مارنے والا بھی وہی ہے ”الَّا كَلَّمَ الْخَلْقَ وَالْأَمْرَ“ تمام پیدائش بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور جو خالق ہے ”اللہ بھی وہی ہے۔ وہ قادر مطلق اور علیم کل ہے، وہ ہمہ بین، ہمہ دان اور ہمہ توان ہے، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ جو کوئی یہ صفات غیر اللہ میں مانے گا وہ مشرک ٹھہرے گا۔ غرضیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

فرمایا وہ الیلا بھی ہے اور قہار بھی ہے۔ اُس کی یگانگت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اُس کا وجود ذاتی ہے اور کسی کا عطا کردہ نہیں جب باقی تمام اشیاء اُس کی عطا کردہ ہیں۔ جب ہر چیز اُسی کی عطا کردہ ہے تو ہر چیز پر کنٹرول بھی اُسی کا ہے ”هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ“ (الانعام) قہر کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دبا کر رکھنا۔ اُس کے دباؤ سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ مہلت بھی دیتا ہے۔ مگر جب چاہتا ہے رسی کھینچ لیتا ہے۔ اس کے تسلط سے کوئی چیز باہر نہیں۔ لہذا انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کریں اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوں، اُسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھیں اور اپنی حاجات میں اُسی کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔



وما ابرئ ۱۳  
در من مضم

الرعد ۱۳  
آیت ۱۸ تا ۱۸

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُ بِقَدَرِهَا  
فَأَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ  
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ  
مِّثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ  
فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ  
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ  
يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ①۰ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا  
لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا  
لَهُ لَوْنًا لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ  
مَعَهُ لَا فُتْدُوا بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ  
وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وِبِئْسَ الْمِهَادُ ①۱

وقف النبی علیہ السلام

النصون

ترجمہ ہاتھ اُس نے آسمان کی طرف سے پانی۔ پس  
بہ پڑیں وادیاں اپنے اندازے کے مطابق۔ پس اٹھایا  
سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا اور اس میں سے جس کو وہ گرم کرتے  
ہیں آگ میں واسطے تلاش کرنے زیور کے یا سامان کے جس  
کے اُپر بھی جھاگ ہوتا اسی طرح۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ  
بیان کرتا ہے حق اور باطل کو۔ بہر حال وہ جھاگ، پس

وہ چلا جاتا ہے خشک ہو کر۔ اور جو چیز فائدہ پہنچاتی ہے لوگوں کو وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔ اسی طریقے سے اللہ بیان کرتا ہے مثالیں (۱۷) اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے قبول کیا اپنے رب کی بات کو، اُن کے لیے بھلائی ہے۔ اور وہ لوگ جو نہیں قبول کرتے اس کو، اگر اُن کے لیے ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا اور بھی اس کے ساتھ اور (پھر وہ فدیہ دیں اس کے ساتھ) پھر بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہے بُرا حساب اور ٹھکانا اُن کا جہنم ہے، اور بہت بُرا ٹھکانا ہے (۱۸)

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان کرنے کے بعد معاد کا ذکر فرمایا۔ پھر رسالت کا بیان ہوا۔ اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا اور شرک کا رد فرمایا۔ توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے اور شرک کی مختلف صورتوں کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور خالقیت کی دلیل پیش کر کے الوہیت کا استدلال پیش کیا کہ الہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو رب اور خالق ہے۔ چونکہ یہ صفات اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی میں نہیں پائی جاتیں لہذا مستحق عبادت بھی صرف اللہ ہی ہے۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور مومنوں کی مثال اندھے اور بینا کی بیان فرمائی۔ شرک کو ظلمات سے تعبیر کیا اور ایمان اور توحید کو نور فرمایا اور یہ بھی کہ یہ دونوں چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ مکی سورتوں میں زیادہ تر عتقاد ہی کا بیان ہے، لہذا اس سورۃ میں بھی توحید کا مسئلہ اللہ نے پورے طریقے سے واضح کر دیا ہے۔

اب آج کے درس میں اس سورۃ کا مرکزی مضمون حق و باطل کی کشمکش بیان ہو رہا ہے۔ اللہ نے یہ مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ باطل کسی چیز پر آنے والی جھاگ کی مانند ہے جو وقتی طور پر تو بہت ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر

بارش اور  
ندی نلے



جلد ہی مٹ جاتی ہے۔ اور حق کو اُس اصل چیز سے تشبیہ دی ہے جو  
 جھاگ سے نیچے ہوتی ہے اور جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں ارشاد ہوتا  
 ہے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اللہ تعالیٰ نے آسمان  
 سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے کہنا زیادہ  
 مناسب ہے۔ بارش برسنے کی ظاہری وجوہات تو یہ ہیں کہ سورج کی گرمی  
 سے سمندروں کی سطح سے پانی بخارات بن کر بادلوں کی صورت میں  
 اٹھتا ہے۔ پھر ہوائیں ان بادلوں کو اُس خطے کی طرف اڑائے  
 جاتی ہیں جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ یاد ہے کہ بارش کا ذریعہ  
 صرف بادل ہی نہیں بلکہ اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے  
 اسی لیے یہاں پر اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے  
 اس سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھی مراد ہے۔ اور عالم بالا کا  
 حکم الہی بھی اس میں شامل ہے۔ اسی لیے فرمایا وہ آسمان کہ ہر کوئی  
 پانی اتارتا ہے۔

فرمایا جب بارش ہوتی ہے فَسَالَتْ اَوْدِيَةً تو وادیاں بہ  
 نکلتی ہیں۔ اود یہ وادی کی جمع ہے مطلب یہ ہے کہ جب بارش  
 پر یا سطح مرتفع پر بارش ہوتی ہے تو اُس کا پانی ندی نالوں کی صورت  
 میں بہ کر وادیوں میں پہنچ جاتا ہے لَقَدْ رَهَا ان کے اندازے  
 کے مطابق جس قدر ندی نالہ بڑا ہوگا اسی قدر پانی بھی اس کے  
 ذریعے زیادہ آئے گا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ندی نالوں کا پانی پاک ہوتا ہے  
 ایسے پانی کی زنگت خواہ تبدیل ہو چکی ہو مگر یہ غسل اور کپڑے دھونے  
 کے لیے بالکل درست ہوتا ہے۔ اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے  
 پرنے زمانے میں پانی کے ذرائع ندی نالے یا کنوئیں تھے مگر

جدید دور میں ان کی جگہ ٹیوب ویلیوں، ہینڈ پمپوں اور واٹر سپلائی نے لے لی ہے، تاہم سپارٹی علاقوں میں آجکل بھی ندی نالوں اور چشموں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ پانی ذریعے پانی کی طرح بائکل پاک ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ہم لوگ سمندر میں سفر کے دوران میٹھا پانی زیادہ ساتھ نہیں لے سکتے۔ اور اگر ہم اس محدود مقدار کے پانی سے وضو بھی کریں تو پینے کے لیے پانی نہیں بچتا۔ تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو اور غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا **هُوَ الطَّهُوٰى مَاءَهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ** سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا شکار یعنی مچھلی وغیرہ حلال ہے۔ سمندر کا پانی اگرچہ سخت کڑوا ہے اور پینے کے قابل نہیں ہوتا اور پینے سے بیماری لاحق ہونے کا بھی خطرہ ہوتا، مگر یہ پانی بہر حال پاک ہے۔

فرمایا جب بالائی علاقوں میں زیادہ بارش ہوتی ہے تو ندی تالے سیلاب کی صورت میں بہ نکلتے ہیں **فَاَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَيْكًا رَّابِيًا**۔ پس وہ سیلاب اٹھا لاتا ہے جھاگ پھولی ہوئی۔ سیلاب کا پانی جن وادیوں سے گزرتا ہے۔ وہاں کی مٹی، ٹھکے اور کوڑا کرکٹ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مٹی کی وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا ہے اور اس پر جھاگ بھی آجاتی ہے زمین کا کوڑا کرکٹ بھی جھاگ کے ساتھ مل کر پانی کی اوپر والی سطح پر نظر آتا ہے۔ اور اس طرح پانی کی سطح ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ رابیا رجب سے ہے۔ رجب سانس کی بیماری کو کہتے ہیں جس سے سانس پھول جاتا ہے اور رجب زیادہ مال یعنی سود کو کہتے ہیں جو بغیر استحقاق کے حاصل کیا جاتا ہے **زَيْدًا** جھاگ کو کہتے ہیں زید عطیے کو بھی کہتے ہیں حدیث شریف

سیلاب  
کی جھاگ



میں آتا ہے کہ ایک مشرک نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں مدیہ پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اَنُفِیْتُنا عَنْ زَبَدِ الْمُشْرِکِیْنَ یعنی ہمیں مشرکین کا مدیہ قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں دین کا فائدہ ہو وہاں ایسا مدیہ قبول کر لینا چاہیے۔ اقامت دین و ملت اور مسلمانوں کے غلبے کی خاطر ایسا مدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر ایسے مدیہ کی وجہ سے دین و ملت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا مشرکین کی تعظیم ہوتی ہو یا ان کے غلبے کو تقویت حاصل ہو تو پھر ان کا مدیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح زہد مکھن کو کہا جاتا ہے اور زہد اس جھاگ کو بھی کہتے ہیں جو سونا چاندی یا کوئی دوسری دھات پگھلانے سے اُس پگھلے ہوئے پانی پر آ جانا ہے اور پھوڑی دید بعد ختم ہو جاتا ہے۔

دھاک  
جھاگ

سونا اور چاندی عموماً زیورات بنانے کے لیے پگھلایا جاتا ہے چاندی تو جلدی پگھل جاتی ہے مگر سونے اور تانبے وغیرہ کے لیے بہت زیادہ ٹمچر کی ضرورت ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمِمَّا یُوقَدُونَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْیَةٍ اور اس میں بھی جھاگ آتی ہے جس کو وہ آگ میں گرم کرتے ہیں زیور بنانے کے لیے۔ علیہ اُس زیور کو کہا جاتا ہے جسے مرد وزن زینت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عورتوں کے لیے تو سونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے بشرطیکہ اُس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو۔ البتہ مردوں کے لیے صرف چاندی کی محدود اجازت ہے اور سونا بالکل ممنوع ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک خاتون اور اُس کی بیٹی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے سونے کے موٹے موٹے کنگن پہن رکھے تھے۔ حضور نے دریافت کیا، کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی

ہو؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ یہی کنگن آگ کے بن کر تمہارے ہاتھوں میں پڑے ہوں؟ اس خاتون نے وہ کنگن فوراً اتارے اور صدقہ کر دیے۔ بہر حال اگر زیور نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زیور کا زیر استعمال آنا ضروری نہیں ہے۔ زیور خواہ پہنا جائے، صندوق میں پڑا ہے یا کسی بنک کے لاکر میں محفوظ ہو، زکوٰۃ بہر حال ادا کرنا ہوگی، جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

فرمایا اَوْصَتَا جَزَاءُ زَكَاةٍ يَصْلُحُ لَهَا یا کوئی دوسرا سامان بنانے کے لیے کسی دھات کو چھلایا جائے تو اس پر بھی حجاب آجاتی ہے پلاٹینم سونے سے بھی قیمتی دھات ہے اور اس سے بھی زیورات بنتے ہیں۔ باقی دھاتوں میں لوہا سرفہرست ہے جس سے ہر قسم کی مشینری اور اس کے پرزہ جات بنتے ہیں۔ موجودہ دور میں لوہا اور پتہ بنیادی ضروریات میں شامل ہیں اور ان کے بغیر پوری دنیا کا نظام ریل و رسائل ٹھپ ہو سکتا ہے۔ تمام گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں۔ اور پٹرول سے چلتی ہیں۔ عام شہری ضروریات کے لیے استعمال ہونے والی کاروں اور بسوں سے لے کر بحری اور ہوائی جہاز تک لوہے کے مہرہوں پر مشتمل ہیں۔ جنگی ساز و سامان میں رائل، توپ، ٹینک، ہوائی جہاز، میزائل اور راکٹ وغیرہ سب لوہے سے بنتے ہیں جسے پگھلانا پڑتا ہے۔ دنیا میں لوہے اور پٹرول کے ذخائر کم ہو رہے ہیں تو قدرت ان کا متبادل بھی پیدا کر رہی ہے۔ لوہے کی بجائے تیل اور زندگی تیار ہو رہی ہیں۔ تیل کا متبادل اللہ نے گیس پیدا کر دی ہے جسے ایندھن کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب سورج کی شعاعوں سے



ایندھن کا کام لینے کے تجربات ہو رہے ہیں۔

حق و باطل  
میں کشمکش

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی جھاگ کا ذکر فرمایا ہے، ایک جو سیلاب کی وجہ سے پانی کے اوپر آتی ہے اور دوسری جو دھات پگھلانے سے دھات کے پانی پر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی دھات سے بات سمجھانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی اور جھاگ کو حق اور باطل کے ساتھ تشبیہ دی ہے فرمایا فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً جھاگ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے جب سیلاب آتا ہے یا دھات کو گرم کیا جاتا ہے تو کچھ وقت کے لیے اوپر جھاگ آتی ہے مگر آہستہ آہستہ خشک ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ نیچے زمین میں رہ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب سیلاب کا پانی مع اپنی جھاگ کے گزر جاتا ہے تو وہ اپنے پیچھے زمین میں زرخیز مٹی (کھل) چھوڑ جاتا ہے جس سے زمین زرخیز ہو جاتی ہے اور خوب اناج اور پھل اگاتی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح سونا چاندی یا لوہا تانبہ وغیرہ پگھلانے سے جو اوپر جھاگ آتی ہے، وہ تو کچھ لمحوں کے بعد خشک ہو جاتی ہے اور اہل جوہر نیچے رہ جاتا ہے جس سے زیورات اور روزمرہ زندگی کی ضرورت ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ فرمایا كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ آسمان سے بارش برسی جس کا پانی ندی نالوں میں بہہ نکلا۔ اس کے اوپر جھاگ، کوڑا کچرہ، میل کچیل وغیرہ آئی جو کچھ دیر بعد ختم ہو گئی

اسی طرح دھاتوں کے پگھلاتے وقت دھات کے پانی پر آنے والی جھجک بھی محسوس ہی دیر بعد ختم ہو جاتی ہے، اور دونوں صورتوں میں کار آمد اشیاء یعنی پانی، زرخیز مٹی اور دھات وغیرہ نیچے رہ جاتی ہے، اور یہی وہ اصل ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر حق و باطل کی مثال سمجھنی ہو تو یوں سمجھو کہ انسانوں کے دلوں پر وحی الہی کا اثر اُن کی دلی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں صلاحیت زیادہ ہوگی وہاں وحی الہی کا اثر بھی زیادہ ہوگا اور جہاں استعداد کم ہوگی وہاں اثر بھی کم ہی ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس بات کو اس طرح سمجھایا کہ عام طور پر زمین کے خطے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض خطے نہایت اچھے ہوتے ہیں۔ جب آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو ایسے خطے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ اور پھر اس زمین سے پھل، اناج، چارہ اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے مخلوق خدا استفادہ ہوتی ہے۔ فرمایا زمین کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے کہ اُس میں روئیدگی کی صلاحیت تو نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے اندر پانی کو جمع کر لینے کی استعداد رکھتی ہے۔ ایسی زمین میں تالابوں، حوضوں اور چھیلوں کی صورت میں پانی جمع ہو جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سیراب ہوتے ہیں۔ فرمایا زمین کی تیسری قسم ایسی ہے جو نہ تو خود پیداوار دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ وہ پانی کو سکڑ کر رکھ سکتی ہے کہ اس سے دوسرے لوگ ہی فائدہ اٹھا سکیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے جو وحی، ہدایت اور مشرعت نازل ہوتی ہے اُس سے بھی تین قسم کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں اچھی صلاحیت والے لوگ وحی الہی کی تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں اور اس سے



خوب مستفید ہوتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگ خود تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر وہ اس علم کو اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں۔ جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بالکل نیکے ہوتے ہیں جو وحی الہی سے نہ تو خود فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے لیے وجہ استفادہ بنتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کی یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو باطل جھاگ کی مانند اُپر آ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے مگر وہ آخر کار دب جاتا ہے اور کار آمد حق نیچے رہ جاتا ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ وحی الہی کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب انسان کے دل میں حق اُترتا ہے تو بعض اوقات وہم اور شکوک و شبہات بھی جوش مارتے ہیں مگر جھاگ کی طرح یہ بھی کچھ وقت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے دل میں حق بات بٹھڑ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باطل کے وقتی جوش و خروش کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے: "إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" (نبی اسرائیل) باطل تو مٹ جالنے والی چیز ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعات، معاصی کتنا بھی زور ماریں وہ بالآخر ختم ہوں گے اور ایمان ہی باقی رہے گا۔ باطل کی عمر زیادہ سے زیادہ اس عارضی دنیا کی زندگی تک ہو سکتی ہے۔ مگر ایمان نیکی، توحید اپنی جگہ پر قائم رہے گی۔ اور یہی چیزیں لوگوں کے لیے مفید ہوں گی۔

شاہ ولی  
کافلسہ

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عالم مقدس سے انبیاء پر نازل ہونے والا حق اس متدنس جہان کے شر و قباخ سے ٹکراتا

رہتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں الْمَسَدِ کی تشریح میں میں نے شاہ صاحبؒ کی حکمت کے مطابق عرض کیا تھا کہ انبیاء کی تعلیمات جو عالم بالا سے نازل ہوتی ہیں۔ وہ اس دنیا میں اکہرا انسانوں کے برے اخلاق، شرک، کفر، معصیت وغیرہ سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں باطل متاثر ہوتا ہے اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے باطل میں کتنا ہی جوش و خروش کیوں نہ ہو، وہ حق کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ حق و باطل کی کشمکش کا یہی مطلب ہے۔

مسلمین اور  
مکذبین

فرمایا لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ جنہوں نے اپنے رب کی بات کو قبول کیا ان کے لیے بھلائی ہے، اچھا بدلہ ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُكْذِبُونَ اور جنہوں نے اسے قبول نہیں کیا، ان کی حالت یہ ہوگی کہ لَوْ أَنَّهُمْ مَنَّ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اگر اس زمین کی ہر چیز ان کی ملکیت ہو تو مشکلہ معہ اور اس کے ساتھ اس جیسی اور بھی ہو۔ دوسری جگہ ہے کہ سونے چاندی اور پے پیسے سے پوری زمین بھری ہوئی ہو اور اس سے ڈبل بھی ہو، اور اگر وہ شخص جان خلاصی کے لیے پوری کی پوری زمین فدیہ دینا چاہے لَا فِتْنَةٌ تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائے گا، اے ابن آدم! اگر یہ ساری زمین سونے سے بھری ہوئی ہو، تو کیا تم فدیہ دینے کے لیے تیار ہو؟ وہ آدمی عرض کرے گا، پروردگار! ہاں میں تیار ہوں۔ اللہ فرمائے گا، تم جھوٹے ہو، تم ابھی باپ کی پشت میں تھے جب میں نے تم سے مطالبہ کیا تھا "أَلَا تَشْرِكُ بِ شَيْئًا" میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، مگر تم نے میرا حکم نہ مانا۔ اب یہ ساری زمین اور اس



سے دگنی بھی تمہارے لیے فدیہ نہیں بن سکتی۔

سوال الحساب

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ یہ لوگ بُرے حساب والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بُرے حساب کی وجہ سے تو گرفت ہی آئیگی، بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے مَنْ جَفَّ فَوْقَ قِشٍّ فِي الْحِسَابِ هَلَكَ جس شخص کے ساتھ حساب کتاب کے موقع پر جھگڑا ہو گا، اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا، فرمایا وہ شخص ہلاک ہو گیا، وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے فلاں! تو نے یہ یہ کام کیے اور وہ افسوس کرنا کیا تو اس کا حساب آسان ہو گا۔ اُمید ہے کہ اُسے معافی مل جائے گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے اللَّهُمَّ حَاسِبِيْ حِسَابًا يَّسِيرًا اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا۔ کہیں فرما کرے گا۔ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ بغیر حساب بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلا جا، اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی فرمائے گا۔ البتہ ایسے لوگ بہت محسوس ہوں گے جو ایک ہی قطار میں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ باطل کے ساتھ ہی مذکور ہے، حق بات کو تسلیم ہی نہ کیا۔ فرمایا وَمَا وَلَهُمْ جَهَنَّمَ ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا و يُسَّ الْمِهَادُ جو آرام چرٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔ وہاں آرام نہیں بلکہ دکھ ہی دکھ ہو گا۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ  
 كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ الْأَلْبَابُ ①۹  
 الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ  
 الْمِيثَاقَ ②۰ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ  
 أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ  
 سُوءَ الْحِسَابِ ②۱ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ  
 وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَانْفَقُوا  
 مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ  
 بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى  
 الدَّارِ ②۲ جَزَتْ عَذِّنٌ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ  
 صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّهِمْ  
 وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ  
 بَابٍ ②۳ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ  
 عُقْبَى الدَّارِ ②۴

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جو جانتا ہے کہ بیشک جو چیز  
 ناری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب



سے وہ حق ہے، کیا وہ اس کی طرح ہو گا جو اندھا ہے؟  
 بیشک نصیحت پکڑتے ہیں عقل مند لوگ (۱۹) وہ لوگ جو پورا  
 کرتے ہیں اللہ کے عہد کو، اور نہیں توڑتے پختہ عہد و پیمان  
 کو (۲۰) اور وہ لوگ جو ملائے ہیں اُس چیز کو جس کو اللہ  
 نے ملانے کا حکم دیا ہے، اور ڈرتے ہیں اپنے پروردگار  
 سے اور خوف کھاتے ہیں بُرے حساب سے (۲۱) اور وہ  
 لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی تلاش  
 کرتے ہوئے اور انہوں نے قائم رکھی نماز، اور خرچ کیا انہوں  
 نے اس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے، پوشیدہ  
 بھی اور ظہر بھی، اور مٹاتے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ برائی  
 کو، یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے (۲۲)  
 وہ باغات ہیں رہنے کے، داخل ہوں گے ان میں، اور  
 جو بھی نیک ہو گا اُن کے آبا و اجداد، ان کی بیویوں اور  
 اُن کی اولادوں میں۔ اور فرشتے داخل ہوں گے اُن پر ہر  
 دروازے سے (۲۳) اور کہیں گے وہ سلامتی ہو تم پر اس  
 وجہ سے کہ تم نے صبر کیا، پس اچھا ہے آخرت کا گھر (۲۴)

شُرک کی تردید اور توحید کے بیان کے بعد اس کے ماننے اور نہ ماننے  
 والے ہر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا۔ باطل کی کشمکش کا ذکر فرمایا کہ ان دونوں  
 میں ہمیشہ ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ باطل کی مثال سیلاب کے پانی پر آنے والی جھاگ یا  
 کسی دھات کو پگھلانے پر دھات کے پانی پر آنے والی جھاگ کی ہے۔ ہر دو قسم  
 کی جھاگ تھوڑی دیر کے لیے جوش مارتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز کلاہ  
 اور مفید ہوتی ہے، وہ اس جھاگ کے نیچے تر نشین ہو جاتی ہے۔ دھات کی صورت

میں اصل دھات کے زیورات مابرتن یا دیگر سامان تیار کر لیا جاتا ہے  
فرمایا نیکی اور بدی کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ ان کا بھی آپس میں ٹکراؤ ہوتا  
رہتا ہے۔ بعض اوقات بُرائی جوش بھی مارتی ہے مگر بالآخر وہ مرٹ  
جاتی ہے اور باقی حق ہی رہتا ہے۔

آج کے درس میں قرآن پاک، دین اور شریعت کو ملنے  
والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ نیز  
قرآن پاک کی تعلیمات سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بھی بیان  
کیے گئے ہیں۔

عالم اور  
ناپتنا کی  
مثال

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ يُكَلِّمُ اَنْفًا اُنْزِلَ اِلَيْكَ  
صِرَاطٌ رَبِّكَ الْحَقُّ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کے رب  
کی طرف سے نازل کردہ چیز برحق ہے كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی  
اُس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے کسی چیز کو جان لینا ہی کافی نہیں  
بلکہ اُس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی  
شخص یہ علم رکھتا ہے کہ قرآن پاک برحق ہے مگر خود اس پر ایمان  
نہیں لاتا تو اصل کا محض علم کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس مقام پر علم سے مراد  
اعتقاد بھی ہے یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ قرآن پاک  
اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ برحق کتاب ہے، وہ قرآن پاک کے منکر  
کی طرح تو نہیں ہو سکتا جس کو اندھے سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً  
”فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے  
سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کا محض  
علم ہونا مفید نہیں کیونکہ یہ علم تو سیود و نصاریٰ کو بھی تھا مگر وہ اس کو  
ماکتے نہیں تھے، لہذا ان کا صرف جاننا مفید نہیں ہے۔ اور جس  
شخص کے پاس نہ تو علم ہے کہ قرآن پاک برحق ہے اور نہ وہ



اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھتا ہے اُسے قرآن پاک کی غرض و غایت کا ہی علم و یقین نہیں، وہ نابینا آدمی کی طرح ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسا آدمی تو حق و باطل، نور اور ظلمت، صحیح اور غلط میں امتیاز ہی نہیں کر سکتا۔ گویا ایماندار آدمی بنیا کی طرح ہے اور مشرک، کافر اور منافق نابینا کی طرح اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فرمایا اِنَّهَا يَتَذَكَّرُوْا لَوْ اَلَّا لِبَآبٍ بِشَكِّكَ صَاحِبِ عَقْلِ لَوْ كَانَتْ هِيَ نَصِيْحَتٌ حَاصِلٌ كَرِهَتْ هِيَ۔ بے عقل اور نادان لوگ نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے متعلق تو سورۃ الفال میں موجود ہے۔ ”الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ“ وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل کو صحیح طور پر استعمال ہی نہیں کرتے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں الَّذِيْنَ يُؤْفِقُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں وَلَا يَنْقُضُوْنَ الصِّدْقَ اور سچیتہ عہد و پیمان کو نہیں توڑتے۔ جب کوئی شخص کلمہ توحید زبان سے ادا کرتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو وہ دو چیزوں کا عہد کرتا ہے۔ ایک یہ کہ میں اللہ کی وحدانیت پر ہمیشہ قائم رہوں گا اور دوسری یہ کہ میں اُس دین اور شریعت کا پابند رہوں گا جو اللہ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ یہ تو توحید و رسالت کا عہد ہو گیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اس عہد میں تمام قسم کے عہد آجاتے ہیں جو ایک انسان اپنے خالق کے ساتھ کرتا ہے یا ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے ایک جماعت کا دوسری جماعت سے اور ایک سلطنت کا دوسری سلطنت سے عہد بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو، پورا کرنا لازمی ہوگا

عقلمندوں  
کے اوصاف  
(۱) ایقانے  
عہد

سورۃ مائدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! **وَأَوْفُوا بِالْعُقُودِ** عہد و پیمان کو پورا کرو۔ سورۃ نبی اسرائیل میں ہے کہ لوگو! عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ **إِنَّ بِلَ الْعَهْدِ كَانَ مَسْئُولًا** اس کے متعلق قیامت والے دن سوال کیا جائے گا۔

میشاق کے متعلق مفسرین کو اہم فرماتے ہیں کہ ایک تو **مِثَاقِ السَّيِّئَاتِ** ہے جو اس جہان میں آنے سے پہلے اللہ نے تمام انسانوں کی رگوں سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور فرمایا **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** بتلاؤ میں تمہارا رب ہوں یا نہیں۔ **قَالُوا بَلٰی** تو سب نے کہا کہ پروردگار! کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا رب ہے پھر اس پختہ عہد کی یاد دہانی کے لیے اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ کل قیامت کو یہ بہانہ نہ کر سکیں کہ ہمیں یاد دلانے والا کوئی نہیں آیا تھا، حالانکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت کو یہ عہد یاد دلایا ہے۔ غرضیکہ **مِثَاقِ السَّيِّئَاتِ** اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کیونکہ ہر شخص کی روح اس کا اقرار کر چکی ہے۔ اور یہی وہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ توڑنے کا حکم دیا ہے اگرچہ اس دنیا میں آکر عام آدمی اس عہد کو بھول جاتے ہیں تاہم ایسے **سَلِيمُ الْفَطَرَتِ** لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو روحانیت کے اعتبار سے **بیدار** ہوتے ہیں۔ تابعین اور تابعین کے زمانے کے بعض حضرات کا بیان ملتا ہے جنہوں نے کہا کہ ہمیں تو وہ عہد بالکل تازہ بتازہ محسوس ہوتا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ عالم ارواح میں ہم نے یہ عہد کیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ عقل مند آدمی وہ ہیں جو عہد کو پورا کرتے ہیں اور **مِثَاقِ** کو توڑتے نہیں خواہ وہ عہد **السَّيِّئَاتِ** ہو یا کوئی اور عہد۔



آج کی دنیا میں بد عہدی عام ہو چکی ہے، افراد ہوں یا جماعتیں یا حکومتیں وعدے کی پابندی نہ صرف ختم ہو چکی ہے بلکہ اس کے اعلان پر اظہار کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ انگریزوں کے وزیر جنگ نے جنگ عظیم کے موقع پر بلا کہا تھا کہ ترکوں کے ساتھ عہد محض وقت گزارنے کے لیے کیا گیا تھا، اُس کو پورا کرنا مقصود نہ تھا۔ آج بھی امریکہ ہو یا روس، فرانس ہو یا جرمنی وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے عہد کو ٹالتے رہتے ہیں۔ ہمارا پڑوسی ملک بھارت کشمیر لوں سے کیے گئے عہد استصواب رائے کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ٹالتا جا رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی عہد کو پورا نہیں کیا۔ البتہ مسلمان جب تک ایک زندہ قوم تھی، اُن کو عروج حاصل تھا تو یہ عہد پر بھی قائم ہوتے تھے۔ مگر جب سے انحطاط پذیر ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بھی دیگر اقوام کی طرح ہی ہو گئی ہے۔ بہر حال عہد کی پاسداری کرنا سچے مسلمانوں اور عقلمندوں کا کام ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے کہ ایک عقل معاد ہوتی ہے اور دوسری عقل معاش۔ معاش کی عقل تو اس دنیا تک محدود ہے۔ یہاں پر بڑے بڑے اہل عقل و مہر، دانش ور، بیرسٹر اور پی ایچ ڈی حضرات موجود ہیں۔ مگر عقل معاد سے غالی ہیں "کَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ" (الروم) ان کا علم دنیا تک محدود ہے اور یہ آخرت سے غافل ہیں۔ مگر یہاں پر تو آخرت کو سمجھنے والی عقل کی ضرورت ہے اور صحیح عقلمند وہی ہے جو آخرت کی منزل کو سمجھتا ہے اور جسے آخرت کا احساس ہو گا وہ عہد کی پابندی

کرے گا اور اسے قطع نہیں کریگا۔

اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ  
يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ اور وہ لوگ جو  
ملاتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ سب سے  
پہلے اللہ نے ایمان اور نیکی کو ملانے کا حکم دیا ہے۔ قرآن پاک  
میں جگہ جگہ موجود ہے إِنَّ الدِّينَ أَمْنٌ وَعَمَلٌ  
الصَّالِحَاتِ یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے  
گویا نیکی ایمان کے ساتھ بالکل جڑی ہوئی ہے۔ نہ تو نیکی کے بغیر  
ایمان کا کچھ فائدہ ہے اور نہ صرف نیکی کسی کام کی ہے۔ ایمان کا تقاضا  
یہ ہے کہ انسان نیکی کرے۔ باہمی ملاپ میں قربتداری اور صلہ رحمی  
بھی آتی ہے۔ اللہ نے قربتداروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور  
قطع رحمی سے منع فرمایا ہے۔ اس کو حقوق اللہ اور حقوق العباد  
سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ صالح انسان وہی ہوگا جو اللہ کے  
حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے جس طرح  
ایمان کے ساتھ نیکی کو ملانا ضروری ہے اسی طرح حقوق اللہ کے ساتھ  
حقوق العباد کا ملانا بھی لازمی ہے۔

قربت داروں کے حقوق کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے کا حق  
ہے۔ اپنے پڑوسی کا حق ہے، درہم سفروں کا آپس میں حق قائم ہوتا  
ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔ اپنے پیر کا حق ہے، استاد  
کا حق ہے۔ افسر اور ماتحت کا حق ہے۔ مالک اور مزدور کے درمیان  
حقوق کی تقسیم ہے اور امام اور مقتدی کا بھی آپس میں حق ہے۔ تو  
عقلمند وہ لوگ ہیں جو ان تمام حقوق کو ملاتے ہیں۔ اور ان میں اختلاف  
نہیں کرتے۔



اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (انحکرات)  
 تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا وہ اخوت اور بھائی چارے  
 کے جذبے کے ساتھ ہی رہیں۔ مسلمان خواہ کسی ملک میں رہتا ہو اور  
 کوئی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے۔ ہم سب ایمان کے رشتے  
 میں پروئے ہیں، کلمہ طیبہ ہی جامع ایمان ہے۔

(۳)  
 خشیت اللہ

عقل مندوں کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ وَ  
 يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ مفسرین  
 کرام فرماتے ہیں کہ خشیت وہ چیز ہے جو علم کے ساتھ چل رہی ہو  
 جب کوئی شخص اچھائی اور برائی میں امتیاز کر لیتا ہے اور پھر وہ برائی  
 کے کام سے ڈر جاتا ہے تو یہی خشیت اللہ ہے۔ سورۃ فاطر میں اس  
 مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ  
 عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" علم والے لوگ ہی اللہ کا خوف رکھتے ہیں  
 فرمایا وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ یہ وہی لوگ ہیں جو حساب کی  
 خرابی سے ڈرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے خوف  
 کھاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حساب آسان ہو جائے۔ یہی سید  
 راستے پر چلنے والے لوگ ہیں۔

(۴)  
 صبر

اہل عقل و خرد کی چوتھی صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے  
 وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِعَاءً وَجْهِ رَبِّهِمْ اور  
 وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی کی تلاش کے لیے  
 جنہوں نے دنیا کے مصائب و آلام جھیلے اور ناگوار باتوں پر صبر کیا۔  
 صبر طاعت پر بھی ہوتا ہے، معصیت سے بچنے کے لیے بھی  
 اور تکلیف کو برداشت کرنے پر بھی۔ صبر ملت ابراہیمی کے اہم  
 اصولوں میں سے ایک ہے۔ قرآن پاک میں اس کی بہت سی تفصیلات

موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** (النمر) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملیگا۔ گھرمی کے دنوں میں روزہ رکھنا صبر کی بات ہے۔ صبر کے بغیر انسان گرمی اور سردی میں وضو نہیں کر سکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، حج و عمرہ ادا نہیں کر سکتا۔ صبر نفس کو برائی سے روکتا ہے اور اطاعت پر آمادہ کرتا ہے۔ تو فرمایا عقلمند لوگوں کی چوہتھی صفت صبر ہے۔

ایک مومن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رضائے الہی حاصل ہو جائے۔ ہمارے تمام نیک کاموں اور تمام عبادت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ (التوبة)** اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی حاصل ہو جائے تو وہ ہر چیز سے بڑی ہوگی۔ ہمارے بزرگ حاجی امداد اللہ صابر بھی فرماتے ہیں کہ لوگ لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر میری دعا بالکل مختصر ہوتی ہے **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ** اللہ میں تجھ سے تیری رضا کا طالب ہوں اور جنت کا سوال کرتا ہوں جب کہ تیرے غضب اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔ غرضیکہ جس کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی۔ اس کو سب کچھ مل گیا اور جو کوئی خدا کے غضب سے بچ گیا، وہ تمام برائیوں سے بچ گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا۔ صبر بہت بڑی حقیقت اور ملت ابراہیمی کا اہم اصول ہے۔

(۵)  
اقامت  
صلوٰۃ

فرمایا عقلمندوں کی پانچویں صفت یہ ہے **وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ**  
انہ شام امدادیہ صلوٰۃ



کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز بھی بہت بڑی حقیقت ہے۔ حساب کتاب کے موقع پر سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا۔ نماز ہی کے ذریعے انسان کا تعلق باللہ قائم رہتا ہے۔ نماز مومن کی پہچان ہے۔ مومن اور کافر کے درمیان نماز ہی خط امتیاز ہے۔ نماز ہی ہوتا بھی مومن اور اہل عقل کی صفت ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

فرمایا، اُن کی چھٹی صفت یہ ہے وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ اہل عقل وہ ہیں جنہوں نے خرچ کیا اُس چیز میں سے جو ہم نے انہیں روزی دی ہے۔ انسان جو بھی خرچ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز سے ہی کرتا ہے کسی کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی محنت، ہنر اور عقل سے کوئی چیز کھائی ہے تو وہ نادان ہے یہ تو سب جیلے ہیں، یہ تو ان کو اللہ کے حکم سے تصرف حاصل ہوا ہے۔ تو عقلمند وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں مگر نیکی کے کاموں پر، نہ کہ شیطانی راستوں پر۔ انفاق فی سبیل اللہ میں کھیل تماشہ، گانا بجانا، شراب نوشی، جوا، بازی، شرکیہ لہو اور رسومات باطلہ نہیں آتیں۔ یہ تو سب ناجائز مدت ہیں۔ ہاں قابل قبول خرچ وہ ہے جو خدا کی رضا کے لیے ہو اور اس میں تمام انفرادی اور اجتماعی حقوق بھی شامل ہوں جن پر خرچ کرنا عقلمندوں کی صفت ہے۔

اور اُن کے خرچ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خرچ کرتے ہیں سِرًّا وَعَلَانِيَةً پوشیدہ طور پر بھی اور علی الاعلان بھی۔ اگر پوشیدہ طور پر کوئی چیز مستحقین تک پہنچا دی جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس میں ریاکاری نہیں ہوگی۔ اور اگر کھلے طور پر خرچ کرنے سے دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہو تو ایسا کرنا بھی درست ہے تاہم زیادہ اجر پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کا ہے۔

(۷)  
برائی کا  
ازالہ نیکی  
سے

فرمایا اُن کی ساتویں صفت یہ ہے وَيَذَرُّونَ بِالْحُسْنَةِ  
السَّيِّئَةَ کہ وہ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے ہیں۔ اگر کوئی غلطی  
سرزد ہو گئی ہے تو اس کے جواب میں کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں  
تاکہ برائی کا ازالہ ہو جائے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ  
سے فرمایا تھا کہ غلطی کو نیکی کے ساتھ مٹاؤ۔ جب نیکی کرو گے تو برائی  
خود بخود مٹ جائے گی۔ اگر کوئی آدمی تمہارے ساتھ بد اخلاقی سے  
پیش آتا ہے، گالی دیتا ہے یا کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے  
جواب میں تم بھی غلط کام نہ کرو بلکہ تم برائی کا جواب نیکی سے دو گے  
تو برائی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر ایک گولی کے جواب میں دو گولیاں  
چلیں، ایک گالی کا جواب دو گالیوں سے ملے اور ایک گھونٹ  
کی بجائے دو برسیں تو پھر برائی مٹے گی نہیں بلکہ مزید پھیلے گی۔  
البتہ بعض مواقع پر برائی اور ظلم کا بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے اور  
بعض اوقات معاف کر دینا بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک  
میں ان کے محلات بیان کر دیے ہیں۔ تو فرمایا اہل عقل وہ ہیں جو  
برائی کا ازالہ نیکی سے کرتے ہیں۔

فرمایا جن لوگوں میں مذکورہ سات اوصاف پائے جائیں گے  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عِاقِبَتُ الدَّارِ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت  
کا گھر ہے اور وہ گھر کیا ہے جنت عَدْنِ وہ رہائش کے قابل  
باغات ہیں۔ جنت کے کئی طبقات ہیں جیسے جنت الفردوس  
جنت النعم اور جنت عدن وغیرہ۔ تو جنت عدن وہ باغات  
ہیں جو صرف درختوں اور پودوں کے باغات ہی نہ ہوں بلکہ بہنے  
کے لیے ان میں محلات بھی موجود ہوں۔ فرمایا يَدْخُلُونَهَا  
مذکورہ صفات کے حاملین ان باغوں میں داخل ہوں گے، اور وہ

جنت  
میں گھر



وہاں اکیلے نہیں ہوں گے بلکہ وَمَعَ صَلَاحٍ مِنْ آبَائِهِمْ  
 وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ اُن کے آباؤ اجداد اور اولادوں میں  
 سے نیک لوگ بھی ان کے ساتھ جنت عدن میں داخل ہوں گے۔  
 ایک مومن کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ان کے متعلقین اگرچہ عمل میں ان سے  
 کم تر ہوں گے مگر ان کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ جنت کے  
 اعلیٰ مقام میں ہوں گے۔ جنت عدن کا مقیم جب اپنے اعزہ واقارب  
 کے متعلق اللہ کے حضور تشویش ظاہر کرے گا اور پوچھے گا کہ وہ کس درجے  
 میں ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اُسی کے ساتھ ملا دے گا۔ تاکہ اُس جنتی کو  
 کوئی ذہنی کوفت بھی نہ ہو دوسری جگہ پر ہے ”وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ  
 بِإِيمَانٍ (الطور) اگر ایمان اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی اولادوں  
 کو بھی ان کے ساتھ ملا دیگا۔

فرشتوں کا  
سلام

فرمایا وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ  
 بَابٍ اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہونگے مگر اللہ تعالیٰ  
 کی اجازت کے بغیر داخلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات  
 کوئی شخص اپنے اہل و عیال میں مشغول ہوتا ہے تو ایسے میں محل ہونا درست  
 نہیں ہوتا۔ فرشتے داخل ہو کر کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تم پر  
 سلامتی ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بِمَا صَبَرْتُمْ اس وجہ سے کہ تم نے  
 اس دنیا میں صبر کیا۔ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے  
 جو صبر کی بدولت حاصل ہوا۔ فرشتے مبارکباد دیں گے جس سے اہل ایمان کی  
 خوشی میں اضافہ ہوگا۔ یہ نیک لوگوں کا انجام بیان ہوا۔ اب اگلی آیت  
 میں بُرے لوگوں کا حال بیان ہوگا۔

وما ابرئى ۱۳

درس نہم ۹

الرعد ۱۳

آیت ۲۵ تا ۲۶

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ  
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ  
وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ  
الْعَنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ (۲۵) اللَّهُ يَبْسُطُ  
الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا  
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي  
الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝ (۲۶)

ترجمہ :- اور جو لوگ توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد  
کو بعد اس کے مضبوط کرنے کے ، اور قطع کرتے ہیں  
اُس چیز کو کہ اللہ نے حکم دیا ہے ۔ اُس کو جوڑنے کا ، اور  
فدا کرتے ہیں زمین میں ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت  
ہے اور اُن کے لیے بُرا گھر ہے ۝ (۲۵) اللہ تعالیٰ کثادہ  
کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے  
(جس کے لیے چاہے) اور خوش ہو گئے ہیں یہ لوگ  
دنیا کی زندگی پر ، حالانکہ نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت  
کے مقابلے میں مگر ایک حقیر سامان ۝ (۲۶)

مثلاً توحید اور شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں  
کا ذکر کیا ہے ۔ ایک وہ جو قرآنی تعلیمات سے مستفید ہوتے ہیں ، یہ عقل و صواب

ربط آیات



رکھنے والے لوگ ہیں۔ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے تھے کہ یہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، ان کو توڑتے نہیں۔ یہ لوگ بڑے حساب سے اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے صبر کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے لیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اور برائی کا ازالہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرمایا کہ ان کے لیے قابلِ رہائش باغات ہوں گے اور اگر ان کے آباؤ اجداد، بیویاں اور اولادیں بھی صاحبِ صلاحیت ہوں گی، تو وہ ان کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر ان کو سلام کریں گے اور پھر انہیں صبر کرنے کی وجہ سے اچھے انجام کی خوشخبری دیں گے۔

اب آج کے درس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو قرآنی تعلیمات سے مستفید نہیں ہوتے درحقیقت یہ لوگ عقلمند نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے اوصاف بیان کیے ہیں اور ان کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں ایمانِ اول کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ نافرمانوں کا حال بھی بیان ہوتا ہے جہاں محنین کی بات ہوتی ہے وہاں فاسق و فجار کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، اس طرح گویا ترغیب و ترہیب ساتھ ساتھ چلتی ہیں گزشتہ درس میں قرآن سے مستفید ہونے والوں کا ذکر تھا، اب نافرمانوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔

عہدِ عہد

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ  
مِمَّا بَعَدَ مِنْتَاقِهِ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے

ہیں اس کو نچتہ کرنے کے بعد۔ اس میں عہدِ ازل سے لے کر سائے  
عہدِ آجائے ہیں اللہ تعالیٰ اور بنی نوع النان کے درمیان عہد یہ ہے  
کہ بندے اس کی توحید کو مانیں، اور امر کی پابندی کریں، نواہی سے باز  
رہیں، اطاعت کرتے رہیں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ مومن کبھی  
عہد کو نہیں ٹوڑتا۔ البتہ منافق کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے  
اِذَا عٰهَدَ غَدَرَ جَب وہ عہد کرتا ہے تو اسکو پورا نہیں کرتا۔ عہد کو  
ٹوڑنے والے لوگ عقلمند نہیں ہوتے۔

آگے فرمایا وَيَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ  
يُّوْصَلَ اور جو قطع کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے  
کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ نیکی کو جوڑو  
مگر وہ نہیں جوڑتے۔ اللہ تعالیٰ تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم  
دیتا ہے مگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ (سہی بیماری کے  
مریض ہیں جو بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض  
کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ بیان قرآن پاک میں موجود  
ہے۔ "ذُوْمِنْ يَّبْعُضُ وَكَفَرُوْهُ بِبَعْضٍ" (النسآء) یہ تو  
کفر ہے اور بے عقلی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرابتداریوں کو  
بہمی جوڑنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ قطع رجمی کرتے ہیں۔ یہ دوسری صفت  
ہو گئی۔

فرمایا ایسے بے عقل لوگوں کی تیسری صفت یہ ہے وَيُفْسِدُوْنَ  
فِی الْاَرْضِ یہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے پیروکار  
امام بیضاویؒ پانچویں صدی کے بڑے امام گذرے ہیں۔ ان کی تفسیر مختصر  
تفسیر میں سب سے اہم تفسیر ہے۔ بعد والے ان کی تفسیر سے استفادہ کرتے  
ہیں۔ تو امام بیضاویؒ فساد فی الارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عربی زبان

فساد فی الارض



کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ  
 لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ  
 مَّا يَشَاءُ" (الشوریٰ) اگر اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے سب  
 کے لیے یکساں کٹا دے تو سب کے سب نافرمان ہوتے، لہذا  
 وہ اپنے اندازے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔  
 کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ بعض اوقات نافرمانوں کو بھی  
 رزق میں بڑی وسعت عطا کرتا ہے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ  
 تمام بُرے لوگ آسائش میں ہوں۔ بہت سے کافر بھی تنگی میں  
 وقت گزارتے ہیں۔ کفر اور افلاس اگر دونوں چیزیں یکجا ہو جائیں  
 تو بہت ہی بُری بات ہوگی مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔  
 لیکن بہت سے نافرمان، بد اخلاق اور بد عقیدہ لوگ آرام و آسائش  
 میں بھی ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر موقوف ہے  
 فضیلت کا معیار دنیا کا مال و دولت نہیں بلکہ نیکی، تقویٰ اور  
 ایمان ہے، لہذا کسی تنگ کی خوشحالی دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ شخص خدا  
 تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

دنیا کا  
 حقیر  
 سامان

فرمایا وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ لوگ دنیا کی زندگی پر  
 خوش ہو گئے ہیں، فریفتہ ہو گئے ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلہ  
 میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي  
 الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے  
 میں مگر حقیر سامان۔ اس دنیا کا سارا ساز و سامان ایک بالکل معمولی سی  
 چیز ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے لَوْ كُنَّا نَبِ  
 الدُّنْيَا لَقَدِلْنَا عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بُعُوضَةٍ مَّا سَقَى  
 كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی

رحمت سے دور ہیں۔ فساد فی الارض کرنے والا ہمیشہ لعنت میں گرفتار ہے گا۔ وہ اللہ کی رحمت سے کچھ حصہ نہیں پاسکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ اور قیامت کے دن بھی ان کے گھمیں طوق پڑا ہوگا۔ سورۃ ہود میں اللہ نے نافرمان قوموں کا حال بیان کر کے فرمایا: «وَأَتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَكُلُّكُمْ أَتِّبِيهِ أَسْ دُنْيَا میں بھی ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ اسی میں پھنسے رہیں گے۔ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہے۔ بُرے گھر کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے کہ ایسے لوگ جہنم کا شکار بنیں گے۔ بہر حال قرآن پاک سے مستفید ہونے والے اور اس سے نصیحت حاصل نہ کرنے والے دونوں گمراہوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ان کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

مرزوق کی  
کشادگی  
اور تنگی

نا فرمان لوگوں کی دُنیوی خوشحالی اور آرام و آسائش دیکھ کر بعض اذہان میں شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر یہ واقعی خدا تعالیٰ کے باغی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عیش و آرام کیسے عطا کر رکھا ہے۔ ایسے ہی شبہات کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی آیات میں رفع فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے: اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مَوْ قَدِرٌ اللہ تعالیٰ ہی جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ آسودگی اور تنگ دستی انسانوں کے فہم، عقل اور پلان کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہی انسان کا اپنا کمال نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور مصلحت کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق کشادگی یا تنگی کا فیصلہ



میں فساد کی ضد اصلاح ہے۔ جب کوئی چیز اعتدال پر ہوتی ہے تو وہ درست حالت پر ہوتی ہے مگر جب وہ اعتدال سے باہر نکل جاتی ہے تو اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

فساد فی الارض کا مفہوم بڑا وسیع ہے، مثلاً کفر، شرک اور نفاق فساد فی الارض ہے۔ اس کے برعکس ایمان اور توحید درستگی اور اصلاح ہے۔ یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اس سے تمام چیزیں اعتدال پر آتی ہیں، کافروں کے ساتھ دوستانہ کرنا، ان کو مسلمانوں کے راز پہنچانا، فتنہ برپا کرنا، غلط رسومات کو رواج دینا، دین کے خلاف بات کرنا، شرعی قوانین کو توڑنا، قتل و غارت گری کرنا، معصیت کے حق میں پراسیگنڈا کرنا، فحاشی پھیلانا، اخلاق سوز باتیں کرنا، بدعتیہ ہونا، خلاف سنت کام کرنا۔ بدعت جاری کرنا، زنا، بدکاری، چوری، ڈاکہ، خیانت، آبروریزی کرنا سب فساد فی الارض میں شامل ہے۔ ”وَاللّٰهُ لَا يَحِبُّ الْفَسَادَ“ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل سے محروم ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ اہل عقل اور اہل ایمان ہیں وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں۔ ان میں غریب پروری اور بنی نوع انسان سے ہمدردی کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ تعلق باللہ قائم کرتے ہیں اور عہد کے پابند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے اور فساد فی الارض کرنے والے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔

فَرَّطَ اُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ يٰۤاَيُّهَا لَوۡگَ هِیۡنَ کے لیے لعنت ہے۔ لعنت کا لغوی معنی ہے بُعَد عَنْ الرَّحْمَةِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ جس طرح شیطان مردود اور خدا کی رحمت سے محروم ہے اسی طرح تمام کافر بھی اللہ کی

قدر و قیمت مجھ کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر اور منکر کو پانی  
 کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ مگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک حقیر چیز  
 ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آخرت کے مقابلے  
 میں دنیا کی حیثیت ایسی ہے کہ **كَمَا حَصَلَ أَحَدُكُمْ**  
**إِصْبَعَةً فِي الْيَمِّ** جیسے کوئی شخص اپنی انگلی بمنہ میں  
 ڈبو کر نکالے **فَلْيَنْظُرْ لِمَ يَرْجِعُ** پھر دیکھ لے کہ  
 پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
 ہے **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى** (الاعلیٰ) آخرت ہی پایدار  
 اور بہتر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی، ترمذی شریف ہی کی روایت  
 میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام **مَرَّ بِجَدْيٍ أَسَدٌ**  
**مَيِّتٍ** چھوٹے کانوں والے بکری کے مردہ بچے پر سے گزرے۔  
 آپ علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون ہے جو  
 اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدے۔ صحابہ نے عرض کیا  
 حضور! یہ تو حقیر سا مرا ہوا بچہ ہے۔ **لَا خَبْرُ اللَّهِ لَكَ**  
**بِشَيْءٍ** ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں  
 آپ علیہ السلام نے فرمایا بخدا! اللہ کے نزدیک پوری دنیا کی  
 قیمت اس مردہ بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے مگر لوگوں کا حال یہ ہے  
 کہ اس دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر کوئی اس کے پیچھے  
 دوڑ رہا ہے۔ اس کے حقیر سامان کو سمیٹ سمیٹ کر رکھ رہا ہے  
 اسی کو پایدار سمجھ لیا ہے اور اپنے فرائض منصبی سے غافل ہو گیا  
 ہے۔ دنیا کے آرام و آسائش، محلات، کاروں اور دیگر لوازمات  
 میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے۔ مگر اصل منزل تو آخرت کی منزل ہے  
 جو پایدار بھی ہے اور جس کو دوام بھی حاصل ہے۔ اس آیت



آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں (۲۸) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے خوشخبری ہے اُن کے لیے اور اچھا ٹھکانا (۲۹) اسی طریقے سے ہم نے بھیجا ہے آپ کو رسول بنا کر ایک امت میں۔ تحقیق گنہگار چکی ہیں اس سے پہلے بہت سی امتیں، تاکہ آپ تلاوت کریں اُن پر وہ چنیر جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف۔ اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں رحمان کا۔ آپ کہہ دیجئے وہ میرا رب ہے نہیں کوئی معبود اُس کے سوا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے (۳۰)

گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی نصیحت سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور اُن کا انجام بیان ہوا۔ پھر اس نصیحت سے مستفید نہ ہونے والوں کے اوصاف بیان ہوئے کہ یہ لوگ عہد کو توڑتے ہیں جس چیز کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو کاٹتے ہیں اور فساد فی الارض کے مترکب ہوتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی لعنت اور آخرت میں بُرا ٹھکانا ہوگا۔ اگر ایسے نافرمان لوگوں کو دنیا میں دافر روزی نصیب ہو تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ رزق کی وسعت اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ دنیا کا مال و اسباب خدا کی جانب سے آزمائش ہوتی ہے، یہ کسی شخص کے پسندیدہ ہونے کی علامت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ تاہم وہ ہر شخص کی صلاحیت کے مطابق ہی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی حکمت کو کوئی مخلوق نہیں جان سکتی۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کرنے والوں کا شکوہ بیان کیا ہے

وما آبرئى ۱۳

درس دسم ۱۰

الرعد ۱۳

آیت ۲۰، ۲۱، ۲۲

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ  
 مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ  
 وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَرَادَ ۖ أَنَابَ ۖ (۲۰) الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ  
 اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۲۱) الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحَسُنَ  
 مَا أَبَدَ (۲۲) كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَمٍ قَدْ  
 خَلَقْنَا مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لَتَلْتَأَتْ  
 عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ  
 يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبُّي لَا إِلَهَ  
 إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابَ (۲۳)

ترجمہ :- اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا  
 کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اُس کے رب  
 کی طرف سے۔ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ تعالیٰ  
 گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی  
 طرف اُس کو جو رجوع رکھتا ہے (۲۴) وہ لوگ جو ایمان  
 لائے اور مطمئن ہوتے ہیں اُن کے دل اللہ کے ذکر سے



میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا تقابل بھی کر دیا ہے اور دونوں کی حیثیت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اب یہ بندوں کا کام ہے کہ وہ ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہیں۔

---

کہ یہ لوگ محض ضد اور عناد کی بنا پر فضول مطالبات کرتے تھے حالانکہ ان پر حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ کفر کا لغوی معنی انکار ہی ہے۔ اور اصطلاحاً توحید، ایمانیات، کتاب، انبیاء، کتب سماویہ، قیامت اور ملائکہ کا انکار مراد ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةً مِّنْ رَبِّهِمْ کیوں نہیں اتاری جاتی اُس (پیغمبر) پر نشانی اُس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر لوگ خود اپنے مومنوں سے طلب کرتے تھے نشانیاں تو ہزاروں اللہ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيُصْلِحُ مَن يَشَاءُ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَأَنَّا اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع رکھتا ہے، ہدایت اور گمراہی دونوں چیزوں کے اسباب ہیں۔ جو شخص ضد اور مہرٹ صحری کا منظر ہر گمراہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے، وہ راہِ راست سے محروم رہتا ہے۔ سورۃ نسا میں ہے بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی ہے خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے ہدایت کے لیے طلب کا ہونا ضروری ہے، جو شخص ہدایت کی خواہش رکھے گا، اسے حاصل ہوگی اور جو عناد اور ضد رکھے گا، اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ گمراہی میں ہی بھٹکتا رہیگا



مکے کے مشرکین حضور علیہ السلام سے من مانی نشانیاں طلب کرتے  
 رہتے تھے۔ کہتے تھے مکے کے ان پہاڑوں کو یہاں سے چلا دے تاکہ  
 ہم یہاں پر کھیتی باڑی کر سکیں۔ کبھی کہتے ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دے  
 اس قسم کی بیہودہ فرمائشیں کرتے مگر تسلیم نہیں کرتے تھے شوق القمر کا  
 معجزہ انہوں نے خود طلب کیا، پھر جب اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔  
 تو کہنے لگے "سَبَّحُ لِلَّهِ الْمُسْتَمْسِكِينَ" (القمر) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔  
 پہلے بھی ہوتا تھا، اب بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین  
 کی ذہنیت کا ذکر کیا ہے کہ یہ بہت دھرم لوگ، اللہ کی طرف رجوع  
 نہیں سمجھتے لہذا انہیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہدایت اس  
 شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے اس کا طلبگار ہوگا۔

اطمینان  
 قلب

کفار کے تذکرے کے بعد اب اہل ایمان کا ذکر آ رہا ہے۔  
 ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَ  
تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ اور مطمئن ہوتے ہیں۔  
 ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جو بھی ایماندار  
 آدمی اللہ کا ذکر کرے گا اُس کے دل میں سکون پیدا ہوگا۔ ساتھ یہ بھی  
 فرمایا إِلَّا آكَاہُ رَہْوَ اور سُنْ لَوْ، بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ  
 اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے اطمینان  
 قلب کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے  
 کہ جب اللہ کا نام لیا جائے یا اس کا کلام پڑھا جائے یا کوئی شخص  
 منقول ذکر کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو اُن کے دل میں خاص  
 قسم کا انس پیدا ہوتا ہے اور وحشت دور ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ  
 یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے جس سے وہ  
 خاص قسم کا لطف محسوس کرتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا کے

آرام و آسائش کے تمام لوازمات بھی اکٹھے کر لیے جائیں تو جسم کو آرام تو مل سکتا ہے مگر سکونِ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا عیش و آرام تو ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی انسان کبھی بھی سیر نہیں ہوتا بلکہ اُس کا معاملہ **هَلْ مِتَّ مَمْنُونًا** والا ہو جاتا ہے، کہ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری سہولت کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ اُس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ اطمینانِ قلب سے محروم رہتا ہے۔ بڑے بڑے دولت مند حتیٰ کہ سلطنتوں کے مالک بھی ذکرِ الہی سے دوری کی وجہ سے بے چین ہی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف اپنے دلوں کو ذکرِ الہی سے منور کرنے والے مزدور پیشہ لوگوں کو بھی سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے ان کی ساری وحشت دور ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اطمینانِ قلب کا واحد ذریعہ ذکرِ الہی ہے۔

ذکرِ الہی  
کے  
طریقے

ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام طور پر ذکرِ زبانی ہوتا ہے۔ انسان نماز پڑھتا ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے یا دیگر ذکر و اذکار کرتا ہے۔ جنہیں زبان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیوں اور نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے کہ اللہ نے انہیں کیسی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو یہ بھی اللہ کے ذکر کے مترادف ہے۔ اس کے علاوہ ایک ذکرِ قلبی بھی ہے۔ بزرگانِ دین اس کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ انسان دل کے ساتھ کس طرح اللہ کا ذکر کرے متاخرین بزرگانِ دین جن میں حضرت مجید الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یا بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر بہت سے لطائف رکھے ہوئے ہیں، جب وہ لطائف



کثرتِ ریاضت سے بیدار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور یہ مکہ مرشدِ برحق سے سیکھنے پر حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ نفس کے ساتھ بھی ذکر ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین ایسا طریقہ بھی سکھاتے ہیں کہ انسان کے جسم کے اندر جانے والی اور باہر آنے والی ہر سانس اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ تاہم آسان ترین ذکر لسانی ہے امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ہر دن کے لیے کسی مومن کا ذکر الہی میں حصہ اس سے کم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ سُبْحَانَ اللہ۔ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ سو سو مرتبہ کہے۔ بعض بزرگانِ دین اس کے ساتھ ساتھ ایک سو مرتبہ استغفار اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ مشائخِ چشت کے طریقے یہ بیعت ہونے والے عوام کو یہ عمل ہر روز صبح و شام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اذکار کے تمام کلمات جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں یا جو سلف صالحین سے منقول ہیں، وہ سب اطمینانِ قلب کا باعث ہیں حصنِ حصین کی روایت میں آتا ہے کُلُّ مُطِیْعٍ ذَاکِرُ اللّٰہِ یعنی اللہ کا ہر اطاعت گزار اُس کا ذکر ہے۔ یعنی اگر وہ زبان سے ذکر نہیں بھی کرتا مگر اُس کی طرف سے خدا کی اطاعت کا ہر کام اس کی طرف سے ذکر ہی سمجھا جائے گا۔ تاہم زبانی ذکر ملتِ ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے ”وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ اللّٰہُ کا ذکر ہر چیز سے بڑا ہے۔ جب انسان اللہ کا اسم پاک اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو اُس پر خدا تعالیٰ کی تجلی نازل ہوتی ہے جس سے اُسے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ آپ بزرگوں کی سوانح حیات پر دھ کر دیکھ لیں، یہ اللہ والے دنیا کے ساز و سامان سے بے نیاز مگر سکون

قلب کی دولت سے مالا مال ہے ہیں۔ انہیں کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں ہونی کیونکہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر سکون والی اور کوئی چیز نہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بعض بزرگ زیادہ تر ذکر الہی میں ہی ہنک سہتے ہیں۔ وہ دنیا کے لوازمات کی طرف محض اس لیے راغب نہیں ہوتے کہ اس دوران خدا تعالیٰ کی تجلی کا نزول نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ لہذا وہ خدا کی تجلی کے حصول کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تاکہ ان کے سکون قلب کی دولت میں کسی وقت بھی کمی نہ آنے پڑے۔ بہر حال سکون قلب کے لیے ذکر کا طریقہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی بدعتی یا غیر مشروع طریقہ اختیار کیا گیا۔ تو اس سے چین نصیب نہیں ہوگا کیونکہ بہتر نتیجہ صحیح راستہ اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوگا۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے اس اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس آیت کی رو سے تو ذکر الہی اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے جب کہ سورۃ الفال کی آیت ”إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر الہی سے دل ڈر جاتے ہیں یعنی خوف طاری ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں آیات متعارض معلوم ہوتی ہیں مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں کیفیتوں کے مراجع مختلف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے مومنوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور جن آیات میں اللہ کی وعید اور اس کے عذاب کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے اہل ایمان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ گویا جس وقت خدا تعالیٰ کے عدل کا تذکرہ ہوتا ہے تو مومنوں کے دل خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور جب

ایک  
اشکال



خدا تعالیٰ کی رحمت بے پایان کا ذکر ہوتا ہے تو اہل ایمان کو اطمینان  
 قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا ان آیات میں درحقیقت کوئی تعارض  
 نہیں ہے۔

صاحب تفسیر منطہری قاضی شہداء اللہ ربانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ خوف  
 اور امید اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں۔ انسان کے دل میں یاد الہی سے جو  
 انس پیدا ہوتا ہے اس میں خوف اور رنجی دونوں چیزیں شامل  
 ہوتی ہیں۔ دونوں کی یکجائی کے متعلق حدیث میں مثال موجود ہے  
 ایک نوجوان زندگی کے آخرت لمحات پر تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ تم اپنے آپ  
 کو کیا پاتے ہو؟ اُس نوجوان نے عرض کیا حضور! أَخَافُ ذُنُوبِي  
 میں اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کی وجہ سے خوفزدہ ہوں وَ  
 أَرْجُو اللَّهَ اور میں خدا تعالیٰ سے اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا  
 ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص میں خوف اور رنجی اکٹھے  
 ہو گئے وہ یقیناً کامیاب ہو گا۔ فرمایا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُسے  
 وہ چیز عطا کرے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچا  
 لے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ گویا ایک کامل الایمان آدمی میں یہ  
 دونوں چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ خدا کے عدل سے ڈر بھی ہوتا ہے  
 اور اس کی رحمت سے امید بھی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں انبیاء  
 علیہم السلام کی یہ صفت بیان کی گئی ہے ”يَذْكُرُونَ مَا رَغَبُوا  
 وَرَهَبُوا“ (انبیاء) وہ ہمیں پکارتے ہیں ہماری نعمتوں میں رغبت  
 رکھتے ہوئے اور ہمارے جلال سے ڈرتے ہوئے۔

اہل ایمان  
 کے لئے  
 بشارت

ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ امام مجتہد فرماتے

ہیں کہ ایمان کے بعد اچھے کاموں میں بنیادی طور پر عبادتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے جو آدمی ایمان لانے کے بعد ان عبادات کو انجام دے گا۔ اللہ اس کو جنت میں پہنچا دیگا۔ اگرچہ وہ گھر میں ہی بیٹھا ہے بشرطیکہ اس کا خاتمہ انہی اعمال پر ہو۔ اس کے علاوہ صالحات ہیں ہر قسم کی بدنی، مالی، قولی اور فعلی نیکیاں شامل ہیں۔ تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے طوبی کہہ سکتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے وکھشن صاب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔ طوبی کا معنی خوشخبری کے علاوہ پاکیزگی بھی آتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ طوبی جنت کے ایک درخت کا نام ہے جو اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ تمام جنتیوں پر چھایا ہوا ہوگا۔ بعض تفسیری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کا تنا حضور علیہ السلام کے گھر میں ہوگا اور اس کی شاخیں تمام بہشتوں میں سارے اہل ایمان پر سایہ فگن ہوں گی۔ بہر حال طوبی کا عالم فہم معنی بشارت سے۔ درخت ہونا بھی کوئی اجنبی بات نہیں کیونکہ قرآن پاک میں سورۃ الممتہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ بھی عجیب و غریب قسم کا درخت ہے جسے انسانی زندگی کے ساتھ خاص لگاؤ ہے۔ ان چیزوں کا راز اس دنیا میں تو نہیں کھل سکتا۔ جب انسان اگلے جہان میں پہنچے گا تو سب پر مے اٹھ جائیں گے اور یہ ساری چیزیں واضح ہو جائیں گی۔

آگے کفار کی من مانی نشانیوں کے مطالبہ کے تسلسل میں ہی ذکر ہو رہا ہے کہ نہ تو نبوت و رسالت دنیا میں کوئی نئی چیز ہے اور نہ ہی منکرین کا انکار عجوبہ چیز ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ تو ابتداء سے ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ کَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ فِيْ اُمَّةٍ اِیْ طَرَحَہُمْ نئے آپکو بھیجا ہے۔ اس آخری امت میں پہلی امتوں کی طرف

تلاوت  
قرآن پاک



بھی انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ انہوں نے بھی خدا کا  
 پیغام، اس کا حکم اور شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی مگر منکرین اسی  
 طرح ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہے، یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں  
 بلکہ آپ کی بعثت اور لوگوں کا انکار پرانے سلسلے کی ہی آخری کڑی  
 ہے۔ فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِكَ أُمَمٌ اس سے  
 پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اور سابقہ انبیاء کی طرح ہم نے  
 آپ کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے لِتَتْلُوا عَلَيْهِمْ  
الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ تاکہ آپ پڑھ کر سنادیں ان کو وہ  
 چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ کتاب الہی کی تلاوت  
 انبیاء کا پہلا کام ہوتا ہے۔ سورۃ العنکبوت میں بھی موجود ہے أَتْلُو  
مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ جو کچھ ہم نے کتاب  
 میں سے آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ اُسے پڑھ کر لوگوں کو  
 سنادیں۔ یہ پہلا کام ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم دینا، حکمت  
 سکھانا، لوگوں کا تزکیہ کرنا، یہ سب فریضہ انبیاء اور کتاب الہی  
 کے موضوعات ہیں۔ چنانچہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام  
 نو مشور کا تہان وحی میں سے کسی شخص کو بلا کر آیات الہی لکھواتے  
 بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نزول وحی کے بعد آپ گھر  
 سے باہر تشریف لاتے اور جو آدمی ملتا اُسے اللہ کا کلام سناتے۔  
 کلام الہی کو پڑھ کر سنانے میں دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو مطلوبہ  
 بات دوسروں تک پہنچ جاتی ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اطمینان  
 قلب حاصل ہو اور اجر و ثواب بھی ملے۔ قرآن پاک کی زیادہ سے  
 زیادہ تلاوت میں یہی راز پنہاں ہے کہ ہمارا تعلق قرآن پاک سے قائم  
 ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے حکم کے مطابق آپ کو ان کو قرآن

پڑھ کر سناتے ہیں مگر کفار و مشرکین کی حالت یہ ہے وَهُمْ لَا يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ کہ وہ رحمان کا انکار کر دیتے ہیں۔

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کو تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے نزدیک تو رحمان اہل پیامہ سلیمہ کذاب تھا۔ مگر قرآن پاک نے صاف صاف بتلایا ہے کہ رحمان اللہ تعالیٰ کی اسی طرح صفت ہے جس طرح اُس کا اسم پاک اللہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اسم ذات اللہ کے ساتھ اس کی صفات رحمان اور رحیم دونوں کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے پکارو اے جس نام سے بھی پکارو فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اس کے سارے نام اچھے ہیں۔ یہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا اور ان کو پڑھتا ہے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ غرضیکہ مشرکین رحمان کے نام سے بدکتے تھے اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی بجائے بِسْمِ اللّٰهِ کہتے تھے۔ بعض مشرکین کہتے کہ یہ نبی ہمیں تو ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور خود ساتھ رحمان کا ذکر بھی کرتا ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں تھیں، مشرکین کے لغو اعتراضات تھے حالانکہ رحمان اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور یہ اُس کا صفاتی نام ہے۔

فَرِیَّا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے هُوَ رَحِیْمٌ وہ میرا پروردگار ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کو جس نام سے بھی پکارا جائے وہ راضی ہوتا ہے، اور پھر قرآن نے



یہ مسئلہ بھی بیان کر دیا ہے۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ  
 اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا" (احمد سجدہ) اللہ تعالیٰ کے  
 اسمائے پاک میں جو شخص الحاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی پہچانتا  
 ہے۔ الحاد کا مطلب یہ ہے کہ اسمائے پاک کا غلط مطلب لیا جائے،  
 جیسے پُر نیا کہتا ہے کہ اللہ سے میرا ذات اللہ نہیں بلکہ قانون مراد ہے  
 حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اس کے نیچے ایک حقیقت  
 پوشیدہ ہے اور اس لفظ کا ذکر کرنے سے وہ حقیقت ذہن میں  
 آتی ہے۔ اسی طرح لفظ رحمان بھی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک  
 خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے مگر مشرک لوگ اس نام کو تسلیم نہیں کرتے  
 غرضیکہ اللہ کا معنی قانون نہیں بلکہ اس نام سے اللہ کی ذات کا اظہار  
 ہوتا ہے۔ کسی ذات کا تشخص نام کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ انسان  
 بھی ناموں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذاتی نام ہے  
 اگر لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس سے ذات مراد ہوگی اور لفظ رحمان  
 سے یاد کیا جائے۔ تو اس سے اللہ کی صفت رحمت مراد ہوتی ہے  
 فرمایا وہ میرا رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عَلِیْہِ تَوَكَّلْتُ میں اُسی پر بھروسہ کرتا ہوں وَ اِلَیْہِ  
 مَتَّابٌ اور ہر وقت میرا اسی کی طرف رجوع ہے مطلب یہ ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، تمہارا رجوع خود بخود اس کی طرف ہو جائیگا  
 خدا کی رحمت ہر وقت متوجہ رہتی ہے لہذا اس سے مایوس نہیں ہونا  
 چاہیئے۔ دوسری جگہ فرمایا "اَنِیْبُوْا اِلَیَّ رَتِّبْکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہِ"  
 (الزمر) رجوع کے لیے انصاف شرط ہے۔ ضد، ہٹ دھرمی  
 اور عناد مشرکوں کا شیوہ اور محرومی کی علامت ہے۔

وما ابرئ ۱۳

درس یازدهم ۱۱

الرعد ۱۳

آیت ۳۱

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُوِّرَتْ بِهٖ الْجِبَالُ اَوْ قُطِعَتْ  
 بِهٖ الْاَرْضُ اَوْ كَلِمَۢ بِهٖ الْمَوْتٰی بَلَّ لِلّٰهِ الْاَمْرُ  
 جَمِیْعًاۙ اَفَلَمْ یَاْتِیْسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ  
 لِّوَلِیِّہٖ اللّٰهُ لَهْدٰی النَّاسِ جَمِیْعًاۙ وَلَا یَزَالُ  
 الَّذِیْنَۙ کَفَرُوْۤا تُصِیْبُهُمْۙ بِمَا صَنَعُوْۤا  
 قَارِعَةٌۙ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْۙ حَتّٰی  
 یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ  
 الْمِیْعَادَ ۝۳۱

۴۵۱

ترجمہ :- اور اگر کوئی قرآن ایا ہوتا کہ اس کے ساتھ  
 پہاڑوں کو چلایا جاتا یا اس کے ساتھ زمین کے ٹکڑے کیے  
 جاتے یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا (تو پھر بھی  
 یہ لوگ نہ مانتے)، بلکہ معاملہ سب کا سب اللہ کے  
 ہاتھ میں ہے۔ کیا مایوس نہیں ہوئے وہ لوگ جو ایمان  
 لئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہدایت دے دے سب  
 لوگوں کو۔ اور برابر رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا،  
 پہنچتی رہے گی ان کو اس وجہ سے جو انہوں نے کیا،  
 کھٹکھٹانے والی چیز۔ یا اترے گی وہ ان کے گھروں سے  
 قریب یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ



نہیں خلاف کرتا وعدے کا (۳۱)

رابطہ آیات

یہ آیت بھی گزشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ کافر اور مشرک لوگ من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ عنادی اور عنادی لوگ ہیں، انہیں حقیقت کی طلب نہیں ہے، اس لیے انہیں راہِ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔ صراطِ مستقیم کے حقدار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اطمینانِ قلب کا نسخہ بھی بتلا دیا کہ یہ ذکرِ الہی ہی ہے جو دلوں کے سکون کا باعث بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے انجام کا ذکر بھی فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے لیے اہلِ کائنات بھی نازل فرمایا کہ کفار و مشرکین کی طرف سے مخالفت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے، اسی طرح آپ کے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھی ہادی بھیجے مگر وہ لوگ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے مخالفت پر اڑے گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی طرف سے مخالفت کی پروا کیے بغیر اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

شانِ نزول

• آج کا درس مشرکین کے اعتراضات کے جواب میں ہی ہے وہ لوگ طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے، مثلاً یہ کہ آپ اس قرآن کے ذریعے مکے کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں، یہاں پر زمین ہموار ہو جائے اور ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں، وہ یہاں پر نہریں جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرتے تھے نیز یہ بھی مطالبہ کرتے کہ آپ اس قرآن کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کر دیں یا ہمارے

فوت شدہ اباؤ اجداد کو زندہ کر دیں تاکہ ہم ان کے ساتھ برسات چریت کر سکیں۔ مشرکین ایمان لانے کے لیے اس قسم کی شرائط اور بہیودہ اعتراضات پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آج کے درس میں مشرکین کی غلط فہمائشوں کا رد فرمایا ہے اور ان کو جواب دیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب قرآن کریم اس قسم کی فہمائشوں کی تکمیل کے لیے نازل نہیں کی بلکہ اس کتاب کو اللہ نے ذریعہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر کامیابی کی منزل حاصل کر سکیں۔

قرآن ذریعہ  
ہدایت

ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا اور اگر کوئی قرآن لیا ہوتا کہ سُيْلُوتٌ بِهِ الْجِبَالُ اس کے ذریعے پہاڑوں کو چلایا جاتا اور قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ یا اس کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کر دیے جاتے اور كَلَّمَ بِهِ الْمَوْتُ یا مردوں سے باتیں کی جاتیں مگر اللہ نے اپنی کتابیں اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کتب سماویہ اور صحائف کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن پاک بھی اللہ کی آخری کتاب ہے اور دیگر کتب کی طرح مبنیٰ بر خدا و ہدایت ہے، مگر اس سے چھو منتر کا کام نہیں لیا جاسکتا کہ اس کو دم کر کے لوگوں کی فہمائشیں پوری کی جائیں۔ یہ کتاب تو گمراہی کو دور کر کے نیکی اور ہدایت کی طرف بلانے والی چیز ہے۔ اس کے ذریعے کفر و شرک مٹتا اور ایمان آتا ہے۔ ظلم و جور کی جگہ عدل و انصاف لیتا ہے، نجاست کی بجائے پاکیزگی، اور بد اخلاقی کی جگہ اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کا مقصد خود قرآن کی زبان سے یہ ہے كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ رَئِیدٌ بَرُورٌ إِلَيْهِ وَلِيَسْتَذْكُرُوا اولوا الْأَلْبَابِ (ص ۱)



ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور دانا لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ سورۃ ابراہیم کی ابتداء میں ہی قرآن کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے "لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" تاکہ اس کے ذریعے آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ کفر، شرک، بدعت، معاصی وغیرہ سب ظلمات ہیں، ان سے چھڑکارا حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کو اپنانا ہوگا۔ اس کے بغیر ایمان اور توحید کی روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

قرآن  
کا مفہوم

اس مقام پر قرآن سے مراد قرآن پاک بھی ہے اور مطلق کتاب بھی۔ قرآن کے لغوی معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ چاروں کتب اور صحائف پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں بھی قرآن کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، اور یہی اس کے بحق ہونے کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں قرآن کا اطلاق زبور پر بھی کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن کا پڑھنا آسان کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے خادم کو حکم دیتے کہ گھوڑے کو اصطبل سے نکال کر اس پر زین ڈالو۔ یہ حکم دے کر آپ زبور کی تلاوت شروع کر دیتے اور جب تک خادم گھوڑے کو سواری کے لیے تیار کرتا۔ آپ پوری زبور کی تلاوت کر لیتے۔ قرآن کریم کے متعلق بھی آتا ہے کہ بعض حضرات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوتی ہے جو گھوڑے وقت میں بہت زیادہ تلاوت کر لیتے ہیں۔ بعض بیچارے

زیادہ وقت میں بھی حقوڑی سی تلاوت کرتے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ کی دین اور اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے کلام کی تلاوت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

الغرض! اس مقام پر اگر قرآن سے مراد مطلق کتاب لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر کسی کتاب سے پیاروں کو چلانے، زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے یا مردوں سے ہم کلام ہونے کا کام لیا جاسکتا تو قرآن پاک سے تو بطریق اولیٰ ایسا ہو سکتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کوئی بھی کتاب یا صحیفہ اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمایا کہ اس سے لوگوں کی فرمائش پوری کی جائیں بلکہ اللہ کی کتابیں تو مبینع رشد و ہدایت ہیں، جو ان کی طرف رجوع کرے گا اُسے راہِ راست میسر آجائے گا جس پر چل کر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔

فرمایا یہ قرآن اللہ نے تمہاری خواہشات کی تکمیل کے لیے نازل نہیں فرمایا **بَلِّغِ الْاَمْرُ جَمِيعًا** بلکہ معاملہ سارا کا سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو پیاروں کو چلا سکتا ہے مگر اُس مالکِ الملک نے یہ کتاب نازل فرما کر پیاروں کی طرح کفر و شرک پر جسے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر انوار و تجلیات کی وادیوں میں پہنچا دیا ہے اور ان کے دلوں میں جمی ہوئی برائیوں کو اکھاڑ کر رکھ دیا ہے اور وہاں پر نورِ ایمان اور معرفت کے چشمے جاری کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرح منجھد رسومات باطلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور مردہ قوموں اور مردہ دلوں کو ابدی زندگی عطا کر دی ہے قرآن تو اس مقصد کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اللہ نے سورۃ یونس میں قرآن پاک کا ایک

قرآن  
کی بکات



مقصود یہ بھی بتایا ہے "قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" یہ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور تمام روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے انسان کی تمام عقلی اور روحانی ضروریات اسی قرآن پاک کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔

اجتماعی ہدایت  
شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ جب کافر و مشرک طرح طرح کی فرمائشیں پیش کرتے تو بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوتا کہ اگر ان کی خواہش پوری کر دی جائے تو شاید یہ ایمان لے آئیں مگر اللہ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ دل میں ایسا خیال نہ لائیں، یہ ضدی اور بہت دھرم لوگ ہیں، اگر ان کی فرمائش پوری کر بھی دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ سورۃ النعام میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَآ إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ" اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ تمام نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، وہ جسے چاہے ظاہر کر دے۔ مگر تمہیں کیا معلوم ان والو! اگر ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی اور عنادی لوگ ہیں اور اپنی بہت دھرمی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

فرمایا أَفَلَمْ يَأْتِیَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَكْبَارُ الْإِيمَانِ اس بات سے مایوس نہیں ہوئے اَلَمْ تَرَ كَيْسَ أَهْلَ الْاَلَمِ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے لہدٰی الناسَ جَمِیْعًا تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دے۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہے تو تمام انسانوں کو جبراً ہدایت کے راستے پر ڈال دے مگر

یہ چیز اسکی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معاملہ خود انسان کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے اس نے حق و باطل میں امتیاز تبلا کر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ" (الحکمت) چاہے تو ایمان قبول کرے اور چاہے تو کفر پر اڑا ہے۔ وہ جو بھی راستہ اختیار کرے گا۔ اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ البتہ کسی سے زبردستی کوئی چیز منوانا اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے وہ تو انسان کو ہر طریقے سے آزماتا ہے "وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً" (الانبیاء) وہ برائی کے ساتھ بھی آزماتا ہے اور نیکی کے ساتھ بھی۔ پھر جو اس کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ کامیابی کا حقدار وہی ہوتا ہے۔ الغرض! اجتماعی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے۔ ہدایت کا حصول ہر شخص کی اپنی صلاحیت اور طلب پر منحصر ہے۔

یائیس کے  
مختلف معانی

یائیس کا عام فہم معنی تو بالوسی ہے، تاہم شاہ عبدالقادر اس لفظ کا ترجمہ "خاطر جمع کرنا" کرتے ہیں مطلب یہ کہ کیا ان اہل ایمان کے لیے خاطر جمع نہیں ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے، یعنی ہدایت پر مجبور کر دے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں یائیس کا معنی یقینی بات ہے اور اس طرح جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ کیا اہل ایمان کے لیے یہ یقینی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے مگر وہ ایسا نہیں کرے گا، اہل ایمان کو مشرکین سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قبیلہ نخع کی زبان میں یائیس کا معنی جاننا بھی ہوتا ہے اور جملے کا مفہوم یہ ہے کہ کیا اہل ایمان



نے اس بات کو نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو راہِ راست پر لے آئے  
مگر یہ اس کی حکمت کے منافی بات ہے۔ اس لفظ کو اردو زبان میں بھی  
استعمال کیا جاتا ہے اور یاس کو مایوسی کے معنوں پر محمول کیا جاتا ہے۔  
اصغر شاعر کہتا ہے ۷

یاس اک جنوں ہوشیاری امید فریب زندگی کا  
جنوں ہوشیاری یہ ہے کہ انسان کو قطعی طور پر یقین ہو جائے کہ ایسا  
نہیں ہوگا۔ یاس زندگی کا ایک جنون ہے اور امید محض دھوکہ ہے  
انسان ساری زندگی امید کے دھوکے میں مبتلا رہتا ہے مگر بے اوقا  
اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہر حال ہدایت کا فائدہ اُسی کو حاصل ہوگا جو  
اپنی مرضی سے اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتا۔  
فرمائیں کرنے والے ازلی منکرین کے متعلق اللہ نے فرمایا  
وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں  
نے کفر کیا۔ تَصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ پہنچے گی ان  
کو ان کے کپے کی وجہ سے کھٹکھٹانے والی چیز۔ گویا ایسے لوگوں  
کو امن و سکون نصیب نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ مشکلات میں گھبرے رہیں  
گے۔ یا تو جنگ و جدل میں مصروف رہیں گے۔ یا بیرونی حوادث  
کا شکار ہوں گے۔ أَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ وہ  
کھٹکھٹانے والی چیز ان کے گھروں کے قریب اترے گی یا ان  
پر پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہر وقت خوف میں مبتلا رہیں گے، گویا ان  
کو ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت کا کھٹکا لگا رہے گا۔ چنانچہ مشرکین عرب  
ہمیشہ لڑائی کے خوف میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ان  
کے گھروں کے قریب مصیبت اترنے کی مثال سلسلہ کا واقعہ  
حدیبیہ ہے حضور علیہ السلام نہ پرہ سو جانبا زدن کے ساتھ حدیبیہ کے

کفار کے  
دائمی مشکلات

مقام پر اترے جسکی وجہ سے مکے والوں میں ہلچل مچ گئی اور آخر کار یہ معاملہ ایک معاہدے کے تحت طے ہوا۔ الغرض! تھلجہ اگر مخاطب کا صیغہ ہو تو معنی ہو گا کہ آپ اُتریں اور اگر غائب کا صیغہ تسلیم کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اُن کے گھروں کے قریب کوئی آفت یا مصیبت اُترے۔

جب کسی علاقے میں آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قریبی علاقے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہے۔ آج ہمارے قریب مشرقی پنجاب میں سکھوں پر مصیبت پڑی ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی عبرت پکڑنی چاہیے۔ ذرا ۳۵ سال پہلے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، ان ظالم سکھوں نے مسلمانوں پر کتنے ظلم کیے۔ اللہ کے گھروں کی بے حرمتی کی مسجدوں کو اہطل اور بیت النکلا بنایا، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، مگر آج اُن کے گوردوارے کا حال بھی ملاحظہ کر لیں۔ اُن کے مقدس مقام کی بے حرمتی ہوئی، گولی چلی اور سینکڑوں کھمارے گئے۔ تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے، اس سے عبرت حاصل کرنے چاہیے۔ اُدھر گزشتہ پانچ سال سے روس ہماری سرحدوں پر دست دے رہا ہے۔ افغانوں پر مظالم ڈھا رہا ہے مگر ہم شس سے مس نہیں ہوتے۔ ہمیں اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ ہمارے قریب نازل ہونے والی آفت کیسے ہم پر بھی نہ آپڑے۔ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ ۱۹۱۶ء میں روس میں جو انقلاب آیا تھا اس میں دو کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ بڑے بڑے باعزت آدمیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر تین تین میل تک گھسیٹا گیا۔ اپنے قریب مصیبت دیکھ کر انسان کو تنبیہ ہونی چاہیے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیے ظلم و زیادتی سے تائب ہو جانا چاہیے۔ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو



دشمن کو حملہ کرنے کی دعوت دے۔ اندرونی طور پر طوفان اور زلزلے بھی آسکتے ہیں۔ یہ بھی انسانوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے، اللہ سے معافی مانگ لیں۔

مسلمانوں کے  
لیے عبرت

بنیادی طور پر تو یہ کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے مگر یہ مسلمانوں کے لیے بھی مقامِ عبرت ہے۔ ابتدائی دور میں مصیبت کفار کے گھروں کے قریب اترتی رہی جس میں ان کے لیے تہذیب تھی مگر آخر کار یہ مصیبت خود ان پر بھی آن پڑی۔ اسی لیے فرمایا کہ انسان کو عبرت حاصل کرنے چاہیے۔ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ وَعْدُ الْمَلٰٓئِیۡہِ بِمَا لَمْ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ یہ تھا کہ وہ اسلام کو غالب کرے گا، چنانچہ اللہ نے وہ وعدہ پورہ کر دیا۔ خلافت راشدہ قائم ہوئی اور آدھی دنیا پر مسلمانوں کو کنٹرول حاصل ہو گیا، اور باقی آدھی دنیا ساڑھے چھ سو سال تک مغلوب رہی، کسی میں دم مارنے کی مہمت نہ تھی۔ پھر جب مسلمانوں میں انحطاط پیدا ہوا، کافروں نے سر اٹھایا اور مسلمان مغلوب ہوتے چلے گئے۔

وعدے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ دنیا ختم ہوگی تو دوسری دنیا قائم ہوگی۔ اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، پھر جزائے عمل کی منزل آئیگی اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ موت کا وعدہ انسان کے لیے انفرادی طور پر آتا ہے اور پھر اجتماعی طور پر فنا کا وعدہ اُس وقت پورا ہوگا۔ جب قیامت برپا ہو جائے گی کائنات کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور پھر نئی دنیا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ ایسے ہی وعدے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعَدًا

عَلَيْنَا (انبیاء) ہمارا وعدہ برحق ہے "إِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ" ہم  
 اس نظام کو تبدیل کر کے دوسرے نظام ضرور لائیں گے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا  
 يُخْلِفُ الْمِيعَاتِ بیشک اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا  
 اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

---



الوعد ۱۳  
آیت ۳۲ تا ۳۵

وما ابرئ ۱۳  
درس دوازدهم ۱۲

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَامْلَيْتُمُ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ اخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۚ (۳۲)  
اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ  
وَجَعَلَ لِّلّٰهِ شُرَكَاءُ قُلْ سَمُّوهُمْ اَمْ تُنَبِّئُونَهُ  
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ  
الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ  
وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ  
فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ (۳۳) لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ  
الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ  
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۚ (۳۴) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي  
وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ  
يُكَلِّمُهَا دَائِمًا وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ  
اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ ۚ (۳۵)

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق محط کیا گیا رسولوں کے  
ساتھ آپ سے پہلے پس میں نے ملت دی اُن لوگوں  
کو جنہوں نے کفر کیا۔ پھر میں نے پکڑا اُن کو، پس کیسی  
تھی سزا (۳۲) بھلا وہ ذات جو قائم ہے ہر ایک نفس  
پر جو اُس نے کمایا ہے، اور ٹھہرائے ہیں اُن لوگوں نے

اللہ کے لیے شریک۔ آپ کہہ دیجئے، اُن کے نام لو۔  
 کیا تم بتلاتے ہو اُس کو وہ جو نہیں جانتا وہ زمین میں،  
 یا دوسری بات۔ بلکہ مزین کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیے  
 جنہوں نے کفر کیا اُن کا سکر۔ اور روکے گئے ہیں وہ راتوں  
 سے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے پس نہیں ہے اُس  
 کو کوئی ہدایت دینے والا (۲۲) اُن لوگوں کے لیے عذاب  
 ہے دنیا کی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب بہت سخت  
 ہے۔ اور نہیں ہو گا اُن کے لیے اللہ سے کوئی بھی بچانے  
 والا (۲۳) مثال (اور حال) اُس جنت کا جس کا وعدہ کیا  
 گیا ہے متقیوں کے ساتھ، جاری ہیں اُس کے سامنے  
 نہریں۔ اور پھل اُس کے ہمیشہ پہنچے ہوئے ہیں اور اُس  
 کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام اُن لوگوں کا جو ڈرتے رہے۔

اور انجام کفر کرنے والوں کا جہنم کی آگ ہے (۲۵)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں شرکین کی تردید کے متعلق دو باتیں بیان ہو چکی ہیں  
 پہلی بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین اللہ کے نبی سے من مانی نشانیاں طلب  
 کرتے تھے اور یہ مطالبہ کسی اشتباہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ضد اور غنا کی وجہ  
 سے ہوتا تھا۔ اُن کا منصوبہ یہ ہوتا تھا کہ اپنی خواہش کی نشانیاں طلب کی جائیں اور  
 جب آپ پیش نہ کر سکیں تو آپ کا تمسخر اڑایا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے  
 حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی عیڑا  
 کیا گیا، اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ  
 میں نے اپنے لوگوں کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دی اور پھر بالآخر انہیں سخت  
 عذاب میں مبتلا کیا۔ فرمایا آپ کے مخالفین کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی دمی



ہوئی ہست سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں، ورنہ سابقہ اقوام کی طرح وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اب اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ ان لوگوں کی بے عقلی کا حال ملاحظہ کریں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ایسی ہے جو ہر چیز پر قائم اور نگران ہے، وہ قادر مطلق ہے، ہر قسم کا تصرف اُسی کو حاصل ہے، مگر یہ لوگ اُس ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو شریک بنا رہے ہیں، حالانکہ ان شرکاء کا نہ کوئی اختیار ہے اور نہ وہ کسی چیز پر تصرف رکھتے ہیں، نہ وہ کسی کی حاجت کو جانتے ہیں، نہ ان کے پاس علم ہے۔ بلکہ وہ تو عاجز مخلوق ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو خدا کا شریک بنانا کتنی بیوقوفی اور حماقت ہے۔

استنزا  
رسل

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اسْتَهْزِیْ بِرُسُلِ مِّنْ قَبْلِكَ الْبَلٰیۃُ تَحْقِیْقُ طُغْیَا کیا گیا بہت سے رسولوں کے ساتھ آپؐ سے پہلے۔ فرمایا یہ تو پرانے جاہلوں اور کافروں کا دستور ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو تمسخر کا نشانہ بناتے رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر آپؐ تسلی رکھیں کہ یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں گے، مگر ان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ طُغْیَا کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کا تمسخر اڑانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔ تہذیب شریف کی روایت میں آتا ہے۔ وَلَا تُمَارَاۤ اِخَاۤکَ وَلَا تَمَازِجْ اِیۡنَہٗ جَہَانِی کے ساتھ جھگڑانہ کرو اور نہ اس کے ساتھ استنزا کرو۔ فرمایا ایا وعدہ بھی نہ کرو جسے پورا نہ کر سکو۔ مگر یہ خرابیاں معاشرہ میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تو وہ کہنے لگے، کیا تو ہمارے ساتھ بھٹا کر رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِّنْ

الْجَاهِلِينَ (البقرة) خدا کی پناہ! کہ میں جاہلوں میں سے بن جاؤں  
 کیونکہ بھٹا کرنا تو جاہلوں کا کام ہے۔ میں تو اللہ کا بنی ہوں اور اس  
 کا حکم پیچارہ ہوں۔ غرضیکہ عام مسلمانوں کے ساتھ بھٹا کرنا جس سے اس  
 کی تحقیر مقصود ہو، حرام ہے اور اللہ کے بنی کے ساتھ یہ سلوک کرنا تو کفر  
 ہے۔ بنی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے  
 اللہ نے آپ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی  
 رسولوں کا مذاق اڑایا گیا قَامِلَتْ لِلذَّيْنِ کَفَرُوا پھر میں نے  
 کفر کرنے والوں کو مہلت دی ثُمَّ أَخَذْتَهُمْ پھر میں نے  
 ان کو پکڑ لیا، مہلت مل جانے سے انسان کو مغرور نہیں ہو جانا چاہیے  
 کہ وہ دنیا تا پھرے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مجرمین کو پہلے مہلت  
 دیتا ہے، پھر جب وہ اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آتے تو ان کو  
 پکڑ لیتا ہے۔ فرمایا، میں نے استنزاء کرنے والوں کو پکڑ لیا  
 فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ، پھر دیکھو! میری گرفت کیسی تھی۔ میں  
 نے ان کو کیسی سزا دی۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کو تنبیہ  
 کی جا رہی ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے قانون اہمال میں ہو۔ وہ جب  
 چاہے گا پکڑ لے گا اور پھر عبرت ناک سزا دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ هُوَ قَاتِلٌ عَلٰی نَفْسٍ  
 بھلا وہ ذات جو قائم یعنی نگران ہے ہر نفس پر لِبَعَا کَسِبَتْ  
 جو اس نے کمایا ہے قائم کا معنی خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے  
 والا ہے اور نگران کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں  
 حصید اور وکیل کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کائنات کی تمام  
 چیزوں کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ہر چیز کی نگرانی  
 کرتا ہے۔ اس کی نظروں سے کوئی چیز اور چھل نہیں ہے سورۃ فجر

خدا کے  
 شریک



میں ہے: **إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ** بے شک تیرا پروردگار  
 گھات میں ہے۔ جس طرح شکاری اپنے شکار کی گھات میں رہتا  
 ہے اور جب اُسے غافل پاتا ہے تو پکڑ لیتا ہے، اسی طرح خدا  
 تعالیٰ کی گھات اور نگرانی بھی باریک، قائم اور دائم ہے۔ بہر حال  
 فرمایا کہ ہر نفس جو بھی کام کرتا ہے اُس پر خدا کی نگرانی اور حفاظت  
 قائم ہے۔ وہ علیم کل، قادر مطلق اور مختار کل ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر  
 ہے، فرمایا ایسی مہتی کو اچھڑ کر **جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ** اُن کفار و مشرکین  
 نے اللہ کے شریک بنالیے ہیں۔ اللہ نے اُن لوگوں کی حماقت  
 کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز فرمایا **فُتِلَ اے پیغمبر! آپ ان سے**  
**کہہ دیں سَمُّوْهُمْ** اُن شرکیوں کے نام تو لو۔ بھلا بتلاؤ تو سہی  
 کہ وہ کون ہیں جنہیں تم نے خدا کی صفت میں شریک کر رکھا ہے۔  
 پھر یہ بھی بتاؤ کہ اُن شرکیوں کو کیا اختیار حاصل ہے اور وہ لوگوں کے  
 نفع نقصان کے کہاں تک مالک ہیں۔ یہ کتنی بے وقوفی کی بات  
 ہے کہ لوگوں نے ایسا ہتھیار کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو نہ قائم  
 ہیں نہ دائم ہیں۔ نہ علیم ہیں، نہ قادر مطلق اور نہ حاضر و ناظر وہ تو عاجز  
 مخلوق اور محتاج ہیں، اہ خدا کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟  
 فرمایا **أَمْ تَنْتَظِرُونَ؟** **إِنَّمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ**  
 کیا تم اس اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں۔ مطلب  
 یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کے شریک بنا رکھا ہے اُن کی شراکت  
 تو ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا کے علم میں ہوتا۔ تو گو یا تم ایسی چیز  
 کے متعلق بتلانا چاہتے ہو جو خدا کے علم میں نہیں ہے۔ اس کا صاف  
 مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک سرے سے موجود ہی نہیں۔  
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی

ہستی کو خدا کا شریک بناتے ہو جس کو زمین میں موجود ہر چیز کا علم ہی نہیں۔  
وہ جانتا ہی نہیں کہ کون کس حال میں ہے، اس کی کیا حاجت ہے اور وہ  
کس طرح پوری کرنی ہے۔ تو کیا تم ایسی ہستیوں کو خدا کے شریک بناتے  
ہو جن کا علم ہی محدود اور قلیل ہے۔ بھلا ایسی ہستی خدا کا شریک ہو سکتی  
ہے؟ یہ تو نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔

بے حقیقت  
باتیں

فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ چیز بتلاتے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں  
جانتا اَمْ يَظَاهِرُ مِنْكُمْ الْقَوْلُ بِاسْمِ رَبِّهِ الَّذِي بِنَاہُ  
ہو۔ شاہ عبدالقادر اپنے توحّمے میں ظاہر کا معنی ایسی بات کہتے ہیں  
جس کے تحت کوئی حقیقت نہ ہو۔ یہ شریک بنانے والی بات  
محض اور پری سی ہے جس میں کوئی صداقت نہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ  
کی عبادت میں شریک بنایا جائے یا تدبیر میں، یہ ایک لغو بات  
ہے اور اسی کو يَظَاهِرُ مِنْكُمْ الْقَوْلُ سے تعبیر کیا گیا ہے  
عربی زبان میں ظاہر کا لفظ زائل یا باطل ہونے کے معنی میں  
بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو جملے کا مفہوم یہ  
ہوگا کہ یا تم ایسی بات کرتے ہو جو باطل محض ہے۔ عربی ادب میں  
یہ لفظ مختلف اشعار میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً :-  
أَعْيُرْتُكَ أَلْبَانُهَا وَلَحْوُهَا  
وَذَلِكَ عَارٌ يَا ابْنَ رَيْطَةَ ظَاهِرٌ

تم نے ہمیں طعن دیا ہے کہ ہم اونٹوں کی دیکھ بھال میں ہی لگے ہوتے  
ہیں اور لڑائی لڑنا نہیں جانتے۔ یہ عار باطل ہے، جب ہم اسکی  
حقیقت بیان کریں گے تو تمہارا طعن باطل ہوگا۔

وَعَيْرُهَا الْوَأَشُونِ إِنِّي أَجِبُهَا  
وَتِلْكَ شَكَاةٌ ظَاهِرٌ عَنْكَ عَارُهَا



لوگوں نے اس کو بھڑکایا کہ میرا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ ایسی شکایت ہے جس کا عار دلانا باطل ہے۔

بہر حال ظاہر کا معنی اوپری بات ہو یا باطل چیز ہو، دونوں معانی درست ہیں۔ آپ دیکھ لیں شریعہ رسم و رواج میں پھنسے ہوئے لوگ محض سرسری اور اوپری باتیں کہہ رہے ہیں جن کا کوئی سرسری نہیں ہوتا۔ بعض لوگ برداری یا ملکی رواج میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی نے کوئی بات پکڑ لی اور کسی نے کوئی۔ ان میں بنیادی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ محض ایک دوسرے سے سنی سنائی بات پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ میں نے درخت کے ساتھ دھاگا باندھا تھا تو میری سراد پوری ہو گئی، کسی نے کہا کہ فلاں قبر پر چادر چڑھانے سے بچہ پیدا ہو گیا اور کسی نے کہا کہ فلاں پیر کی نذر ماننے سے بیماری دور ہو گئی۔ ایسی باتوں کی بنیاد نہ عقل پر ہوتی ہے اور نہ فطرت پر۔ لوگ محض بے بنیاد باتوں کے پیچھے چل نکلتے ہیں۔ حدیث شریف میں زید ابن عمرو ابن نفیل کا واقعہ ملتا ہے کہ وہ کعبے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور لوگوں کو شرک میں مبتلا دیکھ کر کہتے، خدا کے بندو! تم جو کچھ کہہ رہے ہو، غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ کفر کرنے والے بے عقل ہیں۔ ان کے شرکیہ افعال عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کے برخلاف ایمان اور توحید کی بنیاد سچے دلائل پر ہے جو کہ عقل اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہیں۔ رسم و رواج اور بدعات علاقائی چیزیں ہیں۔ ہر ملک، ہر خطے اور ہر علاقے کے اپنے اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں اسی طرح میدانی علاقوں کی بدعات اور پہاڑی علاقوں کی بدعات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ یہ چیزیں کتاب و سنت کے خلاف ملکہ محض شیطان کا جھانسنہ ہوتی ہیں مگر افسوس کا مقام

ہے کہ لوگ اپنی امور کو عبادت اور کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔

ایسے ہی اعمال کے متعلق ارشاد ہوتا ہے **بَلْ زُيِّنَ لِلذَّيْنِ كُفْرُهُمْ** و **أَمْ كُفْرُكُمْ** کہ کفار کے مکروہ و فریب کے لیے مزین کیے گئے ہیں۔ دوسرے مقام پر کفار کے اعمال کا ذکر بھی ہے کہ ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں۔ ان کے تمام قبیح اعمال کو شیطان مزین کر کے دکھاتا ہے کہ تم بہت اچھے کام کر رہے ہو۔ قبروں پر انجام دیے جانے والے تمام شرکیہ اعمال کو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ عرس، میلاد، قوالی وغیرہ نہایت عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں، گویا کہ آخرت کا دار و مدار اپنی چیزوں پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ شیطان کافروں کو ان کے قبیح کام مزین کر کے دکھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انہیں انجام دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا آخری وقت آ جاتا ہے اور وہ ان کفر پر اور شرکیہ امور پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔

**وَصَدَّقُوا عَنْ السَّبِيلِ** اور ایسے لوگ راہِ راست سے روک دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو غلط کام کو اچھا سمجھ کر کرنے لگے، اس کے نزدیک حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے تو وہ سیدھے راستے پر کیسے آسکتا ہے؟ گویا اس کے قبیح اعمال اسے صراطِ مستقیم سے روک رہے ہیں۔ اگر خدا تک پہنچنا ہے تو پھر تمام باطل عقائد، بدعات اور باطل رسم و رواج کو ترک کر کے حقیقت، ایمان اور توحید کو اپنانا ہوگا، اگر اس میں کامیاب ہو گیا۔ تو راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور حقیقی منزل قریب آجائیگی۔ برخلاف اس کے جو شخص غلط رسم و رواج اور بدعات پر کمر بستہ ہے گا، وہ گمراہی میں پڑا ہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے



گمراہ ہو جاتا ہے اس کے راہِ راست پر آنے کی امید ختم ہو جاتی ہے  
 اسی لیے فرمایا وَمَنْ لَّيْضِلِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ  
 جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں  
 اللہ تعالیٰ انسان کو قوت، توانائی، عقل، فہم اور ادراک عطا کر کے  
 اختیار دے دیتا ہے کہ وہ حق اور باطل میں سے جو نسا راستہ چلے  
 اختیار کر لے۔ اس کے بعد جو شخص راہِ راست کی بجائے غلط  
 راستے پر چل نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ثَوَّلَهُ مَا تَوَلَّى"  
 (النساء) ہم اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں۔ جس طرف وہ جانا  
 چاہتا ہے۔ اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ وَفُضِّلَهُ جَهَنَّمَ  
 ہم اسے جہنم میں داخل دیتے ہیں "وَسَاءَتْ مَصِيرًا"  
 جو کہ کہبت ہی برا ٹھکانا ہے۔ غرضیکہ جو کوئی شخص رسول کی مخالفت  
 کرتا ہے اور ایمان والوں کے راستے سے علیحدہ ہو جاتا ہے، تو  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جدھر جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ۔ ہم تمہیں نہیں  
 روکیں گے۔ ایسا شخص غلط راستے پر چل کر بالآخر جہنم کے کنارے  
 پہنچ جاتا ہے۔

فرمایا لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ان لوگوں  
 کے لیے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ  
 اللہ نے مشرکین عرب کو اسی دنیا میں سزا دی۔ آٹھ نو سال تک  
 اہل ایمان سے بدسر پیکار رہے۔ لڑتے مارتے رہے شکرت  
 کھاتے رہے، تباہ و برباد ہوئے اور آخر کار سارا ملک کفر و شرک  
 سے پاک ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا،  
 اب یہ دارالسلام بن گیا ہے۔ جنگ کے علاوہ بھی یہ لوگ کبھی  
 وبائی امراض میں مبتلا ہوئے۔ کبھی قحط پڑ گیا۔ طوفان آگیا۔ زلزلے

آئے اور نہایت خوف کی زندگی گزارتے رہے۔ فرمایا یہ تو ان کی زندگی کا حال ہے وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ قَافٍ اور پھر انہیں اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں تو ناجائز ذرائع اختیار کر کے بچتے رہے۔ کبھی قانون کی نظروں سے غائب ہو گئے، کبھی وکیل نے کوئی اہم نکتہ پیش کر کے بچا لیا، کبھی جج نے رعایت دے دی اور کبھی سفارش اور رشوت چل گئی، مگر اللہ کی عدالت میں ایسا کوئی حربہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اور وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

متقین  
کے لیے  
انعامات

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے مطابق کفار کی سزا کے بعد اب متقین کے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ اُس جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ مثال سے مراد بعض اوقات تعریف بھی ہوتی ہے۔ یعنی وہ جنت جو ڈرنے اور بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے اس کی تعریف یہ ہے، اور متقین وہ ہیں جو پہلے منہ پر کفر، شرک اور لفاق سے بچتے ہیں۔ پھر کبار سے اور درجہ بدرجہ صغائر سے بھی بچتے ہیں۔ اور جیسا کہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی انتہا یہ ہے "محافظة بر حدود شرع" یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنا کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔ سورۃ توبہ میں مومنوں کی ساتویں صفت یہی بیان کی گئی ہے "وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ" کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے خلاف نہیں چلتے۔ فرمایا جس جنت کا متقیوں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اس کے



سائے نہیں بہتی ہیں۔ وہ ایسے باغات ہوں گے اُکٹھا دایہ کہ ان کے پھل دائمی ہوں گے، جو کبھی ختم نہیں ہوں گے، جو نہی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، پھل فوراً اس کے قریب آجائے گا۔ سورۃ واقعہ میں موجود ہے کہ وہاں پر کثیر تعداد میں پھل ہوں گے۔ **«لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ»** نہ ان کو ختم کیا جائے گا اور نہ روکا جائیگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مومن کسی درخت سے پھل حاصل کر لے گا۔ تو اس درخت پر اسی وقت پہلے کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جائے گا۔ غرضیکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

فرمایا ایک تو پھل دائمی ہوں گے **وَضِلَّاهَا** اور اس جنت کا سایہ بھی دائمی ہوگا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنت کی کیفیت یہ ہوگی۔ کہ وہاں پر نہ تو دھوپ ہوگی اور نہ آبر، وہاں کا موسم نہایت خوشگوار ہوگا۔ جس میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ سورۃ دہر میں اللہ نے جنتیوں کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ تکیوں پر ٹیک لگائے ہوں گے **«لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا»** وہ وہاں پر نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی بلکہ نہایت ہی معتدل موسم ہوگا، گرمی اور سردی کا کوئی احساس نہیں ہوگا، لہذا کہہ سکے ہیں کہ وہ سائے میں ہمیشہ رہیں گے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سائے کا مطلب یہ ہے کہ بعض اہل ایمان جن پر تجلیات الہی کا نزول، اسمائے مبارکہ اور صفات الہی کا ظہور ہو رہا ہوگا۔ بعض اوقات ان کا سائے میں سہنے کو جی چاہے گا، تو ان کو وہاں سایہ محسوس ہوگا۔ حالانکہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فرمایا **تِلْكَ عِقْبَى الذِّبِّ** انفقوا یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جو ڈرتے ہیں اور منکرات سے

بچتے ہے، فرمایا، یاد رکھو! وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ اور کافروں  
 کا انجام جہنم کی آگ ہو گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکلنے  
 کی کوئی صورت نہ ہوگی۔



وما آبرئ ۱۳

درس سیزدہم ۱۳

الرعد ۱۳

آیت ۳۶ تا ۴۰

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا  
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمِنْ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ  
 قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ  
 إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۝ (۳۶) وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ  
 حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا  
 جَاءَكَ مِنْ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ  
 وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝ (۳۷)

۵۳۶=

ترجمہ :- اور وہ لوگ جن کو دی ہے ہم نے کتاب  
 خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو اتاری گئی ہے آپ کی  
 طرف ۔ اور بعض فرقوں میں سے وہ ہیں جو اس کی بعض  
 باتوں سے انکار کرتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے ، بیشک مجھے  
 حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اللہ کی اور اس کے  
 ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں ۔ اسی کی طرف میں دعوت  
 دیتا ہوں اور اس کی طرف میل لوٹ کر جانا ہے ۝ (۳۶)  
 اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اس کو ایک فیصلہ عربی  
 زبان میں اور اگر آپ پیروی کریں گے ان کی خواہشات  
 کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے ، تو نہیں  
 ہوگا آپ کے لیے اللہ کے سامنے کوئی حمایت کہہ نوالا

اور نہ کوئی بچانے والا ﴿۳۷﴾

ربط آفات

محکم سورتوں میں زیادہ تر بنیادی حقائق کا ذکر ہے اور ضروریات

کم ہیں۔ اس سورۃ میں عقیقہ کے کی اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ درمیان میں کافروں اور مشرکوں کی مذمت بیان ہوئی، ان کے اوصاف اور ان کا انجام ذکر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان اور نبی والے لوگوں کا تذکرہ ہوا، ان کے اوصاف اور ان کا انجام بھی بیان ہوا تیسرے رکوع میں یہ آیت کریمہ گزر چکی ہے: "أَفَمَنْ يَعْصِي أَمْرًا" اُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى" مجملہ وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کی طرف آپ کے رب سے حق نازل کیا گیا ہے وہ اندھے آدمی کی طرح ہو سکتا ہے؛ بیشک عقلمند لوگ ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت کے حق میں بیان فرمائی۔ گویا قرآن کریم کو منزل من اللہ تسلیم کرنے والا شخص نور ہدایت پر ہوگا اور جسے نہ تسلیم کرنے والا اندھے کے موافق ہوگا جو نور ایمان اور نور ہدایت سے خالی ہے۔

اب آج کی آیت میں قرآن پاک سے شُعْلِق ہی ارشاد ہوتا ہے  
وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكِتَابَ وَهُوَ لَوْ كُفِّرُوا بِهِ  
کتاب دی ہے یَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَهُوَ  
ہوتے ہیں اُس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ یہاں پر  
کتاب سے مراد خود قرآن حکیم بھی ہو سکتا ہے اور پہلی کتب سماویہ،  
تورات، انجیل وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر اس کا اطلاق قرآن مجید پر  
کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تنزیل کتاب پر حاملین قرآن خوش ہوتے  
ہیں اور یہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں۔

پرخوشی  
منزل کتاب



ان لوگوں کا خوش ہونا فطری امر ہے کہ انہیں قرآن پاک کی صورت میں دین و دنیا کی فلاح کی چابی حاصل ہو گئی ہے۔ سورۃ التوہید میں موجود ہے اللہ نے فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت "وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" اور وہ چیز آگئی ہے جو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے آگے فرمایا اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہیں یہ چیز اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے "فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا" پس اس کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ "هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" یہ بہتر ہے اس چیز سے جو یہ دنیا کا مال اکٹھا کرتے ہیں۔ مال و دولت تو فانی چیز ہے جب کہ قرآن حکیم باقی رہنے والی چیز ہے، لہذا اس پر خوشی منانا اہل ایمان کے لیے قدرتی بات ہے۔

اور اگر کتاب سے تورات اور انجیل مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو اللہ نے پہلی کتابوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں عہد بنی بھی سابقہ کتب موجود تھیں وہ سب کی سب بگڑ چکی تھیں، خود ان کتابوں کے ماننے والوں نے اپنی خواہشات کی خاطر کتابوں میں رد و بدل کر دیا تھا۔ زرتشتیوں کی کتاب کا علیہ ہی بگاڑ دیا گیا تھا، باقی صحائف کا بھی بہت برا حال ہو چکا تھا۔ البتہ تورات اور انجیل ایسی کتابیں تھیں جن کا بیشتر حصہ اگرچہ تحریف ہو چکا تھا، تاہم کچھ نہ کچھ اصلیت بھی باقی تھی، اور ان کے ماننے والے یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔ خود عیسائی علماء کا بیان ہے کہ گذشتہ صدی تک انجیل میں تین ہزار کے قریب تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بائبل کے ہرنے ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی نئی تبدیلی آتی ہے۔ ابھی پچھلی صدی تک اس میں لفظ فارعلیط

اہل کتاب کا کھردار

موجود تھا۔ سریانی زبان کے اس لفظ کا عربی معنی احمد بنتا ہے، جس کا مطلب ستودہ جہان ہے۔ مگر موجودہ انجیل سے یہ لفظ حذف کر کے شفیع اور مددگار کا لفظ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق قرآن پاک نے بھی کی ہے۔ سورۃ صافات میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کا مصدق ہوں وَمُبَشِّرًا ابْنِ مَرْيَمَ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ اور میں خوشخبری دینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے میرے ذمے دو فرائض لگانے ہیں، ایک یہ ہے کہ میں تمام بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اپنے بعد ملے نبی کی بشارت سنانے کے لیے آیا ہوں۔

حق پرست  
اہل کتاب

جس طرح تورات و انجیل کا کچھ نہ کچھ حصہ خود اس کے اپنے پیروکاروں کی دست برد سے ابھی تک محفوظ ہے، اسی طرح اہل کتاب میں سے کچھ نہ کچھ حق پرست بھی ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اگرچہ ان کی غالب اکثریت ہمیشہ ضد اور عناد پر ہی اڑی رہی ہے۔ مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں مدینہ کے گروہوں میں یہودیوں کے دس بڑے بڑے عالم تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ دس آدمی اسلام قبول کر لیں تو آئندہ کوئی یہودی نظر نہیں آئے گا۔ مگر ہوا یہ کہ ان دس میں سے صرف ایک شخص عبداللہ بن سلام کو اللہ نے ایمان کی توفیق بخشی، باقی سب جانتے بوجھتے ضد پر اڑے رہے اور اسلام کی مخالفت ہی کرتے رہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے ان کو خبردار کیا "وَلَا تَكُونُوا أَقِلَّ كَافِرِيہ"



کہ قرآن کے ساتھ سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بن جانا۔ اگر تم نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، تو تمہارے بعد آنے والی نسلیں بھی تمہارے نقش قدم پر چلتے ہوئے انکار ہی کرتی چلی جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اولین اہل کتاب نے انکار کیا تو آج منکرین کی تعداد اربوں میں ہے۔ آج دنیا میں اڑھائی ارب عیسائی موجود ہیں جو خود سوال سے قرآن پاک کی متواتر مخالفت کرتے آ رہے ہیں۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم یعنی دو کروڑ کے قریب ہوں گے مگر اسلام کو نقصان پہنچانے میں انہوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کے بڑوں نے قرآن کا انکار کیا، اسلام کو قبول نہ کیا، تو آج ان کی اولادیں بھی اسی روش پر چل رہی ہیں۔ مگر جیسا کہ سورۃ آل عمران میں موجود ہے ”لَيْسُوا سَوَاءً“ سب کے سب برابر نہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں۔ یہود و نصاریٰ میں سے بھی بعض حق پرست ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی بعض سعادت مند اہل کتاب موجود تھے جنہوں نے بالآخر ایمان قبول کر لیا۔ عالموں میں سے عبداللہ بن سلام اور بعض دو کٹر منصف مزاج لوگ ہیں۔ بادشاہوں میں سنجاشی والی حبشیہ کا نام آتا ہے، اُس کے علاوہ ۳۲ دیگر حق طلب عیسائی بھی موجود تھے۔ اللہ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔ نجران کے چالیس آدمیوں نے بھی ایمان قبول کیا۔ تیم داری کا مذہب بھی عیسائیت تھا، بعد میں ایمان قبول کر لیا۔ سلمان فارسی کا نام بھی اسی فہرست میں آتا ہے۔ ایسے لوگ پہلی کتاب کا علم رکھتے تھے اور حق کے طالب تھے، تو اللہ نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ نزول قرآن پر خوش ہوتے ہیں، ان کی خوشی کی وجہ یہ ہے کہ

جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ ان میں پیدا کی گئی خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے، بنیادی حقائق کی تصدیق کرتا ہے اور سارے نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس زمانے میں بھی کہیں نہ کہیں حق پرست نکل آتے ہیں۔ فرانس کے ایک بڑے سائنسدان نے اسلام قبول کیا، یہ شخص الجزائر میں سے میل جول کے نتیجے میں مسلمان ہوا۔ مگر وکٹوریہ کے زمانے میں مسٹر کوپلم بہت بڑا بیرسٹر تھا۔ وہ اپنے خاندان کے اسی افراد سمیت مسلمان ہوا۔ اس وقت دنیا میں انگریز انتہائی عروج پر تھے، انہوں نے اس کے ساتھ بڑے جھگڑے کئے مگر وہ تنہا مقابلہ کرتا رہا۔ اور ایمان پر قائم رہا۔ یہودیوں میں سے جرمنی کے رہنے والے محمد احمد کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ وہ ابھی زندہ ہے۔ محمد بکھٹال مترجم قرآن ہے۔ یہ شخص ترکوں کے آخری شیخ الاسلام کی مجلس میں سات سال تک بیٹھا رہا، آخر اللہ نے کایا پٹ دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ ان کا ترجمہ ہم پڑھتے ہیں۔ اس نے ترجمہ مکمل کمرے کے مصری علماء کے سامنے پیش کیا تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو دور ہو سکے، اور اب یہ انگریزی ترجمہ ساری دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ شخص کچھ عرصہ تک ہندوستان کے صوبہ مدراس میں بھی رہا۔ نواب حیدر آباد کے ہاں بھی رہا۔ انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا، اب فوت ہو چکا ہے۔ اہل کتاب کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، بدھوں اور جینیوں میں سے بھی بعض حق پرست ہوئے مگر کوئی اکا دکا۔ یہودی نصاریٰ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ مومن ہیں "وَكَثَرَهُمُ الْفٰسِقُونَ" (آل عمران)



مگر اُن کی اکثریت فاسق ہے۔

قرآن کا  
عملی انکار

فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ خوش ہوتے ہیں  
اُس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ وَمِنْكَ الْأَحْزَابُ  
مَنْ يُشْكِرُ بَعْضُهُمْ اور فرقوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس کے  
بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے موافقین اور مخالفین  
عربوں میں بھی تھے اور یہود و نصاریٰ میں بھی۔ آج مسلمانوں کی حالت  
یہ ہے کہ قرآن پاک کی بہت سی باتوں کا عملی طور پر انکار کر رہے ہیں۔  
جب انگریزوں نے برصغیر میں عمان حکومت سنبھالی تو اُس نے لوگوں سے  
دریافت کیا تھا کہ تم شریعت کا قانون چاہتے ہو یا رسم و رواج پر  
عمل پیرا ہونا چاہتے ہو۔ اس طرح بعض اضلاع کے لوگوں نے  
رسم و رواج کو شریعت پر ترجیح دی اور ان کے معاملات شریعت  
کی بجائے رسم و رواج کی بنیاد پر فیصلہ ہونے لگے۔ ظاہر ہے کہ  
اُن کو شرعی قانون اس لیے ناپسند تھا کہ وہ اُن کی ذاتی خواہشات  
کے راستے میں حائل تھا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو قرآن کے بعض حصے  
کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ  
کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں اُن کو ذلت ہوگی اور آخرت میں سخت  
عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جب تک قرآن پاک پر مکمل طور پر عمل نہیں  
ہوگا، اس وقت تک مسلمانوں کو اس دنیا میں عزت نصیب  
نہیں ہو سکتی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کیا ہے قُلْ  
آپ کہہ دیں اِنَّمَا أُهْمْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مجھے تو یہی حکم  
دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں وَلَا أُشْرِكْ بِهِ  
اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ

تم ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرو، ہم جو کچھ کہتے ہیں، ہمیں کہنے دیں۔ سابقہ مشرکوں کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں۔ وہ لوگ بھی کہتے تھے کہ ابراہیم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ آپ صاف کہہ دیں کہ یہ بے جان بت کے معنی ہیں میں تو صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، کسی دوسرے کو الہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے جو اس عقیدے سے اٹھے کہ جس ہستی کی عبادت کہہ رہا ہوں اس کو مافوق الاسباب تمام اشیاء پر کنٹرول حاصل ہے۔ وہ علیم کل، خالق اور مدبّر ہے۔ اس ذات کی تعظیم قول سے بھی ہوتی ہے، فعل سے بھی اور عمل سے بھی۔ چنانچہ سورۃ النعام میں اللہ نے شرک کی تمام اقسام کی مذمت بیان کی ہے۔ سورۃ کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ مٹام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے "وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّجُومَ" نیز اندھیروں اور روشنی کو بھی پیدا فرمایا۔ یہ ان ثنوی فرقہ والوں کی تردید ہے۔ جو اندھیروں اور روشنی کا علیحدہ علیحدہ خالق تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی اور بدی کے خدا جدا جدا ہیں۔ یزدان اور اہرن دو خدا تسلیم کہنا خدا کی ذات میں شرک کہنا ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات میں شرک کرنے والے بھی بہت لوگ ہیں، جو خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ ایسے لوگ علیم کل، قادر مطلق حاضر ناظر اور مختار مطلق غیر اللہ کو بھی مانتے ہیں، وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی مدبّر مانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ فلاں بھی ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے یا کم از کم ہماری سفارش ہی کر سکتا ہے۔



نذر دنیا نہ میں شرک، قبر پرستی، چڑھاوے چڑھانا اور روشنی کو نہ سب  
 اسی قبیل سے ہیں۔ کبھی گنڈے تعویذ کے ذریعے غیر اللہ سے مدد مانگی  
 جاتی ہے، کبھی مکان کی بنیادوں میں خون گرا یا جاتا ہے تاکہ جنات  
 سے پناہ حاصل کی جائے۔ بسوں پر "یا علی مدد" اور یا غوث الاعظم کے  
 کتبے لکھے جاتے ہیں، کبھی جبرائیل اور میکائیل کو مدد کے لیے پکارا  
 جاتا ہے اور کبھی اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی امید رکھی جاتی ہے  
 یہ سب شرک کی مختلف صورتیں ہیں جو آج بھی مسلمانوں میں رائج ہیں  
 اللہ کے سارے نبی اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے آئے ہیں۔  
 "لِقَوْمٍ اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ" (ہود)  
 اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا  
 کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے  
 بھی یہی کہلوا یا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت  
 کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہراؤں۔

دعوت  
 الی اللہ

فرمایا، اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہہ دیں اِلَیْہِ اَدْعُوا میں  
 اسی ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شرک  
 نہیں، نہ عبادت میں، نہ صفت میں اور نہ حقوق میں سورۃ ابراہیم  
 میں بھی گزر چکا ہے اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوا یا کہ یہ میرا  
 راستہ ہے "اَدْعُوا الْحَقَّ" میں اللہ کی طرف دعوت دیتا  
 ہوں۔ عَلٰی بِصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِي میں بھی بصیرت  
 پر ہوں اور میرے پیروکار بھی۔ ایمان اور توحید کی دعوت بصیرت  
 کی دعوت ہے، کفر، شرک اور برائی کی دعوت ظلمت ہے۔ ایمان  
 کی دعوت نور ہے جس سے انسان کے قلب میں بصیرت پیدا ہوتی  
 ہے۔ مجھے اور میرے پیروکاروں کو دین کی کسی بات میں شبہ نہیں ہے

تمام انبیاء کی بات ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ لوگو! میری دعوت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے، تمام شرکاء کو بھی جمع کر لو۔ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً پھر تمہیں کسی بات میں شبہ نہیں رہنا چاہیے، میں واضح طریقے پر بات کر رہا ہوں، میں خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں وَالَيْهِ مَكَاب اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے، مجھے بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن مجید  
عربی زبان میں

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَلِكَ اَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا اور اسی طریقے سے ہم نے اس قرآن کو ایک فیصلے کے طور پر اتارا ہے عربی زبان میں۔ كَذَلِكَ کی تشبیہ سابقہ کتب سماویہ کی طرف ہے کہ جس طرح ہم سابقہ ادوار میں انبیاء علیہم السلام پر وحی بھیجتے رہے ہیں۔ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے، اور یہ عربی زبان میں ہے قرآن پاک میں یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم) ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سریانی یا عبرانی زبان بولتے تھے تو انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی۔ یہودی عبرانی زبان بولتے تھے تو تورات عبرانی میں نازل ہوئی۔ دیگر صحائف بھی ہر نبی کی قومی زبان میں نازل ہوئے۔ پھر سب آخر میں اللہ نے اپنے آخری نبی کو عربیوں میں پیدا کیا۔ تو قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔

عربی زبان کی ترقی نزول قرآن سے سولہ سترہ سو سال پہلے شروع ہوئی اور حضور کے زمانہ تک یہ زبان انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ بدھ مت میں اردو زبان کی ترویج خواجہ فرید الدین گنج شکر کے زمانے سے شروع



۳۱۵ کل تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ملتا ہے، اور انبیاء کی تعداد تو ایک لاکھ بیس ہزار یا سو لاکھ کے قریب آتی ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مستقل شریعت یا کتاب عطا کرتا ہے۔ رسولوں کو اپنی اپنی شریعت اور کتاب کی تبلیغ کا حکم تھا۔ البتہ انبیاء علیہم السلام سابقہ شرائع اور کتب ہی کی تعلیم و تبلیغ پر مامور ہوتے تھے، تاہم اگر کوئی خاص بات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آگاہ کر دیتے تھے۔ بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء کا فریضہ تورات کی تبلیغ تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا اور بنائیں ہم نے ان کے لیے بیویاں۔ نکاح کرنا اور بیوی سے اشتغال رکھنا کمال کے منافق نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو لوازمات بشریت میں سے ہے۔ فرمایا بیویوں کے علاوہ وَذُرِّيَّةَ اللہ نے بیویوں کی اولاد بھی بنائی، بیوی بچوں کا ہونا کوئی عجیب والی بات نہیں ہے بیویوں نے نکاح بھی کیا اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔ اگر یہود و نصاریٰ کو نبی آخر الزمان کی بیویوں اور بچوں پر اعتراض ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے گوارا کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب کے بھی جدا انبیاء ہیں۔ آپ کی پانچ یا سات بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی تھی۔ بلکہ خلاف ترفع اللہ نے آپ کو بڑھا پے میں اولاد عطا فرمائی۔ آپ کا پہلا بچہ چوراسی سال کی عمر میں پیدا ہوا جب کہ دوسرا سو سال کے قریب عمر میں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق تو مشہور ہے کہ ان کی تین سو منگوں نے بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں، آپ کی سلطنت بھی بے مثال تھی اور اس کے باوجود آپ صاحب کمال نبی تھے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں

وَعَدَا

وہ تمام لوگ جہاں تک یہ پیغامِ الہی پہنچے۔

فَرَأَىٰ قُلُوبَهُمْ أَتَّيَبَتْ أَكُفِّرَتْ سَ وَهُمْ كَعَدِمَ مَا جَاءَكَ

مِنَ الْعِلْمِ اَكْبَرُ آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی

کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو یاد رکھیں مالک

مِنْ الْمَلِكِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا وَاقٍ آپ کے لیے اللہ

کے سامنے نہ کوئی حمایت ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔ اس آیت کریمہ

میں مخاطب اگرچہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے مگر اس سے

مراد آپ کی قوم کو بات سمجھانا ہے کہ لوگو! اچھی طرح سن لو کہ

قانون ابراہیم ضابطہ آج آنے کے بعد اس کی سیروی کی بجائے اگر خواہاں

نہ اپنے مرحلہ نگہ رستم و راج کو اٹھاؤ گے ماسمادری اور قتلے کی بات

لہذا یہ پتہ چلے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بہتر بنائے تو اسے بہتر بنانے والے کے لئے دعا کی ضرورت ہے۔

پر عمل نہ دے تو پھر حدیث میں آوے اور اس کے معنی  
نہ نہ ہو گئے۔ علامہ گریمر نے کہا کہ اگر یہ بتاؤں کہ ایک حد تک مجھ پر

۲۔ ہمیں قہر کا کھنڈا بے رعایت لگاتا رہا کہ کوئی درجہ قابل قبول

ہو رہا ہے سحرِ قرآن لے کر یہی علم آیا تو اب کبھی سیکھ جائیں ہوں

ہیں ہوگا۔ اب صرف اور صرف فران لے پر دو کام پھیل گئے ہوں۔

اسلام کی جگہ اب کوئی ازمنہ قابل قبول نہیں ہو گا۔ الیہ اب ہی اسلام



ہوئی اور اب تک یہ ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکی ہے۔ سائنس، فلسفہ، تاریخ، معاشیات، سیاسیات وغیرہ اس زبان میں منتقل ہو چکے ہیں۔ انگریزی زبان کی ترقی انگریزوں کے دو سو سالہ عروج کی مرہونِ عزت ہے۔ اسی طرح حضور کے زمانہ مبارک تک عربی زبان کو بڑی ترقی حاصل ہو چکی تھی۔ عربوں میں بڑے بڑے شعرا اور خطیب تھے۔ بڑے بڑے نقیص اور باریک بین متکلم موجود تھے، مگر عربوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمہ کذاب نے قرآن کے مقابلے میں اُدل فول کلام پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر حضرت عمر و ابن العاصؓ کا اگرچہ اس کے ساتھ دوستانہ تھا اور وہ ابھی اسلام بھی نہیں لائے تھے، مگر کہنے لگے، یہ تیرے بس کا روگ نہیں۔ آپ نے اس کے منہ پر پھٹوک دیا تھا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کا مقابلہ صرف زبان کے لحاظ سے نہیں بلکہ نظام کے لحاظ سے بھی ہے اگر قرآن کا چیلنج صرف زبان کے لحاظ سے ہوتا تو صرف عربوں کو خطاب ہوتا، مگر اس کے مخاطب تو تمام بنی نوع انسان ہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! آپ تمام لوگوں سے کہہ دیں ”اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا“ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں کسی خاص قوم، یا خطے یا خاص زمانے کے لیے نہیں آیا بلکہ رُسے زمین کے تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور یہ میری ڈیوٹی ہے کہ میں اسی قرآن کے ذریعے ”لَا نُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَّمَنْۢ بَلَغَ“ تمہیں بھی خبردار کر دوں اور ان سب لوگوں کو متنبہ کر دوں جن تک یہ قرآن پہنچے۔ بہر حال اس کے اولین مخاطبین اہل عرب ہیں اور پھر

کہ کے اُس کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ اللہ نے خبردار کیا کہ وحی الہی کے آجانے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا۔ تو وہ گرفت سے نہیں بچ سکے گا اور نہ ہی اس کا کوئی جانشین ہوگا۔ قطعی علم آجانے کے بعد رسم و رواج پر چلنا روانہ نہیں ہے بلکہ قطعی علم کا اتباع ضروری ہو جاتا ہے اس کے بعد اب رسالت کا بیان آرہا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مشرکین کے اعتراضات کا ضمناً جواب ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں توحید کا ذکر آتا ہے، اس کے ساتھ شرک کی تردید بھی ہوتی ہے، اور جہاں وحی الہی کی بات ہوتی ہے، ساتھ نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بنیادی عقائد مکی سورتوں میں بکثرت موجود ہیں اور مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر ان عقاید میں سے کسی عقیدے میں بھی شک و شبہ یا تردید پیدا ہو جائے تو ایمان کی بنیاد ہی خراب ہو جاتی ہے اور انسان کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ ان بنیادی عقائد میں سے آج رسالت کا بیان آرہا ہے۔

بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو پھر انہیں ہر وقت عبادت اور زہد میں مشغول رہنا چاہیئے اور ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیئے۔ برصغیر کے آریہ سماجی اور ہندو بھی معاذ اللہ نبی پر شہوت رانی کا الزام لگاتے ہیں کہ آپ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اسی قسم کا اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے بھی ہوتا رہتا ہے۔ آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے یہودہ اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ الْبَیِّنَاتِ لَتَقِیَنَّہُمْ

نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے۔ احادیث سے

انبیاء کی  
ازدواجی  
حیثیت



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا  
 لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ  
 أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ  
 كِتَابٌ ۖ ۞ (۳۸) يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ  
 وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۖ ۞ (۳۹) وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ  
 بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ  
 فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۖ ۞ (۴۰)

ترجمہ :- البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول آپ سے  
 پہلے اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد - اور  
 نہیں تھا کسی رسول کے لیے کہ وہ لائے کوئی نشانی مگر  
 اللہ کے حکم سے - ہر ایک وعدے کے لیے ایک لکھا  
 ہوا نوشتہ ہے ۞ (۳۸) اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت  
 رکھتا ہے (جس کو چاہے) اور اُسی کے پاس ہے اصل  
 کتاب ۞ (۳۹) اور اگر دکھلا دیں ہم آپ کو وہ چیز جس  
 کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں - یا ہم آپ کو وفات  
 دے دیں گے - پس بیشک آپ کے اوپر ہے پہنچا  
 دینا، اور ہمارے ذمے ہے حساب لینا ۞ (۴۰)

تھیں۔ بعض دوسرے انبیاء کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں، لہذا مومنین کا یہ اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے کہ بیوی اور اولاد کا ہونا کمال کے معانی ہے، بلکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک تو یہ ہے کہ مجرد آدمی کو وہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا جو متاہل (شادی شدہ) آدمی کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر صاحبین صاحب اہل ہے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے نکاح میں نو بیویاں موجود تھیں جب کہ دو بیویاں حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ وفات پا چکی تھیں حضور علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کا آغاز حضرت خدیجہؓ کے نکاح سے ہوا، جو کہ اس سے پہلے دو خاوندوں سے بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی جب کہ آپ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی چنانچہ آپ نے جوانی کا بہترین زمانہ (تقریباً پچیس سال) اسی بیوہ کے ساتھ گزارا، اور سوائے حضرت ابراہیمؑ کے، ساری اولاد اسی سے پیدا ہوئی پھر اس بیوی کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر مبارک باون یا تیرہ سال ہوئی تو آپ نے دوسرا نکاح کیا۔ ان حالات میں اللہ کے نبی پر شہوت رانی کا الزام لگانا نہایت ہی لغو ہے۔ دیگر بیویوں سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تھا اور اس سے اسلام کی تعلیم کو گھر گھر پہنچانا مقصود تھا۔ آپ علیہ السلام نے مختلف خاندانوں میں نکاح کئے اور ازواج کے ذریعے تعلیم پھیلائی۔ سورۃ احزاب میں موجود ہے: ”وَ اذْکُرْنَ مَکَا یُثَلِّیْ فِیْہِ یُیُوْبُ کُنْ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ“ اے ازواج مطہرات! اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور حکمت جو تمہارے گھروں میں نازل کی ہے اس کا چرچا کرو۔ آیات سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ گویا کہ قرآن و سنت کی تشہیر کا ایک



ذریعہ حضور علیہ السلام کی بیویاں بھی تھیں اور آپ کے متعدد نکاحوں کا یہی مقصد تھا۔ اگر بیویاں زیادہ ہوں گی تو ذمہ داریاں بھی بڑھیں گی، محنت و مشقت زیادہ کرنی پڑے گی اور صبر بھی کرنا ہوگا، لہذا اس میں اجماع بھی زیادہ ہوگا۔ غرضیکہ متعدد نکاح کمال کے منافی نہیں منکرین اپنی من مانی نشانیاں بھی بار بار طلب کرتے تھے، اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَوْر نہیں ہے کسی رسول کے اختیار میں یہ بات، اَنْ يَّاتِيَ بِآيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ وہ کوئی نشانی یا معجزہ لائے مگر اللہ کے حکم سے۔ معجزے کا اظہار اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے اور نبی اپنی مگر صنی سے جب چاہے کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کہ امت کا اظہار بھی کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ولی کا درجہ تو نبی سے بہت کم ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے جو اختیار نبی کو نہیں وہ ولی اللہ کو حاصل ہو بعض لوگ کہ امت کو اولیاء اللہ کا فعل مان کر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ معجزے کا اظہار اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ہر وعدے کے لیے ایک لکھا ہوا نوشتہ ہوتا ہے یعنی ہر چیز کے ظہور کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے، اسی طرح معجزے کے اظہار کا بھی خاص وقت ہوتا ہے اور یہ ہر شخص کی خواہش پر ظاہر نہیں ہوتا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے وَيُثَبِّتُ اور باقی رکھتا ہے جس کو چاہے وَعِنْدَهُ اُمُّ الْكِتَابِ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب، کائنات کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی

معجزات  
کا اظہار

نسخ و ثانی  
اور احکام

تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود تقدیر کی الٹ الٹ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ کسی چیز کو مٹانا چاہے یا کسی چیز کو باقی رکھنا چاہے تو اس کی مشیت میں کسی کو مجاز دخل نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے بعض گناہوں کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں بدل سکتی، اور عمر میں زیادتی کمرے والی بجز نیکی کے کوئی چیز نہیں۔ نسائی اور ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ اس پر تھلے تھلے بار تو جہ فرماتا ہے۔ پھر جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، ام الكتاب اسی کے پاس ہے۔

مشرکین یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر سچا ہے اور اس کی کتاب سچی ہے تو پھر پہلے احکام منسوخ کیوں ہو جاتے ہیں، کیا خدا کو علم نہیں ہوتا کہ کون حکم بہتر ہے۔ پہلے وہ ایک شریعت نازل کرتا ہے۔ پھر اس کی جگہ دوسری لے آتا ہے۔ یہ آیت اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور احکام و شرائع کا نسخ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت پر ہوتا ہے۔ ہر چیز کو ایک خاص وقت تک مناسبت ہوتی ہے۔ اُس وقت تک وہ چیز قائم رہتی ہے، پھر اس کو تبدیل کر دیا جاتا ہے مختلف شرائع میں حلت و حرمت کے احکام بدلتے رہے ہیں اور ایسا زمان و مکان کی مناسبت سے ہوتا تھا۔ اس کی مثال سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے لوگو! میں تو رات کی تصدیق کرنے والا ہوں وَلَا أُحِلُّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ



عَلَيْكُمْ“ اور اللہ کے حکم سے تم سے بعض حرام قرار دی گئی چیزوں کو حلال قرار دیتا ہوں۔ گویا نسخ احکام کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو ایک وقت میں کوئی دوائی دیتا ہے جب کہ دوسرے وقت میں وہ دوائی تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی اور تجویز کر دیتا ہے۔ ایسا کہ نامریض کے مزاج اور بیماری کی کیفیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ڈاکٹر نے پہلی دوائی تبدیل کیوں کی ہے تو اس کی نادانی ہوگی۔ اسی طرح نسخ شرائع کا معاملہ بھی انسانی سوسائٹی کے احوال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے۔ ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہی مختلف شرائع اور احکام جاری فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مذکور محو اور اثبات سے مراد تقدیر کی تمام چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس تقدیر کو چاہے مٹا دے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔ البتہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کی چار چیزوں کے مٹنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور وہ ہیں: عمر، روزی، سعادت اور شقاوت۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اور استقرارِ حمل سے چار ماہ کے بعد ایک خاص منزل آتی ہے جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھ لو کہ اس کی عمر یہ ہوگی، اس کو روزی اس قدر نصیب ہوگی۔ اور یہ سعادت مند ہوگا یا شقی۔ تو گویا ان چار چیزوں میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے، یعنی معلق اور مبرم۔ تقدیر معلق میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے جب کہ مبرم یعنی قطعی تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

شاہ ولی  
کافلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی مشہور کتاب حجت اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ تقدیر کے پانچ درجے ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ ازلی ہوتا

ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ دوسرے درجہ فرشتوں یعنی جبرائیل میکائیل وغیرہ کی پیدائش کا دور ہے جو انسان کی پیدائش سے اربوں سال پہلے پیش آیا۔ نوح انسانی کی مصلحت ان فرشتوں پر موقوف ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقدیر کا تیسرا درجہ وہ ہے جب احکام مشرع میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ یہ تغیرات ہزاروں سال کے بعد آتے ہیں۔ چوتھا درجہ وہ ہے جب انسان کے اس مادی جہان میں آنے سے پہلے اس کی تقدیر بکھری جاتی ہے اور پانچواں درجہ وہ ہے جب انسان اس مادی جہان میں آجاتا ہے اور اپنی طبعی عمر گزارتا ہے۔ بہر حال یہ پانچ درجات ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے بعض تقدیریں بدل جاتی ہیں اور بعض قائم رہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے۔ انسان کی دعا کی وجہ سے اس کی مصیبتیں مٹ جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کی دعا اور مصیبت آپس میں الجھتی ہیں اور انسان کی دعا مصیبت کو انسان کی طرف آنے سے روکتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے گا۔ بعض تغیرات نیکیوں کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں اور گناہ مٹتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الْوِزْقَ بِالدَّنْبِ** گناہ کی وجہ سے بندہ روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کوئی ایسا گناہ کرتا ہے جس سے ملنے والی روزی موقوف ہو جاتی ہے۔ یہ سارے تغیرات ازلی درجہ کے بعد والے درجات میں واقع ہوتے ہیں۔ ازلی درجہ اللہ کے علم والا درجہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اسی کو مبرم سمجھ لیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَإِنْ هَذَا نَزِيلٌ مِنْكَ بَعْضُ الَّذِي نَعِدُهُمْ** اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو وہ چیزیں جن کا ہم

غلبہ اسلام  
کی پیش گوئی



ان سے وعدہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کی زندگی میں ہی پورا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کے مشرکین کو آپ کی زندگی میں ہی مغلوب کر دیا۔ سورۃ قمر میں ہے ”سَيُهْزَمُ الْجَبَلُ وَهُوَ يُدْبِرُ“ آج یہ مشرکین بڑے جھٹھے اور طاقت کے مالک ہیں، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے، اللہ کے نبی اور اس کے پیروکاروں کے جانی دشمن ہیں مگر ایک وقت عنقریب آنے والا ہے جب یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ یہ وعدہ اللہ نے حضور کی زندگی میں بدر کے موقع پر ہی پورا کر دیا۔ مشرکین کی جمعیت تتر بتر ہو گئی اور وہ مغلوب ہو گئے۔

فرمایا اَوْ نَتَوَفِّيَنَّكَ يَا هَمَّ آپ کو وفات دے دیں گے اگر اسلام کا مجموعی غلبہ آپ کی زندگی میں نہ ہوا تو آپ کے بعد یہ وعدہ پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلام کا مجموعی غلبہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا۔ صفین کے واقعہ تک مسلمان نصف دنیا پر غالب آچکے تھے اور ان کے سامنے سر اٹھانے والی کوئی طاقت نہیں تھی۔ یہ کیفیت تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک قائم رہی۔ پھر مسلمانوں کا تنزل شروع ہو گیا۔ تاتاریوں کے حملے نے مسلمانوں کو من حیث القوم درہم برہم کر دیا۔ اُس وقت کا پھیلا ہوا قدم آج تک نہیں سنبھل سکا، ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح کے وقت سابقہ پوزیشن پھر بحال ہو جائے، ورنہ اس وقت تو حالات سخت مخدوش ہیں اور بہتری کی کوئی رمق نظر نہیں آتی خلافت راشدہ کے زمانے میں اللہ نے مسلمانوں کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی ”وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا“ (النور) اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو کچھت اور مضبوط کر دے گا

اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ اللہ نے فرمایا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور جس نے کفرانِ نعمت کیا وہ گرفت میں آئے گا یہ ساری باتیں حضور کے بعد واقع ہوئیں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوة کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نبوت کے کام کو مکمل کیا۔ اس میں چاروں خلفاء کا زمانہ شامل ہے۔ البتہ چوتھے خلیفہ کے زمانے میں آپس کے اختلاف کی وجہ سے اجتماعی حرکت میں فرق پڑ گیا۔ تاہم اسلام کا غلبہ صدیوں تک قائم رہا۔

حضور علیہ السلام کی زندگی میں جب بدر کا معرکہ ہوا تو بڑے بڑے ائمہ کفر جنہم واصل ہوئے۔ ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر قریبی کنوئیں میں پھینک دیا گیا اور حضور علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ نے ہم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا، اُس کو ہم نے سچا پایا۔ اے مشرکین کے گمراہ! تم سے اللہ نے جو مغلوب کرنے کا وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اُس کو سچ پایا ہے یا نہیں؟ کسی کہنے والے نے کہا، حضور! آپ ان مردار لاشوں سے خطاب فرما ہے؟ آپ نے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ مردار اس وقت تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

تو فرمایا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، یا آپ کو وفات دے دیں گے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ پس آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ ان لوگوں کو دین اور شریعت کے احکام پہنچا دیں، آپ کا فریضہ یہی ہے۔ وَعَلَيْكُمْ نَا الْحِسَابُ اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم ایک ایک عمل کا حساب لیں گے، گرفت کریں گے اور پھر ان کے اعمال کی ان کو سزا بھی دیں گے۔ آپ اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں اور نتیجہ ہم پر چھوڑ دیں۔



وما ابرئ ۱۳

درس پانزدہم ۱۵

الرعد ۱۳

آیت ۴۱ تا ۴۳

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ  
 اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ  
 سَرِيعُ الْحِسَابِ ④۱ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ  
 قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ  
 كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِيَ الدَّارِ ④۲  
 وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ  
 كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ  
 عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ④۳

۲۵۷

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک

ہم آتے ہیں زمین پر ، ہٹاتے ہیں اس کو اس کے اطراف  
 سے ۔ اور اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے ، کوئی نہیں ہے پیچھے ہٹانے

والا اُس کے حکم کو ، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ④۱

اور تحقیق محقق چالیں چلیں اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے

تھے ۔ پس تمام تدبیر اللہ کے قبضے میں ہے ۔ وہ جانتا ہے

جو کچھ کماتا ہے ہر نفس ، اور عنقریب جان لیں گے کفر کرنے

والے کہ کس کے لیے ہے آخرت کا گھر ④۲ اور کہتے ہیں

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے تو بھیجا ہوا رسول

آپ کہہ دیجئے کہ کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے درمیان

اور تمہارے درمیان گواہ، اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے (۴۳)

ربط آیات

سورۃ فذاکم ابتداء میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا، پھر مسئلہ توحید اور قیامت کا ذکر آیا اور اب آخر میں اس سورۃ کا اختتام رسالت کے بیان پر ہو رہا ہے۔ مشرکین مکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے، اُن کا جواب دیا گیا ہے اور پیغمبر خدا کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کی گئی ہے۔ درمیان میں محو اور اثبات کا ذکر بھی ہوا۔ شرائع کی منسوخی اور نئے احکام کا اجرا، قضا و قدر میں تغیر و تبدل، کسی چیز کو مٹا دینا اور کسی کو باقی رکھنا، یہ سب اللہ کی قدرتِ تامہ کے تحت بیان ہو چکا ہے اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی بھی دی۔ فرمایا، ہم نے جن چیزوں کا آپ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ یا تو آپ کی حینِ حیات میں ہی آپ کو دکھا دیں گے، یا اُن کا ظہور آپ کی اس دنیا سے رخصتی کے بعد ہوگا، بہر حال اللہ کا وعدہ حرفِ بھروسہ پورا ہوا۔

کفار کی  
پے درپے  
ناکامی

آج کی آیات مسلمانوں اور اُن کے پیغمبر سے کئے گئے اُس وعدے ہی سے متعلق ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے پے درپے شکست اور اہل ایمان کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ مشرکین سمجھتے تھے کہ یہ نبیادین ہے، حضورؐ اُس عرصہ میں ہی ہم سے ختم کر کے اس کے ماننے والوں کو مغلوب کر لیں گے مگر اللہ تعالیٰ کا پروردگارِ اس دین کو غالب کرنے کا تھا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاتُكِّ الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے



گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں مشرکین کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم مسیحی بھراہل ایمان کو ختم کر دیں گے اور خود غالب آجائیں گے، مگر یہ لوگ اپنے گمراہی و پوش کے حالات کی طرف نہیں دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ہم ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کو نکال رہے ہیں یعنی ان کے قبضے سے عرب کے مختلف خطے نکلے جا رہے ہیں اور وہاں پر اہل اسلام غالب آ رہے ہیں۔ چنانچہ ۸۰ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ سرزمین بھی مشرکین کے قبضہ سے نکل گئی اور دارالحکمر دارالاسلام میں تبدیل ہو گیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ پر غلبہ حاصل ہوا اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا، پھر وہ خیبر کے مقام پر جمع ہو گئے اور بالآخر انہیں وہاں سے بھی نکلا پڑا اور وہ سارا علاقہ اہل ایمان کے تسلط میں آ گیا۔ مدینہ کے گمراہی و پوش کی صفائی کے ساتھ ساتھ خیران اور یمن والے لوگ خود بخود ایمان لے آئے۔ کفار و مشرکین کی شکرت اور اسلام کا غلبہ حضور علیہ السلام کی وفات تک مسلسل جاری رہا اور پھر آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی دین پھلتا چلا گیا حتیٰ کہ پورے ملک عرب پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ہم کافروں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکالتے چلے جا رہے تھے **أَفْهَمُ الْغَلَبُونَ** کیا اب بھی نہیں اُمید ہے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے؟ بہر حال اکثر مفسرین کرام نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

حضرت  
عباس کی  
توجیہ

حضرت ابن عباسؓ مختلف تفسیر بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اطراف طرف یعنی کنارے کی جمع نہیں بلکہ طرف کی جمع ہے اور اس کا معنی اعمدہ گھوڑا یا کوئی دوسری نفیس چیز ہوتا ہے۔ آپ

کی توجہ کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین سے اچھے لوگوں کو اٹھا رہے ہیں یعنی اکمال اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہو رہے ہیں۔ جب اللہ کے پسندیدہ بندے اس دنیا میں باقی نہیں رہتے تو یہ کفار و مشرکین کس خیال میں پرہے ہوئے ہیں، کیا یہ لوگ حق و صداقت کی مخالفت کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ جب اچھے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھا لیتا ہے تو پھر یہ کفار و مشرکین کس گنتی میں ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کیسے باقی رہ سکتے ہیں، اور کفر کا پروگرام کیسے مسلط کر سکتے ہیں؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ زمانے میں ایسا تغیر آئے گا کہ اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے اور ردی لوگ باقی رہ جائیں گے۔ وہ لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کریں گے جبکی وجہ سے تمام نظام مختل ہو جائیں گے اور نتیجتاً تباہی و بربادی آئے گی۔ بہر حال فرمایا کہ جب علماء، حکماء، عارف، سالک، عابد اور زاہد لوگ باقی نہیں رہیں گے تو کافر و مشرک بھی نہیں رہیں گے، لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے۔

بہر حال اس آیت کریمہ سے مراد کفار و مشرکین کے لیے زمین کی تباہی، مہیا صاحب فضیلت لوگوں کا دنیا سے اٹھ جانا، یہ سارا تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وَاللّٰهُ يَحْكُمُ اللہ تعالیٰ ہی ہر معاملے کا حکم اور فیصلہ کرتا ہے لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا کوئی نہیں۔ اس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ جب اس نے غلبہ اسلام کا فیصلہ کر رکھا ہے تو اب منکرین اس فیصلے میں کیسے حالی ہو سکتے ہیں۔ انہیں یہ فیصلہ طوعاً و کرہاً قبول کرنا ہوگا۔



کبھی وہ وقت تھا کہ کافروں کے قدموں تلے سے زمین کو نکال مسلمانوں  
 کو اللہ نے مسلمانوں کو عروج عطا کیا، اور آج کے دور میں اس کا الٹ کا تنزل  
 ہو رہا ہے۔ اللہ کی زمین مسلمانوں کے تسلط سے نکل کر دہریوں، کافروں،  
 مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے تسلط میں جا رہی ہے۔ یہ برصغیر  
 پورے کا پورا دارالاسلام تھا۔ کابل سے لے کر بہما تک اورنگ زیب  
 عالمگیر کی حکومت تھی۔ لاہور کی شاہی مسجد اور حیدر آباد دکن کی مکہ مسجد اُسی  
 کے کارنامے ہیں۔ مگر اُس کے بعد اُس کے جانشین سخت نالائق ثابت  
 ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا برصغیر انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا، اور  
 دو سو سال کی جدوجہد کے بعد جب برطانیہ کی غلامی کا جوا اُترا تو اس سرزمین  
 کا بیشتر حصہ ہندوؤں کے تسلط میں چلا گیا اور ایک تھوڑے سے حصے کو  
 پاکستان کا نام دیا گیا۔ مگر اس قوم کی نفس پرستی اور حب مال و جاہ کی وجہ  
 سے پاکستان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تاریخ  
 ایسے ہی سانحات سے بھری پڑی ہے۔ بلخ، بخارا، ختن، تاشقند وغیرہ  
 مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔ سنکیانگ صوبے میں سات کروڑ  
 مسلمان آباد تھے مگر آج وہاں ایک کروڑ بھی نظر نہیں آتے۔ بخارا میں  
 میں چالیس ہزار مساجد اور چار ہزار سے زیادہ مدرسے تھے مگر آج وہاں دو ہزار مسجدیں  
 بھی موجود نہیں۔ البانیہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا ملک تھا جو اثرات ترکیوں  
 کے قبضہ میں چلا گیا، چیکو سلاواکیہ کے مسلمان بھی نہایت تنگ میں گزر اوقات  
 کر رہے ہیں، ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل چکی ہے اور وہ بے یار و  
 مددگار مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فلسطین کا سانحہ آپ کے سامنے  
 ہے۔ مسلمانوں کا تاریخی خطہ اور انبیاء کی سرزمین یہودیوں کے قبضہ  
 میں جا چکی ہے۔ شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ ہم سال ہا سال تک  
 مسلمان حکومتوں سے اپیل کرتے رہے کہ اس مقدس سرزمین کی طرف

توجہ دو۔ یہودی اس خطے میں دھڑا دھڑا غیر منقولہ جائیدادیں خرید رہے ہیں اور ان کی یہ سیکم خطرناک ثابت ہو چکی ہے، مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ یہودیوں نے مسلمانوں سے سستے داموں زمینیں اور مکانات خرید لیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطین پر مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوتی گئی اور یہودیوں کے پاؤں جمتے گئے اور بالآخر وہ یہاں پر ایک خالص یہودی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج فلسطینی جو باجر دنیا میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ بیت المقدس ان کے قبضے سے نکل چکا ہے۔ بچے بوڑھے اور عورتیں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس شیطانی منصوبے میں برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس چاروں طاقتیں شامل ہیں۔ جنہوں نے فلسطین کے اصل باشندوں کو بے وطن کر کے طاعنوتی طاقت کو وہاں مسلط کر دیا ہے بہر حال اب مسلمانوں کا معاملہ الٹا ہو گیا ہے۔ کبھی ان کا تسلط اغیار پر قائم ہوتا تھا۔ مگر اب اغیار ان پر مسلط ہو رہے ہیں۔

حب مال و جاہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو حب مال و جاہ، ذاتی اقتدار اور چوہدریہٹ نے تباہ کیا ہے۔ ملکیت کی ساری لعنت مال کی محبت کا نتیجہ ہے۔ جب تک لوگ ذاتی خواہشات کی تکمیل کرتے رہیں گے۔ ملی مفاد پس پشت ڈال جاتا رہیگا، مسلمان من حیث القیم تنزل میں رہیں گے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مفاد پرست لوگ قومی دولت کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں مگر کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایوب کے زمانے میں ناپچنے اور گلانے والوں، فلم ایکٹروں اور ایکٹریسوں کو بڑی بڑی جاگیروں سے نوازا گیا۔ بنگال کی بلبل چوہدری کو بچاس ہزار روپے کا انعام ملا۔ نامہاد ملک ترقم کو مرے لالٹ ہوئے۔ یہ کون کا نامہ ہے جس کی



پذیرائی ہوتی ہے۔ قوم کا سرمایہ کھیل کود اور لہو و لعب میں صرف کیا جاتا ہے۔ کبھی فلک بوس عمارتوں پر کمر و ڈول روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ لاہور میں تعمیر ہونے والا مینار پاکستان ستر لاکھ روپے میں بنا۔ سٹر جناح کے مقبرے پر سات کمر و ڈول روپیہ خرچ ہوا ان عمارت سے قوم کی کون سی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ اس میں فضول خرچی، نمود و نمائش اور ذہنی عیاشی کے سوا کیا رکھا ہے۔

دوسری تباہ کن چیز ذاتی چوہدر اہٹ ہے۔ عراق اور ایران کے درمیان یہی وجہ متنازعہ ہے۔ تین چار سال کی جنگ میں دو مسلمان ملکوں کے دو لاکھ آدمی لقمہ اجل بن چکے ہیں، جب کہ مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ دونوں فریق مسلمان کہلاتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی نام تو اسلام ہی کا لیتے ہیں مگر باہم برسر پیکار ہیں۔ یہی ہماری نالائقی کی علامت ہے ہم میں اسلام کی انقلابی روح باقی نہیں رہی۔ ہم ذاتی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں، اور معمولی ذاتی مفاد کی خاطر بڑے بڑے ملی مفاد قربان کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس آیت میں حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے اور تغیر و تبدل سے کافروں پر دلیل بھی قائم کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے زعم میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ عیث ہے کیونکہ اللہ کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اور وہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ پکڑے گا تو پھر اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

آگے ارشاد فرمایا وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور تحقیق مخفی تدبیر کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ عربی میں مکر مخفی چال کو کہا جاتا ہے، اس کے برخلاف اردو اور پنجابی میں

خانی تدبیر  
کی کامیابی

یہ لفظ دھوکہ اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے فرمایا، حق کو مٹانے کے لیے پہلے لوگوں نے بھی مخفی چال چلی اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ساری کی ساری مخفی تدبیر اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کی کسی تدبیر کو کامیاب نہیں ہونے دیکھا۔ وجہ یہ ہے يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو کوئی نفس کما تا ہے، گویا ہر شخص کا ہر کام اس کی نگاہوں میں ہے۔ جب خدا تعالیٰ ہر ایک کے ہر کام سے واقف ہے، تو اس کی مخفی تدبیروں سے بھی واقف ہے، مخفی تدبیر جیسی کامیاب ہو سکتی ہے۔ جب کوئی دوسرا اس کے لیے لاعلم ہو مگر اللہ تعالیٰ تو ذرے ذرے سے واقف ہے لہذا اس کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ فرمایا وَسَيَعْلَمُ الْكٰفِرُ وَلِمَ نَ عُقِبِيَ الدّٰرِ اور کافر لوگ عقیقرب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے۔ جلدی ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ آخرت کا آرام و آسائش کافروں کے حصے میں آتا ہے یا ایمان والوں کے حصے میں۔ یہ معاملہ تو گذشتہ آیات میں ہی حل ہو چکا ہے، اللہ نے فرمایا کہ جنہوں نے خدا کی رضا کے لیے صبر کیا، نماز قائم کی اور خفیہ اور اعلانیہ مال خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے رہے لَهُمْ عُقْبَى الدّٰرِ آخرت کا گھر تو ایسے لوگوں کے لیے ہوگا۔ یہ تو ایمانداروں کی صفات ہیں اور وہی آخرت کے حقدار ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا آخرت کا گھر ان کے لیے ہے جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا وَعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النار اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہوگا۔



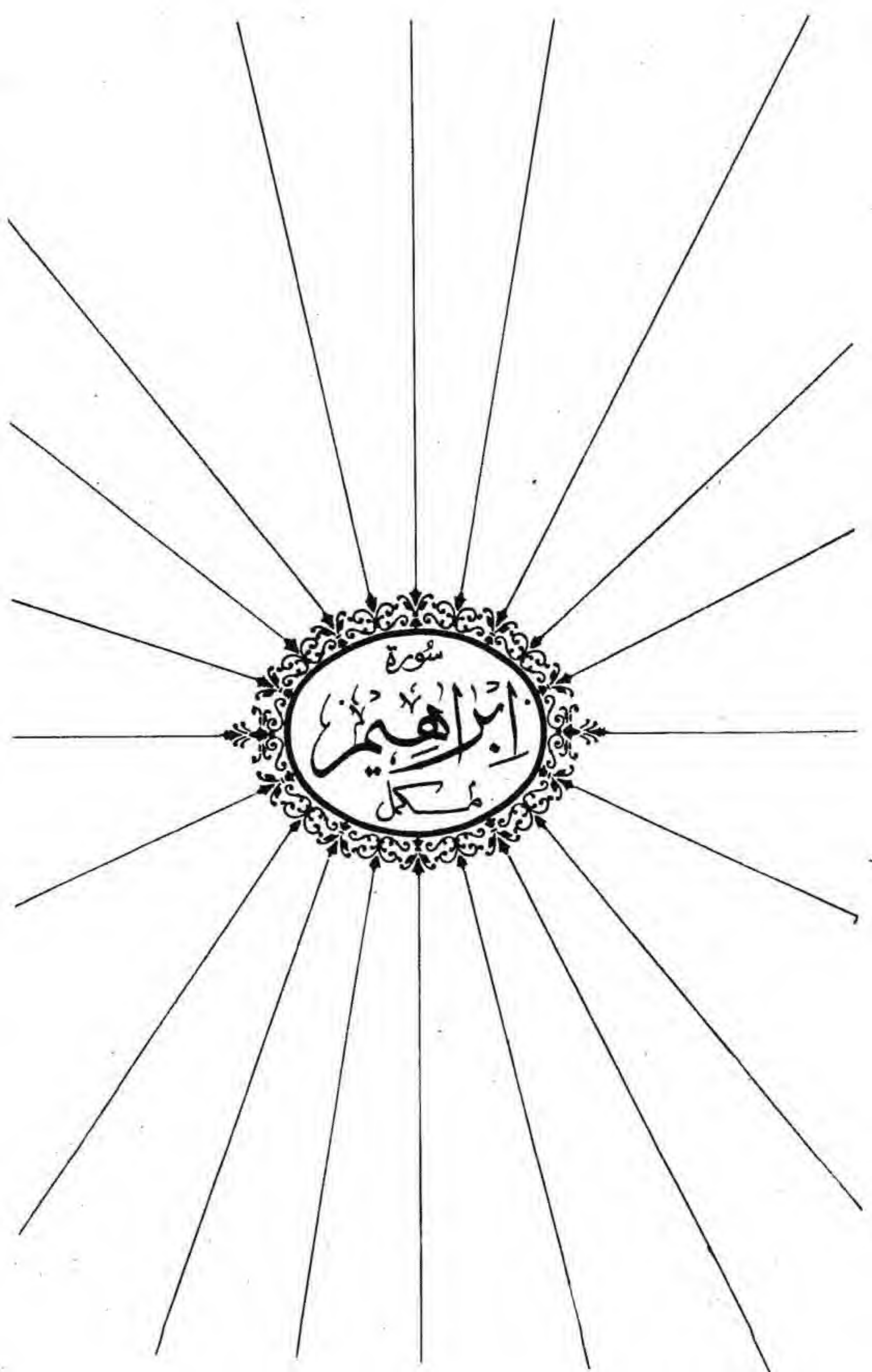
فرمایا وَلَقَوْلِ الدِّينِ كَفَرُوا کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے رسالت کا  
کفر کیا کُست مُوسِکاً آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول انکار  
نہیں ہیں۔ اُن لوگوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار  
کیا۔ کہنے لگے یہ شخص رسول کیسے ہو سکتا ہے جو یَا کُلَّ الطَّعَامِ  
وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان) جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں  
میں چل پھر کر سودا سلف خریدتا اور کاروبار کرتا ہے۔ کبھی کہتے کہ ہم اس  
کو رسول تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ ہماری مطلوبہ نشانیاں پیش نہیں کرتا۔ کوئی  
کہتا، یہ خزانوں کا مالک نہیں ہے۔ اس کے پاس نوکر چاکر، باڈی  
گارڈ اور فوج نہیں ہے۔ مکے والے کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو  
رسول بناتا تو مکے اور طائف کے کسی آسودہ حال شخص کو یہ منصب عطا  
کرتا وہاں بڑے بڑے سردار موجود ہیں، اُن کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے  
دنیاوی لحاظ سے کمزور آدمی کو اپنا رسول کیسے منتخب کر لیا۔ کوئی آپ  
کو شاعر کہتا، کوئی کاہن اور جادوگر، اور اس طرح آپ کی رسالت  
کا انکار کر دیا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا  
قُلْ أَفَكُنَّ كُفْرًا بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِيرے  
اور تمہارے درمیان خدا تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو کرتے  
رہو۔ خود اللہ تعالیٰ جو مجھے معجوت کر نے والا ہے، وہ گواہی دیتا  
ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے علاوہ بھی اگر گواہی چاہتے ہو تو  
مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ میرا گواہ وہ بھی ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے  
کتاب سے مراد سابقہ کتب تورات، انجیل وغیرہ مراد ہیں، اور جو شخص ان  
کتبوں کا صحیح علم رکھتا ہے، وہ بھی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں کیونکہ  
سابقہ کتب میں میری تمام نشانیاں موجود ہیں۔ جنہیں دیکھ کر صاحب علم لوگ میری

صداقت کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام جو یہودی عالم تھے، انہوں نے پہلی ہی نشست میں حضور علیہ السلام کو اپنی کتاب کے علم سے پہچان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ کہتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کے حق میں اتنا یقین نہیں ہے، جتنا حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت پر یقین ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اے کفار و مشرکین تم بے شک انکار کرتے رہو مگر کائنات کا خالق تو گواہ ہے جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے۔ لوح محفوظ میں درج ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں میرے لیے وہی گواہی کافی ہے، لہذا تمہاری گواہی کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ بھی موجود ہے ”قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً“ (الانعام) آپ کہہ دیں، اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے یہ بھی کہلوا یا ”قُلِ اللّٰهُ قَسَمٌ مِّمَّكَاتٍ“ (الانعام) آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے۔ اس سے بڑی گواہی کے بعد اگر تم پھر بھی انکار کرتے ہو تو اس سے میری رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس انکار کا مؤقف قہر سے آخرت میں ہوگا۔





سُورَةُ  
إِبْرَاهِيمَ  
مَكِّيَّةٌ





زمین میں ہے۔ اور ہلاکت ہے کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب سے (۲) وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں، دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں، اور وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور تلاش کرتے ہیں اس راستے میں) کبھی۔ یہی لوگ ہیں جو گمراہی میں دُور پڑے ہوئے ہیں (۳)

اس سورۃ کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔ سورۃ کے چھٹے رکوع میں خانہ کعبہ کی تعمیر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ملت ابراہیمیہ کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ سابقہ سورۃ کی طرح یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس کی باون آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۳۱ الفاظ اور ۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

جس طرح اس سورۃ کا سابقہ سورۃ سے زمانہ نزول ملتا ہے اسی طرح ان دونوں مضامین سورۃ سورۃ کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی دین کے بنیادی عقائد، توحید، تہذیبِ شرک، رسالت، معاذ اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے۔ نبوت رسالت کے متعلق معترضین کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ حق و باطل کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ تذکرہ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ جب کہ باقی انبیاء کا ذکر اجمالی طور پر آیا ہے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا ایک خاص موضوع مقصد بعثتِ انبیاء بھی ہے۔ چنانچہ اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے انہی بنیادی عقائد کی تعلیم و تبلیغ کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا، خصوصاً اللہ کی وحدانیت کا مسئلہ اور ایمانیات کی تلقین ہمیشہ سے ملتِ ابراہیمیہ کا مقصد اور دینِ اسلام کی غرض و غایت اور منہا ئے مقصود رہا ہے۔ اس کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ، نماز اور بعض دوسری چیزوں کا ذکر ضمناً اس سورۃ میں آئے گا۔

اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کی تاریخ کا ایک حصہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔  
 اگلے درس میں آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی  
 قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں ”وَذَكِّرْهُمْ  
 بِأَيْسَرِ اللَّهِ“ اور انہیں تاریخی واقعات یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے  
 وہ دن مراد ہیں جب اللہ تعالیٰ نے بعض اقوام پر نعمتیں نازل فرمائیں  
 اور بعض کو سزا میں مبتلا کیا۔ ان کو اصطلاحاً ایامِ منعم اور ایامِ تعذیب  
 بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا  
 شکر اور اس کی ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انبیاء علیہم السلام کے  
 طریقہ تعلیم و تربیت اور ان کی تبلیغ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے  
 علاوہ مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ کافروں کے ساتھ بحث و مباحثہ  
 کرتے وقت انہیں کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

سورۃ  
مقطعات

سابقہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی حروفِ مقطعات سے  
 ہوتی ہے الٰہ۔ مفسرین نے تقریب فہم کے لیے حروفِ مقطعات  
 کے بہت سے ممکنہ معانی بیان کیے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ الٰہ  
 سے خود قرآن مراد ہے اور پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن ایک  
 کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ بعض مفسرین  
 قینوں حروف کے مختلف معانی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہ  
 انا، ل سے اللہ اور د سے رویت مراد ہے، اور پورا مفہوم یہ ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور تمہاری تمام حرکات و سکنات  
 کو دیکھ رہا ہوں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ الٰہ  
 سورۃ کے موضوع کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ غیبی حقائق جو انبیاء کے  
 ذریعے عالم بالا سے اس جہان میں متعین ہوتے ہیں، ان کا تصادم النازل  
 سے سرزد ہونے والے شرور و نیبہ (گندے شرور) سے ہوتا رہتا ہے



جس کے نتیجے میں حق بات واضح ہوتی رہتی ہے۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ الّا در اصل مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات مجھے ذوقی یعنی الہامی طریقے سے معلوم ہوئی ہے کیونکہ اسے عقلی دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

عروفِ مقطعات قرآنِ پاک کی ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرفِ مفرد اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے (اسے اللہ کا اسم ذات اللہ ہو سکتا ہے ل سے لطیف اور د سے رحمان یا رحیم مراد لیا جاسکتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ الّا اس سورۃ کا نام ہے، گویا اس سورۃ کے دو نام ہیں ابراہیم اور الّا۔ قرآنِ پاک کی بعض سورتوں کے متعدد نام بھی آتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے پندرہ نام عرض کیے تھے۔ دسویں صدی کے حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی حروفِ مقطعات کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم جو کچھ اُس نے مراد لی ہے، وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حروف ابتلائے عباد یعنی بندوں کے امتحان کی خاطر نازل فرمائے ہیں۔ اسی لیے جب حضور علیہ السلام یہ حروف صحابہ کے سامنے پڑھتے پڑھاتے تھے تو کسی نے بھی ان کے معانی میں کمر نہ کرنے کی کوشش نہیں کی، یعنی کسی نے ان کا مطلب یا سرورِ یافت نہیں کی، بلکہ جس طرح حضور نے پڑھایا، صحابہ نے پڑھ لیا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت علیؑ کے زمانے میں جب عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے معانی دریافت کیے، چنانچہ ان کے متعلق بعض باتیں حضرت علیؑ نے اور بعض حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بیان کیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآنِ کریم کے ساتھ مانوس رہیں۔ حافظ





محدث دہلوی اپنی کتاب فیوض الرحمن میں فرماتے ہیں کہ جب میں قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق مراقبہ کرتا ہوں تو مجھے اس کے نیچے چھائوں و معارف کے لامتناہی سمندر نظر آتے ہیں، اور پاک نفوس کو ایسی باتیں نظر آنا بعید از قیاس نہیں۔ قرآن پاک اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ الشَّهِدِ کے علم سے نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ صفت لا محدود ہے لہذا لَا تَنْقُضِيْ عَجَائِبَاتُہٗ قرآن پاک کے عجائبات لامتناہی ہیں ان میں جتنا بھی غور کریں۔ یہ عجائبات ختم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

فرمایا، یہ ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اس کی غرض و غایت یہ ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں، یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہو رہا ہے۔ اس میں رسالت کا بیان آگیا کہ جس طرح یہ کتاب عظیم الشان ہے، اسی طرح جس رسول پر نازل کی گئی ہے، وہ بھی عظیم الشان رسول ہے۔ یہاں پر ظلمات سے مراد کفر، بدعت، شرک، نفاق اور جملہ معاصی اور برائیاں ہیں۔ گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل اور روح پر تاریکی چھا جاتی ہے اور انسان کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سنت ایک روشنی ہے، جس سے روح و قلب اور دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو بصرہ بھی کہا گیا ہے۔ "هٰذَا ابْصَارُ مِثْ رَبِّكُمْ" (اعراف) یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت ہے۔ بصیرت ایسی چیز ہے جو دل کو روشن کرتی ہے۔ دل میں اطمینان اور یقین پیدا ہوتا ہے۔ تو قرآن کی آیات بصیرت کی باتیں ہیں جو انسان کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، اخلاص، نیکی اور اطاعت کی روشنی کی طرف لاتی ہیں۔

یہ قرآن لوگوں کو رسومات باطلہ اور بدعات سے موڑ کر سنت کی طرف لاتا ہے۔ دل کی تاریکیاں اگرچہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتیں مگر ان کی وجہ سے انسان کا فہم اور شعور ختم ہو جاتا ہے اور انسان نیچی اور بدی میں تمیز کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ برخلاف اس کے ایمان دار قرآن کو برحق سمجھتا ہے اور اللہ کا وعدہ یہ ہے "إِنْ تَشْكُرُوا اللَّهَ يَجْزِلْ لَكُمْ فَزْقَانًا" (الأنفال) اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات بناتا ہے گا۔ تمہیں صحیح اور غلط کی تمیز آجائے گی اور تم تاریکی میں نہیں رہو گے۔ فرقان قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے جس کا معنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن کے ذریعے انسان ظلمت اور نور میں امتیاز پیدا کر لے گا، اسی لیے فرمایا کہ اُس کی غرض و غایت ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔

فرمایا، روشنی کی طرف لانا کسی انسان کا ذاتی فعل نہیں بلکہ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ اُن کے پروردگار کے حکم سے ہے۔ جس انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی، وہ حق کو پہلے گا اور آپ اسے روشنی کی طرف لے آئیں گے۔ اور جو ضدی اور عنادی آدمی ہوگا، وہ اس نور سے استفادہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور یہ نور کیا ہے، اِلٰی صَوَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ کمال قدرت کے مالک اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ ہے وہ ایسی کمال تعریفوں کا مالک ہے کہ اگر کوئی اُس کی تعریف نہ بھی کرے تو اُس کی خوبیوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بہر حال اپنی جگہ موجود ہیں۔ غرضیکہ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ آپ اُن کے پروردگار کے حکم سے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی یہ



تعریف بھی بیان کی گئی ہے اللہ الَّذِیْ لَهُ مَکَافِ السَّمٰوٰتِ وَمَا  
 فِی الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں  
 میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے ،  
 حقیقت میں کوئی دوسری ہستی کسی چیز کی مالک نہیں۔ جو کوئی عارضی طور پر  
 کسی چیز کا مالک بنتا ہے ، وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنتا ہے۔ انسان  
 تو اپنے وجود اور دیگر لوازمات کا بھی خود مالک نہیں ہے۔ ہر چیز کا مالک  
 و متصرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ اُس کی تعریف بھی ہو گئی۔

کافروں  
 کا انجام

ان تمام حقائق کے باوجود جو لوگ کفر کرتے ہیں ، اللہ نے ان کا انجام  
 بھی بیان فرمادیا ہے وَقَوْلٌ لِّلْكَافِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ  
 تباہی و بربادی سے کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب سے ۔  
 قرآن پاک کے پروگرام کو تسلیم نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی سخت سزا کا  
 مزہ چکھیں گے۔

فرمایا الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلٰی  
 الْاٰخِرَةِ جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں  
 ”یعنی ان کی تمام تگ و دو اسی زندگی کے لیے ہے جیسے فرمایا  
 یَعْلَمُوْنَ ظٰہِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَهُمْ  
 عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ“ (الروم) وہ لوگ دنیا  
 کی باریک ترین باتیں بھی جانتے ہیں مگر آخرت سے کلی طور پر غافل  
 ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے بڑے عقل مند ہیں مگر آخرت کے لحاظ سے  
 بالکل بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے ، اسی دنیا میں ہے  
 اُس کے کچھ نہیں۔ اسی لیے وہ اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں۔  
 ”رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ“ (صد)  
 ہمیں جو کچھ دنیا ہے قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں عطا کر دے

اللہ تعالیٰ نے عباد اور مخلوق کے متعلق فرمایا ہے کہ بڑے بڑے کارکن، انجینئرز،  
صناع اور ماہرین تھے، دنیا کے اعتبار سے بڑی بصیرت رکھتے تھے،  
عقل معاش کے لحاظ سے بڑے ترقی یافتہ تھے مگر عقل معاد کی نسبت  
سے بالکل گورے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی تحقیر میں یہ  
دعا بھی سکھلائی ہے اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا  
وَلَا مَبْغِ عَلِمْنَا اے اللہ! صرف دنیا کو ہی ہمارا منتہائے  
مقصود نہ بنا۔ اہل ایمان تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہیں رَبَّنَا آتِنَا فِي  
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ  
النَّارِ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی، اور  
ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مطلقاً دنیا کی پسندیدگی بُری نہیں ہے  
مال، دولت، اولاد، آسائش زندگی وغیرہ ایک فطری چیز ہے مگر اس  
کی طلب اور اس سے محبت اگر آخرت پر غالب آجائے تو پھر تباہ کن  
ثابت ہوگی۔ سورۃ العادیات میں موجود ہے وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ  
لَشَدِيدٌ انسان میں مال کی محبت ضرور ہے، مگر جب وہ آخرت  
کو فراموش کر کے حقوق و فرائض کو فراموش کر دے گا تو پھر یہی مال اُس  
کے لیے وبال جان بن جائیگا۔ کافروں کا یہی دطیرہ ہے، خاص طور پر مغربی  
تمدن میں تو اُس کی انتہا ہو چکی ہے۔ شیطان نے دنیا کے لوازمات کو  
اس قدر مزین کر کے دکھایا ہے کہ اکثر لوگ اسی میں منہمک ہو کر رہ گئے ہیں  
اور آخرت کو بالکل بھول چکے ہیں، دنیا کی زندگی سے محبت کا یہی مطلب  
ہے اور اسی کی خدمت کی گئی ہے۔

فرمایا کافروں کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے  
ہیں اور دوسری یہ کہ وَيَصْدُقُونَ عِزًّا سَبِيلَ اللَّهِ وَهَذَا

دین کے  
راستے  
میں کاوی



راستے سے روکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا کہ خود تو دین سے دُور ہوتے  
 ہیں، دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ہمیشہ سے یہ کوشش  
 رہی ہے کہ مسلمانوں کو اُن کے دین سے روک دیا جائے، اس مقصد  
 کے لیے انہوں نے ہمیشہ بڑے بڑے جال بچھائے ہیں، کبھی طاقت  
 استعمال کر کے، کبھی سازش کر کے اور کبھی مکہ و فریب کے ذریعے لوگوں  
 کو اللہ کے راستے سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی مشنریاں  
 سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور رہاوی اداروں کا جال پھیلاتی ہیں اور اس قسم  
 کا پراپیگنڈا کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں دین سے متعلق شکوک و  
 شبہات پیدا کیے جائیں تاکہ نوجوان نسل دین سے بیزار ہو جائے یہ لوگ  
 مال و دولت اور عورت کے لالچ میں دین سے ہیکانہ کرتے ہیں اور  
 کبھی وسیع لٹریچر کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔  
 شکیب ارسالان نے لکھا ہے کہ یورپی ممالک میں اسلام کے خلاف چھ  
 لاکھ کتابیں شائع ہو کر تقسیم ہو چکی ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں یہ کام  
 مکے والے کرتے تھے کبھی رغب کے ذریعے اور کبھی لالچ کے ذریعے  
 لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے، آج کی دنیا  
 میں روس، امریکہ اور انگریز اس کام کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ غرضیکہ  
 تمام کافروں کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو اسلام کے  
 راستے سے روک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تیسری صفت یہ بیان کی ہے وَيَلْعَنُونَهَا  
 عَوَجًا یہ لوگ اللہ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ اسلام کو توڑ مڑ  
 کر اس طرح پیش کرتے ہیں جس سے لوگوں کو اسلام کا راستہ ٹھیک نظر  
 آئے اور وہ اسے چھوڑ دیں۔ کافر، مشرک، منافق، یہود، ہنود اور عیسائی  
 سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولَٰئِكَ

کجی کی  
 تلاش

فِ صَلِّ الْبَعْدِ یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ہیں  
 ایمان والوں کے لیے تسلی کا پہلو بھی ہے کہ یہ لوگ شب و روز کتنی سازشوں  
 میں لگے رہتے ہیں، لہذا ان سے قبولِ حجت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔  
 یہ اسی طرح گمراہی میں پڑے رہیں گے حتیٰ کہ اس دنیا کا دور ختم ہو جائے  
 گا، اور پھر انہیں اس گمراہی کا بدلہ مل کر رہے گا۔



وما ابرئ ۱۳

درس دوم ۲

ابراہیم ۱۳

آیت ۲۴ ۶

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ  
 لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
 مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④ وَلَقَدْ  
 أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ  
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ  
 شَكُورٍ ⑤ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ  
 اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ  
 مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ  
 وَيَدْبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ  
 وَفِي ذَلِكَ لَكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ⑥

۱۳

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اُس  
 کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے اُن کے لیے ۔  
 پھر گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور راستہ  
 دکھاتا ہے جس کو چاہے ، اور وہ غالب اور حکمت والا  
 ہے ④ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام  
 کو اپنی نشانوں کے ساتھ ۔ (پھر اُن سے کہا) کہ نکالو اپنی

قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف - اور یاد دلاؤ اُن کو اللہ کے دن - بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا اور شکر گزار ہے ⑤ اور (وہ بات قابل ذکر ہے) جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر، جب کہ اُس نے تمہیں نجات دی فرعون والوں سے - وہ پہنچاتے تھے تم کو بڑا عذاب، اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اسیں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی ⑥

ربط آیات

سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت اور اس کے نزول کی حکمت بیان فرمائی۔ اس کتاب کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے پیغمبر خدا لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں کفر، شرک، نفاق، بدعتیگی، بد اخلاقی اور بد اعمالی اندھیرے ہیں، اس کے مقابلے میں توحید، اخلاق، نیکی اور اطاعت بمنزلہ روشنی کے ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن کے پروگرام کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور اُن کے لیے عذاب کی وعید سنائی۔ فرمایا یہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور دین میں کجی تلاش کرتے ہیں، یہودہ اعتراضات کرتے ہیں، لہذا گمراہی میں دور پڑے ہوئے ہیں۔

رسول در  
زبان قوم

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ یہی سوئوں میں یہی بنیادی مسائل توحید، رسالت، معاد، کفر، شرک کی تردید وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمام انبیاء اور رسل کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وحی الہی، ملائکہ، تقدیر بھی ایمانیات



میں داخل ہیں۔ تاہم ان آیات میں رسالت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے  
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِمْ ہم نے نہیں بھیجا  
کوئی رسول مگر اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرنے والے۔ اللہ نے اسی کی زبان  
میں اُسے تعلیم دی لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ اُن لوگوں کے لیے وہ تمام  
چیزیں بیان کر دے جو ان کے لیے ضروری ہیں۔ اگر وحی کسی غیر زبان  
میں ہوتی تو لوگوں کا اس سے استفادہ کمزور ہو جاتا۔ لہذا اللہ نے  
ہر نبی کی قومی زبان میں وحی نازل کی، احکام و شرائع دیے اور اسی زبان  
میں آگے تبلیغ کی تعلیم کی۔ موسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے، لہذا  
تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قومی زبان سریانی  
تھی تو انجیل بھی اسی زبان میں آئی۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
کو اللہ نے عربوں اور خاص طور پر قوم قریش میں مبعوث فرمایا، آپ  
اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے اور قرآن کریم قریش کی عربی زبان میں  
نازل ہوا۔ دوسرے مقام پر اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر یہ  
غیر زبان میں نازل ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہم اسے سمجھنے سے  
قاصر ہیں، مگر اللہ نے اس اعتراض کی گنجائش نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر نبی  
نے اپنی قومی زبان میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ دوسرے مقام پر یہ بھی  
آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ جب  
تک اُن تمام باتوں کو واضح نہیں کر دیا جانا جن سے بچنا ضروری ہے  
یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو اس کی قومی زبان میں  
مبعوث فرمایا۔ جزائے عمل کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے  
کہ لوگوں کو شرائع اور احکام ٹھیک طریقے سے پہنچا دیے جائیں اور  
ان کی اچھی طرح وضاحت کر دی جائے تاکہ کسی کے پاس عدم تبلیغ  
کا کوئی بہانہ نہ رہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کی جزا چار اسباب کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اُس کے لیے جزائے عمل ضرور واقع ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فطرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہمیت کے دو مادے رکھے ہیں جو ہمیشہ اس میں موجود رہیں گے، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ کر بھی یہ مادے انسان سے علیحدہ نہیں ہوں گے ان کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی نفس یا نسمہ کا جو رُخ عالم بالا کی طرف ہے وہ ملکیت کہلاتا ہے اور جو رُخ مادی جہان کی طرف ہے، اسے بہمیت کہاجاتا ہے۔ ملکیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں کمال والی باتیں پیدا ہوں جب کہ بہمیت چاہتی ہے کہ انسان من مریضی کرنا ہے۔ ان دونوں مادوں کی آپس میں کشمکش ہوتی رہتی ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ بہمیت پر اس حد تک کنٹرول کرے کہ اُسے ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دے اگر بہمیت نے اس حد کو پار کر لیا تو پھر خدائی پیدا ہو جائیگی ملکیت کمزور ہو جائیگی اور انسان حظیرۃ القدس، جنت یا بلند مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ غرضیکہ ملکیت چاہتی ہے کہ اُسے تقویت حاصل ہو اور بہمیت کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں جو بھی قوت غالب آتی ہے، اس کے مطابق جزا کا عمل ضروری ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں جزائے عمل کے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر انسان اچھے اعمال انجام دیتا ہے تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں اور اگر برے اعمال کرتا ہے تو فرشتے بددعا کرتے ہیں اور اُس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تو فرشتوں کی دعا یا بدعا ضرور نتیجہ خیز ہوگی اور جزائے عمل بھی ضرور واقع ہوگا۔

جزائے عمل کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہر دور میں اپنے



پیغمبر بھیجے ہیں اور شریعت نازل فرمائی ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ اس شریعت یا قانون کی پابندی یا عدم پابندی کا نتیجہ برآمد ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ نزول شریعت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو اس سبب سے بھی جزائے عمل کا واقع ہونا ضروری ہے۔

انبیاء کی بعثت جزائے عمل کا چوتھا سبب ہے، ہر نبی اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے اور دین و شریعت میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ اس کے بعد اللہ کا واضح فرمان ہے "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا وَ يُحْيِيَ مَنْ هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا" (انفال) اب جس شخص کو زندہ رہنا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور جسے ہلاک ہونا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو۔ تو گویا انبیاء کی بعثت اور احکام و شرائع کی وضاحت کا تقاضا بھی ہے کہ انسان کے لیے جزائے عمل واقع ہو۔

قومی و بین الاقوامی نبی

ایک بات تو واضح ہو گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی زبان عربی میں تکلم فرماتے ہیں۔ اور قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا تاکہ آپ کے اولین مخاطبین دین مشین کو اچھی طرح سمجھ سکیں مگر دوسری طرف اللہ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" (اعراف) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربوں کی طرف مبعوث ہوئے اور وہی زبان بولتے تھے، تو آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرف کیسے ثابت ہوئی۔ اس اشکال کو امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب تفسیر المہیہ

میں رفع کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت دو حیثیت سے ہے۔ اولاً آپ کو قریش کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور آپ کے ساتھ اپنی کی سعادت و البتہ کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے آپ قومی نبی ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے قریش کو آکہ اور جارح بنا کر اپنا پیغام تمام اقوام عالم کو پہنچایا ہے، تو اس لحاظ سے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے "وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر شہید کا معنی معلم اور اتاد ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی تمہارا معلم ہے اور تم باقی اہل جہان کے لیے بمنزلہ استاد اور معلم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام عربوں ہی کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیلایا، تاہم اولاً حضور علیہ السلام کو عربوں کی طرف ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے النَّاسُ تَبِعُوا لِقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالْشَّرِّ نیکی اور بدی میں سارے لوگ قریش ہی کے تابع ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں بھی قریش کو باقی عربوں پر فوقیت حاصل تھی اور اسلام آنے کے بعد بھی تمام اقوام کے مقابلے میں قریش ہی کو برتری حاصل ہوئی۔ بہر حال قریش کے واسطے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔

مسلمانوں کا  
عروج و زوال

امت مسلمہ کی خلافت کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تک قریش میں دو باصلاحیت آدمی بھی موجود ہیں، خلافت کا سلسلہ انہی میں رہے گا، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ابتدائے زمانہ سے لے کر سترھویں صدی تک خلافت قریش میں ہی رہی۔ پھر جب مسلمانوں میں کمزوری آگئی تو خلافت سلجوقیوں کو منتقل ہو گئی، پھر ترکوں کے پاس چلی گئی اور پھر آخر میں یہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی



۵۲ باون ریاستیں ہیں مگر سب اغیار کی دست نگر ہیں۔ غیر مسلم اقوام نے مسلمانوں کی اجتماعیت سے خائف ہو کر خلافت کا ہمہ گیر تصور ہی ختم کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اب ان کی اپنی کوئی سیاست نہیں۔ نیم غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پوری دنیا میں کفار کو غلبہ حاصل ہے ان میں یا تو مذہبی کافر علیانی ہیں یا پھر دہریے کافر اشتراکی ہیں۔ ادھی دنیا پر ایک طاقت چھائی ہوئی ہے جب کہ باقی نصف دنیا دوسری طاقت کے تسلط میں ہے۔

فرمایا، ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کو ہر چیز کی وضاحت کرنے سے پیغمبر کی طرف سے حق تبلیغ ادا کرنے کے بعد فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ گمشاؤ و گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے۔ جو کھر، شرک اور نفاق پر اصرار کرتا ہے اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ گمراہی میں پڑا رہتا ہے۔ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ گمشاؤ اور ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے۔ جو ایمان کو قبول کر لیتا ہے، اُسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيمُ اور خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک بھی ہے اور کمال حکمت کا مالک بھی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کے متعلق بنیادی اصول بیان کر دیے ہیں۔

رسالت کا بحیثیت مجموعی ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانوں کے ساتھ۔ نشانوں سے مراد معجزات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا اور یدریضا وغیرہ نو معجزات عطا فرمائے تھے جن کا ذکر مختلف مقامات

موسیٰ علیہ السلام  
کی بعثت

پر آیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور قبیلے دو قوموں کی طرح  
مبعوث فرمایا تھا۔ قبیلوں نے تو آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا جس کی  
پاداش میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ بنی اسرائیل آپ پر ایمان لائے تو اللہ  
نے انہیں فرعونوں کے ظلم و ستم سے نجات دے کر ان پر طرح طرح  
کے انعام بھی فرمائے، اور یہ سلسلہ ہزاروں سال تک چلتا رہا۔ بہر حال  
موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرما کر حکم دیا۔ اَنْتَ  
اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ کہ  
آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ ہر نبی  
کا یہی کام ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتدائی آیت میں خود حضور خاتم النبیین  
علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری  
ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں  
موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا کہ قوم کو کفر، شرک اور معاصی کے  
اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لے آئیں۔

تذکیر بایام

اور ساتھ یہ بھی حکم دیا وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ اَنْتَ  
ان کو اللہ کے دین یاد دلاؤ۔ ایام اللہ سے وہ تاریخی واقعات  
مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں پر انعام فرمائے اور بعض کو سزا  
دی۔ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کر کے اور ان پر عمل پیرا  
ہو کر کامیاب ہوئیں اور بعض انکار کر کے طرح طرح کے عذاب میں  
مبتلا ہوئیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ علوم قرآن  
پانچ اقسام سے ہیں۔ پہلی قسم علم احکام ہے جس کے ذریعے فرائض،  
سنت، واجبات، حلال، حرام، اور مباح وغیرہ کا پتہ چلتا ہے دوسری  
قسم علم مناظرہ ہے جس کے ذریعہ چار فرقوں یعنی کافر و مشرک، یہود،  
نصاری اور منافقین سے بحث مباحثہ کیا جاتا ہے۔ اس علم کے ذریعہ



ان فرقوں کا رد مطلوب ہوتا ہے۔ علوم قرآن کی تیسری قسم علم تذکیرِ مباحث بعد الموت ہے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ اس حصہ علوم میں کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور محاسبہ اعمال کے لیے تیاری کریں۔ علوم قرآن کی چوتھی قسم تذکیرِ بآلاء اللہ ہے۔ اس حصہ میں اللہ نے اپنی نشانیوں کا تذکرہ کر کے انسان کو یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر کرے، عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے قرآن کے علوم کی پانچویں قسم تذکیرِ بایام اللہ ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر گزرنے والے واقعات بیان کر کے انسان کو عبرت دلائی ہے تاکہ وہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اللہ نے قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم نوح وغیرہ کے حالات مختلف مقامات پر ذکر کیے ہیں۔ صرف قوم فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں چھیالیس مرتبہ سے زیادہ ذکر ہوا ہے کیونکہ محض علم کے لیے کسی واقعہ کو ایک ہی دفعہ بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ بار بار یاد دہانی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ متعلقہ بات لوگوں کے اذہان میں اچھی طرح جم جائے اور وہ نصیحت حاصل کر سکیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبّٰرٍ شٰكُوْرٍ  
بیشک ان تاریخی واقعات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو صبر کرتے ہیں۔ مصائب میں صبر اور برداشت سے کام لیتے ہیں۔ اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہیں اور جب کوئی نعمت میسر آتی ہے۔ تو اس کی قدر کرتے ہیں، اس کو بر محل صرف کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں ہی فرمایا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی  
فرعونوں سے نہات

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ حَتّٰى تَكُونُوا تَاۡمِنُوۡنَ  
 نے اپنی قوم سے کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔ اللہ کا  
 احسان یہ تھا اِذَا اَنْجَاكُمْ مِنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ کہ اُس نے تمہیں  
 نجات دی فرعون والوں سے۔ اور فرعونیوں کی کارگزاری یہ تھی یَسُوۡمُوۡنَکُمْ  
 مُّسَوِّۡءَ الْعَذَابِ وہ تم کو پہنچاتے تھے بُرّاء عذاب۔ تمہیں غلامی میں  
 مبتلا کر رکھا تھا جو کہ بدترین عذاب ہے۔ غلامی ایک غیر فطری چیز ہے  
 غلام بے ضمیر ہوتا ہے اور اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ غلامی اور آزادی  
 کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے آمدہ سورۃ النحل میں بیان فرمایا ہے۔

فرعونوں کے عذاب کی تفصیل یہ ہے وَیَذۡحِیۡکُمْ بِجُۡوۡنِ اٰیۡتِہٖۡ کُمۡ  
 تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ فرعون  
 نے نوے ہزار بنی اسرائیلی بچے قتل کروائے، مگر اللہ کی حکمت میں جو بات  
 ہونے والی تھی وہ ہو کر رہی اور اتنا عظیم ظلم بھی اُسے روک نہ سکا۔ فرمایا  
 لَرۡکُمۡ کُوۡنُۡمَکُمۡ کَرۡہَیۡہُمۡ وَیَسۡتَحۡیِیۡوۡنَ اِنۡسَاۡءَکُمۡ اور تمہاری  
 عورتوں کو زندہ رکھتے تھے تاکہ لونڈیاں بن کر ان کی خدمت کریں انہیں  
 خطرہ صرف مردوں سے تھا کہ ان کی سلطنت نہ چھین لیں۔ چنانچہ  
 فرعون کی پولیس تعاقب میں رہتی تھی اور بچہ پیدا ہوتے ہی والدین کے  
 سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا۔

فرمایا وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَاۡءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ  
 اس میں تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ سورۃ اعراف میں ہے  
 بنی اسرائیل نے بڑا صبر کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم  
 دشمن کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا اور زمین میں اقتدار بھی بنی اسرائیل کو عطا  
 فرمایا۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے  
 فرمایا کہ یہ بات قوم کو یاد دلاؤ تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں۔



آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جب یہ نعمت حاصل ہو جائے تو پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہی کام کرنے چاہئیں جو آزاد لوگوں کے نمایان شان ہیں۔ جھجکڑا، فساد، لڑائی، فرقہ واریت غلامی کے اثرات ہیں جب کہ آزاد قوموں کا اخلاق و کردار بہت بلند ہوتا ہے۔ آزاد لوگوں میں مساوات اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ نیکی اور طہارت ہونی چاہیے، رسومات باطلہ کو ختم کر دینا چاہیے۔ ہم میں انگریز کی غلامی کے اثرات ابھی تک موجود ہیں، نامعلوم یہ کب ختم ہوں گے۔ جب تک غلامی کے اثرات ختم نہیں ہوتے، قوم عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی قدر ہی نہیں کی، ورنہ ہمیں اقوام عالم میں بلند مقام حاصل ہوتا۔

وما ابرئ ۱۳  
درس سوئم ۲

ابراہیم ۱۳  
آیت ۹ تا ۹

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ  
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ⑤  
وَقَالَ مُوسَى إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي  
الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأَنَا اللَّهُ لَغَنِيٌ حَمِيدٌ ⑧  
أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ  
مَعَ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ  
إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا  
أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا  
أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا  
لَنُؤْتِيَهُ مِثْلَهُ مُرِيبٌ ⑨

ترجمہ :- اور جب خبردار کیا تمہارے پروردگار نے کہ  
اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور زیادہ دلوں گا تمہیں ، اور اگر  
تم ناشکری کرو گے تو بیشک میں عذاب بہت سخت ہے ⑤  
اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ، اگر تم کفر کرو گے ، تم اور جو بھی  
زمین میں ہیں سب کے سب ، تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے  
اور تعریفوں والا ہے ⑧ کیا نہیں آئی خبر تمہارے پاس  
ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں ۔ قوم نوح ، عاد



اور ثمود۔ اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے۔ نہیں جانتا اُن کو کوئی بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ آئے اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر، پس لوٹائے انہوں نے اُن کے ہاتھ اُن کے مونہوں میں، اور کہنے لگے بیشک ہم انکار کرتے ہیں اُس چیز کا جس کو تم لے کر آئے ہو۔ اور بیشک البتہ ہم شک میں ہیں اُس چیز سے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، تردد انگیز شک میں ⑨

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت کا مسئلہ بیان ربط آیات کرنے کے بعد رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا۔ پہلے فرمایا کہ ہر نبی اور رسول اپنی قوم کی زبان میں مبعوث ہوتا ہے اور اُسی زبان میں قوم کو خطاب کرتا ہے تاکہ کسی کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بطور خاص ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤں اور وہ تاریخی واقعات یاد دلاؤں جو باعثِ عبرت و نصیحت ہیں۔ اللہ نے صبر اور شکر کرنے والوں کا ذکر کیا۔ پھر بنی اسرائیل پر کیے گئے انعامات کا تذکرہ کیا کہ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دے کر صاحبِ اقتدار بنایا اور شریعت عطا فرمائی۔

مقام شکر

آج کی آیات بھی سابقہ آیات سے بسلسلہ شکر ہی مربوط ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ اور جب تمہارے پروردگار نے خبردار کیا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم میرے انعامات کا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید عطا کروں گا۔ گزشتہ آیت میں تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیں اور اب فرمایا کہ انعام پا کر اگر شکر گزاری کرو گے تو میں اس انعام میں مزید اضافہ کروں گا۔ یہاں پر لاکھ تاکید ہے اور ن ثقیہ ہے

یہ دونوں حروف عربی زبان میں تاکیدیہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یقین دلا یا کہ شکر ادا کرنے کی صورت میں تمہیں ضرور بے ضرر و زیادہ دوں گا۔ اس میں کسی قسم کا شک یا تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جسمانی، روحانی، دنیوی، اخروی، اندرونی اور بیرونی ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں۔ انسان کا ایک ایک بال خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے مگر ان میں سے کسی نعمت کا کما حقہ شکریہ ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ مزید انعام ہے کہ وہ انسان کے بھٹورے سے شکریہ پر راضی ہو جاتا ہے، وگرنہ اس کے انعامات کے متعلق تو خود اس کا اپنا ارشاد ہے کہ **وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا** (ابراہیم) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار ہی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ان سب کا شکریہ ادا کر سکو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ بھٹوری سی شکر گزاری پر بھی خوش ہو جاتا ہے اور انسان کو مزید انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

سعدی صاحبؒ نے اپنی کتاب گلستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ہر ایک سانس کے ذریعے انسان کو اللہ کی دو نعمتیں میسر آتی ہیں۔ جب انسان سانس کو باہر نکالتا ہے تو اس کے ذریعے جسم کے غلیظ بخارات خارج ہو کر انسان کے لیے آرام و راحت کا سبب بنتے ہیں اور جب سانس انسانی جسم کے اندر جاتا ہے تو باہر کی نسیم طیبہ (اکسیجن) اس کے جسم میں داخل ہو کر صمد حیات بنتی ہے۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان چوبیس گھنٹے میں کم و بیش چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ انسان تو ایک سانس کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ باقی لاکھوں اور کروڑوں انعامات الہیہ کی شکر گزاری کرے۔ انسان کے ایک ایک بال میں بے شمار انعامات ہیں۔ ایک گلاس پانی جو انسان پیتا ہے۔ اس میں اللہ کی کروڑوں نعمتیں شامل ہیں جس کے نتیجے میں یہ پانی انسان کے

انسان پر  
انعامات  
الہیہ



لبوں تک پہنچتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، وہ تھوڑے سے شکر یہ پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے ان العبد اذا ياكل الاكل او يشرب الشراب وجب كوئى بنده كھانا کھانا ہے یا پانی پیتا ہے اور پھر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہا ہے۔ مگر کروڑوں انسان ہیں جو ہر وقت اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں مگر اس ذات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان کی صحت کو ہی دیکھ لیں، عافیت اور سلامتی کو دیکھیں یہ عظیم نعمتیں ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا۔ ان کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی چیز اٹل ہو جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جس شخص کی آنکھیں ضائع ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کی دو عزت والی چیزیں اٹھالیں، اس نے صبر کیا، اب میں اسے جنت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گا۔ شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرتا رہے اور ناشکری کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا سکھلائی ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ اَهْلٍ نَّارٍ ہر حالت میں اللہ رب العزت کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے پناہ چاہتا ہوں بغیر ضیکہ انسان کی سلامتی، سماعت اور قوت شامہ وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں کہ انسان کسی ایک کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ انسان کی عافیت کے متعلق منہ احمد کی روایت میں آتا ہے مَا اَوْفَقَ نِعْمَةً بَعْدَ الْاِيْمَانِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ اِيْمَانِ کے بعد کسی کو عافیت جیسی عظیم نعمت میسر نہیں، مگر کوئی شخص اس کی قدر نہیں کرتا۔ جہانی

اور مادی نعمتوں کے علاوہ اللہ نے انسان کو علم جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کو سورۃ اخلاص یاد تھی جھنور علیہ السلام نے اُس سے فرمایا تم اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر قبہا رہے پاس مال و دولت نہیں تو کوئی بات نہیں تمہیں تو سورۃ اخلاص جیسی عظیم نعمت حاصل ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ **نِعْمُ الْإِلَٰهُ عَلَى الْعِبَادِ كَثِيرٌ وَأَجَلُهُمْ خَجَابَةٌ** الْإِلَٰهَ يَعْنِي لَوْ كُنَ كَرَّ اللّٰہ کی بہت سی نعمتیں میسر ہیں اور ان میں سے بڑی نعمت یہ ہے کہ کسی کو فرمانبردار اولاد نصیب ہو جائے۔ غرضیکہ ہر غریب، وامیر کو لاتعداد نعمتیں حاصل ہیں۔ اور ہر شخص پر ان کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

غرضیکہ علم، دولت، صحت، اولاد اور پھر قدرتی انعام میں ہوا، روشنی پانی، گرمی اور سردی، بارش ایسی نعمتیں ہیں جو اللہ نے بالکل فری عطایا کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انتظام یہ ہے کہ جن چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے ان کو فری رکھا گیا ہے۔ کھانے کے لیے تو تانگ و دو کمر پڑتی ہے مگر یہ چیزیں ایسی ہیں جو مفت حاصل ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی انسان شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان اپنے اعمال سے پانی کے ایک قطرے کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔

بہر حال انسان کا فرض ہے کہ اُسے نعمت میسر آئے تو زبان سے اللہ کا شکر یہ ادا کرے اور شکرے کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ نے جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی ہے اُسے اُسی مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ اگر کوئی شخص نعمت کو بربط استعمال نہیں کرتا تو یہ ناشکری کے مترادف ہوگا۔ اللہ نے کانوں جیسی نعمت دی ہے تو ان سے اچھی باتیں سنو، براہِ حسنہ کی سماعت کرو، تلاوت قرآن پا سنو۔ اگر ان کانوں سے بیودہ گانے اور لچر باتیں سنو گے تو یہ ناشکری

نعمت کا  
صحیح استعمال





کہ ام سلمہؓ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس سائل کو دے دیں۔  
کیونکہ یہ شخص شکر گزار ہے، مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شکر ادا کیا اس  
کو مزید مل گیا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور  
کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اور تو کچھ  
نہیں تھا، آپ نے پانی دم کر کے دیدیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس  
پانی سے کون سی ضرورت پوری کریں گے، کوئی روپیہ پیسہ، غلہ وغیرہ مل  
جاتا تو ہمارا کچھ وقت گزر جاتا۔ اتنے میں حضرت ابو موسیٰ اور آپ کے خاندان  
کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بھی سوال کیا۔ آپ نے  
فرمایا کہ فلاں لوگوں نے تو یہ پانی قبول نہ کیا، تم ہی لے لو۔ انہوں نے  
بصد شکر یہ وہ پانی قبول کیا، اس کو پیا اور جسم پر چھڑکا کہ یہ حضور کے دست  
مبارک سے عطا کردہ متبرک پانی ہے۔ پیچھے خیمے میں حضرت ام سلمہؓ تشریف  
فرماتھیں، انہوں نے کہا کہ اس پانی میں سے کچھ حقہ میرے لیے بھی  
رہنے دیا جائے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے یہ پانی قبول کرنے والوں  
کو خیر و برکت کی خوشخبری بھی سنائی۔ روزہ مکہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ ہم  
ہزاروں نعمتیں ہر وقت استعمال کرتے ہیں مگر الحمد للہ کتنے والے کتنے  
لوگ ہیں؟ سورۃ بایں، اللہ نے فرمایا ہے "وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ  
الشَّكُورُ" (سب) میرے شکر گزار بندے بہت بھٹوڑے ہیں، اور  
اکثر لوگ ہشکر گزار ہی ہیں۔ نہ تو زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ عملی طور  
پر حق شکر ادا کرتے ہیں۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے "إِنَّ الْإِنْسَانَ  
لَظَلُومٌ كَفَّارٌ" بے شک اکثر انسان بہت ظالم اور ناشکر گزار ہیں۔  
اللہ نے فرمایا اگر شکر ادا کر دے گے تو میں مزید دلوں گا اور اگر ناشکری  
کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سزا کی مختلف



ہوگی۔ ظاہری قراء اور جوارح ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور دماغ ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کرو گے تو شکر ادا ہوگا اور غلط استعمال کرو گے تو ناشکری ہوگی، خدا نے قوت دی ہے حکومت دی ہے تو مخلوق خدا کی خدمت بجالاؤ نہ کہ لوگوں پر ظلم کرو، ناتوانوں کو تنگ کرو اور ضعیفوں کے مال غصب کرو۔ اللہ نے مال دیا ہے تو بخل نہ کرو، اس کی زکوٰۃ ادا کرو، مستحقین کی اعانت کرو۔ عدل و انصاف کو قائم کرو۔ اللہ نے علم دیا ہے تو اس کو دوسروں تک پھیلاؤ۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان کا صحیح استعمال کرنے سے ان میں اضافہ ہوگا اور غلط استعمال آخرت میں وبالِ حبان بن جائے گا۔

شکر مقابلہ  
ناشکری

اللہ نے فرمایا کہ اگر میرا شکر ادا کرو گے تو مزید دوں گا فَلَسْتُ  
كَفَرْتُمْ اور اگر ناشکر گزار رہی کرو گے إِنِّي عَذَابِي لَشَدِيدٌ  
تو میری گرفت بھی بہت سخت ہے۔ یہاں پر کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے کیونکہ یہ شکر کے مقابلے میں آیا ہے۔ عام طور پر کفر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے جس کا مطلب اللہ کی وحدانیت رسولوں کی رسالت، عباد اور تقدیر وغیرہ کا انکار ہونا ہے، تاہم یہاں پر کفرانِ نعمت مراد ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر ناقابلِ اعتبار نہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ اس وقت حضور کے پاس کھجور کا ایک دانہ تھا آپ نے وہی عطا فرمادیا۔ اُس شخص نے اُسے قبول نہ کیا کہ ایسی معمولی چیز سے اس کی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ اُس شخص نے گویا کفرانِ نعمت کیا۔ اتنے میں ایک دوسرا سائل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے بھی کھجور کا ایک دانہ عطا فرمایا، اُس نے الحمد للہ کھہر کہہ کر وہ دانہ حضور علیہ السلام کے دست مبارک سے لے لیا۔ آپ بڑے خوش ہوئے اور اپنے ایک آدمی کو بھیجا

آتا ہے کہ اللہ نے فرمایا، اے روئے زمین کے رہنے والے انسانو! اگر تم میں سے اول آخر، جن، انسان سب مل کر ایک متقی آدمی کے دل کی طرح بن جائیں، تو میری سلطنت میں ایک تنکا، برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر سب کے سب ایک بدترین آدمی کے دل کی طرح بن جاؤ، تو میری سلطنت میں ایک تنکا بھر بھی بگاڑ پیدا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ تو ہر حالت میں بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر ناشکری کرو گے تو خود ہی تباہی کے مستحق بنو گے۔ تمہاری سلطنت، سوسائٹی، اجتماعیت، تجارت، سیاست، معیشت، غرضیکہ ہر چیز میں تباہی آنے لگی اور اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔

سابقہ  
اقوام  
کاشتر

اگلی آیت بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کے کلام پر مشتمل سمجھنی چاہیے۔ آپ نے یاد دہانی کے لیے قوم سے فرمایا اَلْكَفَرِ يَا تِكُمْ نَبُو الْاَلِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کیا تمہارے پاس نہیں آئی خبر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی تو ان کا کیا حشر ہوا فرمایا وہ لوگ کون ہیں قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدٍ وہ قوم نوح، عاد اور ثمود کے لوگ تھے۔ قوم نوح کا حال سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے ایمان اور توحید کا پیغام بھیجا، یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا، مگر قوم نے اس کی ناقدری کی تو اس کے نتیجے میں غرق ہو گئے۔ قوم عاد کے لوگوں کو اللہ نے بڑی جسمانی طاقت عطا کر رکھی تھی مگر یہ قوم کفر، شرک، سرکشی اور تکبر میں مبتلا تھی۔ قوم ثمود کے سترہ سو شہر اور بستیاں تھیں۔ یہ بڑے صنّاع اور کارگر تھے۔ ان کے باغات تھے، انڈسٹری تھی۔ ان کے پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے مکانات لوگ آج بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ان اقوام کی تباہی کے حالات بھی سورۃ اعراف، سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں



گزر چکے ہیں۔ اللہ نے قوم عاد کو نرم ترین چیز ہوا کے ذریعہ تباہ کیا اور قوم ثمود کو پیچ اور زلزلے نے دبوچ لیا۔ ان لوگوں نے بھی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور یہی انجام کو پہنچے۔

فرمایا ان کے علاوہ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ اور اقوام بھی جو مذکورہ بالا قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آئے لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ تھے، ان کی شخصیت کیسی تھی اور ان کے مراتب کیسے تھے۔ یہ پوری تفصیل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض اقوام کے اجمالی حالات کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مگر تفصیلی حالات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ یہ آیت پڑھ کر فرماتے تھے كَذَبْتُ ذَسَّابُونَ نسب نامے بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ بعض لوگ اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تواتر کے ساتھ ملاتے ہیں مگر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ درمیان میں بعض اقوام ایسی گزر چکی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور علیہ السلام بھی اپنا نسب نامہ عدنان سے آگے نہیں لے جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ عدنان سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کم از کم تیس قرن یا تیس نسلوں کا فاصلہ ہے جن کے تفصیلی حالات کوئی نہیں جانتا، لہذا اگر کوئی شخص اپنا نسب نامہ ٹھیک ٹھیک آدم علیہ السلام تک پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی بات میں صداقت نہیں ہوگی۔ امام مالکؒ اس بات کو مکروہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچائے، کیونکہ اللہ نے پوری تفصیلات کسی کو نہیں بتائیں اور نہ ہی تاریخ نے ان واقعات کو پوری طرح محفوظ کیا ہے۔ بہر حال فرمایا، کیا ان اقوام کے حالات آپ تک نہیں پہنچے کہ ان کا

کیا حشر ہوا؟

انبیائے  
ملوک

فَرِیَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ پس آئے ان کے  
 پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر فَسَزِدُوا أَيْدِيَهُمْ فِي  
 أَفْوَاهِهِمْ پس لوٹائے انہوں نے ان کے ہاتھ ان کے  
 مونہوں میں اس فعل کو کسی صورتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس کا معنی  
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نافرمان لوگوں نے اپنے نبیوں کے ہاتھ انہی کے  
 منہ میں ٹھونس دیے تاکہ وہ خاموش رہیں اور فریضہ بلیغ ادا نہ کر سکیں۔  
 جب کسی کی زیادہ تحقیر مقصود ہوتی ہے تو پھر اسی قسم کا عمل کیا جاتا ہے  
 کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر رکھ دیا جائے کہ خاموش رہو۔ ہم تمہاری  
 بات نہیں سننا چاہتے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں نے  
 خود اپنے ہاتھ انبیاء کے منہ پر رکھ کر ان کو خاموش کرانے کی کوشش کی ہو۔  
 ایک تیسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھ اپنے مونہوں  
 میں ڈال لیے۔ اور ایسا کرنا دو وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات۔  
 نہایت غصے کی حالت میں کوئی شخص اپنے ہاتھ اپنے ہی منہ میں ڈال  
 کر چلاتا ہے۔ منافقین اور کافروں کے متعلق آتا ہے وَإِذَا أَخَذَ لَكُمْ  
 عَضْتُمْ عَلَيْكُمْ الزَّانِمِ مِمَّنَ الْخِيْطِ (آل عمران) وہ  
 اپنی انگلیاں غصے کی وجہ سے چباتے تھے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو  
 رہے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان افسوس اور حسرت کی بنا پر  
 اپنے منہ میں انگلی ڈال لیتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور امام شاہ ولی اللہ  
 اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر مذکورہ سائے معنی ہی درست ہیں  
 بِالْآخِرَانِ نَافِرَانِ قوموں نے خدائی پروگرام کا صریحاً انکار کر دیا۔ وَ  
 قَالُوا اور کہنے لگے اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ ہم اس چیز کا  
 انکار کرتے ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ تمہارا عقیدہ، شریعت

خدائی  
پروگرام  
کا انکار



اور لاکھ عمل ہمیں ہرگز منظور نہیں۔ ہم نہ تمہاری توحید کو مانتے ہیں، نہ رست  
کو اور نہ معاد کو، **وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ**  
**هُدًى** جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، ہمیں اس میں تردد و انگیز  
شک ہے۔ ہمیں تمہاری باتوں پر یقین ہی نہیں آتا۔ جن پرانی اقوام کا ذکر  
اللہ نے اس آیت میں کیا ہے انہوں نے اپنے اپنے انبیاء کو اس قسم کا  
جواب دیا کہ اُن کے پورے پروگرام کا ہی انکار کر دیا تاکہ اللہ کے  
نبی انہیں اس پروگرام کی طرف بار بار دعوت دینا بند کر دیں۔ یہ اُن  
اقوام کے لوگوں کی بات بیان ہوئی ہے اب اگلی آیات میں اللہ  
کے نبیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

ومآبروی ۱۳

البرہیم ۱۳

آیت ۱۰ تا ۱۳

درس چارم ۴

قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَأَطِرِ السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ  
 وَيُخْرِجَكُمْ اِلَى الْحَآءِ اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْٓا اِنْ  
 اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تَرِيْدُوْنَ اَنْ تَصْدُوْنَا  
 عَمَّا كَانِ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاَتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ  
 مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ  
 اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن  
 يَّشَآءُ مِّنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَاَنَّا اِلَّا  
 نٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ  
 اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَمَا كَاَنَّا اِلَّا نَتَوَكَّلُ  
 عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ  
 مَا اٰذٰىتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲

ترجمہ :- کہا اُن کے رسولوں نے، کیا اللہ کے بارے

میں شک ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ

تم کو ہدایا ہے تاکہ معاف کرے تمہارے کچھ گناہ اور ہمت دے

تم کو ایک مقررہ وقت تک۔ تو کہا اُن (کافروں) لوگوں نے

نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں



روک دو اُس چیز سے کہ ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے  
 پس لاؤ ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل ⑩ کا ان کے لیے اُن  
 کے رسولوں نے، نہیں ہیں ہم مگر انسان تمہارے جیسے۔  
 لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں  
 سے۔ اور نہیں ہے ہمارے اختیار میں کہ لائیں ہم تمہارا  
 پاس کوئی سند مگر اللہ کے حکم سے، اور اللہ کی ذات پر  
 ہی چاہیے کہ بھروسہ رکھیں ایمان والے ⑪ اور کیا ہے  
 ہمارے لیے کہ ہم نہ بھروسہ رکھیں اللہ پر حالانکہ اُس نے  
 ہمیں ہدایت دی ہمارے راستوں کی۔ اور ہم ضرور صبر کریں  
 گے اُس چیز پر کہ تم ہمیں تکلیفیں پہنچاتے ہو۔ اور اللہ  
 کی ذات پر ہی چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے ⑫

رِبطِ آیات

رسالت کا بیان وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ شَرُوعِ هُوَ بَحْثُ نَبِيِّهِ عَلَيْهِ السَّلَام  
 کو حکم ہوا کہ وہ اپنی قوم کو تاریخی واقعات اور اللہ کے انعامات یاد دلائیں۔ پھر اسی  
 ضمن میں فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کے احسانات کا شکریہ ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ  
 تمہیں مزید عطا کرے گا اور اگر ناقدری اور ناشکری کرو گے تو اس کا عذاب بھی بڑا  
 سخت ہے۔ آپ نے قوم کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اگر سارے روئے زمین والے  
 مل کر بھی خدا تعالیٰ کا انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ  
 خدا تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔ پھر آپ نے قوم کو یہ بھی یاد دلایا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ  
 تمہارے پاس پہلی قوم کی خبریں آئیں۔ انہوں نے ناشکر گزاری کی تو اُن کا کیا حشر ہوا۔  
 قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آنے والے لوگوں کا بھی یہی حال ہوا جن کی تفصیلات  
 اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اُن اقوام کے پاس اُن کے رسول آئے مگر اُن لوگوں  
 نے صاف کہہ دیا کہ ہم اُس چیز کا صریحاً انکار کرتے ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت

ہتے ہو۔ اب آج کی آیات میں اُن رسولوں کا جواب آ رہا ہے۔

قَالَتْ دُسُّهُمُ كَمَا اُنَ لَے رسولوں نے جو نبی جس قوم کی طرف آیا۔ ہے اُس نے منکر قوم سے کہا اَفِ اللّٰہِ شَكٌّ کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید کے متعلق کوئی تردد ہے اور خدا کی ذات وہ ہے جو کہ فَاَطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ قاطر اور بدیع ہم معنی الفاظ ہیں یعنی وہ ذات جو بغیر کسی نمونے، آلے اور مادے کے کسی چیز کو ایجاد کر دے۔ کائنات کو مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور اس تخلیق کے لیے نہ تو پہلے کوئی نمونہ موجود تھا اور نہ اس کے لیے کسی آلے اور مادے کی ضرورت تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ اس کائنات کو پیدا فرمایا۔ تو اللہ کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم اُس خدا تعالیٰ کے بارے میں شک کرتے ہو جو ہر چیز کا موجد ہے۔ يٰۤاَعْمٰی لَیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وہ تمہیں اپنی طرف اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے۔ روزمرہ زندگی میں انسان سے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں اور اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے تو وہ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرتا رہتا ہے۔ اور اگر بندہ اپنے پروردگار کی طرف بالکل توجہ نہ کرے تو اس کے گناہ جمع ہو کر اُس کے لیے وبال بن جاتے ہیں۔

مِنْ ذُنُوْبِکُمْ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے کے سارے گناہ معاف نہیں کرتا بلکہ بعض کو معاف فرما دیتا ہے۔ ہر انسان سے دو قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ایک قسم کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے معاف کر



دیتا ہے بشرطیکہ بندہ اس کے دروازے پر آکر معافی طلب کرے۔ گناہوں کی دوسری قسم حقوق العباد سے متعلق ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جب تک متعلقہ بندہ اُن گناہوں کو معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اُن کو معاف نہیں کرے گا۔ بعض مقامات پر مطلق گناہوں کی معافی کا ذکر بھی آتا ہے مگر اُن سے بھی وہی گناہ مراد ہیں جن کا متعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے بہر حال فرمایا کہ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے۔ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اور پھر تمہیں مہلت دے ایک مقررہ مدت تک اللہ تعالیٰ کے علم میں تمہاری حقیقی عمر مقرر ہے، اُسے گزارنے کے لیے تمہیں مہلت دے تاکہ گناہوں کی معافی کے بعد تم اچھی زندگی بسر کر سکو۔ اسی مضمون کو سورۃ یونس میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لو گے اور اس کی طرف رجوع کرو گے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا أَجَلٍ مُّسَمًّى تو وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھی زندگی بسر کرے گا۔ دوسرے مقام پر حَيٰوةً طَيِّبَةً کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں پاکیزہ زندگی نصیب کرے گا۔ اور پاکیزہ زندگی وہ ہے جس کا متعلق ایمان، نیکی اور اطاعت کے ساتھ ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے کہلوا یا کہ تم اللہ کی طرف آ جاؤ، وہ تمہارے گناہ معاف کر کے ایک مقررہ وقت تک پاکیزہ زندگی عطا فرمائے گا۔

بشری  
رسالت  
کا انکار

اللہ کے نبیوں کی اس دعوت کے جواب میں قَالُوا كَافِرُونَ اور نافرمان لوگوں نے کہا اِنْتُمْ مُّرِئُونَ بِبَشَرٍ مِّثْلِكَ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان۔ ان لوگوں نے نبیوں کی بشریت کے پیش نظر اُن کی رسالت کا انکار کر دیا۔ قرآن میں اس بات کو کئی مقامات

پہ بیان کیا گیا ہے۔ کافر کہتے تھے کہ تم بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہو نہیں  
 کون سے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں جو تم رسول بن بیٹھے ہو۔ اگر  
 اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بناتا، اس پر وحی نازل کرتا تو وہ کوئی بڑا آدمی ہوتا،  
 تم جیسے غریب آدمی کو کیسے رسول بنالیا ہے جس کے پاس نہ مال نہ دولت  
 ہے، نہ نوکر چاکر ہیں، نہ باغات ہیں، نہ فوج اور جھتہ ہے۔ ہم تمہاری  
 بات کو کیسے تسلیم کریں کہ تم اللہ کے رسول ہو کہنے لگے ثَرِيدٌ قَدْ  
اَنْ تَصْدُوْنَ عَمَّا كَانَ يَعْْبُدُ اَبَاؤُنَا تم ہمیں ان  
 چیزوں سے روک دینا چاہتے ہو جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے  
 آئے ہیں۔ ہم تو اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہمارے باپ  
 دادا تھے، تم ان سے زیادہ عقلمند نہیں ہو جو ان کے طریقے سے ہٹنا چاہتے ہو  
 حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوم  
 کے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے دور رکھنا  
 چاہتے ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے تو خاص طور پر کہا تھا لَا  
تَذَرُ الْاِلٰهَتَكُمْ (نوح) لوگو! نوح علیہ السلام کے کہنے پر اپنے  
 معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین نے بھی  
 یہی کہا تھا۔ قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَانصُرُوْا الْاِلٰهَتَكُمْ (الانبیاء)  
 کہ ان کو زندہ جلادو انہیں معبودوں پر جیسے رہو۔ ان کو ترک نہ کرنا۔

کہنے لگے اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو فالتونا بسططن  
 مبین تو ہمارے پاس اپنی رسالت کی کوئی کھلی سند لے آؤ۔ اس  
 سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہماری مرضی کی کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرو تب  
 ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 نے ہر نبی کے ہاتھ پر بیشمار معجزات ظاہر فرمائے مگر کافر لوگ محض ضد  
 اور عناد کی وجہ سے انہیں تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مطالبات



اس قسم کے ہوتے تھے کہ ہمارے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں کبھی کبھائی کتاب لے کر آؤ۔ یا فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ یا خود خدا تعالیٰ سامنے آکر کہے کہ ہاں! میں نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کھلی سند سے وہ اس قسم کی نشانیاں مراد لیتے تھے کہ ان کے بغیر ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

بشری  
رسالت  
کی تصدیق

اس سوال کے جواب میں قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اَنْ كُنْتُمْ رسولوں نے انہیں کہا۔ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے اِنْ كُنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نہیں ہیں ہم مگر تمہارے جیسے انسان تمام انبیاء اور رسل انسان ہوتے ہیں، البتہ رسول۔ انسانوں کے علاوہ فرشتے بھی ہوتے ہیں، لیکن نبی ہمیشہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ علم عقائد والے نبی کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں "هُوَ الْاِنْسَانُ بَعَثَهُ اللّٰهُ لِيُبْلِغَ مَا اَوْحٰى اِلَيْهِ" نبی ایک انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے جس کو وہ وحی سے نازل کرتا ہے۔

جہاں تک ماہیت انسانیت کا تعلق ہے اس میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ برابر ہیں، سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن جہاں تک درجے اور مرتبے کا تعلق ہے، اس میں عظیم تفاوت ہے۔ نبی انسان ہوتے ہیں مگر صاحب کمال۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے کامل ترین انسان ہوتے ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور امت کے لیے بطور نمونہ، باقی امت انہی کے نقش قدم پر چل کر کمال کو پہنچتی ہے اور پھر اولیاء اللہ میں بعض وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں تو کامل ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو بھی کامل بناسکیں، اور بعض خود بھی کامل ہوتے ہیں۔

اور دوسروں کو بھی کامل بنا نے دلے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض کاملین دو آدمیوں کو کامل بناتے ہیں اور بعض ایک جماعت کو کامل بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو سب سے زیادہ صلاحیت عطا فرمائی اور آپ نے ایک جہان کو کامل بنایا۔ پھر جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ناقص کہلاتے ہیں۔ ان میں بھی دو گروہ ہوتے ہیں۔ بعض آدمی وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں گمراہ ہو جاتے ہیں، وہ ضال کہلاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وہ مضل کہلاتے ہیں۔ بہر حال نبیوں کا کمال بہت بلند درجے کا ہوتا ہے مگر وہ بھی نسل انسانی سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور علیہ السلام کے لیے **مِنْكُمْ** اور **مِنْ اَنْفُسِكُمْ** کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی آپ تمہاری ہی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسولوں نے فرمایا کہ ہم تمہاری طرح ہی انسان ہیں وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰی مَنْ يَّكْسِبُ اَوْ مِنْ عِبَادِهِ لِيَكُن اللّٰهُ تَعَالٰی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے امان فرماتا ہے۔ اسے نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمالتا ہے، اور اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُس سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ باقی رہ گیا من مانی نشانی ظاہر کرنا تو اس کے متعلق رسولوں نے کہا وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اور ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم کوئی کھلی سند یا نشانی پیش کریں مگر اللہ کے حکم سے۔ جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہر مطالبہ



پر نشانی پیش کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ کسی کو ایسے مطالبات نہیں کرنے چاہئیں بلکہ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں۔

توکل خدا

اب اگلی آیت میں اللہ کے نبیوں نے اپنی جماعت کے صبر، توکل اور استقامت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ اور کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم نہ توکل کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا حالانکہ اس نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ تمام اسباب کو بدوئے کار لائے ہوئے نتیجے کا اعتماد صرف خدا تعالیٰ پر رکھا جائے، اُس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ ہو، اگر کوئی شخص اسباب پر بھروسہ رکھے گا۔ تو مشترک ہو جائے گا کیونکہ اس نے اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درجے تک اسباب میں اثر رکھا ہے جیسے غذا استعمال کرنے سے بھوک مٹی ہے اور دوائی پینے سے صحت حاصل ہوتی ہے مگر ان کے متعلق ہی گمان رکھنا چاہئے کہ اگر اللہ اثر پیدا کرے گا تو غذا کے استعمال سے بھوک مٹے گی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو غذا کھانے کے باوجود ہضم نہ ہوتی اور انسان الٹا تکلیف میں مبتلا ہو جاتا۔ بعض لوگوں کو جوع الکلب کی بیماری ہوتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ کھانے کے باوجود اُن کی بھوک نہیں مٹتی۔ لہذا غذا ایک سبب ہے مگر اس میں اثر ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح بیماری میں دوا استعمال کی جاتی ہے مگر شفا اسی وقت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اُس دوا میں فائدہ ڈال دے۔ تو گویا دوا مؤثر بالذات نہیں ہے بلکہ یہ اُس وقت مفید ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم

اللہ کی ذات پر توکل نہ کریں۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اسباب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم اسباب مقطوعہ ہیں اور یہ ایک حد تک قطعی ہوتے ہیں۔ ان کو ہر حالت میں اختیار کرنا ضروری ہے اور ترک کرنا حرام ہے مثلاً کھانے اور پینے میں بقائے حیات مضمّن ہے اگر کوئی شخص توکل کرتے ہوئے کھانا پینا چھوڑ کر بھوکوں مر جائے تو یہ توکل نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص حرام موت مرے گا۔ یہ اسباب مقطوعہ ہیں جن کو ترک کرنا حرام ہے، البتہ عقیدہ یہی ہونا چاہیے کہ خوراک اور پانی وغیرہ مؤثر بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان میں تاثیر پیدا کرتا ہے۔

دوسری قسم کے اسباب منطونہ کہلاتے ہیں۔ اگرچہ گمان غالب ہوتا ہے کہ ان اسباب میں تاثیر ہوگی مگر یہ بالکل ضروری بھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بیماری میں استعمال کی جانے والی دوا میں ہیں۔ بعض اوقات ان کے استعمال سے شفا حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی ایک ہی بیماری میں ایک دوائی کسی شخص کے لیے مؤثر ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے نہیں ہوتی۔ لہذا دوا استعمال کرنے کے بعد دوسرے اللہ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک کر کے محض خدا پر بھروسہ رکھے تو یہ کمال بے حس کا توکل ہوگا۔

حدیث شریف میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر آیا ہے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جا بیٹے گئے یہ ایسے ہی کمال بے حس کے متوکل لوگ ہوتے ہیں کہ وہ اسباب منطونہ کو اختیار نہیں کرتے۔

اسباب کی تیسری قسم اسباب مومومہ کہلاتی ہے۔ یہ صرف وہم ہوتا ہے کہ ان اسباب کے اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے۔ ان میں جھاڑ پھونک اور تعویذ گندہ وغیرہ آتے ہیں۔



اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک کرنے سے توبہ اور فی درجے کا توکل سمجھا جائے گا۔ بہر حال یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کسی سبب میں تاثیر پیدا کر دے یا اسے موقوف کر دے۔

باقی رہی یہ بات کہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ یہاں سُبُلَنَا جمع کا صیغہ آیا ہے یعنی ہدایت کے بہت سے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی کے مختلف شعبوں میں ہدایت کے راستوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ سب سے پہلے دین کے معاملے میں اللہ نے راہنمائی فرمائی ہے اور توحید کی طرف دعوت دی ہے۔ کفر، شرک، نفاق، تردّد، شک اور بد اعتقادی کو واضح کیا ہے تجارت، معیشت اور سیاست کے راستے واضح کیے ہیں تاکہ ہم اپنی زندگی میں ان راستوں پر چل سکیں۔ اخلاقیات، صلح و جنگ، لین دین، آپس کے معاملات، ایک دوسرے کے حقوق، غرضیکہ تمام شعبوں میں ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ لہذا ہمارے لیے کیا ہے کہ ہم اس ذات پر توکل نہ کریں۔

صبر کی  
درویت

اللہ کے رسولوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی کہا وَكُنْصَبْرًا عَلٰی مَا آذَيْتُمُوْنَا اور ہم ضرور صبر کریں گے اُس پر جو تم ہمیں تکالیف پہنچاتے ہو۔ نبی کے متعلق کہنا کہ اسے ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں یہ تو ہمارے جیسا انسان کی یہ بیوی بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا، کاروبار کرتا ہے۔ یہ عوذ باللہ منفری اور کذا ہے۔ اس کے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے، یہ جادوگر ہے۔ وغیرہ وغیرہ سب تکلیف دہ باتیں ہیں، جن سے اللہ کے نبیوں کو ذہنی طور پر بڑی کوفت ہوتی تھی، مگر انہوں نے ان سب باتوں پر صبر کیا جو کہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان تمام تر تکالیف کے باوجود وَعَلٰی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ مہر و سہ رکھنے والوں کو چاہیے

کہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں، تعلیم و تبلیغ کے مشن کو جاری رکھیں  
 اور ان مصائب پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہر مومن کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔  
 کہ مؤثر حقیقی صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور بھروسہ کرنے کے  
 لائق صرف وہی ہے۔

---



وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ  
 مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدَنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ  
 إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝۱۳ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ  
 الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ  
 مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ  
 عَنِيدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَلَيْسَتْ مِنْ مَّاءٍ  
 صَدِيدٍ ۝۱۶ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ  
 الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ  
 وَمِنْ وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝۱۷

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے  
 رسولوں سے کہ ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین  
 سے، یا تم پلٹ آؤ ہماری ملت میں پس وحی کی اُن (رسولوں)  
 کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ بیشک ہم ضرور ہلاک کریں  
 گے ظلم کرنے والوں کو ۝۱۳ اور ہم ضرور بسائیں گے تم کو  
 زمین میں ان کے بعد، اور یہ بات اُس شخص کے لیے  
 ہے جو خوف کھاتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور  
 خوف کھاتا ہے میری وعید سے ۝۱۴ اور فیصلہ طلب کیا

انہوں نے اور ناکام ہوا ہر منکبر اور عناد کرنے والا ⑮ اُس کے آگے جہنم ہے اور پلایا جائیگا اُس کو پیپ والا پانی ⑯ اُس کو گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا، اور قریب نہیں کہ اُس کو خلق سے اتار سکے۔ اور آئیگی اُس کے پاس موت ہر طرف سے اور وہ مرنے والا نہیں ہوگا۔

اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا ⑰

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت، اس کے کتاب ہدایت ہونے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کا ذکر کیا۔ پھر منکرین قرآن کے انجام کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ سے رسالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر قوم موسیٰ، نوح، عاد اور ثمود کا ذکر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان اقوام کے مکالمے کا بیان آیا۔ پھر بندیتوں کے طریق کار کا تذکرہ ہوا کہ انہوں نے کس طرح خدا کی ذات پر بھروسہ کیا۔ (راہ حق پر گامزن ہے، اور صبر و برداشت کا دامن تھامے رکھا۔)

منکرین نے رسولوں کی بشریت پر بھی اعتراض کیا، جس کے جواب میں رسولوں نے کہا کہ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم انسان نہیں ہیں کبھی فرشتہ یا دیگر مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نیز یہ کہ تمہاری من مانی نشانیاں پیش کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے کسی بھی معجزے اور نشانی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ البتہ تم ہمیں جو کچھ تکالیف پہنچا رہے ہو ہم اس پر ضرور صبر کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ اور ہم پر احسان فرمائے ہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے لوگوں کے درمیان سلسلہ کلام جاری ہے

رہبائیت

کھارکی  
دہلی



جب اللہ کے نبیوں نے اپنی بات کی وضاحت دلیل کے ساتھ کی تو انہی اقوام تشدد پر اتر آئیں۔ وہ دلیل سے تو کوئی جواب نہ دے سکے، البتہ دھمکی دی وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلرُّسُلِهِمْ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں کو ایک ہی طرح کی دھمکی دی لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین سے أَوْ لَنَعُوذَنَّ فِيْ مَمْلَكَتِنَا یا واپس پلٹ آؤ ہماری ملت یعنی دین میں۔ مطلب یہ کہ یا تو ہمارا دین قبول کر لو، اپنا دین چھوڑ دو۔ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے۔

زمین سے نکالنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت یہی ہے کہ کسی کو ملک بدر کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُسے قید میں ڈال دیا جائے اور اس طرح اس سرزمین میں چلنے پھرنے سے روک دیا جائے۔ تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قتل کر دیا جائے گویا اُس سرزمین کی سطح سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے۔ اللہ کے اکثر نبیوں کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا اٰخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ انہم اُناسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (الاعراف) یہ لوگ بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔ انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِّنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَنَعُوْذَنَّ فِيْ مَمْلَكَتِنَا (الاعراف) اے شعیب علیہ السلام! ہم آپ کو اور آپ کے ساتھی ایمانداروں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا ہماری ملت میں واپس آجاؤ۔ غرضیکہ باطل پرستوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ حق بات سننے کی بجائے دھینگا مشی اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ مکے کے مشرکین

بھی ایسا ہی کہتے رہے۔ اللہ نے قرآن میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے، جن کو ملا وجہ تکلیفیں دی گئیں، اور بعض کو جان سے مار دیا گیا۔ نبی تو معصوم ہوتا ہے مگر کافر جان بوجھ کر ان کو تنگ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے نئے دین کو چھوڑ کر ہمارے پرانے دین میں واپس آ جاؤ۔

قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ کے نبی یہ پیش کش بھی کرتے تھے کہ اگر تمہیں ہماری بات پسند نہیں تو تم اپنے راستے پر کام کرتے رہو، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ پھر دیکھنا نتائج کس کے حق میں نکلتے ہیں مگر کافر لوگ یہ بات بھی نہیں مانتے تھے اور پیغمبروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنا مشن ترک کر دیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا، مگر خدا تعالیٰ نے اسے ناکام بنا دیا۔ پھر آپ کو مکے سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ ہزار گوشش کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی بات کو برداشت نہ کیا بہر حال اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین ان کو دیکھیاں دیتے رہے۔ کہ ہمارے دین میں واپس جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔

اس آیت کرمیہ میں لَتَعُوذَنَّ کے لفظ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اللہ کے نبی ابتداء کفار کے دین پر ہوتے تھے اور پھر انہوں نے سچا دین اختیار کیا اور اس وجہ سے کفار انہیں پہلے دین پر واپس لانا چاہتے تھے۔ مفسرین کرام اس کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی کبھی ایک لحظہ بھر کے لیے بھی کفر و شرک کے دین پر نہیں ہوتے بلکہ وہ ابتداء سے ہی کفر اور شرک سے بیزار ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن

ایک  
اشکال



قَبْلُ (الانبياء) ہم نے ابراہیم کو ابتداء ہی سے ہدایت عطا فرمائی۔  
لفظ عَوْد کا عام فہم معنی اگرچہ پلٹ آنا ہوتا ہے مگر یہ لفظ محض ہو  
جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ یسین میں موجود ہے  
کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ عَادَ کَالْعُرْجُونِ  
الْقَدِيمِ یہاں تک کہ وہ پرانی شاخ کی طرح بالکل باریک اور ٹیڑھا  
ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے اللہ  
کا نبی اگرچہ ایمان پر ہوتا ہے مگر فریضہ تبلیغ ادا نہ کرنے کی وجہ سے  
کافر لوگ انہیں اپنے دین پر ہی سمجھتے ہوں گے، لہذا انہوں نے اپنے  
زعمِ باطل کے مطابق کہہ دیا کہ تم پہلے بھی ہمارے دین پر تھے۔ اب پھر  
اسی میں پلٹ آؤ۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کافروں نے عود کا لفظ صرف انبیاء  
علیہم السلام کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کے لیے بھی استعمال  
کیا ہے اور ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نبی اور اس کے ماننے والے  
سارے کے سارے پرانے دین میں واپس آجائیں۔ ان کی یہ بات  
جنروری طور پر درست ہو سکتی ہے کیونکہ نبی کے پیروکار تو بہر حال  
ابتداءً باطل دین پر ہی تھے اور کافر لوگوں نے ان کی واپسی کے مطالبے  
کے ساتھ پیغمبروں کو بھی شامل کر لیا، حالانکہ اللہ کے نبی کبھی بھی باطل  
دین میں نہیں رہے۔ اس طرح آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں نے  
نبی کے پیروکاروں سے کہا کہ تم ہمارے دین میں واپس لوٹ آؤ۔  
اور پیغمبروں سے کہا کہ تم ہمارا دین اختیار کر لو۔

اللہ کی  
طرف سے  
تسلی

کافروں کی اس دھمکی کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَأَوْحَىٰ  
إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ کہ ان کے رب نے وحی کی ان (رسولوں) کی طرف اور ان  
کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ فکر نہ کرو کہ اگر یہ لوگ تمہیں تکالیف پہنچا رہے

ہیں كُنْهُلِكِنَّ الظَّالِمِينَ تو ہم بھی ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے  
 کفر اور شرک سب سے بڑے ظلم ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے "وَالْكَافِرُونَ  
 هُمْ الظَّالِمُونَ" (البقرہ) کافر لوگ ہی ظالم ہیں "إِنَّ الشِّرْكَ  
 كُفْرٌ عَظِيمٌ" (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ منجانب رسول  
 کفر و شرک کا ارتکاب کر کے ظالموں کی فہرست میں شامل ہو گئے، تو  
 اللہ نے فرمایا کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے، ظلم حقوق اللہ اور  
 حقوق العباد میں بھی ہوتا ہے مگر عقیدے میں کفر و شرک کی موجودگی ظلم  
 عظیم ہے۔ اور ظلم کی دوسری صورت یہ بھی تھی کہ کافر لوگ اہل ایمان پر  
 تشدد کرتے تھے اور انہیں زبردستی اپنے دین میں لانا چاہتے تھے جب  
 ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ حق بلند کیا تو کہنے لگے "حَرِّ قَهْوَةٍ" اُس کو جلا  
 ڈالو، یہ تمہارے معبودوں کو بڑا بھلا کہتا ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم  
 نے آپ کو کہا کہ اے نوح! اگر تم اپنی عورتوں سے باز نہ آئے۔  
 لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ" (الشعرا) تو ہم تمہیں  
 سنگسار کر دیں گے لوط علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا کہ اگر باز نہ آؤ گے  
 لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ" تو تمہیں نکال دیا جائیگا  
 اللہ نے فرمایا، ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کرینگے وَلَنَسِيطَكُمُ  
 الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ" اور ان کے بعد ہم تمہیں اس  
 سرزمین میں آباد کریں گے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ عبادی لوگ  
 ہلاک ہوئے اور ان کے بعد اللہ کے نبی مع اپنے متبعین کے وہاں  
 پر آباد ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کو اللہ نے عرق کر دیا۔ خود  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام مخالفین دب گئے۔ وہ یا تو ایمان  
 لے آئے یا مائے گئے یا ملک بدر ہوئے اور بالآخر حضور علیہ السلام  
 اور آپ کے صحابہ اُس سرزمین پر غالب آئے فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ



خَافَ مَقَامِيْ بِهٖ جِئْرَ اس شخص کو حاصل ہوگی جو میرے سامنے کھڑا  
 ہونے سے ڈر گیا۔ جس شخص کو محاسبہ اعمال کا خوف ہے ظاہر ہے  
 کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہوگا اور وہی اس زمین میں خلافت  
 کا حق دار ہوگا۔ فرمایا وہ شخص بھی حقدار ہے وَخَافَ وَعَبِدَ جو میری  
 وعید سے ڈرتا ہے۔ ہم ایسے شخصوں کو زمین میں نیابت عطا کرتے  
 ہیں اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جب اس زمین پر تم  
 آباد ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری آزمائش بھی شروع ہو جائے گی کَيْفَ  
 تَعْمَلُوْنَ کہ تم کس قسم کے کام انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ نے  
 بنی اسرائیل سے یہی فرمایا تھا کہ وہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے اس  
 سرزمین میں تمہیں آباد کرے گا۔ فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ  
 (الاعراف) پھر وہ آشکارا کر دے گا کہ تم کیا کاروائی کرتے ہو۔ بہر حال  
 اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دی کہ وہ ظالموں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ  
 اہل ایمان کو آباد کرے گا۔

فیصلے کا  
مطالبہ

آگے ارشاد فرمایا وَاسْتَفْتَحُوا اور فیصلہ طلب کیا انہوں نے۔  
 انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر ہو رہا ہے تو فیصلہ کس  
 نے طلب کیا، انبیاء نے یا مخالفین نے؟ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ  
 فیصلے کی ضمیر انبیاء کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور ان کے مخالفین کی طرف  
 بھی۔ مخالفین کی طرف اس طرح کہ جب بھی اللہ کے نبی انہیں خدا کا پیغام  
 سناتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے فیصلہ طلب  
 کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ  
 عِنْدِكَ فَاْمَطِّرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّكَمِ اَوْ اُنْزِلْ عَلَيْنَا  
 بَعْدَ اَبِیْہِم (الفصل) اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری سچی کتاب  
 ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے

ہم تو اس کتاب کو ملنے کے لیے تیار نہیں جو ہمارے معبودوں کی خدمت  
 کرتی ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا تھا "فَأَنبِتْنَا  
 لِبَعَا تَعُدُّنَا" (ہود) جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، اُس کو بے  
 آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا فیصلہ طلب کیا گیا۔  
 "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ" (الشعراء) اگر  
 تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا طکمہ اگرا دے۔

وَاسْتَفْتَحُوا کی ضمیر انبیاء کی طرف ٹوٹنا بھی درست ہے۔ اکثر  
 انبیاء کے واقعات میں ملتا ہے کہ اُن کی پوری سعی کے باوجود جب  
 قوم راہِ راست پر نہ آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے آخری فیصلہ طلب  
 کیا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر رب العزت سے دُعا کی فَافْتَحْ  
 بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا پروردگار میرے اور ان کے درمیان اب  
 فیصلہ کر دے وَجَنَّتِي وَمَكَتُ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ  
 (الشعراء) اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات دے دے۔  
 لوط علیہ السلام نے بھی یہی عرض کیا تھا۔ کہ مولا کریم! میں ان ظالموں سے  
 تنگ آچکا ہوں۔ اب تو اپنا فیصلہ دے دے۔ رَبِّتُجَنَّتِي وَأَهْلِي  
 مِمَّا يَعْزَمُونَ مجھے اور میرے لواحقین کو ان کے گندے  
 کاموں سے نجات دے یہ بھی فیصلہ کی درخواست تھی۔ شعیب علیہ السلام  
 نے بھی ان الفاظ کے ساتھ فیصلہ طلب کیا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا  
 وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (الاعراف)  
 پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے  
 اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام  
 کا ذکر بھی آتا ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رب العزت میں اس طرح دُعا کی۔  
 اے پروردگار! تو نے فرعون اور اُس کے حواریوں کو مال و دولت دیا ہے



یہ تو نعمت ہے۔ کیا یہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے عطا کیا ہے۔ ”رَبَّنَا  
 اَطْمِسْ عَلَیْ اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلَیْ قُلُوبِهِمْ“ پروردگار  
 ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے اور پھر یہ عذاب  
 الیم کا شکار بن جائیں۔ بہر حال فیصلہ طلب کرنے والے انبیاء بھی ہو سکتے  
 ہیں اور ان کے مخالفین بھی۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے اس درخواست  
 کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے کو ترجیح دی ہے۔

فرمایا، انہوں نے فیصلہ طلب کیا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیدٍ  
 اور ہر ضدی آدمی ذلیل و خوار ہوا۔ عناد رکھنے والے ظالم لوگوں کو کبھی ہدایت  
 نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تو سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ فرمایا مَسَتْ  
 وَاَیُّہُ جَہَنَّمُ اس کے آگے جہنم ہے۔ عنادی لوگ جب  
 لگے حیاں میں پہنچیں گے تو جہنم ان کے آگے پیش کر دی جائے گی۔  
 وراء کا لفظ ظرف ہے، اور یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں استعمال  
 ہوتا ہے، تاہم یہاں پہ آگے کا معنی زیادہ موزوں ہے۔ اس معنی کی مثالیں  
 دو سر مقامات پر بھی موجود ہیں جیسے ”مِنْ وَاَیُّہُمْ بَرَزَخَ  
 الْحَیْ یَوْمَ یُبْعَثُونَ“ (المومنون) جب مرتے ہیں تو ان کے  
 آگے برزخ ہوتا ہے۔ ”مِنْ وَاَیُّ الْمَرءِ مَا یُعْکُ اَدَمِ  
 کے آگے وہی چیز ہوتی ہے جس کو وہ جانتا ہے۔ فرمایا انسان کی زندگی  
 دائمی نہیں ہے اور اس کے آگے جہنم ہے، اس میں وَیُسْقٰی

مِنْ مَّاءٍ صَدِیدٍ پلایا جائے گا وہ شخص پیپ ملا ہوا پانی یوزخوں  
 کو زرد رنگ کا بدبو دار پانی پینے کے لیے دیا جائے گا جو جہنمیوں کے  
 زخموں سے نکالے گا۔ جب پیاس کی شدت محسوس ہوگی یَتَجَرَّعُوہَا  
 تو اس پانی کو گھونٹ گھونٹ کر پئے گا وَلَا یَکَادُ لَیْسِغُہَا  
 اور قریب نہیں کہ اس کو حلق سے نیچے اتار سکے۔ سیاحت کا معنی خوشگوار

منکمرین  
 کے لیے  
 سزا

کے ساتھ نکلنا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دفنِ خنی آدمی اس پیپ بے پانی کو آسانی کے ساتھ خلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا۔ یہ پانی اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کے قریب آکر اُسے جلا ڈالے گا۔ سورۃ محمد میں موجود ہے کہ پانی اتنا گرم ہوگا جس سے ”فَقَطَّعَ اَمْعَاءُ هُمْ اَنَّ“ کی آیتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آجائیں گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اس طرح جہنمی اُس پانی کو آسانی سے نہیں پی سکے گا۔ یہ اُس کو دی جانے والی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسے شخص کے متعلق اللہ نے مزید فرمایا وَيَا بَنِيَّ الصَّوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اس کو ہر طرف سے موت آئے گی۔ موت سے مراد اسبابِ موت ہیں، یعنی ایسی کڑی سزائیں ملیں گی کہ ہر سزا موت کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ مگر وہ شخص مرے گا نہیں۔ وہاں تو اسے ربی ہوگا۔ ”كُلًّا حَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَا لَنَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا“ (النساء) جب جسم کی کھال آگ کی تپش سے جل جائے گی تو اس کی جگہ فوراً دوسری کھال پہنا دی جائے گی۔ ”فَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ“ اور اُس شخص کو موت نہیں آئیگی بلکہ وہ ہمیشہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہی رہے گا۔ ”وَمِنْ قَرَابِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ“ اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو اللہ کے نبیوں کو دہکیاں دیتے تھے کہ تم ہمارے دین کو قبول کر لو اور نہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا یہ انجام ہونے والا ہے۔



وما آبرئ ۱۳

ورث شتم ۶

ابراہیم ۱۴

آیت ۱۸ تا ۲۰

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ  
 اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ  
 مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ  
 الْبَعِيدُ ⑱ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ كِشَافُ الذُّبُوبِ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ  
 جَدِيدٍ ⑲ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑳

ترجمہ :- مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا ہے اپنے  
 رب کے ساتھ، اُن کے اعمال مثل راکھ کے ہیں کہ سخت  
 ہو گئی ہے اس کے ساتھ ہوا شدید آندھی کے دن ۔ نہیں  
 قادر ہوں گے وہ اس چیز میں سے کسی شے پر بھی جس کو  
 انہوں نے کھایا، اور یہ گمراہی ہے دور کی ⑱ (اے مخاطب)  
 کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے  
 آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم  
 کو لے جائے اور لائے وہ نئی مخلوق ⑲ اور نہیں  
 ہے یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دشوار ⑳

گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ کافر لوگ اللہ کے نبیوں کو دھکی دیتے رہے آیات  
 تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ تم تمہیں اپنی سر زمین سے نکال دیں گے  
 اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد

اس زمین میں تمہیں آباد کریں گے۔ فرمایا یہ سعادت اس شخص کو حاصل ہوگی جو محاسبہ اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے اور اس کی وعید سے خوف کھاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام یا ان کی قوموں نے اللہ سے فیصلہ طلب کیا جس کے نتیجے میں ہر منکر اور رکنہ آدمی ہلاک ہوا۔ ایسے لوگوں کو جہنم میں پرپ ملا پانی پینے کو ملیگا۔ جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے نگلنے کی کوشش کریں گے مگر اس کا نگلنا مشکل ہوگا جہنمی لوگوں کو اسباب موت ہر طرف سے گھیریں گے مگر انہیں موت نہیں آئے گی۔ بلکہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ انبیاء علیہم السلام کو تسلی دینے اور کفار کا انجام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَغْمَالُهُمْ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں کے اعمال کی مثال کرمادینا اشدّت بئیر الریج راکھ کی ہے جو ہوا کے ساتھ سخت ہو گئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے اعمال راکھ کے ڈھیر کے مانند ہیں کہ جب تیز ہوا چلے تو سارا ڈھیر اڑ جائے اور ان کے پاس کچھ نہ رہے۔ کفر سے مراد اللہ کی ذات، صفات، اس کی وحدانیت، نبوت و رسالت، قیامت، ملائکہ اور تقسیم کا انکار ہے۔ اعمال سے مراد اگر کفر یہ اور شرکیہ اعمال ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک ان کی کیا وقعت ہے۔ وہ جتنے بھی اعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے وبال جان بن جائیں گے۔ البتہ کافروں کے بعض نیک اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض کافر لوگ بھی صدقہ خیرات کرتے ہیں، انسانی ہمدردی کے جملہ امور انجام دیتے ہیں، سکول اور ہسپتال بناتے ہیں، ترکیا ان کے یہ اعمال بھی اکارتہ جانیں گے؟ فرمایا فَیَوْمَ تَحْصِفُ أَعْمَالُہُمْ

کفار کے  
اعمال  
کی مثال



کے دن یعنی جب قیامت کی آندھی آئیگی تو یہ سب اعمال راکھ کی مانند اڑ جائیں گے۔ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ اِسْمٰوِن  
اپنی کمائی کی کسی چیز پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور ان کے رفاہ عامہ کے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایمان  
شرط قبولیت  
ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کی قبولیت ایمان پر موقوف ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو بڑے سے بڑا عمل بھی کام نہیں آئے گا قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ پسندیدہ لوگ وہ ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام دیے جب تک ایمان نہیں ہوگا، اعمال کی کچھ قدر نہیں ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ "فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِ" جس شخص نے نیک اعمال انجام دیے بشرطیکہ وہ مومن ہے تو اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبولیت اعمال کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اگر انسان کا ایمان درست نہیں، فخر پاک نہیں، عقیدہ صحیح نہیں تو اچھے سے اچھا عمل بھی فائدہ نہیں دیگا۔ جس طرح نماز کے لیے طہارت شرط ہے اسی طرح اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ اپنے زعم میں جو بھی اچھے کام کرتے ہیں، ان کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ اور پھر آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہی ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مال و دولت حاصل ہو جاتا ہے، اقتدار مل جاتا ہے اولاد حاصل ہوتی ہے، مگر آخرت سے خالی ہوتے ہیں۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، اعمال میں ثقل نہیں ہوگا اور وہ قیامت کی آندھی میں راکھ کی طرح اڑ جائیں گے۔ بے وزن اور ہلکے اعمال کے متعلق

سورۃ القارعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ“ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔

آج کی دنیا میں بھی ایمان سے خالی کافر، مشرک، یہودی، عیسائی، کیمونسٹ، دہریے، ہنود اور کچھ ہیں جو رفاہ عامہ کے بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ اور روس نے یونیورسٹیاں اور ہسپتال قائم کر رکھے ہیں، دنیا میں جہاں کہیں تباہی آتی ہے، قحط واقع ہوتا ہے، سیلاب اور زلزلہ آتا ہے، تو فوراً مدد کو پہنچتے ہیں اور انہیں ان کاموں پر بڑا فخر ہے۔ پرانے زمانے میں بھی بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں جنہوں نے بڑے بڑے کام کیے۔ ٹیکسلا کے مقام پر گندھارا تہذیب آج سے تین ہزار سال پہلے بڑے عروج پر تھی، ان کی عمارت، برتن صنعت و صرقت آج بھی لوگوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے بخودھارہ اور ہٹھڑ میں ملنے والی چھ ہزار سالہ پرانی تہذیب کے عجیب و غریب نشانات ملتے ہیں۔ پرانی قوموں میں قوم عاد اور ثمود کے پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے مکانات آج بھی دنیا کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ بہا کی پرانی عمارتیں، چین اور جاپان کے بڑے بڑے معبد، مصر لویں کے اہرام وغیرہ اُن قوموں کی عظمت کے نشان ہیں۔ آج کے زمانے میں بھی لوگ بڑی بڑی عمارتوں، کھیل کے میدانوں، ناچ گھروں اور آرٹ گیلریوں پر فخر کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی عدم موجودگی میں ان کے تمام کام راکھ کے ڈھیر کی طرح اڑ جائیں گے اور وہ لوگ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ سو کا قائم کردہ ہسپتال، دیال سکھ کلج اور لائبریری، گلاب دیوی اور گنگا رام کا ہسپتال، اُن کے ہزاروں اوقاف اور رفاہ عامہ کے کام قیامت والے دن بے سود ثابت ہوں گے آج دنیا میں ان کا نام لیا جا رہا ہے، اُن کو شہرت حاصل ہے مگر



یہ اسی دُنیا تک محدود ہے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ایمان سے خالی گئے۔

دور کی  
گمراہی

فرمایا ذلک هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ یہ سب کچھ دور کی گمراہی ہے۔ کافر لوگ باطل زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ انسانی ہمدردی کے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ بہک کر دور جا پڑے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کتنا بھی مہذب، شائستہ اور ترقی یافتہ سمجھیں حقیقت میں وہ جہنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ صدر ہو یا وزیر، تاجر ہو یا صناع، مہذب ہو یا فلاسفر، اگر ایمان سے خالی ہے تو کچھ بھی نہیں، چونکہ انہیں ایمان کی قدر و قیمت نہیں، اس لیے وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

مخلوق  
کی تبدیلی

فرمایا، اے مخاطب! اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ان چیزوں کو ایسا ہی پیدا کیا ہے جیسا ان کو ہونا چاہیے تھا۔ تو جس طرح ان چیزوں کا آغاز ہوا ہے، اسی طرح ان کا انجام بھی ہوگا اور پھر جزائے عمل واقع ہوگی ورنہ حکمت ہی باطل ہو جائیگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے قانون کی پابندی پر مامور کیا ہے۔ ملکیت کی ترقی اور ہمہمیت کی کمزوری اس قانون پر عمل درآمد سے ہی ممکن ہوگی۔

نبیوں کی بات برحق ہے اور بہتر انجام کے لیے ایمان لازمی ہے۔ فرمایا، جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے، اسی طرح وہ علیم کل اور قادر مطلق بھی ہے۔ اگر تم اس کے قانون کی خلاف ورزی کرو گے، مقصدِ تخلیق کا حق ادا نہیں کرو گے، تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں اِنَّ يَّسَّ اِيْذُهٗبْكُمْ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے وَاَيَّاتِ جَلْدٍ اور تمہاری جگہ کوئی دوسری

مخلوق لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ اقوام کی مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ کیسے کیسے متمدن سلطنتوں کے مالک، جیسیم اور طاقتور تھے مگر نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ میں قوم عاد کا ذکر کیا کہ فرمایا "فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مَقْرَنَ ۚ بَاقِيَةٌ ۚ" کیا ان میں سے فرد واحد بھی باقی بچا؟ سب نابود ہو گئے۔ اللہ نے ان کو چین چین کر ہلاک کیا۔ آج بھی اگر اللہ چاہے۔ تو تمام کافروں، مشرکوں، سیود و نصاریٰ، اور یوں اور بے دینوں کو ہلاک کر دے، مگر یہ اٹھس کی حکمت اور مصلحت ہے کہ وہ مہلت دیتا رہتا ہے "إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" (الفجر) تیرا رب تو نگہات میں رہتا ہے۔ وہ خطیرۃ القدس سے نگرانی کر رہا ہے جب چاہے گا نافرمانوں کی رسی کھینچ لے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو تم کو اس دنیا سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق سکائے فرمایا "وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ" اور ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ دشوار نہیں۔ وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لیے عبرت ہے کہ اگر وہ دین پر قائم نہ ہے، تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔ جو وہ سابقہ اقوام پر آئی وہ ان پر بھی آسکتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر تم اس کے احکام پر عمل نہیں کرو گے تو اس کو حق حاصل ہے کہ "وَكَيْسَتَبَدِّلَ قَوْمًا غَيْرَكُمْ" (التوبة) تمہیں ملبامیٹ کمر کے تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے۔ جو تم جیسے بد عمل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔ جو تمہاری طرح ناہنجار، معتمد، شرارتی، مادہ پرست، جاہ طلب اور خود غرض نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون انبیاء کی تسلی کے لیے نازل فرمایا ہے



اور ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے عبرت کا مقام بھی ہے۔ کہ اگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے، کفر، شرک، نفاق اور اتحاد کا راستہ اختیار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ختم کر کے دوسروں کو ان کی جگہ پر لانے پر قادر ہے۔ کافروں کو زعم تھا کہ انہوں نے دنیا میں بڑے اچھے اچھے کام کیے، دنیا میں ان کی پوزیشن بھی اچھی خاصی تھی مگر ان کے سارے اعمال راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے۔ اگر کسی کو اس دنیا میں مہلت مل رہی ہے، تو اُسے مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ جب چاہے گاری کھینچ لے گا اور ایسا کہنا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں۔

---

وما ابرئى ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس نمبر ۷

آیت ۲۱

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّعْتَدُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهْدَيْنَاكُمْ سُوءًا عَلَيْنَا ۖ أَجْزَعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۝ ۲۱

ترجمہ :- اور ظاہر ہوں گے یہ لوگ سب کے سب اللہ کے سامنے۔ پس کہیں گے کمزور لوگ اُن لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا، بیشک ہم تھے تمہارے تابع، پس کیا ہو تم بچانے والے ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ہدایت کرتے۔ برابر ہے ہمارے اُوپر کہ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا ہم صبر کریں۔ نہیں ہے ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت ۲۱

رسالت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکرین توحید رسالت کا انجام بھی بیان فرمایا اور یہ بھی کہ جو کفر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جن کا عقیدہ پاک نہیں، اُن کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے اعمال راکھ کے ڈھیر کی مانند ہوں گے جنہیں آندھی اڑالے جائے۔ فرمایا اعمال کا دار و مدار ایمان پر ہے۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، عقیدہ خالص نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ

رابط آیات



کی فتح اینست پر یقین نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اعمال بے سود ہونگے  
ایسے لوگوں نے کارخانہ قدرت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ اس بات کو نہیں پا  
سکے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برحق پیدا کیا ہے اور جزائے عمل واقع ہو کر  
سہے گی۔

خدا کے  
حضور پیشی

اب آج کی آیت کرمیہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی اس حالت  
کا ذکر کیا ہے جو قیامت کے دن پیش آئے گی اور جس میں انہیں نہایت  
اور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا  
اور ظاہر ہوں گے یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن  
خدا تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوگی۔ بَرَزَ کا لغوی معنی ظاہر ہونا ہے اور  
اس کے مقابلہ میں کمون آتا ہے جس کا معنی اچھپ جانا ہے۔ بروز اور  
کمون فلسفے کی اصطلاح بھی ہے جب پانی ٹھنڈا ہوتا ہے تو اس کی  
برودت ظاہر اور حرارت مخفی ہوتی ہے اور جب اسے گرم کیا جائے  
تو برودت چھپ جاتی ہے اور حرارت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب  
یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر ہو جانا بروز کہلاتا ہے۔ اسی طریقے سے ہر  
انسان کے اندر بھی بروز اور کمون ہے۔ آج کی دنیا میں مادیت اور  
بہیمیت ظاہر ہے اور نوع انسانی پر غالب ہے اس کے مقابلے میں  
ملکیت دبی ہوئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ جہان  
تبدیل ہو جائے گا تو پھر بہیمیت غائب ہو کر ملکیت نمایاں ہو جائے گی  
اس وقت لوگوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں ملکیت  
کو طاقتور نہیں بنایا۔

مخفی کاموں  
کا نظور

مفسرین کرام اس مسئلہ کو مختلف طریقوں سے سمجھاتے ہیں۔ اہم  
رازی فرماتے ہیں کہ کافر، نافرمان اور اصحاب معاصی لوگ سمجھتے ہیں کہ  
وہ اس دنیا میں جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ کبھی ظاہر نہیں ہوں گے۔

بلکہ ہمیشہ مخفی ہی رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ برائی کے اکثر کام چھپ کر ہی کیے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ساری مخلوق خدا کے سامنے پیش ہوگی تو ان غلط کاروں پر اس وقت واضح ہوگا کہ آج پوشیدہ طور پر انجام دیے گئے کام چھپ نہیں سکیں گے۔ بلکہ سارے کے سارے ظاہر ہو جائیں گے۔ سورۃ الطارق میں آتا ہے: "يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" اس دن تمام راز آشکارہ ہو جائیں گے۔ یہی بروز ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ بروز دو قسم سے ہے۔ پہلا بروز اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔ یہ قیامت صغریٰ ہے مَن لَّمْ يَمُتْ فَكَلَمَاتٍ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جو شخص مر گیا، اس کی قیامت تو واقع ہوگئی۔ اور اس موقع پر زندگی بھر کی تمام پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور مرنے والے کی زندگی کا پورا نقشہ اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ بروز کا دوسرا موقع وہ ہوگا جب قیامت برپا ہو جائے گی، اور میدانِ محشر میں محاسبے کی منزل آئیگی۔ اس وقت بھی تمام پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ اکثر حکما، یہی بیان کرتے ہیں کہ ملکیت اور کمال والی باتیں آج چھپی ہوئی ہیں مگر میدانِ محشر میں یہ سب نمایاں ہو جائیں گی۔ اور یہاں کی مادیت اور سہمیت والی باتیں وہاں چھپ جائیں گی۔ اس دن سب کے سب لوگ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے اور منکرینِ خجالت اور مشرمنہ گی میں غلطان ہوں گے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے میدانِ حشر کے حوالے سے وہاں پر جمع ہونے والے تابع اور متبوع کے درمیان ہونے والے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ آج دنیا میں تابع اور متبوع کی بے شمار مثالیں دیکھنے میں آرہی ہیں کوئی کسی لیڈر کا تابع ہے تو کوئی کسی سیاسی پارٹی کا۔ کسی شخص نے کسی مولوی کو اپنا متبوع بنا رکھا ہے تو کوئی کسی پیر کا تابع ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

تابع اور متبوع



نے قرآن میں کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس دنیا میں کسی کے پیچھے بلا سوچے سمجھے اندھا دھند چلنے والے قیامت کے دن کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے، بلکہ اس دن انہیں اس فعل پر حسرت اور ندامت ہوگی۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ قیامت کے دن تابع اور متبوع کے تمام اسباب ٹوٹ جائیں گے، وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اس وقت تابع متبوعین سے کہیں گے کہ اگر ہمارے بس ہیں ہوتا تو ہم تم سے اسی طرح بنیاد ہو جاتے جس طرح آج تم نے برات کا اظہار کر دیا۔ سورۃ احزاب میں ہے کہ تابع کہیں گے ”رَبَّنَا اِنَّا اطَعْنَا سَادَتَنَا وَكَرِهْنَا“ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا۔ اب ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج سب کو دگنا عذاب دیا جائیگا کیونکہ تمہارے بڑوں نے تمہیں بے کایا اور تم نے آگے دوسروں کو گمراہ کیا، اس لیے تمہارے لیے بھی ڈبل سزا ہے۔

غرضیکہ تابع اور متبوع آپس میں جھگڑیں گے۔ آنکھیں بند کر کے کسی کا اتباع کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ زندگی بھر سوچا ہی نہ کہ یہ ہمیں کدھر لے جا رہا ہے۔ وہ تو اپنی چوہدراہٹ، خود غرضی اور مقصد باری کے لیے لوگوں کو پیچھے پیچھے چلا رہے تھے مگر تابعین اپنے اعمال کو ضائع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل حبیبِ عظیم جو ہر عطا کیا تھا، ہدایت کے جملہ اسباب مہیا کیے تھے مگر انہوں نے ان سے کوئی کام نہ لیا اور اندھا دھند اتباع کرتے رہے جس کے نتیجے میں شرمندگی اٹھانا پڑی۔

ایسے ہی تابعین اور متبوعین کے متعلق فرمایا کہ جب وہ سب کے

عذاب میں  
تخفیف  
کی تدبیر





پیدا کر نیکی کو شش کر دیں گے۔ مگر رب العزت کی عدالت میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ لَوْ هَدَانَا اللَّهُ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہماری ضد اور عناد کی وجہ سے ہمیں ہدایت کی توفیق ہی نہ مل سکی۔ اگر ہم کو توفیق نصیب ہوتی تو ہم تمہاری رہنمائی بھی ہدایت کی طرف کرتے، ہم تو خود بھٹکے ہوئے تھے، تمہیں سیدھے راستے پر کیسے آتے۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، اور سارے ہی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

بے قراری  
یا صبر

متبرعین یہ بھی کہیں گے سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْنَبْنَا أَمْ صَلَبْنَا  
برابر ہے ہمارے لیے، اب ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں  
ہم اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ  
کافر اور منافقان لوگ آپس میں مشورہ کر کے کہیں گے کہ چلو بے صبری اور  
جنس فزع کریں، جنگ و سکار کریں، شاید ہمارے عذاب میں کچھ کمی  
واقع ہو جائے۔ چنانچہ وہ لوگ پانچ سو سال تک گریہ و زاری کرتے رہیں  
گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ پھر مشورہ کریں گے اور کہیں گے  
کہ اچھا صبر کر کے دیکھتے ہیں۔ پھر وہ خاموش ہو جائیں گے اور مزید پانچ  
سو سال گزر جائیں گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ امام زہریؒ اور بعض  
دوسرے بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ ایک ہزار سال گزرنے کے بعد  
یہ جواب آئے گا کہ تم اسی میں ذلیل ہو کر رہو وَلَا تَكَلِّمُوا اور کوئی  
بات نہ کرو کہ تمہاری بات نہیں سنی جائے گی۔

غرضیکہ وہ کہیں گے کہ بے صبری کا اظہار کریں یا صبر کریں۔ مَا لَنَا  
مِنْ تَخِيصٍ ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ہمارا  
رضا پٹنا اور گرہ گڑانا کسی کام نہیں آئے گا اور ہم عذاب سے کسی

صورت میں بھی رہائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اب ہمارا یہی انجام ہے  
 تابع اور متبوع کا یہ مکالمہ اللہ نے ذکر کیا ہے پہلے تابع اپنے  
 متبوعین سے مدد کے لیے کہیں گے مگر ان کی طرف سے جواب نہ  
 دیا جائے گا۔ پھر متبوعین عاجز آکر کہیں گے کہ جس بلا میں ہم گرفتار ہو  
 چکے ہیں اس سے چھٹکارا کسی طور ممکن نہیں خواہ ہم چیخ و پکار کریں  
 یا صبر کا دامن تھامے رکھیں۔



وما آبرئ ۱۳

درج شتم ۸

ابراہیم ۱۴

آیت ۲۲ تا ۲۳

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ بَيْنَ اللَّهِ وَوَعْدَكُمْ وَعَدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخٍ مِمَّا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِي ۚ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ②۳

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ يُحْيِيهِمْ فِيهَا سَلَامٌ ②۴

ترجمہ :- اور کہے گا شیطان جب کہ فیصلہ کر دیا جائیگا معاملے کا۔ بیشک اللہ نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ سچا وعدہ، اور میں نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ، پس میں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اور نہیں تھا میرے لیے تمہارے اوپر کوئی غلبہ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے میری بات قبول کر لی۔ پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنی جانوں کو۔ میں نہیں فریادری کرنے والا

تمہاری اور نہ تم میری فریادیں کرنے والے ہو۔ بیشک میں نے انکار کیا اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے بیشک ظالموں کے لیے عذاب الیم ہے (۲۲) اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے بہشتوں میں۔ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اپنے رب کے حکم سے۔ ان کی ملاقات اُن (بہشتوں) میں سلام سے ہو گی (۲۳)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں تابع اور قبوع کا ذکر تھا۔ جن لوگوں نے کفر، شرک اور مباحی میں ایک دوسرے کا اتباع کیا، عقل سے کام نہ لیا اور آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے، اللہ نے اُن کا حال بیان کیا جو قیامت کے دن پیش آنے والا ہے اُس وقت پیچھے چلنے والے کمزور لوگ اپنے لیڈروں اور پیشواؤں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تم جس طرح کہتے رہے، ہم کرتے رہے، لہذا آج اللہ کے عذاب میں کچھ تخفیف کر کے دو۔ مگر قبوعین صاف جواب دیں گے کہ ہم تو خود کفر، شرک اور گمراہی میں غرق تھے، تمہیں راہِ راست پر کیے لاتے۔ اب ہم سب برابر کے مجرم ہیں اور سزا کے مستحق ہیں۔ ہم بقراری کا اظہار کریں یا صبر کریں۔ اب یہاں سے رہائی ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تابع اور متبوع کا مکالمہ اور اُن کی پریشانی کا حال بیان کیا ہے۔

جنہی اور شیطان  
انہی سے

اب اسی سلسلے میں اللہ نے شیطان کا حال بیان کیا ہے جو تمام گمراہوں کا سردار اور تمام ان لوگوں کا اذلی دشمن ہے وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ ااور کے کا شیطان جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہاں پر قَالَ ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہ بات آئندہ قیامت کے بعد پیش آنے والی ہے۔ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ قطعی طور پر پیش آنے



والی چیز کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بیان میں کسی قسم کا شک نہیں، یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ قیامت بپا ہونے کے بعد جب تمام انسانوں کا حساب کتاب ہو کر جزائے عمل واقع ہو جائے گی، انیک لوگ جنت میں اور کفر اور شرک کرنے والے دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آئے گا۔ دنیا میں شیطان کی پیروی کرنے والے لوگ شیطان کو گلے سے پکڑ کر ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تیرے بہکانے کی وجہ سے بڑے مقام میں پہنچے ہیں۔ اب ہمیں یہاں سے بچ نکلنے یا عذاب میں تخفیف کے لیے کوئی تدبیر بتا، تو اس وقت شیطان ان کو یہ جواب دیگا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آ رہا ہے۔

بعض مفسرین لَتَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ سے اللہ تعالیٰ کا وہ آخری فیصلہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے ذریعے جنت اور دوزخ والوں کا باطل آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حساب کے نتیجے میں بعض لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور بعض دوزخ میں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کا عقیدہ صحیح اور ایمان سچہ تھا۔ مگر انہوں نے اعمال میں کوتاہی کی تھی یا مخلوق کے حقوق تلف کیے تھے۔ ایسے لوگ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ پھر ان کی سفارش کا ذکر بھی صحیح احادیث میں ملتا ہے کہ انبیاء، شہداء اور صالحین اور سب سے بڑھ کر حضور علیہ السلام لوگوں کی سفارش کریں گے تو انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ بعض کو سزا بھگتنے کے بعد رہائی مل جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آدمی کا حال بھی بتلایا جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ بڑے عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ بندرتج جنت کے دروازے میں داخل ہو سکے گا۔ حضور کا فرمان ہے کہ

اب دوزخ میں وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک دیا ہے وہ قطعی طور پر بدعتیہ لوگ ہوں گے اور انہیں وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ ایسے موقع پر ابدی جہنمی شیطان کو کہیں گے کہ تو نے ہمیں بہکایا تھا، اب تو ہی ہمیں یہاں سے خلاصی کی کوئی تدبیر بتا، تو اس وقت ان دوزخیوں کے سامنے یہ تقریر کہہ دے گا۔

امام شعی

امام ابو حنیفہؒ کے استاد امام شعیؒ عظیم المرتبت، امام، محدث اور فقیہ تھے آپ نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی ہے اور اس لحاظ سے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور کوفہ میں قیام تھا۔ آپ کے علم و ورع کی بنا پر حکومت وقت نے آپ کو عمدہ قضا پر فائز کیا۔ ناچاہا مگر آپ اس ذمہ داری سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول یاد تھا کہ جس کو قاضی بنا لیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا آج توجج کی تہی قدر منزلت ہے اور یہ خوب عین حق ہے ہیں مگر یہ تو اس وقت چلے گا، جب خدا کی عدالت میں فیصلے ہوں گے امام شعیؒ کی طرح امام ابو حنیفہؒ کو بھی قضا کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے قبول نہ کی کیونکہ آپ کو خطرہ تھا کہ وقت کے حکمران کوئی غلط کام نہ کر دے لیں۔ امام مالکؒ کو بھی اسی لیے سزا بھگتنا پڑی کہ وہ حکومت وقت کی غلط کارروائیوں پر تنقید کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کو بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ یہ سب لوگ دین کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے، ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری تھی، جنہی تو کدوڑوں آدمی ان حضرات کے متبعین میں سے ہیں۔ غرضیکہ امام شعیؒ نے قضا سے بچنے کے لیے کئی چلے کیے۔ ایک موقع پر ہاتھی لگایا تو بچے دیکھنے کے لیے اس کے گرد جمع ہو گئے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام صاحب بھی بچوں



میں شامل ہو گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی اعلیٰ مرتبے کے آدمی نہیں ہیں، لہذا یہ عمدہ قضا کے قابل نہیں۔ ایک دفعہ کبوتر اڑنے والے بچوں کا تماشہ دیکھنے چلے گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی لالہ بالی قسم کے آدمی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو جائیں اور قضا کے علم پر فائز نہ ہو سکیں، آپ اتنے محتاط تھے۔ یہ واقعات امام سرخسی نے اپنی کتاب سیر البکیر میں نقل کیے ہیں۔

الغرض! امام شعبی کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے دو شخصوں کو بہت مبغوض دیکھا جن میں سے ایک جنوں میں سے ہے اور دوسرا انسانوں میں سے۔ جنوں میں سے شیطان ہے کہ اللہ نے اُسے سجدے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور انسانوں میں سے فرعون ہے جس نے کہا تھا اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی (المنزعت) کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

بہر حال جب اہل دوزخ شیطان کو گھبریں گے اور اس کو ملامت کریں گے کہ ہماری رہائی کی کوئی صورت پیدا کر تو اس وقت شیطان یہ جواب دے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ بیشک اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ کہ اگر ایمان لاؤ گے، سچی اختیار کرو گے تو تمہیں کے مقام تک پہنچاؤں گا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لاؤ، قیامت کو برحق مانو تو میں تمہیں عزت کا مقام عطا کروں گا۔ اللہ نے تو تم سے بالکل سچا وعدہ کیا تھا۔ وَوَعَدْتُكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، پس میں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ یعنی میں نے تمہیں جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ سورۃ نساء میں شیطان کا یہ قول موجود ہے وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مُدِیْنٌ لَّہُمْ وَلَا مَنِّیْنٌ لَّہُمْ وَلَا مَنِّیْنٌ لَّہُمْ فَلَیْبٌ لَّکُمْ

شیطان کی تقریب

اِذَا نَ الْاَنفَکَامِ مِیْنِ اَوَّلَادِ اَدَمَ کُوْضُرُ دَرِ گَمْرَہ کُروں گا، اِن کو جھوٹی  
 آرزوئیں دلاؤں گا اور انہیں جالوروں کے کان کاٹنے کا حکم دوں گا  
 اگلی آیت میں ہے ”یَعِدُّهُمْ“ وَیُمِیْتُهُمْ شَیْطَانُ اَنہیں  
 جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے۔ ”وَمَا یَعِدُّهُمْ  
 الشَّیْطَانُ اِلَّا عُرُوْرًا مَّکْرَ شَیْطَانِ کُے وعدے تو زار دھوکا ہیں  
 سورۃ النعام میں ہے ”وَ زَیْنَتْ لَّهُمُ الشَّیْطَانُ مَا  
 کَالُوْا یَعْمَلُوْنَ“ شَیْطَانِ اِن کے بے اعمال کو مزین کر  
 کے دکھاتا ہے۔ کھیل تماشا، لہو و لعب اور بڑی رسومات کو  
 خوش کن بنا کر پیش کرتا ہے اور آخر کار لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔  
 بہر حال شَیْطَانِ اُن دوزخ والوں سے کہے گا کہ میں نے  
 تم سے جو بھی جھوٹا وعدہ کیا تھا، اس کو ایفانہ کیا اور حقیقت یہ ہے  
 وَمَا کَانَ لِیْ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اُوْر مِیْر  
 تم پر کوئی غلبہ تو نہیں تھا۔ میں نے تم سے کوئی چیز زبردستی تو نہیں  
 منوائی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ اَلَا اَنْ دَعَوْتُکُمْ کہ میں نے  
 تمہیں دعوت دی، تم نے اُو دیکھا نہ تاوُ قَامْتُ بِجَبَّتُمْ لَیْ پس تم نے  
 میری دعوت قبول کر لی۔ میں نے تمہیں جس طرف لگایا تم اسی طرف چلے  
 گئے۔ تم نے اللہ کے سچے وعدے کا کوئی خیال نہ کیا۔ بائبل کے بیان  
 کے مطابق شَیْطَانِ نے کہا کہ افسوس کا مقام ہے کہ میرے جھوٹے وعدے  
 پر تم نے یقین کر لیا۔ اور ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ کی زبان پر یقین  
 نہ کیا۔ اب صورت حال یہ ہے فَلَا تَکُوْنُوْا مَوْخِفٰتٍ کہ اب مجھے  
 ملامت نہ کرو۔ اُس وقت تو تم نے خود بے عقلی کا ثبوت دیا، میرے  
 جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں پر یقین کر لیا اور اللہ کے برگزیدہ  
 پیغمبر کی زبان پر یقین نہ کیا، لہذا تم اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہو۔



علامت  
کے قابل  
کون

شیطان کہے گا کہ مجھے علامت نہ کرو وَلَوْ مُوَّأَ أَنْفُسَكُمْ فَبِئْسَ بِمَنِ  
جانوں کو علامت کرو۔ تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ایک جھوٹے غلط کار  
اور بدترین دشمن کی بات پر یقین کر رہے ہو اور خدا تعالیٰ اور اس کے  
انبیاء کے وعدوں پر تمہیں اعتماد نہیں۔ اب مجھے کیوں علامت کرتے  
ہو۔ میں تو خود مبتلائے عذاب ہوں۔ مَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيكُمْ  
اور تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اور  
نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اگر میں تمہیں پکاروں کہ میرے عذاب میں  
تخفیف کا بندوبست کرو تو جس طرح تم آج میری مدد نہیں کر سکتے  
اسی طرح میں بھی بے بس ہوں۔

شیطان مزید کہے گا اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُوْنَ  
میں نے کفر میں تو انکار کرتا ہوں اُس چیز کا کہ تم نے مجھے اس کے  
ساتھ شریک بنایا اس سے پہلے۔ تم نے خدا کی بات کو نہ مانا اور مجھے  
اس کے ساتھ شریک محض کر میری بات کے پیچھے لگ گئے۔  
میرے ہی کہنے پر تم کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہوئے۔ میں نے تو  
تمہیں صرف دعوت دی تھی۔ مگر تم نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر عذر و قدر  
کیے مجھے اللہ کا شریک بنالیا۔ میں ان سب چیزوں کا انکار کرتا ہوں  
اور حقیقت بھی یہی ہے اِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ  
اَلِیْمٌ ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ شیطان  
نے صاف کہہ دیا کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اور اب  
اس کا بھگتان عذاب کی صورت میں کرنا ہوگا۔

اہل ایمان  
کی کتابی

کفر اور شرک کے مقابلے میں ایمان اور اہل ایمان کی کامیابی کا  
ذکر بھی ہو رہا ہے کیونکہ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں تمہیں  
کی بات ہوتی ہے ساتھ نہ غیب کا ذکر بھی کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ  
 اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے  
 نیک اعمال انجام دیے جنت میں۔ نیک اعمال میں نماز، روزہ،  
 زکوٰۃ اور حج بنیادی عبادات شامل ہیں اور باقی تمام نیک امور انہی کے  
 تابع ہیں وہ باغات یا بہشت ایسے ہوں گے تجددی صفت  
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ باغات ہر  
 وقت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے۔ ان  
 میں نہ کوئی گندگی ہوگی اور نہ آلودگی۔ انسانی ذہن کے مطابق اللہ نے جنت  
 کی روحانی، مادی اور جسمانی راحتوں کا ذکر کیا ہے جو وہاں میسر ہوں گی۔  
 اور پھر یہ ہے کہ یہ نعمتیں عارضی نہیں ہوں گی اور نہ اہل جنت کو کچھ عرصہ کے  
 بعد وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ بَلْ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ  
 رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کے حکم سے جنتی وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے  
 لیے رہیں گے، وہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔  
 دنیا میں کتنی بڑی سے بڑی نعمت میسر ہو مگر اُس کے چھین جانے کا  
 خطرہ ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے، وگرنہ موت تو انسان کے سر  
 پر ہر وقت کھڑی ہے جو تمام دنیاوی نعمتوں کو یکسر ختم کر دینے  
 والی ہے مگر جنت کی نعمتیں ایسی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی کہ یہاں پر  
 تو نہریں خشک ہو جاتی ہیں۔ پھل موسم میں لگتے ہیں مگر جنت کی نہریں بھی  
 سدا بہار اور اس کے پھل بھی سارا سال قائم رہیں گے۔ جو نہی ایک پھل توڑ  
 کر استعمال کیا جائے گا، اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

ان بہشتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑے  
 لوگ ایک دوسرے کو سلام کے ساتھ ملیں گے تَحِيَّاتُهُمْ فِيهَا  
 سَلَامٌ کا یہی مطلب ہے کہ ہر طرف سلامتی کا چرچا ہوگا، اور فرشتے  
 سلامتی کی دعائیں



بھی اہل جنت کو سلام کریں گے۔ اور سر پہ در و گہار کی طرہ سے بھی بیجا سلام  
سلام ہی آئے گا۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یس) اے میرے

بندو! تم پر سلامتی ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سلام ایک

دعا ہے، اسی لیے ملاقات کے وقت سلام مسنون قرار دیا گیا ہے

حضور کافران سے اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ عَلٰی مَنْ

عَرَفْتَهُ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْهُ اَپس میں سلام کہ پھیلاؤ خواہ کسی کو جانتے

ہو یا نہیں جانتے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ سلام میں پہل کرنے والے کا

اجر بھی زیادہ ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تمہیں دینی، دنیاوی، مادی،

اور روحانی اعتبار سے سلامتی نصیب ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

کہ جنت میں سلام کا مطلب مبارک باد ہے۔ تمام جنتی ایک دوسرے

کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کریں گے۔

وما آتٰہی ۱۳  
درس نہم ۹

ابراہیم ۱۳  
آیت ۲۳ ۲۶۲

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً  
كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي  
السَّمَاءِ ۚ (۲۴) تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ  
رَبِّهَا ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُونَ ۚ (۲۵) وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ  
كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ  
الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۚ (۲۶)

ترجمہ :- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسے اللہ نے  
بیان کی ہے مثال پاک کلمے کی جیسا کہ ایک پاکیزہ درخت  
ہوتا ہے ۔ اس کی جڑ بہت مضبوط اور اس کی شاخیں فضا  
آسمانی میں ہوتی ہیں (۲۴) وہ لینا ہے اپنے پھل ہر وقت  
اپنے رب کے حکم سے ، اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ  
مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۲۵)  
اور مثال گندے کلمے کی جیسا کہ ایک گندا درخت ہوتا ہے  
جس کو اکھاڑ دیا گیا ہے زمین کے اوپر سے ۔ نہیں اس  
کے لیے ٹھکانہ (۲۶)

اس سے پہلے رسالت اور قیامت کے متعلق ذکر تھا اور اب توحید  
کا بیان آرہا ہے ۔ آج کی آیات کریمہ میں اللہ کی وحدانیت کی بنیاد ذکر کی جا رہی

رابط آیت



ہے جب کہ اس کے دلائل اگلی آیات میں آ رہے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ دروس میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں میں دین کے بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ جن میں توحید، رسالت، قیامت اور جزائے عمل کے مختصر اشارے شامل ہیں۔ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے معترضین کا رد اچھے طریقے سے کیا ہے۔

کلمہ طیبہ  
کی مثال

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ بعض اوقات مثال کے ذریعے کسی چیز کی کما حقہ وضاحت ہو کہ وہ چیز انسانی ذہن کے قریب تر آ جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں بہت سے مسائل کو مثالوں کے ذریعے سمجھایا ہے۔ اس درس میں کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاک درخت سے اور کلمہ خبیثہ کی مثال گندے درخت کے ساتھ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَللّٰہُ تَرَکِیْفَ ضَرْبِ اللّٰہُ مَثَلًا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے۔ ضرب کا لغوی معنی مارنا اور مضر کرنا ہوتا ہے اور یہ بیان کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس مقام پر بیان کرنے والا معنی ہی موزوں ہے۔ اَللّٰہُ تَرَکِیْفَ کی ترکیب کسی بات کی طرف خصوصی توجہ دلانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بھی یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ اے مخاطب! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے کَلِمَۃٌ طَیِّبَۃٌ کَشَجَرَةٍ طَیِّبَۃٍ پاک کلمے کی مثال پاک درخت کی سی ہے۔ اور اُس درخت کی خصوصیات یہ ہیں اَصْلُهَا ثَابِتٌ اُس کی جڑ مضبوط ہے وَفُرْعُهَا فِ السَّمَاوِیَّاتِ اور اس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ایسا سرسبز و شاداب اور بار آور درخت ہے تَوَلَّیْ اَصْلُهَا کُلَّ حَیْنٍ اِیَّادِیْنِ رَبِّہَا کہ اپنے

رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔

اس مقام پر پاک کلمے سے مراد کلمہ توحید ہے جو کہ تمام شرائع الیہ کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اس کی مثال ایک درخت کے ساتھ دی ہے۔ درخت بھی مختلف الانواع ہوتے ہیں، کوئی خوبصورت اور شیریں پھل والے جب کہ بعض دوسرے صورت اور ذائقہ میں کڑوے۔ درخت اور دیگر نباتات کی اللہ نے اتنی قسمیں پیدا کی ہیں جو انسانی شمار سے باہر ہیں۔ علم نباتات (BOTANY) کا طبعی کماہرین نباتات کی دس لاکھ قسمیں بتاتے ہیں یہ سب انسان کی مصلحت کے لیے ہیں۔ بعض درخت چھوٹے قد کے اور بعض بہت لمبے ہوتے ہیں۔ بعض کے تنے باریک اور بعض کے بہت موٹے ہو جاتے ہیں۔ بعض درختوں کی چھاؤں بہت کم ہوتی ہے اور بعض بڑے گھنے اور دور دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے پھل بھی مختلف ہوتے ہیں، بعض نہایت شیریں اور ذائقہ دار جبکہ بعض دوسرے کڑوے کیلے اور بدبودار۔ فلسفے والے بھی مخلوق کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات۔ بہر حال اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمے یعنی کلمہ توحید کو نباتات میں سے پاکیزہ درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ بعض اوقات کسی بات کو سمجھانے کے لیے سوالیہ انداز اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مجلس میں آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا اِنَّ مِنْ شَجَرَةٍ كَرَجُلٍ مُّسْلِمٍ حَدَّثَ ثَوْنًا مَّا هِيَ درختوں میں سے ایک درخت مسلم مرد کی مانند ہے، میرے صحابہ! بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اُس مجلس میں بڑے بڑے اکابر صحابہ موجود تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے

درخت اور  
مسلم مر



مگر کسی نے لب کثانی کی جرأت نہ کی۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سوال کا جواب میرے ذہن میں آچکا تھا۔ مگر اکابر صحابہ کی موجودگی میں اپنی کم سنی کی بدولت میں نے جواب دینے کی ہمت نہ کی بالآخر حضور علیہ السلام نے خود ہی جواب دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے جسے مردِ مسلم کے ساتھ مشابہت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں اپنے والد گرامی سے اس جواب کے متعلق ذکر کیا کہ یہ میرے ذہن میں آچکا تھا مگر آپ کی موجودگی میں خاموش رہا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم یہ جواب مجلس میں دے دیتے تو یہ میرے لیے نہایت خوشی کا مقام ہوتا اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہوتا۔

پاکیزہ درخت  
کی خصوصیات

امام بغویؒ، امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جس پاک کلمہ کی مثال اس مقام پر دی گئی ہے، وہ کلمہ توحید ہے۔ اور جس درخت کے ساتھ مثال دی گئی ہے۔ وہ کھجور کا درخت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک پاک درخت کی تین خصوصیات ہو سکتی ہیں یعنی اس کی جڑ مضبوط ہو، تنا قائم ہو اور شاخیں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ تینوں خصوصیات کھجور کے درخت میں پائی جاتی ہیں۔ کھجور کے درخت کی جڑ بہت مضبوط اور زمین کے اندر دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ صحرائی علاقوں میں جہاں پانی نایاب ہوتا ہے۔ کھجور کی جڑ دور دور سے مادہ حیات جذب کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ درختوں کو غذا تو زمین سے جڑ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جب کہ تازہ ہوا پتوں کے ذریعے ملتی ہے۔ چنانچہ درختوں کی یہ خصوصیت ہے کہ رات کے وقت اپنا گند ابخار باہر نکالتے ہیں جب کہ دن کے وقت گند ہی ہوا پتوں کے ذریعے اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ اسی لیے دن کے وقت درختوں کی ٹھنڈی ہوا انسانی صحت کے لیے مفید اور رات کو درختوں کے نیچے سونا مضر ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ  
کی خصوصیات

جس طرح پاکیزہ درخت کی تین خصوصیات ہیں، اسی طرح پاکیزہ کلمہ بھی تین صفات کا حامل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کلمہ توحید **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کے لیے تصدیق قلبی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تصدیق درخت کی جڑ کی مانند ہے۔ جس طرح جڑ کے بغیر درخت قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح تصدیق قلبی کے بغیر کلمے کا کچھ اعتبار نہیں۔ مومن اور منافق میں یہی فرق ہے کہ منافق زبانی اقرار کے باوجود دل سے تصدیق نہیں کرتا، لہذا وہ ایماندار نہیں ہوتا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ ان زبان سے اس کا اقرار کرے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص زبان سے کلمہ توحید کا اقرار نہیں کرتا، اُسے مسلمان نہیں سمجھا جاتا، نہ اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور نہ اس پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں۔ تو گویا اجرائے احکام کے لیے اقرار باللسان ضروری ہے۔ جس طرح درخت کے لیے تناظروری ہے۔ اسی طرح زبانی اقرار کے ساتھ کلمہ توحید کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔ زبانی اقرار کے ساتھ ہی کوئی شخص صاحب ایمان سمجھا جاتا ہے، اُس سے رشتے منقطع کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی کافر یا مشرک زبان سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** کا کلمہ ادا کرے تو اس کی عزت و آبرو، جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، اور اس سے لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ گویا زبانی اقرار درخت کے تنے کی مانند ہے۔ کلمہ توحید کے لیے تیسری صفت عمل بالادکان ہے، یعنی انسان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کے بعد کلمہ توحید کے احکام پر عمل بھی کرے، ہر ایماندار پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اخلاص و جوارح کے ذریعے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور اسی طرح جاری ہونی والے تمام احکام پر کمال کا حق عمل کرے کسی مشاعرہ کی شانوں کی مانند ہے جو فضا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کا عمل بھی نور و



ایک ہر شعبہ زندگی میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ پاکیزہ درخت اور کلمہ طیبہ کی مثال کا ذکر ہو گیا۔

مسلمان  
اور کھجور کا  
درخت

مفسرین فرماتے ہیں کہ کھجور کے درخت کو ایک مرد مسلمان سے اس لحاظ سے بھی مشابہت ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت سدا بہار ہوتا ہے، نہ اس کے پتے گرتے ہیں اور نہ شاخیں خشک ہوتی ہیں، اسی طرح مرد مومن بھی ہمیشہ ایمان اور نیکی کے ساتھ متلبس ہوتا ہے۔ اس کے دل میں نور ایمان اور نور توحید ہوتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار ہوتا ہے۔ اس کے اعضا و جوارح ہمیشہ اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہتے ہیں اور ایسا شخص ہر آن بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتا ہے۔

اس درخت کے ساتھ مرد مومن کی مشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح انسان کا سر کٹ جانے سے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح اگر کھجور کے درخت کا اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ بھی خشک ہو جاتا ہے، اس کی چوٹی دوبارہ پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی مقولہ ہے کہ اگر آدمی کے سر کے اوپر سے پانی گزر جائے تو جس طرح وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح سیلاب میں اگر کھجور کے درخت کا سر ڈوب جائے تو وہ بھی مر جاتا ہے۔ غرضیکہ کھجور کے درخت اور مرد مسلمان میں یہ بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔

سدا بہار اور  
کھجور

کھجور کے درخت کے بار آور ہونے کے متعلق کُلِّ حَیْن کے الفاظ آئے ہیں حَیْن کا اطلاق مطلق وقت پر ہوتا ہے۔ مگر امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر حَیْن سے مراد چھ ماہ ہیں کہ جن کے دوران کھجور میں تازہ پھل آ جاتا ہے۔ کھجوریں دیر تک ذخیرہ کی جا سکتی ہیں اور دیگر پھلوں کی طرح یہ جلدی گل سڑ کر خراب نہیں ہوتیں ابھی سابقہ فصل کی کھجوریں گھسوں اور منڈلیوں میں موجود ہوتی ہیں۔ جب کہ تازہ پھل بھی اترنا

شروع جاتا ہے۔ اس لیے اسے سدا بار آور درخت بھی کہا جاتا ہے، مومن آدمی کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ وہ ہر وقت اعمال صالحہ انجام دیتا رہتا ہے جس سے دور کر لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ ایسا آدمی تینوں شرائط پوری کرتا ہے، اس کے ایمان کی جڑ مضبوط ہوتی ہے یعنی وہ دل سے تصدیق کرتا ہے، زبان سے اقرار کرتا ہے اور اعمال صالحہ بھی انجام دیتا رہتا ہے۔

شاہ ولی اللہ  
کی توجیہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مومن آدمی کا کلمہ توحید تمام شرائع الہیہ کی بنیاد ہے اور شرائع الہیہ کا منبع عالم ملکوت میں ہے اس کی شاخیں اور پھل اس جہان میں ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے برخلاف کفر و شرک کا کلمہ ناپاک ہے۔ عالم ملکوت میں اس کا کوئی استقرار نہیں ہوتا اگرچہ دنیا میں کسی وقت تھوڑا بہت پھیلاؤ ہو جاتا ہے تو پاک کلمہ سے کلمہ توحید مراد ہے۔ اگر انسان زبان سے خدا کی تسبیح، تنزیہ، تحمید اور تکبیر بیان کرتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا ہے یا نصیحت کی کوئی بات کرتا ہے تو وہ سب کچھ کلمہ توحید کے ضمن میں آئے گا۔ جس طرح درخت کی بنیاد اس کی جڑ ہوتی ہے اسی طرح تمام شرائع کی بنیاد عالم ملکوت میں قائم ہے جو مرد مومن کے دل میں راسخ ہے۔ اور اس کا عمل دور دور تک پھیلا ہوتا ہے۔ درخت کی شاخوں کے پھیلاؤ کے لیے فی السماء استعمال کیا گیا ہے عربی زبان میں السماء آسمان کے علاوہ چھت اور مہر اس بلند چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو سر پر سایہ فگن ہو۔ چونکہ پاکیزہ اخلاق دور دور تک پھیل جاتے ہیں، اس لیے اس کا اطلاق السماء پر بھی کیا گیا ہے اس کی جڑ تصدیق قلبی، اس کا تنا زبان سے اقرار اور اس کی شاخیں عمل بالارکان ہیں۔



فرمایا وَكَضُرِبَ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ بِاللَّهِ تَعَالَى مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ مثال بیان کرنے سے بعض اوقات بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، لہذا اللہ نے جگہ جگہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

کلمۂ خبیثہ کی مثال

فرمایا وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اور گندے کلمے کی مثال گندے درخت کی ہے اَجَلَتْ مِنْهُنَّ فَوْقَ الْأَرْضِ جسے زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو۔ اس درخت کی جڑ بھی مضبوط نہیں اور یہ بدبودار اور کڑوا بھی ہے۔ مفسرین کرام نے خبیث درخت سے مختلف درخت مراد لیے ہیں۔ تاہم زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس سے اندرائن یعنی تنبہ کا پودا مراد ہے۔ اس کی بیل زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ جڑ بالکل کمزور جو ذرا سا کھینچنے سے اکھڑ جائے اور مڑا کڑوا۔ پہلے پارے میں گزر چکا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اللہ نے زمین کی ہر چیز تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہے، چنانچہ بعض کڑوی، کیلی اور زہریلی چیزیں بھی کارآمد بنائی جاسکتی ہیں۔ اقبال نے بھی تو کہا ہے، میں وہ ہوں کہ زہر سے بھی شہد اور تریاق بنالیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال عطا فرمایا ہے کہ وہ مضر چیزوں سے بھی مفید چیزیں بنالیتے ہیں۔ چنانچہ طبیب لوگ ٹنلے جیسی کڑوی چیز سے اچار، مرہ اور اسہال لانے والی دوائی تیار کر لیتے ہیں۔ تاہم بنیادی طور پر یہ پودا ناپختہ، بدبودار اور اس کا پھل کڑوا ہے۔ کفر و شرک والا گندا کلمہ بھی اس پودے کی طرح ہے بنیاد، بدبودار اور بد ذائقہ ہوتا ہے۔ فرمایا یہ خبیث پودا ایسا ہے مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ جس کو ثبات حاصل نہیں ہے حق کو ثبات حاصل ہوتا ہے اور اس کے نتائج تمام جہان والوں پر واضح

ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف کفر اور شرک وقتی طور پر دنیا میں پھیل  
 ہوا نظر آتا ہے، اس کی تر میں بڑا شور و شر اور ہنگامہ ہوتا ہے۔ مگر یہ  
 ناپائیدار ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی۔ جب اگلا جہان  
 آئے گا تو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے  
 کلمہ توحید کی مثال پاک درخت سے دی ہے جب کہ کفر و شرک  
 کو بد بو دار اور بد ذائقہ درخت کے مشابہ قرار دیا ہے۔ دونوں کا فرق  
 واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں۔



وما ابرئ ۱۳

درس دہم ۱۰

ابراہیم ۱۴

آیت ۲۷

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي  
اللَّهُ الظَّالِمِينَ قَفَّ وَفَعَلَ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝ ۲۷

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو  
ایمان لائے مضبوط بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت  
میں ، اور گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ، اور  
کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ۲۷

گزشتہ آیات میں رسالت ، قیامت اور جزائے عمل کا ذکر تھا۔ اب توحید کا ذکر ربط آیات  
مورہ ہے۔ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی  
کہ توحید کے پاک کلمے کی مثال پاکیزہ درخت کی ہے جسکی جڑ مضبوط ، تنہا ثابت اور شاخیں  
فضا میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ایسا درخت سدا بار آور ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمہ  
توحید کی جڑ عالم ملکوت میں ہے۔ اور اس کلمے کو دنیا میں اپنا کر لوگ اس سے فائدہ  
اٹھاتے ہیں۔ مومن کے دل میں اس کلمے کی تصدیق قلبی بہت گہری ہوتی ہے۔ زبان  
سے اس کا اقرار بھی بڑا سچا ہوتا ہے اور اعضا و جوارح کے ساتھ وہ ہمیشہ صداقت  
کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس کے اعمال و اخلاق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

فرمایا برخلاف اس کے کلمہ کفر کی مثال گندے درخت کی ہے جس کا پھل  
بدبودار اور کڑوا ہو۔ مفسرین اس ضمن میں تنبیہ کا ذکر کرتے ہیں اس پودے کی جڑیں  
زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں بلکہ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں اور ذرا سی جنبش سے اکھڑ  
جاتی ہیں۔ ایسے کلمے کو عالم ملکوت میں کوئی استقرار نہیں ہوتا۔ امام شاہ ولی اللہ

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں اس کا بڑا پھیلاؤ ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے ابھرتا ہے مگر جلد ہی ناپید ہو جاتا ہے۔

ثابت قدمی  
کا وعدہ

یہ مثال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومن آدمیوں کی ثابت قدمی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ  
آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللہ تعالیٰ مضبوط رکھتا ہے ان لوگوں  
کو جو ایمان لائے مضبوط بات کے ساتھ فَالْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
دنیا کی زندگی میں وَفِي الْآخِرَةِ اور آخرت میں بھی مضبوط بات  
سے مراد کلمہ توحید و رسالت ہے۔ چونکہ اہل ایمان کی اس کلمے کے ساتھ  
تصدیق ہوتی ہے اور اس پر راسخ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے ایمان  
اور توحید کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھتا ہے  
اور گمراہی کی ہر منزل سے بچاتا ہے۔ ایسے لوگ کفر، شرک، بدعات  
اور معاصی سے بچے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا اعتقاد صحیح ہو۔ اگر دل  
میں شک، تردد یا نفاق ہوگا۔ تو انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور  
شرور اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر آخرت کا حال یہ ہے  
يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ (یونس) اللہ تعالیٰ ایمان  
کی بدولت ان کی راہنمائی فرمائیگا اور وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

قبر کی  
منزل

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر آخرت سے مراد قبر کی منزل ہے  
جس وقت کوئی انسان اس جہان کی مادی زندگی پوری کر لیتا ہے، تو  
حشر سے پہلے برزخ کا جہان آتا ہے، یہ قبر کی زندگی ہے۔ وَمِنْ  
وَرَاءِ لَهُمْ بَرْزَخٌ الْحَالِ يَوْمَ يُنْعَشُونَ (المومن)  
مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے درمیان برزخ یعنی قبر کی  
زندگی ہے۔ حشر میں تو دوسری حالات پیش آئیں گے، یہ درمیانی  
منزل ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی میں ایک تسلسل ہے۔ اس زندگی کے



بعد بزرخ اور بزرخ کے بعد حشر کا سلسلہ ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس کلمہ توحید کی بدولت مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دیتا ہے قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب قبرستان جلتے تو اتنا روتے کہ وارٹھی تر ہو جاتی۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَسْئَلٍ مَنْ مَسْئَلِ الْاٰخِرَةِ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر آدمی اس امتحان سے بچ گیا تو آگے بھی بچتا چلا جائے گا اور اگر یہاں پھنس گیا تو اگلی منزل میں اور زیادہ مشکل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ جب میں قبر کا حال سنتا ہوں یا اسے دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار رونا آ جاتا ہے۔

قبر کا حال

صحیحین کی روایت میں ہے کہ جب قبر میں کسی مرد مومن سے سوال کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دے پاتا ہے اور اسے آرام و سکون حاصل ہوتا ہے قبر کا عذاب اور راحت دونوں برحق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا علم عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ فقہ اکبر ہے، جس میں صاف موجود ہے کہ کافروں اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لیے عذاب قبر برحق ہے۔ قبر میں رنج کا جسم کی طرف اعادہ بھی برحق ہے، اور منکر نکیر کا سوال بھی برحق ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مرنے والے کو اس کے ساتھی دفن کر کے قبر سے پیچھے ہٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ بھی سنتا ہے اس وقت منکر اور نکیر نامی دو فرشتے قبر میں آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں۔ اگر مرنے والا مومن آدمی ہے تو فرشتوں کی ہدایت بہت اچھی ہوتی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ

مومن آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے عصر کے بعد سورج غروب ہونے کے قریب ہو۔ چنانچہ جب فرشتے اُس سے سوال کرنا چاہتے ہیں تو وہ شخص کہتا ہے دَعُوْنِيْ اَصْلَحِيْ بِمُحَمَّدٍ وقتِ دو رکعتہ میں نماز عصر ادا کر لوں۔ اُسے کوئی دہشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُس کا دل مضبوط رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کے دور انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ جب انسان مال کے پیٹ میں ہوتا ہے تو انفرادی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اُس کا بچپن کا دور بھی انفرادی ہوتا ہے۔ پھر چول چول بڑا ہوتا ہے تو اس کا میلان اجتماعی کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی کا رکن بنتا ہے، کوئی وعدہ قبول کرتا، ذمہ داریاں سنبھالتا ہے اور اجتماعی کام انجام دیتا ہے۔ گویا عالم شباب میں انسان اجتماعی میں آ جاتا ہے۔ پھر جب انسان مرجاتا ہے تو ایک لحاظ سے بزرخ میں پھر انفرادی زندگی ہی گزرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے قبر میں جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ عقیقہ سے کی درستگی ہے، دنیا میں اس کی فکر پاک ہو، ایمان صحیح ہو، توحید خالص ہو اور کفر، شرک اور نفاق سے بچا ہوا ہو۔

بہر حال جب ایماندار آدمی کو قبر میں دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو دو فرشتے قبر میں داخل ہوتے ہیں، اُس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں مَنْ تَدْعُوْا تَبْرَاهِيْمَ بْنَ كَثِيْرٍ؟ تو مومن آدمی جواب دیتا ہے رَبِّيْكَ اللّٰهُ مِيْلَرَبِّ اللّٰهِ ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں مَا دِيْنُكَ تَبْرَاهِيْمَ بْنَ كَثِيْرٍ؟ وہ کہتا ہے دِيْنِيْ الْاِسْلَامُ مِيْلَرَبِّ الْاِسْلَامِ ہے۔ پھر تیسرا سوال ہوتا ہے مَنْ تَدْعُوْا تَبْرَاهِيْمَ بْنَ كَثِيْرٍ؟ تو وہ کہتا ہے بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قبر کے  
سوال جواب



بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي  
 بُعِثَ فِيكُمْ ثُمَّ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جسے تمہارے  
 درمیان مبعوث کیا گیا۔ مومن آدمی جواب دیتا ہے هُوَ رَسُولُ اللَّهِ  
 وَهُوَ الْمُرْسَلُ مِنْ رَبِّهِ۔ میں ان پر ایمان لایا ہوں۔ اس پر فرشتے کہتے  
 ہیں کہ تو کامیاب ہے۔ پھر آگے اور بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو احادیث  
 میں مذکور ہیں۔ پھر اُس کے لیے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھولا  
 جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان نہ لاتا تو تیرا ٹھکانا یہ ہوتا۔ پھر  
 اس دروازے کو بند کر کے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا  
 ہے جسکی خوشبو مرنے والا محسوس کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں، تیرا  
 ٹھکانا یہ ہے یہاں تک کہ تجھے اس مقام سے اٹھایا جائے۔ یعنی  
 قیامت تک تو یہیں رہیگا، اور اس کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔  
 بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے اُس شخص سے کہتے ہیں۔  
 نَحْنُ كَنُوفُ الْعُرُوسِ دِلہن کی طرح سو جاؤ اور آرام سے رہو۔  
 اس کے برخلاف جب کافر، منافق اور بد عقیدہ آدمی کو دفن کیا جاتا  
 ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اَسْوَدَانِ سیاہ رنگ کے جن کی  
 آنکھیں خَضِرَتَانِ نیلگوں ہوتی ہیں اور انہیں دیکھ کر دہشت طاری  
 ہوتی ہے جب اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو  
 وہ جواب دیتا ہے ہَاہ ہَاہ لَا اَدْرِي افسوس مجھے کچھ علم نہیں۔  
 پھر فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے، تو وہ وہی جواب دیتا  
 ہے ہَاہ ہَاہ لَا اَدْرِي مجھے کچھ علم نہیں۔ نبوت کے متعلق تیسرے  
 سوال کا جواب بھی یہی دیتا ہے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہ جواب  
 سن کر فرشتے لوہے کا گنیز اس شخص کو مارتے ہیں جس کی آواز کو جہنم  
 اور انسانوں کے سوا اور دگر د کی تمام مخلوق سنتی ہے۔ بعض نافرمانوں پر

قبر کا عذاب

ننانویں سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اُس کو ڈستے بہتے ہیں وہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک سانپ اس دنیا میں ایک پھونک مار دے تو دنیا میں کوئی نباتات پیدا نہ ہو۔ بعض لوگوں پر کچھو مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اُن کو کاٹتے ہیں۔ ان پر یہ آزمائش بھی آتی ہے کہ قبر کو حکم ہوتا ہے۔ سمٹ جا۔ پھر جب وہ سمٹتی ہے تو مرنے کے جسم کی پللیاں ایک دوسری کے اندر دھنس جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ کیفیت اہل ایمان پر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ حضور کے صحابی سعد ابن معاذ غزوہ خندق میں زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ اُن کی بڑی فضیلت آئی ہے حدیث میں آتا ہے کہ اُن کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شامل ہوئے تھے۔ جب آپ کو دفن کیا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر دیر تک تبسّ و تکبیر بیان کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس عبد صالح پر بھی ضغط (قبر کی جنگ) آیا تھا۔ پھر اللہ نے اُس کو اٹھا دیا۔ یہ ابتلا تھی۔

فتنہ قبر

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّكُمْ تُبْتَلَوْنَ فِي قُبُورِكُمْ بِشَيْءٍ تَمَيِّسُ قُبُورُكُمْ فِيهِ اَزْمَايَا جَائِغَا۔ فرمایا قبر کی آزمائش اتنی بڑی ہوگی جیسے کَفْتَنَةُ الدَّجَالِ جیسے دجال کا فتنہ ہے تخلیق آدم سے لے کر صور اہل قبل تک اتنا بڑا فتنہ نہیں ہوگا جتنا دجال کا فتنہ ہوگا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے اَعُوذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ یعنی عذاب قبر کے اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہو۔ آپ نے یہ دعا بھی سکھائی ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ مَسِيحِ الدَّجَالِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ الْمَائِمْ وَالْمَغْرَمِ۔ غرضیکہ صحیح عقیدے والے لوگ اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اور صحیح جواب دیتے ہیں۔ اور غلط عقیدے والے لوگ صحیح جواب نہ



دے کر ناکام ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لیے اگلی منزل مزید دشوار ہو جاتی ہے  
بہر حال عذابِ قبر برحق ہے مگر اس کی کیفیت کو اس دنیا میں کوئی نہیں  
جان سکتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وہ آنکھ نہیں جو ان حالات کو دیکھ سکے  
کیونکہ یہ عالم ملکوت سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔ یہ چیزیں اس وقت  
سمجھ میں آئیں گی۔ جب خود وہاں انسان پہنچیں گے۔

انگہزوں اور بعض دوسرے محققین نے قبر کی کیفیت معلوم کرنے  
کی بڑی کوشش کی ہے مگر انہیں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پارہ  
ایک نہایت ہی حساس چیز ہے۔ مقررہ میٹریں پارہ ہی ہوتا ہے جو ذرا ہی  
حرارت پر اوپر کو چڑھنے لگتا ہے، بعض پرانے زمانے کے منکمرین نے  
تازہ مردے کی آنکھوں میں پارہ ڈال کر دفن کیا اور پھر دوسرے یا تیسرے  
دن اکھاڑ کر دیکھا تو پارہ اسی طرح موجود تھا، اس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں  
تھا۔ اس سے انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں مردے کے ساتھ  
کوئی معاملہ پیش نہیں آتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کسی کو کوئی مار  
نہیں پڑتی، وہاں کوئی سانپ بچھو وغیرہ مشاہدہ میں نہیں آئے۔ وہاں  
کسی کی پسیوں کو آپس میں گڈمڈ نہیں دیکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ان آنکھوں  
سے وہاں کی دنیا کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ اس کا حال  
قبر میں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔

روح اور جسم  
کا تعلق

بعض گمراہ فرقے کہتے ہیں کہ قبر میں روح اور جسم کا کوئی تعلق باقی  
نہیں رہتا، حالانکہ تمام محدثین، متکلمین اور مفسرین اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ  
قبر میں عذاب یا راحت روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے جب تک  
جسم سلامت رہتا ہے، روح کا تعلق اس سے قائم رہتا ہے اور  
تکلیف و آرام کا احساس دونوں کو ہوتا ہے جسم کے گل سٹر جانے کے  
بعد بھی حضور علیہ السلام کا صحیح حدیث میں فرمان موجود ہے کہ انسانی جسم کی

دمحی کی ہڈی کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور پھر مرنے والے کو عذاب یا راحت کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ اور بعض دوسرے بزرگ عالمی کا قول ہے کہ روح کا تعلق انسان کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسم مادی روح ہوتی ہے یہ جسم سے لطیف اور روح سے کثیف ہوتا ہے۔ جسم سماوی روح کی سواری ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر ایک خول اور اندر جسم ہے۔ جب موت واقع ہوتی ہے تو جسم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ جسم سے روح کبھی جدا نہیں ہوتی وہ ایک لحاظ سے مادی چیز بھی ہے کیونکہ جسم مادی عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور روح عالم بالا سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ تاہم فقہاء اور محدثین کہتے ہیں کہ جسم خواہ سارا فنا ہو جائے مگر اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اور انسان کو جزا و سزا کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

عذاب قبر کا انکار کرنے والے محض لہ و غیرہ اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں موجودہ زمانے کے نیچری بھی اسی قماش سے ہیں اور بنی بھی چیزوں کا انکار کرتے ہیں مگر جیسا کہ عرض کیا اس جہاں کی کینیت کو اس دنیا کی زندگی میں معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسئلہ پر علمائے کرام نے بڑا کلام کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام شاہ ولی اللہؒ نے اس پر بڑی بحث کی ہے۔

بہر حال ثابت قدمی سے مراد قبر میں ثابت قدمی ہے، اور قبر کا جہان برزخ میں داخل ہے۔ علین اور قبر دونوں برزخ کا حصہ ہیں قبر میں روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک قبر میں جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا ہے۔ محقق امام ابن صہامؒ نے شرح



ہدایہ میں لکھا ہے کہ شفاعت اور عذابِ قبر کا منکر گمراہ ہے، اور اس کے نتیجے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ظالموں کی  
گمراہی

فرمایا پختہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پختہ بات یعنی کلمہ ایمان اور توحید کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت یعنی برزخ میں بھی اس کے بعد جب حشر کا موقع آئے گا تو فرمایا وَ يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ لفظ خود بتلا رہا ہے کہ جو شخص ظلم پر مصر ہوتا ہے شرکیہ رسوم کو ترک نہیں کرتا، کسی کے سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا، ایسے لوگوں کو اللہ گمراہ ہی میں ہی مبتلا رکھتا ہے۔ راہِ راست اس شخص کو میسر آئے گا جو کفر، شرک، نفاق اور معاصی کو ترک کرے گا۔ ایسے شخص ہدایت کے طالب ہوتے ہیں وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَ أَنتَهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمد) ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ سورۃ لقمان میں ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک اس سے بڑا ظلم ہے تو اس قسم کے لوگوں کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ گمراہ ہی رہیں گے۔

فرمایا وَ يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا ہر کام اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ حکیم ہے، اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی میں رکھے۔ اور پھر اس کے نتیجے میں جس کو چاہے راحت دے اور جس کو چاہے سزا میں مبتلا کر دے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا  
وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ (۲۸) جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا  
وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۖ (۲۹) وَجَعَلُوا لِلَّهِ انْدَادًا لِيُضِلُّوا  
عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى  
النَّارِ ۖ (۳۰) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا  
الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً  
مِمَّنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ  
وَلَا خِلَالٍ ۖ (۳۱)

ترجمہ :- کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف  
جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر کے ساتھ ، اور  
اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (۲۸) جہنم میں ، جس میں داخل  
ہوں گے وہ ، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (۲۹) اور پھر  
انہوں نے اللہ کے لیے شریک تاکہ گمراہ کریں وہ اُس  
کے راستے سے ۔ (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ فائدہ اٹھا لو  
پس بیشک تمہارا ٹوٹنا دوزخ کی طرف ہے (۳۰) (اے  
پیغمبر) آپ کہہ دیجئے میرے بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ  
قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس میں سے جو ہم نے اُن کو  
رزق دیا ہے ، پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر پہلے اس





اس سوال کے جواب میں کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے قریش مکہ مراد ہیں۔ جو قرآن پاک کے اولین مخاطبین ہیں۔ یہی لوگ قرآن پاک کی مخالفت اور کفر و شرک کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ پھر ان کے بعد سارے عرب تھے جو کفر و شرک کے پروگرام کو ہی غالب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی اس سے قریش مکہ ہی مراد لیے ہیں۔

الغائب  
اللی

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں اگلی آیت میں آ رہا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی انہیں شمار کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ ہر ایک کی تفصیل معلوم ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نعمت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور جس کی لوگوں نے قدر نہیں کی۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس نعمت سے اللہ کا عظیم المرتبت رسول مراد ہے۔ اس کا ذکر اگلی سورۃ میں آئے گا وہاں نعمت کے ساتھ رسول کی تصریح موجود ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے مگر قریش مکہ نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اللہ کی ایک اور بڑی نعمت یہ تھی کہ اُس نے قریش مکہ کو خانہ کعبہ اور حرم کا متولی بنایا۔ سورۃ قریش میں اس کی تصریح موجود ہے "لَیْلَتِ قُرَیْشٍ" اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پورے عرب میں اُن کی عزت و وقار کی وجہ سے مانوس کر دیا تھا۔ لوگ ان کی عزت و احترام کرتے تھے، چنانچہ موسمِ گرمیاں سرما میں جب بھی قریش تجارتی سفر پر جاتے تھے تو لوگ ان سے مانوس تھے۔ اللہ نے انہیں یہ عزت بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کی بنا پر ہی عطا کی تھی۔ اسی لیے اللہ نے اُن کو حکم دیا تھا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ



هَذَا الْبَيْتِ اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس کی وجہ سے اُس نے تمہیں عزت بخشی ہے۔ بہر حال یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت تھی مگر قریش نے اس کی بھی قدر نہ کی۔ انہوں نے کفر اور شرک کا راستہ اختیار کیا جو کہ حدیجہ کی نمک حرامی اور ناشکری تھی۔ امام جعفر صادقؑ کے قول سے ملتا ہے کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو ہر مومن اور کافر کو میسر ہیں مگر اہل ایمان کے حق میں اللہ کی دو عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک اللہ کا قرآن ہے اور دوسری علیہ السلام کا وجود مبارک ہے۔ قریش نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔

حضرت علیؑ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت سے مراد ایمان اور توحید لیا ہے مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی جہنم میں گئے اور دوسروں کو بھی وہیں اتارا۔ شیخ ابن عربیؒ صاحب فتوحات مکیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس نعمت سے مراد وہ صلاحیت بھی ہو سکتی ہے جو اللہ نے ہر فرد بشر کو عطا کی ہے۔ ”فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا“ یہ اللہ کی فطرت سلیمہ ہے جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُودٍ يُفُودٌ عَلَى الْفِطْرَةِ مَرْجُومٌ فِطْرَتِ سَلِيمٍ یہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا بڑا انعام ہے مگر دنیا میں آکر لوگ اس فطرت کو خراب کر لیتے ہیں اور اس نعمت کی ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ایسا انعام ہے جو ہر انسان کو بلا استثناء حاصل ہے اِنَّ الْاِمَانَةَ نَزَّلْتُ فِيْ جَنْدِ قُلُوْبِ الْوَحَاِلِ خدا تعالیٰ نے یہ صلاحیت ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے۔ اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرے تو ایمان پر قائم رہ سکتا ہے اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے اکثر لوگ اس صلاحیت کو خراب کر لیتے ہیں ہیں اور پھر کوئی یہودیت کی طرف چلا جاتا ہے، کوئی نصرانیت کی

طرف، کوئی کافر بن جاتا ہے اور کوئی مشرک، اس صلاحیت کو بگاڑنے کی وجہ سے انسان جہنم کا شکار بنتے ہیں۔ بہر حال یہ شکوہ ہے کہ دیکھو! اللہ نے انسانوں کو کسی کی نعمتیں عطا کیں۔ انسان کا اپنا وجود بہت بڑی نعمت ہے اور اسکو تمام مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی ترقی کے تمام اسباب بھی میلائے مگر انہوں نے کچھ قدر نہ کی۔

قوم کی  
جہنم  
رہیگی

فرمایا، اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا وَاحْكُوا قَوْمَهُمْ كَارِ الْبَوَارِ اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھبر یعنی جہنم میں اتار دیا جَهَنَّمَ يَصْطَلُونَ یہاں جہنم ہی تو ہے جس میں داخل ہوں گے کفر و شرک کے نتیجے میں خود بھی جہنم رسید ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں ابو جہل اور ابولہب نے قوم کو کس طرح ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ بڑے مقام پر ان کے ساتھ کیا ہوا۔ بڑے بڑے آئمۃ الکفر اپنی قوم سمیت جہنم رسید ہوئے۔ احد اور دوسرے مقامات پر جتنے کافر مرے، سب جہنم میں گئے۔ ان کے لیڈر تو اپنے وقار کے لیے مخالفت کرتے تھے مگر ان کے پیروکار جو بلا سوچے سمجھے ان کی اتباع کرتے رہے وہ بھی ان کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچے۔ موجودہ دور میں غیر ملکی مشنریاں بھی یہی کام انجام دے رہی ہیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا آغاخان سب مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے جانا چاہتے ہیں وَيَسْخَرُونَ الْقُرْآنَ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، وہاں پہنچ کر کسی کو چین حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہاں تو ہر آن دکھ ہی دکھ ہوں گے۔

شرک ذریعہ  
گمراہی ہے

فرمایا وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے



یہ شرکِ مذہبِ مقابل کو کہتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا کوئی مد مقابل نہیں  
 نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ مگر انہوں نے انانوں  
 اور جنوں کو خدا کا شرک بنا دیا، کسی نے شجر و حجر کی پوجا شروع کر دی اور  
 کسی نے ستاروں اور سیاروں میں کرمہ مان لیا۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں  
 اور اس کا مقصد یہ ہے **لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهِ** تاکہ لوگوں کو  
 اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے  
**”فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“** اللہ کے مقابل  
 نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ نے ان کی اس قباحت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا **قُلْ اے**  
**پیغمبر! آپ کہہ دیں تَمَتُّعُوْا مِنْ اٰثَرِ الْوَحْيِ** چند دن تک اس زندگی میں فائدہ  
 اٹھا لو فإن مصیروکم الی النار کیونکہ بالآخر تمہارا لوٹنا  
 دوزخ ہی کی طرف ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ڈاکٹر مرین  
 سے کہے کہ تو بد پرہیزی کر لے۔ تیری موت آنے ہی والی ہے۔ اللہ  
 نے فرمایا کہ تم دنیا میں عیش و آرام کر لو، کفر، شرک اور ناشکری کا ارتکاب  
 کر لو، تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو، اسی سورۃ کے دو سکر رکوع میں  
 گزر چکا ہے **”وَلٰكِنْ كَفَرْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“** عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ اگر  
 تم نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا تو اس کا عذاب بھی بڑا  
 سخت ہے۔ یہ چند دن کی مہلت ہے اس سے فائدہ اٹھا لو، پھر  
 تمہیں عذاب الہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اہمال  
 و تدزیج ہے کہ وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ سورۃ اعراف میں اس کا فرمان  
 ہے **”وَاْمْلِيْ لَهُمْ عُمْرًا مَّتًّا“** کیڑی مدتیں میں ایسے  
 لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہوں۔ میری گرفت بڑی مضبوط ہے جب  
 چاہتا ہوں، ان کو پکڑ لیتا ہوں۔ مہلت دینا خدا تعالیٰ کی مصلحت ہے

وگرنہ وہ فوراً گرفت کرنے پر بھی قادر ہے۔

کفار و مشرکین کے لیے تہمید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ترغیب کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں لِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے۔ میرے وہ بندے جنہوں نے اللہ کی عبادت کو تسلیم کیا، کتاب الہی، قیامت اور رسالت کی گواہی دی، فرمایا میرے ان بندوں سے کہہ دو، کہ تمہارے ایمان کے کچھ تعلقے بھی ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ ان تقاضوں کی تکمیل سے ہی تمہیں مکمل فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے دو چیزوں کا اللہ نے بطور خاص ذکر کیا ہے یَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ پہلی بات یہ ہے کہ نماز کو قائم رکھیں۔ نماز ایک بہت بڑی چیز ہے وَلَا تَمْنٰہَا کِبٰیۃً اِلَّا عَلٰی الْخٰشِعِیْنَ (البقرہ) یہ منافق صفت لوگوں پر بڑھی بوجھل ہوتی ہے، البتہ خشوع کرنے والے لوگوں پر آسان ہوتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ یہ انسان کی طرف سے اپنے پروردگار کی وفاداری اور غلامی کا ثبوت ہے اَمَّا الْعِبَادَاتِ الْمُقَرَّبَۃُ خَدًا کا قرب دلانے والی عبادتوں کی یہ جڑ اور بنیاد ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم رکھنے والی عبادت ہے۔ اسی لیے اللہ نے اسے ہر باغ مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں حضور کا فرمان صَلِّ قَابِلاً مَّا نَظَرْتَ ہو کر پڑھو فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَمِنْ اَعْدَا اِگہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی استطاعت نہیں۔ تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتے تو لیٹ کر پڑھو مگر چھوڑنا نہیں کیونکہ یہ تعلق باللہ کی درستگی کا ذریعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو مراسلہ بھیجا تھا جس میں یہ بھی لکھا کہ جس نے نماز



کی حفاظت کی اس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو برباد کیا، اس نے ساری چیزوں کو برباد کیا۔ نماز وہی مقبول بارگاہ ہوگی جو سمجھ کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے، وگرنہ اللہ کی وعید یہ بھی ہے "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ" (الماعون) ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جنہیں اس کی حقیقت کا ہی علم نہیں اور جو ریاکاری کی خاطر نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا نماز کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے کہ یہ کیا چیز ہے اور کیوں ضروری ہے۔

الفاقد فی سبیل اللہ

فرمایا میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ نماز ادا کریں وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر خرچ کریں اور ظاہری طور پر بھی۔ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ روزی ہماری عطا کردہ ہے، تم گھر سے نہیں لائے، ہم نے وسائل مہیا کیے اور پھر تمہیں ان اشیاء کا مجازی طور پر مالک بنایا کہ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو۔ ہم نے سارے مال کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ اس کا کچھ حصہ ہماری راہ میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ ہے تو چالیسواں حصہ دو، عشر ہے تو دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرو۔ پھر صدقہ فطر ادا کرو، قربانی دو، خولیش واقارب کا حق ادا کرو، غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات پوری کرو۔ سورۃ محمد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا سارا مال طلب نہیں کرتا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا، تو اسے حق حاصل تھا مگر تم نخل میں مبتلا ہو جاتے اور پھر تباہی بربادی آتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد مال کا کچھ حصہ نکلنے کا حکم دیا ہے، اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو فضیلت حاصل ہوگی۔ فرض سے اس کے دوشی ہوگی اور اگر روک رکھو گے تو تمہارے لیے شر کا باعث ہوگا۔ فرض واجب اور سنت ادا نہیں کیا تو پکڑے



جاؤ گے اور اگر مستحب سے محروم ہے تو فضیلت سے محرومی ہوگی۔  
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کل مال کا چوتھا حصہ خرچ کرنے کا  
 حکم دیا تھا، جب کہ ہماری امت کے لیے چالیسواں، بیسواں اور دسواں  
 حصہ مقرر فرمایا۔ البتہ کانوں کی پیداوار میں سے پانچواں حصہ خرچ کرنا ضروری  
 ہے۔ اگر انسان بخل کا مظاہرہ کرے گا تو اس کے لیے وبال جان ہوگا۔ نماز  
 تعلق باللہ کی درستی کا ذریعہ ہے جب کہ اتفاق فی سبیل اللہ مخلوق کے  
 ساتھ تعلق کی درستی کا پیش خیمہ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے  
 ہیں کہ زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے بخل کا مادہ نکل جاتا ہے  
 اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات فروغ  
 پاتے ہیں فرمایا میرے ایمان دار بندوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ  
 نماز قائم کریں اور ہمارے لیے ہوئے مال میں سے ہمارے راستے  
 میں خرچ کریں۔

بہر محل امد  
 بروقت  
 خرچ

الفاق فی سبیل اللہ کے مختلف محلات اور مختلف اوقات  
 ہیں۔ بعض اوقات ظاہری خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرے  
 کو ترغیب دلانا مقصود ہو۔ اور جب رضا الہی اور فضیلت مقصود  
 ہو تو پوشیدہ طور پر خرچ کرنا افضل ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے  
 "اِنْ تَبْدُوْا الصَّدَقٰتِ فَنَنْعِمَ مَا هِيَ اَكْمَرُ ظَاہِرٌ مِّنْ ذٰلِكَ خَيْرٌ  
 لَّوْیَ اَحْسٰی بَاتٍ" وَاِنْ تَخْفَوْهَا وَتَوَلَّوْهَا الْفَقْرَآءُ  
 فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر پوشیدہ طور پر محتاجوں کو دو گے تو  
 یہ مزید بہتر ہوگا۔ ریاکاری سے بچ جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کے ہاں مقبولیت  
 بھی زیادہ ہوگی۔

فرمایا ہمارے لیے ہوئے رزق سے خرچ کریں میں سبیل  
 اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَا یَبِیْعُ فِیْہِ قَبْلُ اس کے کہ وہ دن



آجائے جس میں کوئی سوداگری نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں انسان کا روبرو کرتا ہے اور تجارت کرتا ہے تاکہ فائدہ اٹھا سکے۔ مگر قیامت کا دن ایک ایسا دن ہوگا جس میں اس قسم کی کوئی سودے بازی نہیں ہو سکے گی۔ اگر کوئی چاہے کہ وہاں جا کر اس دنیا کی فوت شدہ نمازیں خریدے، روزوں کی تجارت کر لے یا کوئی دیگر نیکی خرید لے تو ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ جو کچھ کھانا اور خریدنا ہے، وہ اسی دنیا میں ممکن ہے۔ بیس کی کمائی ہوئی نیکی وہاں کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اُس دن سے پہلے خرچ کر لو جس دن کوئی خریدا و فروخت نہیں ہوگی۔

وَلَا يَخْلُقُ اور نہ ہی اُس دن کوئی دوستی کام آئے گی۔ اس دنیا میں بعض کام دوستی کی بندہ پر بھی حل ہو جاتے ہیں۔ سفارش کام آجاتی ہے کہیں حجتہ کام نکالتا ہے، دوست دوست کی مدد کرتا ہے مگر قیامت کے دن یہ بھی ناممکن ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کی خود جوابدہی کرنا ہوگی سورۃ الرحمۃ میں ہے اَلَا خَلَقْنَاكَ يَوْمَ يَوْمَ يَكْفُؤُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ لَبَعْظٌ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ آج کے دوست وہاں دشمن بن جائیں گے البتہ وہ متقی لوگ جن کی دوستی تقویٰ اور ایمان پر قائم تھی، وہ وہاں بھی قائم رہیں گی اور ان کی کوشش اور سفارش بھی وہاں کام آئے گی، وہ ایک دوسرے کی نجات کے لیے پوری کوشش کریں گے اس کے علاوہ دنیا کی تمام دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ لہذا اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ وہ دو باتوں میں ایمان کے تقاضے ضرور پورے کریں ایک نماز قائم کریں اور دوسرا ہمارے عطا کردہ مال میں سے ہمارے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ چنانچہ جہاں پر اللہ نے جماعت المسلمین کا ذکر فرمایا ہے، وہاں ارشاد ہے "فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَالْحُوتُكُمْ فِي الدِّينِ (التوبة) اگر کافر،

مشترک، متفق، بے دین توبہ کر لیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ گویا نماز اور زکوٰۃ جماعتی نشانی ہے جو یہ کام کرتا ہے، وہ ہماری جماعت کا آدمی ہے اور جو نہیں کرتا وہ جماعت المسلمین کا ممبر نہیں ہے۔ یہی جماعتی خصوصیت اور یہی مسلمان کی پہچان ہے۔ ایک بدنی عبادت ہے اور دوسری مالی۔ اللہ نے ان دونوں کا ہیاں بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔



وما آبرئى ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس دوازدهم ۱۲

آیت ۳۲ تا ۳۴

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ  
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ  
رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي  
الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ③۲ وَسَخَّرَ  
لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ  
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ③۳ وَاتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ  
وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ  
لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ③۴

ترجمہ اللہ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو  
اور اتارا ہے آسمان کی طرف سے پانی ۔ پس نکالا ہے اس  
کے لیے پھلوں سے رزق تمہارے لیے ۔ اور اُس نے مسخر  
کیا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو تاکہ چلیں وہ دریا میں اُس  
کے حکم سے ۔ اور مسخر کیا ہے تمہارے لیے نہروں کو ③۲  
اور مسخر کیا ہے اُس نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو  
جو مسلسل چلتے ہیں ۔ اور اُس نے مسخر کیا ہے تمہارے لیے  
رات اور دن کو ③۳ اور دی ہیں اُس نے تمہیں تمام اُن  
چیزوں میں سے جو تم نے اُس سے مانگی ہیں ۔ اور اگر تم  
شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو، تو اس کو پورے طریقے سے

شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت بے انصافی کرنے والا اور ناشکر گزار ہے (۳۴)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات اور کفر و شرک کا رد فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں کلمہ توحید کی مثال پاکیزہ درخت کے ساتھ اور کلمہ کفر و شرک کی مثال ایک گندے درخت کے ساتھ بیان فرمائی فرمایا کہ دنیا و آخرت میں ایمان والوں کی ثابت قدمی کلمہ توحید کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ منکرین نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی جس کی وجہ سے خود بھی جہنم میں پہنچے اور دوسروں کو بھی ساتھ لے گئے۔ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ فرمایا، یہ لوگ چند دن تک فائدہ اٹھالیں، بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایمان کے تقاضے میں دو باتوں کو پورا کرتے رہیں۔ نماز ادا کریں اور اتفاق فی سبیل اللہ بھی کرتے رہیں تاکہ اپنے لیے اس دن سے پہلے کوئی سامان پیدا نہ کریں، جس دن نہ کوئی سوداگری ہوگی۔ اور نہ کوئی دوستی کام آئیگی۔ گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اشقیاء اور سعداء دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اشقیاء وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی نعمت کا انکار کرتے ہیں، اور سعداء وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی پہچان

اب اس درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ ان دلائل کو قرآن کے مختلف مقامات پر تکرار بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ باتیں لوگوں کے اذہان میں بیٹھ جائیں اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں جو شخص خدا تعالیٰ کو پہچان کر اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لگا، وہ سعداء میں شامل ہو کر فلاح پا جائے گا، ورنہ ناشکر گزاروں



کے ٹوٹے میں شامل ہو کر جنم کا شکار بنے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ نجران کے نصاریٰ کو سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا **وَإِذَا عَرَفْتُمُ اللَّهَ** اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے سے پہچان لیں تو پھر انہیں کہنا کہ اللہ نے دن میں پانچ نمازیں، ایک ماہ کے روزے اور اگر استطاعت ہو تو زکوٰۃ اور حج بھی فرض کیا ہے۔ دین اسلام میں خدا کی پہچان سب سے پہلا مرحلہ ہے جب تک صحیح پہچان نہیں ہوگی، انسان اپنے دل میں توحید کو جگہ نہیں دے سکے گا اور نہ ہی کوئی عبادت مقبول ہوگی۔ ”**مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ**“ انہوں نے خدا تعالیٰ کو کما حقہ پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچان صحیح ہو جاتی تو پھر نہ شرک میں مبتلا ہوتے اور نہ رسالت کا انکار کرتے۔

امام شاہ ولیؒ فرماتے ہیں کہ حجابات میں سے تیسرا حجاب سو معرفت ہے۔ لوگوں کی اکثریت اسی حجاب میں مبتلا ہے، یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان نہیں ہوتی۔ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دے کر عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی صفات مخلوق میں مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ توحید کو وہی سمجھے گا۔ جسے اللہ کی صحیح پہچان ہوگی۔ جب توحید کو سمجھ لے گا تو فکر پاک ہو جائے گی اور اس کی عبادت بھی ٹھکانے لگے گی۔

اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کو اس کی ذات سے پہچاننا چاہے، تو یہ ممکن نہیں، کیونکہ وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں، اللہ تعالیٰ دراء الوداد ہے۔ اس کی صفات کو بھی انسان براہ راست نہیں پہچان سکتا۔ اس کی پہچان اس کی مخلوق پر غور کرنے سے ہوتی ہے جب اللہ کی صفت سمجھیں آجائے تو پھر انسان اللہ کی ذات کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔



آسمان  
زمین کی  
تخلیق

اپنی پہچان ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین۔ تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ آسمان اور زمین ہمیں نظر آتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔ آسمانی چیزوں سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اور زمین پر چلتے پھرتے اور اس سے ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔ ان کو پیدا کرنا خدا کا کام ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کو ابداع اور فاطر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جیسے فرمایا يَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ”یا فاطر السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ دونوں کا معنی ایک ہے کہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا فقط اللہ ہے۔ اللہ کی ان صفات میں ابداع یعنی ایجاد کرنا پہلے نمبر پر ہے اُس نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی مادے، آلے اور نمونے کے پیدا فرمایا پھر دوسری صفت خلق ہے۔ اُس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور جنات کو آگ کے مادے سے پیدا کیا۔ آگے تیسرے نمبر پر صفت تدبیر ہے۔ ”يُدِيرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ الْحَكِيمُ الْأَرْضَ“ (الہ سمجھ) عالم بالا سے لے کر عالم زیریں تک تمام چیزوں کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اللہ کی یہ تینوں صفات آگے پیچھے آتی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اسی حصہ آیت میں اپنی صفت ابداع کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے اس کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔

اللَّهُ تَعَالَى نے اپنی پہچان کی یہ دلیل بھی دی ہے وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اُس نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ سماء بلند کا اور فضا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں، ہوائیں انہیں فضا میں چلاتی ہیں اور بادلوں میں پانی کے قطرات

بارش اور  
اس کے  
فوائد



منجھند ہو کہ زمین پر برسنے لگتے ہیں۔ بارش کے پورے نظام میں محض بخارات سے اٹھنے والی مومن سون ہواؤں ہی کا دخل نہیں بلکہ اس میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہوتا ہے، تب جا کر بارش برستی ہے۔  
فرمایا، آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَخَرَجَ بِهِ مِنَ  
الطُّمُثَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ پھر اس پانی کے ذریعے پھل اگلے  
 جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی ہی کے ذریعے  
 زمین میں نشوونما پیدا کرتا ہے اور پھر اناج اور پھل پیدا ہوتے ہیں اللہ  
 تعالیٰ ہر موسم کے لیے حسب ضرورت مختلف رنگ، ذائقے اور تاثیر  
 کے پھل پیدا کرتا ہے۔ کسی پھل کی تاثیر سرد ہوتی ہے کسی کی گرم، کسی کی خشک  
 اور کسی کی مرطوب۔ انسانی غذا کے طور پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے  
 لوگ ہر موسم میں بے دریغ پھل استعمال کرتے ہیں مگر جیسا کہ آگے آ رہا ہے  
 اُس مالک ارض و سما کا حکم یہ ادا نہیں کرتے۔

دیگر انعامات  
 الہیہ

پانی کی اور بھی بہت سی حکمت بیان کی گئی ہے پھلی سورۃ میں گزر چکا  
 ہے کہ اللہ تعالیٰ پہاڑوں پر بارش برسا کر پانی کو ندی نالوں کی صورت میں بہاتا  
 ہے، جس سے دور دور تک آبپاشی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے  
 اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں کی غذائی ضرورت پوری کرتا ہے۔ اسی طرح  
 زمین بھی بڑی ضروری چیز ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسانوں اور حیوانوں کے  
 قدم کہاں ٹکیں، اُن کی خوراک کا انتظام کہاں سے ہو، معدنیات کہاں  
 سے حاصل ہوں۔ اسی طرح آسمان کے بغیر چاند، ستارے اور  
 سورج کہاں چلیں۔ ان سے روشنی اور حرارت کیسے حاصل ہو۔  
 اللہ نے انسان کی بنیادی ضروریات کو فری رکھا ہے۔ ذی روح مخلوق  
 کو سب سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جسے اللہ نے بالکل مفت  
 عطا کیا ہے۔ اس کے بعد انسانی ضروریات میں پانی کو سب سے



زیادہ اہمیت حاصل ہے اور وہ بھی اللہ نے دافر مقدار میں پیدا فرمایا ہے اس کے ذرائع میں بارش، ندی نالے اور کنوئیں وغیرہ ہیں جہاں سے یہ آب سانی دستیاب ہے اس کے بعد خوراک لازمی چیز ہے جس کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عام نعمتیں ہیں جو اس نے انسان پر کی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ پروردگار! تیری ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کون سی ہے، فرمایا، سانس لو۔ جب آپ نے سانس لیا تو اللہ نے فرمایا یہ میری ادنیٰ سی نعمت ہے جو مدار حیات ہے۔ ہر سانس کے ذریعے انسان کو خدا تعالیٰ کے دو انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ ہر چوبیس گھنٹے میں انسان چوبیس ہزار سانس لیتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ صرف سانس کے ذریعے انسان کو کتنے انعامات حاصل ہوتے ہیں مگر اس کے مقابلے میں انسان کی طرف سے شکر کی ادائیگی صفر کے برابر ہے۔

تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلُكَ اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا لتجری فی البحر بامرہ تاکہ وہ اٹھ کے حکم سے دریاؤں میں چلیں۔ پانی پر چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہازوں تک کا تیرنا اللہ تعالیٰ کے خاص قانون کے مطابق ہے۔ اگر قدرت کا یہ قانون موجود نہ ہوتا تو کوئی چیز پانی میں نہ تیر سکتی۔ آبی شاہراہوں کے ذریعے انسانوں کے علاوہ لاکھوں ٹن وزنی اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے مال بردار جہاز ایک ایک ماہ تک ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک محو سفر رہتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد کے ایک شخص نے اپنے سمندری سفر کا حال بیان کیا۔ کہنے لگا ہم کچھ تر ہزار ٹن لوہا بذریعہ بحری جہاز لے کر جا رہے تھے۔ خدا کی قدرت سمندر میں زبردست طوفان آیا جس میں جہاز

کشتیوں  
کی تسخیر



پھنس گیا اور اس کے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ بعض انگریز ملازمین نے شراب پی کر بندر میں چھلانگ لگا دی جب کہ میں نے ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے جان بچائی۔ جہاز ڈوب گیا، میں ہسپتال میں بیہوشی کی حالت میں پڑا رہا اور کئی روز بعد ہوش آیا۔ غرضیکہ پانی بڑی زبردست طاقت ہے مگر قانون خداوندی کے تحت اس پر جہاز اور کشتیاں تیرتی رہتی ہیں اور یہاں اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ڈوب بھی جاتی ہیں۔ فرمایا وَسَخَّرْنَاكُمْ إِلَّا نَهَارًا اور تمہارے لیے ندی، نالوں اور نہروں کو بھی مسخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ندی، نالوں کو زمین کے اندر چلاتا ہے جن سے وہ لوگ بھی استفادہ ہوتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے دلائل توحید میں سے ہے۔

تسخیر شمس و قمر

آگے فرمایا وَسَخَّرْنَاكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا دَائِبِينَ جو دستور کے مطابق چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو راستے مقرر کر دیے ہیں، ان پر بلا کم و کاست رواں دواں ہیں اور اس میں منہ کیسیکندہ تک کافرق بھی نہیں آتا۔ تسخیر کا ایک معنی تو کسی چیز کا کسی کے قابو میں آنا ہوتا ہے جیسے جانور نوکر غلام وغیرہ انسان کے قبضے میں ہوتے ہیں اور وہ ان سے حسبِ مناسبت کام لیتے ہیں مگر تسخیر کا دوسرا معنی فائدہ اٹھانا بھی ہے۔ شمس و قمر کی تسخیر کا یہی معنی ہے۔ اللہ نے انہیں انسان کے فائدے کے لیے کام پر لگا دیا ہے۔ سورج انسانوں کو روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے۔ جب کہ چاند کے ذریعے دسمی روشنی اور پھلوں میں رس پیدا ہوتا ہے اسی طرح ستارے، بیارے اور ہوائیں بھی انسان کی خدمت پر مامور ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے دَائِبِينَ کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ



ابن عباسؓ اور امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ان سیاروں کی دو حرکتیں ہیں۔ سورج کی یومیہ حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی ہے، اور پھر کچلی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے۔ شمس و قمر کسی مکان یا احاطہ میں جا کر چھپ نہیں جاتے بلکہ یہ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ ان کا طلوع و غروب باعتبار ایک افق کے ہوتا ہے، لیکن ان کی حرکت بند نہیں ہوتی۔ ان مختلف منزلوں کی تبدیلی سے موسم بدلتے ہیں اور یہ بھی انسانی ضرورت میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سارا سال ایک ہی موسم رہتا تو ایک ہی قسم کے اناج یا پھل پیدا ہوں گے جس سے انسانی زندگی پر بڑے اثرات مرتب ہوں گے۔

فرمایا وَ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور مسخر کیے تمہارے لیے رات اور دن۔ رات دن کی ادلا بدلی بھی انسانی صحت کے لیے نہایت ضروری ہے دن لوگوں کو کام کاج فراہم کرتا ہے جب کہ رات کو سکون حاصل ہوتا ہے اور پھر انسان تازہ دم ہو کر اگلے دن دوبارہ کام میں لگ جاتا ہے غرضیکہ اللہ نے رات اور دن کو بھی انسانی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نعمتوں کا ذکر کر کے اپنی پہچان کی دلیل قائم کی ہے۔

پھر اللہ نے بطور قانون فرمایا وَ اتَّكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ اور دیا تم کو جو کچھ تم نے مانگا۔ انسان کی طلب کبھی زبانِ قال سے ہوتی ہے کہ انسان زبان سے بول کر کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے، اور کبھی یہ طلب زبانِ حال سے ہوتی ہے۔ یعنی انسان کی حالت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بغیر مانگے ہی عطا کر دیتا ہے۔ یہ عطا کرنے کا قانون اللہ نے بیان کر دیا ہے اس مقام پر مَن تَبِعَ ضِيَائِي یعنی تم نے جو کچھ مانگا، وہ سارا نہیں بلکہ اس

مطلوبہ  
نعمت  
کی عطا کی



میں سے کچھ دے دیا۔ دُعا کے بارے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا، اس کی عبادت کے مترادف ہے، اس سے مانگنا چاہیے وہ کسی کی دُعا رد نہیں کرتا۔ البتہ یہ ہے کہ انسان کی مصلحت کے مطابق کبھی مطلوبہ چیز فوراً عطا کر دیتا ہے۔ اور اگر مصلحت میں مفید نہیں ہوتی تو اس کے بدلے میں کوئی مصیبت طال دیتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو دُعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا لیتا ہے۔ وہ اس مانگنے والے کے لیے آخرت میں مفید ہوگی۔ چونکہ انسان کا علم محدود ہے اس لیے بعض اوقات وہ ایسی چیز طلب کر لیتا ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز مفید اور کون سی مضر ہے لہذا وہ اس کے مطابق ہی عطا کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے **وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا** اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ ہر نعمت مخلوق ہے اور ہر مخلوق محدود ہوتی ہے جو کہ شمار کی جاسکتی ہے، مگر اللہ نے فرمایا کہ میری نعمتیں شمار نہیں کی جاسکتیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا باعتبار انسان کے ہے کیونکہ اوجہ ضعف وہ ان نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سورۃ النازعات میں موجود ہے **وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا** انسان کو باطبع کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا محدود چیزوں پر حاوی ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ جب شمار نہیں کر سکتے تو حق لشکر یہ کیسے ادا ہو سکتا ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے تین دفتر پیش ہوں گے، ایک میں نیکیاں، دوسرے میں گناہ اور تیسرے میں نعمتیں درج ہوں گی۔ پھر نعمتوں میں سے ایک نعمت کھڑی ہو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گی، پروردگار! مجھے اس شخص کی نیکیوں میں سے بدلہ دیا جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیوں میں

نعمت شمار  
ہر نعمت  
قدرت



سے اپنا حق وصول کر لو۔ جب وہ ایک نعمت اپنا حق لینا شروع کرے گی تو اس آدمی کی تمام نیکیاں ختم ہو کر صرف گناہ باقی رہ جائیں گے۔ وہ نیکی پھر عرض کرے گی وَعِزَّتِكَ مَا اسْتَوْفَيْتُ تیری عزت کی قسم مجھے پورا حق ابھی تک نہیں ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں فرمانا چاہے گا تو کہے گا کہ اے بندے! تیری نیکیاں تو ایک نعمت ہی کھا گئی، اب تیرے پاس کچھ نہیں بچا۔ جب ایک نعمت کا پورا حق ادا نہیں ہو سکا تو باقیوں کا کیسے ہو گا۔ اور اگر اللہ اس شخص پر رحم کرنا چاہے گا تو کہے گا، جاؤ! ہم نے تمہاری نیکیاں دگنی چوگنی کر دی ہیں اور تمہاری غلطیاں معاف کر دیں وہ شخص بچ جائے گا۔ بصورتِ دیگر اُسے ایک نعمت ہی پکڑ کر بیٹھ جائے گی اور وہ شخص جان نہیں چھڑا سکے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس قدر زیادہ ہیں مگر انسان اس کی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ انسان کے منہ میں جانے والے ایک لقمہ میں اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات پوشیدہ ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر محنت کروا کے اور بارش کا انتظام کر کے گندم کو کس طرح پیدا کیا۔ پھر اس کے آٹا بننے تک اُسے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔ گندم کے اگنے، پکنے، برداشت کرنے، پیسنے اور روٹی پکنے تک کتنے ہاتھوں اور مشینوں نے کام کیا، تب جا کر انسان کو ایک لقمہ نصیب ہوا۔ اگر کسی کل کا ایک پرزہ بھی خراب ہو جائے تو سارا کام اڑھورا رہ جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے گندم کے دانے کو تمام مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد انسان کے منہ تک ایک لقمہ پہنچایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں جو واقعی شمار سے باہر ہیں۔ یہ تو ایک لقمے جیسی نعمت کی بات ہے، اس کے علاوہ انسان کو لاکھوں کروڑوں نعمتیں میسر ہیں



جن کو نہ شمار کر سکتا ہے اور نہ اُن کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔

فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ بیشک انسان البتہ بہت ہی بے انصاف اور ناشکر گزار ہے۔ شب و روز خدا متعلقہ کے انعامات میں غرق ہے مگر اُس مالک کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں فرمایا قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ”میرے شکر گزار بندے بھٹورے ہیں۔ جب کہ ناشکر گزار بہت زیادہ ہیں۔“

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کہائی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے یہ تمام نعمتیں مہیا کی ہیں۔ اگر انسان ان میں غور فکر کرے تو اسے معرفت الہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان تمام نعمتوں کو دیا کرنے والا صرف اور صرف اللہ و وحدہ لا شریک ہے جب یہ بات سمجھ میں آجائے تو توحید کا مسئلہ خود بخود سمجھ میں آ جاتا ہے یہ تو اللہ نے عام نعمتوں کا ذکر کیا ہے، آگے خصوصی نعمتوں کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

وما آبرئ ۱۳

درس سیزدهم ۱۳

ابراہیم ۱۴

آیت ۳۵ تا ۳۷

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا  
 وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ③۵  
 رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ  
 فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ  
 فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ③۶ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ  
 مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ  
 الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ  
 أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ  
 وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ③۷

ترجمہ :- اور (اس بات کا خیال کرو) جب کہ کہا ابراہیم  
 علیہ السلام نے اے پروردگار! بتا دے اس شہر کو امن والا ،  
 اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم  
 بتوں کی عبادت کریں ③۵ اے پروردگار! بیشک انہوں نے  
 گمراہ کیا ہے بہت سے لوگوں کو۔ پس جس نے میری پیروی  
 کی بیشک وہ مجھ سے ہے ، اور جس نے میری نافرمانی کی ،  
 پس بیشک تو بخشش کرنے والا مہربان ہے ③۶ اے  
 ہمارے پروردگار! بیشک میں نے بایا ہے اپنی اولاد میں



سے ایسی وادی میں جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے تیرے  
محترم گھر کے پاس۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز  
قائم کریں۔ پس بنائے لوگوں کے دلوں کو کہ مائل  
ہوں ان کی طرف، اور روزی دے ان کو پھلوں سے  
شاید یہ شکر ادا کریں (۳۷)

رابطہ آیات

پیلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عام نعمتوں کا ذکر تھا جن میں سے  
ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ اب اللہ نے خاص نعمتوں  
کا ذکر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں قریش مکہ کو یہ بات سمجھاٹی ہے کہ تم ابراہیم  
علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور جدا مجد مانتے ہو۔ انہوں نے جس خانہ کعبہ کی تعمیر کی  
تھی اس کی بنیاد توحید پر تھی مگر تم کفر اور شرک میں کیسے مبتلا ہو گئے ہو۔ پھر  
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کا ذکر کیا ہے جن سے کفر و  
شرک سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی وجہ سے  
سرزمین مکہ پر جو خصوصی انعامات فرمائے تھے، ان کا ذکر بھی کیا ہے۔  
توحید کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کو تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ  
کی وحدانیت کو اختیار کریں اور خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔

شہر امن

ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ اٰسْ وَت کو دھیان میں  
لاؤ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا  
اے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنائے۔ شہر سے مراد شہر مکہ ہے جسے ابراہیم  
علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے آباد کیا تھا۔ دراصل آپ نے خانہ کعبہ کی عمارت  
از سر نو تعمیر کی اور پھر اپنی بیوی ہاجرہ اور بچے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑ گئے  
اس وقت یہ ایک بے آب و گیاہ وادی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ اس  
جگہ پر عظیم الشان اور فضیلت والا شہر آباد ہوگا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس  
شہر کے مامون ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا جس کا ذکر

قرآن پاک میں دو سکر مقامات پر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر احسان  
 جتلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ارد گرد امن و امان نام کی کوئی چیز نہ تھی۔  
 يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ لوگوں کو اچپک لیا جاتا، سوائے  
 حرمت والے مہینوں کے کوئی آدمی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ سال کے آٹھ  
 مہینے تک لوگ افراتفری کے عالم میں گزارتے، پھر باقی چار ماہ میں تجارت  
 وغیرہ اور دوسرے سفر کرتے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ حرم مکہ کو  
 بالکل پر امن بنا دیا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے  
 شہر مکہ کو امن والا شہر بنا دیا۔ اس کا ذکر سورۃ التین میں آتا ہے اللہ تعالیٰ  
 نے جن چار چیزوں کی قسم اٹھائی ہے ان میں ”هَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“  
 یہ امن والا شہر بھی شامل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کو مامون بنانے کی دعا کی اور شرک  
 سے پناہ بھی مانگی۔ وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ اے پروردگار  
 مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے دور رکھ۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے  
 کہ اللہ کے نبی تو کفر و شرک بلکہ ہر گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہیں ہوتے  
 تو اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے بت پرستی میں ملوث نہ  
 ہونے کی دعا کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے  
 انبیاء جس قدر بلند مرتبت ہوتے ہیں اسی قدر وہ اللہ سے زیادہ ڈرنے  
 والے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر وہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے ہمیشہ عاجز  
 اور انکاری کا اظہار کرتے رہتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اللہ کے  
 حضور نیاز مندی کی ایک علامت ہے۔

شرک سے  
 بیزاری

امام رازی فرماتے ہیں کہ بت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جو بت کسی  
 خاص شکل و صورت پر بنایا گیا ہو اُسے صنم کہتے ہیں اور جو بغیر شکل کے ان گھڑا



ہو۔ وہ وثن کہلاتا ہے۔ عربوں میں بھی دو قسم کے بت پائے جاتے تھے۔ جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں صلیب کو بھی وثن کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب عدی بن حاتم طائی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گلے میں صلیب لٹکا رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اَلْقِ هَذَا الْوَثْنَ اِسْ بَت کو اتار پھینکو۔ غرضیکہ صنم یا وثن وہ بت ہوتا ہے جس کے متعلق زعم ہو کہ یہ نفع نقصان کا مالک ہے یا کسی کی حاجت برائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے۔ اس قسم کے بت خانہ کعبہ میں اور اس کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے، صفا اور مروہ پہاڑیوں پر بھی بت موجود تھے اور مکے کے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو اصنام سے پاک رکھا جائے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دعائے ابراہیم میں مِنْ ذُرِّيَّتِي کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا پوری نسل ابراہیمی کے لیے نہیں تھی بلکہ اس میں سے بعض کے لیے تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابو جہل وغیرہ آپ کی نسل میں آپ کی اولاد ہونے کے باوجود شرک پر اٹھے۔ اور اسی پر ان کی موت آئی۔ البتہ آپ کی صلیبی اولاد یعنی آپ کے براہ راست بیٹے مکمل طور پر شرک سے مبرا ہے۔ دعا کی قبولیت کا یہی مطلب ہے۔

گمراہی اور  
معافی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی کارگزاری کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مزید عرض کیا رَبِّ اَنْهِنِ اَصْلٰلَنْ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے یہاں پر پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بت تو پتھر اور مٹی کے بے جان بت ہوتے ہیں، وہ کسی کو گمراہ کیسے کر سکتے ہیں؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ خود تو گمراہ نہیں کر سکتے، البتہ تَسْبِيْبُنَ الْاَصْلٰلِ گمراہی کا سبب



ضرور بنتے ہیں۔ انہی بتوں کی پوجا کر کے لوگ گمراہی کے گڑھے میں گرے  
لہذا اسے بتوں کی گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگے یہ بھی عرض کیا، پروردگار !  
فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّهُ كُفْرًا ۚ أَفَلَا يَفْقَهُ  
یعنی میری جماعت کا آدمی ہے۔ اور جو آپ کے گروہ میں شامل ہو گیا، وہ  
حنیف ہو گیا اور اُس نے اللہ کی توحید کو تسلیم کر لیا۔ ایسا شخص کفر اور شرک  
سے بیزار ہو گیا۔ فرمایا وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّهُ كُفْرًا ۚ أَفَلَا يَفْقَهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس مقام پر حضرت  
ابراہیم علیہ السلام کی عاجزی، نرمی اور رافت کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ پر یہ  
بات خوب واضح ہے کہ کافر اور مشرک جس کا خاتمہ اسی باطل عقیدے پر  
ہوا ہو، اس کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ  
کافر مان ہے کہ ایسا شخص کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا حَتَّىٰ يَكُوجِ  
الْجَمَلُ فِي سَكَنِ الْخَيْطِ حَتَّىٰ كَذَلِكَ اَوْنُطِ سَوْنُ كِ  
نمکے سے گزر سکتا ہے مگر مشرک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ  
نے یہ بھی ارشاد فرمادیا ہے اِنَّهُ مَنۢ يُّشْرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدْ  
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الْجَنَّةَ وَمَاۤ اُوۡدِيَ النَّارُ (المائدہ)  
جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی  
اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ تاہم ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی  
کے ساتھ عرض کیا کہ مولا کریم! تیرا فیصلہ تو یہی ہے کہ تو مشرک کو معاف  
نہیں کرے گا، مگر تو غفور اور رحیم بھی ہے۔ تیرے اختیار سے کوئی  
چیز باہر نہیں۔ اگر تو معاف کر دے تو تو غفور اور رحیم ہے ایسا کہ  
سکتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا رَبِّ اِنۡحِ اَسۡكَنۡتَ

اولاد  
ابراہیم  
کی آباد کاری



مِنْ ذُرِّيَّتِي لِيءِ پروردگار! میں نے بسایا ہے اپنی اولاد میں سے  
یہاں پر مِنْ تَبْعِيضِهِ ہے یعنی ساری اولاد نہیں بلکہ اس میں سے بعض  
کو آباد کیا ہے۔ آپ کے بیٹوں میں سے اسحاق علیہ السلام تو شام اور  
فلسطین کے علاقے میں ہی ہے۔ البتہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے  
اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ زمین میں آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ  
کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جب ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی  
سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے تو شاہ مصر نے حضرت ہاجرہ کو بطور خادمہ لئے  
دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا تو ان سے حضرت  
اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس پر آپ کی پہلی بیوی سارہ کو رشک  
ہوا اور اس نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو  
کہیں دور چھوڑ آئیں۔ چنانچہ ان حالات میں ابراہیم علیہ السلام نے ان  
دونوں کو اس سرزمین عرب میں آباد کیا۔ غرضیکہ جس طرح آدم علیہ السلام  
کا دانہ کھانے کی وجہ سے زمین پر نازل ہوا۔ اسی طرح حضرت سارہ  
کا رشک سرزمین مکہ کی آبادی کا سبب بن گیا۔

فرمایا میں نے بسایا ہے اپنی اولاد میں سے بِوَادٍ غَيْرِ ذِي  
زَرْعٍ کھیتی باڑی کے ناقابل وادی میں۔ یہ خطہ بحر احمر سے اڑتالیس  
میل کے فاصلے پر گرم خشک، پھڑپھڑا اور بے آب و گیاہ علاقہ ہے  
جہاں پر بارش کے علاوہ سیرابی کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں پر بظاہر  
کشتی کا کوئی سامان موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم گھر کے  
لیے اسی خطہ کو منتخب کیا۔ اب اسی بیت اللہ شریف کی کشتی کا یہ  
عالم ہے کہ اطراف عالم سے لوگ کھینچ کھینچ کر یہاں پہنچ جاتے ہیں  
سخت گرمی ہو یا سردی، بارش ہو رہی ہو یا اندھی چل رہی ہو، چوبیس  
گھنٹے میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا۔ جب کہ اس گھر کا طواف



نہ ہو رہا ہو۔ یہ عاشقانِ الہی کی بستی ہے، ایک دفعہ جا کر تسلی نہیں ہوتی اور ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہاں کی حاضری کا بار بار موقع ملتا ہے۔

خطہ عرب میں سبزہ زار حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں قِصْرِیُّو الْعَرَبِ مَرْوُجًا وَالْأَشْرَافُ عَرَبِ کی سبز زمین سبزہ زار اور باغات میں تبدیل ہو جائیگی۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، مگر اب وہاں پر سبزہ اور باغات کی ابتداء ہو چکی ہے۔ سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض کے علاوہ مکہ اور مدینہ کی شاہراؤں پر بھی درخت لگائے جا رہے ہیں عرفات کے پورے میدان میں درختوں کی لمبی لمبی قطاریں اب نظر آرہی ہیں اور اس طرح حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ سبزہ زار اور عام استعمال کے لیے میٹھے پانی کی اشد ضرورت ہے وہاں پر زیر زمین پانی تو موجود نہیں، قریبی سمندر کا پانی سخت کٹوا ہے جسے صاف کرنے پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے، لہذا سعودی حکومت اب قابل استعمال پانی کی بہم رسانی کے لیے دو سکر ذرائع تلاش کر رہی ہے اس منصوبے میں دور دراز کے دریاؤں سے پانی کی پلائی یا پھر بحر منجمد سے بڑے بڑے تودوں کی ترسیل شامل ہے۔

فرمایا میں نے بسایا اپنی اولاد میں سے بے آباد زمین میں عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ تیرے محترم گھر کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے جس دن سے زمین کو پیدا کیا ہے، اسی دن سے اس خطہ ارض کو عزت والا مقام عطا کیا ہے۔ یہاں پر لڑائی جھگڑا قطعاً حرام ہے۔ فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اجازت دی تھی کہ اگر کافر مقابلہ کریں تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ وگرنہ

محترم گھر



اُس کے بعد قیامت تک کے لیے یہ سرزمین واجبہ الامتزام ہی رہے گی۔

فرمایا میں نے اپنی اولاد کو یہاں ایسے آباد کیا ہے رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ اے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں اپنی اولاد کے لیے نماز جیسی اہم ترین عبادت کا ذکر کیا۔ نماز کا قیام ایک عظیم مقصد ہے جسے انبیاء علیہم السلام خود اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو تلقین کرتے آئے ہیں۔ نماز کے بغیر انسان کا تعلق اپنے پروردگار کے ساتھ درست نہیں رہ سکتا۔ نماز کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں کہ جس نے چاہا ادا کر لی اور جس کے دل نے نہ مانا اُس نے چھوڑ دی بلکہ یہ تو اہم ترین عبادت ہے جس کی دُعا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا، اے پروردگار! فَلَجَحَلُوا فِئْدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي اِلَيْهِمْ لُغُؤُنَ كُفَرٍ دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ آپ نے بعض لوگوں کے لیے دُعا کی جو مستجاب ہوئی اور اب دنیا کے تمام انسان تو اس سرزمین کی طرف نہیں آتے، البتہ کچھ اہل ایمان نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کے اس گھر کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں یہاں پر تجارت بھی کرتے ہیں اور دل کی پیاس بھی بجھاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کے باشندوں کے لیے یہ دُعا بھی کی کہ اے پروردگار! وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّجَرَاتِ ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دُعا بھی قبول فرمائی۔ اس لیے اب دیکھا زمین میں کہیں کہیں کھجور کے نخلستان یا ریگستان کے کسی حصہ میں تر بوڑ تو ہو سکتا ہے عام پھلوں کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ مگر اللہ نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ دنیا بھر کے بہترین پھل تروتازہ حالت میں اس سرزمین میں پہنچ رہے

دلوں کی کشش

ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ انہیں عمر فارق  
 کے میدان میں لہموں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ نے وہاں بھی دھیا کر دیا۔  
 وگرنہ عام حالات میں وہاں لہموں نیچنے کے لیے کون جاتا ہے؟ الغرض  
 اب مملکت سعودی عربیہ میں ہر موسم میں ہر قسم کا پھل با فراط میسر ہے۔  
 فرمایا ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما لَعَلَّہُمْ یَشْکُرُوْنَ  
 تاکہ یہ تیرا شکر یہ ادا کریں۔ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے لَیْسَ دَکُوْرَتُہُ  
 لَا زَیْدٌ دَنَتْ کَکُوْہُ اگر تم شکر یہ ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا مگر عام  
 طور پر اِنَّ الْاِنْسَانَ کَفَّارٌ انسان بے انصاف اور ناشکر گنہگار  
 ہی ہوتے ہیں کفر اور شرک سے بڑھ کر کون سی ناشکری ہو سکتی ہے۔ مگر  
 آج بھی انسانوں کی اکثریت اس میں مبتلا ہے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام  
 نے اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ وہ اپنے پروردگار کے شکر گزار  
 بندے بن جائیں۔



ابراہیم ۱۴

آیت ۳۸ تا ۴۱

وما ابرئ ۱۳

درس چہار دہم ۱۴

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا  
يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا  
فِي السَّمَاءِ ③۸ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي  
عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ط إِنَّ رَبِّي  
لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ③۹ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ  
وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ④۰ رَبَّنَا  
اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ  
الْحِسَابُ ④۱

ترجمہ

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار ! بیشک تو جانتا ہے  
جس چیز کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں  
اور نہیں ہے مخفی اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ  
آسمان میں ③۸ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس  
نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام بخشے۔ بیشک  
میرا پروردگار البتہ دعاؤں کو سننے والا ہے ③۹ اے میرے  
پروردگار ! بنا دے مجھے نماز قائم کرنے والا، اور میری اولاد میں  
سے بھی ۔ اے ہمارے پروردگار ! اور ہماری دعا قبول  
فرما ④۰ اے ہمارے پروردگار ! بخش دے مجھے اور میرے  
والدین کو، اور مومنوں کو کہ جس دن حساب قائم ہوگا ④۱

گزشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی جس میں انہوں نے قریش مکہ پر ہونے والے خصوصی الغامات کا ذکر کیا تھا۔ خود مکہ مکرمہ کے حق میں آپ کی دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پُر امن شہر بنائے۔ پھر اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے شرک سے بچنے کی دُعا کی کیونکہ اصنام پہلے ہی بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بن چکے تھے۔ پھر عرس کیا کہ میں اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے گھر کے قریب بے آب و گیاہ سرزمین میں چھوڑ رہا ہوں تاکہ نماز قائم کرے کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دُعا کی کہ اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے روزی عطا کر تاکہ یہ خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ جب دل اس طرف مائل ہوں گے تو آمد و رفت میں اضافہ ہو کر وسائلِ رزق میں توسیع ہوگی۔ چنانچہ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے مانگی گئی دُعا کہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اب مکہ مکرمہ کی طرف مخلوق خدا کا سارا سال تانا بندا رہتا ہے اور موسمِ حج میں تو بے انتہاء شہس ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کا صلہ ہے کہ اُس سرزمین میں اچھے سے اچھا پھل اور ہر چیز دستیاب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا بھی کی رَبَّنَا أَنْتَ تَعْلَمُ مَا خَفِيَ وَمَا نَعْلَمُ اے ہمارے پروردگار! بیشک تو جانتا ہے جس چیز کو ہم مخفی رکھتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ ارض و سما میں کوئی چیز تیری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ تو ہماری نیت، ارادے اور عزائم کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس اخلاص اور نفاق کو بھی جانتا ہے جو دلوں کی گمراہیوں میں پنہاں ہوتے ہیں اور جو لوگ ریاکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی واقف ہے۔

اللہ کا  
علم محیط



اس دعا کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور  
انکساری کا اظہار کیا۔ شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ چونکہ آگے ابراہیم علیہ السلام  
کی اولاد کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعا میں حضور خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خاص اشارہ پایا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ اور دیگر سورتوں  
میں آپ کی واضح دعا بھی موجود ہے ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا  
مِّنْهُمْ“ یعنی اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث  
فرما۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے چھپانے اور ظاہر کرنے میں آپ کا  
اشارہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے متعلق ہی تھا۔ بہر حال آگے پھر وضاحت  
کی ”وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ“  
خدا تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی  
اور بڑی سے بڑی چیز کائنات کے کسی گوشے میں موجود ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ  
کے علم میں ہے۔

عطا اولاد  
پر شکر

آگے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا ہے کہ اس نے  
بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ  
لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ اس خدا تعالیٰ کا شکر ہے  
جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسے فرزند عطا فرمائے  
امام بیضاویؒ کی روایت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے  
بیس کی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ آپ کی دوسری  
بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے جو کہ شاہ مصر نے آپ کو خادمہ کے  
طور پر دی تھی۔ پھر جب آپ کی عمر مبارک ۱۱۲ سال ہوئی تو پہلی بیوی حضرت  
سارہ کے بطن سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی چچا زاد بھتیجی اور  
اس نے آپ کے ساتھ عراق سے ہجرت بھی کی تھی۔ آپ کو ساری عمر اولاد  
کی خواہش رہی مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ اس نے جوانی کے بعد



بڑھاپے میں پیدا عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی خاص مہربانی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے یعنی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہوئے اور پھر انہی کی نسل سے انبیاء کا سلسلہ آگے بھی چلا۔

اس ضمن میں بائبل کی روایت قدرے مختلف ہے۔ اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا ۸۳ سال کی عمر میں اور دوسرا بیٹا سو سال کی عمر میں پیدا ہوا۔ جب کہ آپ مایوسی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ پھر اللہ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت بھی دی، فرمایا **وَصِدِّقْ ذُرِّيَّكَ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ** (رہو) یعنی تم اپنی زندگی میں پوتے کو بھی پالو گے۔ چنانچہ اچھی زندگی میں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ وہ بھی اللہ کے عظیم رسول تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۵۷ برس عمر پائی۔ آپ نے یہ بھی کہا **إِنِّي رَجَبٌ لِّسَمِيعِ الدُّعَاءِ** بیشک میرا پروردگار البتہ دعا کو سننے والا ہے۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا **رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ** (انصرفت) اے پروردگار! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اللہ نے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسی نیک اور صالح اولاد عطا فرمائی، جس پر آپ نے پروردگار کا شکریہ ادا کیا۔

اقامت  
صلوۃ  
کی دعا

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اقامت صلوٰۃ کی دعا بھی کی۔ **رَبِّ اجْعَلْنِي مُتَّبِعًا لِّلصَّلَاةِ** اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنائے **وَمِنْ ذُرِّيَّتِي** اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو نماز کو قائم کریں اقامت صلوٰۃ بہت بڑی حقیقت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ تو آپ نے اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ ہمیں مکمل شرائط اور اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے بنائے۔



اگر نماز درست ہو گئی تو ہر چیز درست ہو جائیگی، اور اگر نماز ہی درست نہ ہوئی، تو نہ دین درست ہو گا اور نہ دنیا۔ انسان اس کا اور بد عملی کا شکار ہی ہے گا۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاٹھیری ایک دفعہ دیوبند سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں بارہ چودہ کوں کا سفر پیدل طے کر کے پہنچے۔ حضرت گنگوہیؒ نے آمد کا مقصد پوچھا تو عرض کیا کہ میرے حق میں دعا کریں کہ میں نماز ٹھیک طریقے پر ادا کر سکوں میرا یہاں آنے کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے عجیب جملہ ارشاد فرمایا، کہنے لگے اگر نماز ٹھیک طریقے پر آگئی تو سب کچھ آگیا۔ پھر باقی کیا رہ گیا۔ فرمایا اسی بات تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے جس کام کی جڑ بنیاد صحیح ہو گئی اس کے سارے معاملات صحیح ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ تعلق بھی درست ہو جائے گا اور دنیا کے سارے معاملات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ سیاست ہو یا عیشت، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد نماز کی درستگی کے ساتھ ہی سب کچھ درست ہو جائے گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی دعا کی کہ مولا کریم! مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا دے۔

ابو داؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو اس کی نماز کا صرف دو سوال حصہ قبول ہوتا ہے جبکہ نو حصے ضائع ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا نواں حصہ بعض کا اٹھواں حصہ اور بعض کی نصف نماز قبول ہوتی ہے۔ جس کی آدھی نماز قبول ہو جائے تو وہ بڑی شان والا آدمی ہوتا ہے اور جس کی پوری کی پوری

نماز قبول ہو جائے وہ مقربین الہی میں شمار ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی قبولیت کا دار و مدار اخلاص، صلاحیت اور نیکی پر ہے نماز میں جس قدر ان چیزوں کا حصہ ہوگا، اسی قدر نماز کی قبولیت بھی ہوگی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَنَا ہمارے یہ وردگار ہماری اس دعا کو قبول فرما۔ پھر آخر میں عرض کیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ہمارے پروردگار! مجھے معاف فرما۔ مجھے بخش دے۔ جو کوتاہی اور لغزش ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ نہ صرف مجھے معاف کر دے وَلِلْوَالِدَيْنِ کَبْرٌ مِّمَّیْرے والدین کو معاف فرما وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُومُ الْحِسَابُ اور جس دن حساب قائم ہو، تمام مومنوں کو بھی بخش دے۔ سب کی خطاؤں کو معاف فرما دینا۔

مشرک کے  
لئے دعا  
معفرت

یہاں پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تو کفر پر تھے اور اسی پر اُن کا خاتمہ ہوا تو ایسی حالت میں ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے لئے مغفرت کی دعا کیسے کی جب کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ" (النَّاز) وہ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے۔ مفسرین کرام نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لئے دعا ابتدائی دور میں کی تھی۔ پھر جب ان کو علم ہو گیا کہ اُن کا خاتمہ کفر پر ہی ہے تو آپ نے اپنے والد سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کے لئے دعا ایک وعدہ کی بنا پر تھی فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ دشمن خدا ہے تو آپ نے بیزاری کا اعلان کر



دیا بغرض کہ جب تک کسی کے کفر پر غلطی کا یقین نہ ہو جائے اس کے لیے بخشش کی دعا کی جاسکتی ہے اور دعا کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! اس کو مغفرت کا اہل بنا دے یعنی اسے توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ ملت ابراہیمہ کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے خواہ وہ فاسق اور گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

بعض نے یہ توجہ یہ بھی کی کہ جس شخص آذر کے حق میں اللہ نے مشرک ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور آپ کے والد کا نام تاریخ تھا۔ شیوعہ حضرات کا یہ مسلک درست نہیں ہے۔ سورہ النعام میں صاف موجود ہے "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَذْرَ" جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا۔ دراصل آذر اور تاریخ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بڑے مندر کے پر وہت تھے، اس لیے ان کا لقب آذر تھا اور نام تاریخ ہی تھا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک نو مسلم جس کے والدین کفر و مشرک پر ہوں وہ بھی "وَبَدَأَ الْغُفْرَ لِي وَلِوَالِدَيْ" کہہ کر اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کر سکتا ہے۔ امام بیضاوی، صاحب کشاف زمخشری اور صاحب تفسیر حلی نے اس کی یہ توجہ یہ کی ہے کہ ایسے شخص کے والدین سے مراد اس کے حقیقی والدین نہیں ہوں گے جن کا خاتمہ کفر اور شرک پر ہوا، بلکہ اس سے مراد اس کے اولین والدین حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہوں گے لہذا اس اصول کے تحت کوئی مسلمان اپنے غیر مسلم والدین ہونے کے باوجود دعائے مغفرت کہہ سکتا ہے اور اس سے مراد اولین والدین ہوں گے، نہ کہ وہ والدین جن کے گھر میں اس کی پیدائش ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی اسی اصول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے ان کی والدہ کے متعلق تو تفصیلات

معلوم نہیں، تاہم ان کے والد کے کفر و شرک میں کوئی شبہ نہیں۔ تو ان کی  
 دعائے مغفرت کی بھی یہی توجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنے اولین  
 والدین حضرت آدم اور حوا کے حق میں دعا کی۔

عرض کیا، اے ہمارے پروردگار! مجھے میرے والدین اور تمام  
 ایمان والوں کو معاف کر دے جس دن قیامت برپا ہوگی اور حساب کتاب  
 قائم ہوگا۔ اس دعا میں ملت ابراہیمیہ کا پورا تذکرہ آگیا ہے اس کے بنیادی  
 اصولوں اور خصوصی نعمتوں کا تذکرہ ہو گیا ہے پہلے عام نعمتوں کا ذکر تھا،  
 پھر خصوصی انعامات کا ذکر ہوا، اور محاسبہ اعمال کی بات ہوئی۔ اب  
 سورۃ کے آخر میں قرآن کی دعوت کو عام کر کے بیان ہوگا۔





جس دن اُوپر اٹھی رہیں گی آنکھیں (۴۲) دوڑنے مٹے ہوں گے اور سر اُوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ نہیں پلٹیں گی اُن کی طرف اُن کی نگاہیں اور دل اُن کے اڑے ہوں گے (۴۳) اور آپ ڈرا دیں لوگوں کو اُس دن سے کہ آئیگا اُن کے پاس عذاب۔ پس کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا، اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کے لیے تاکہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو، اور ہم پیروی کریں رسولوں کی (اُدھر سے جواب آئیگا) کیا نہیں تھے تم قسمیں اٹھاتے اس سے پہلے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے (۴۴) اور ٹھہرے تم ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، اور واضح ہو گیا تمہارے لیے کہ ہم نے کیا سلوک کیا اُن کے ساتھ، اور بیان کیں ہم نے تمہارے سامنے مثالیں (۴۵) اور تحقیق ان لوگوں نے تدبیر کی اپنی تدبیر۔ اور اللہ کے پاس تھی اُن کی تدبیر، اگرچہ، اُن کی تدبیر ایسی تھی کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں اپنی جگہ سے (۴۶)

رابط آیت

پہلے قرآنِ کریم کی حقانیت اور قیامت کا ذکر ہوا، پھر رسالت اور توحید کا بیان آیا۔ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا جن میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ پھر اللہ نے قریش مکہ و عرب پر ہونے والی خاص نعمتوں کا تذکرہ کیا اور اس ضمن میں شرک اور اُن کی بدعتیہ گئی کا ذکر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر کیا جن میں توحید کی ترغیب اور شرک سے بیزاری کا سبق ملتا ہے۔ اُدھر الغامات الہی کے حصول پر اس کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور



کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں، لہذا اس سے بچنا چاہیئے۔ پھر اللہ نے قیامت کے محلے کا ذکر کیا اور پھر اس ضمن میں دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ اے پروردگار! مجھے میرے والدین اور سب مومنوں کو معاف کر دے، کل بیان کیا تھا کہ یہاں پر والدین سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والدین نہیں ہیں بلکہ ان کے اولین ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا مراد ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور امام زہریؒ کی قرأت کے مطابق **وَالِدَیَّ** کو **وَلَدَیَّ** پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مولا کریم مجھے اور میرے دونوں بیٹوں کو بخش دے۔ وہ آپ کی آخری عمر کی اولاد حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ہیں۔ اب اس قرأت میں یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والدین کے لیے کیوں دعا کی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے محاسبہ اعمال کی منزل کا ذکر کیا ہے۔

ظالموں کے  
لیے مہلت

ارشاد ہوتا ہے **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ** اللہ تعالیٰ کو ان کاموں سے غافل نہ سمجھو جو ظالم لوگ کرتے ہیں۔ ظالم لوگ کون ہیں؟ اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے **إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ** بیشک اکثر انسان ظالم اور ناشکر گزار ہیں، جو منعم حقیقی اور مالک حقیقی کی توحید میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ ان کافر، مشرک اور معاصی کے متربک لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارگزاری سے غافل ہے، بلکہ وہ علیم کل ہے اور سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔ البتہ اس کا قانون یہ ہے **إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ** وہ ان کو مہلت دیتا ہے اس دن کے لیے جب آنکھیں پھڑپھڑ جائیں گی یعنی اُپر اٹھی رہیں گی۔ وہ سرکشوں کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا یہ مضمون سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے کہ جو لوگ



ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ"  
 ہم انہیں بتدریج ایسے طریقے سے پکڑیں گے جہاں سے انہیں علم ہی نہ ہو۔  
 وَأَمْلَىٰ لَهُمْ" میں انہیں مہلت دیتا ہوں "إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ"  
 میری تدبیر بڑی مضبوط ہے لوگ قدرت کے قانون انہماں و تدریج سے  
 فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور گرفت کے موخر ہونے کی وجہ سے مغرور ہو  
 جلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن تک کے لیے مہلت دیتا ہے جب  
 اُن کی آنکھیں پھڑپھڑ جائیں گی اور مُهْطِعِينَ وہ دوڑنے والے ہونگے  
 صَقْنَعِي رُءُوسِهِمْ اپنے سروں کو اُپر اٹھائے ہوں گے۔ اس حالت  
 میں لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف واپس  
 نہیں پلٹیں گی یعنی اُپر ہی لگی رہیں گی اور نیچے کی طرف آہی نہیں سکیں گی،  
 اتنی تکلیف دہ حالت ہوگی۔ اس کے علاوہ وَأَوْدَتْهُمُ الرَّحْمَةُ  
 دہشت کے مارے اُن کے دل اڑے جائے ہوں گے۔ یہ قیامت

والے دن کے مناظر ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے "وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاوَاتُ  
 بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا" اُس دن آسمان بھٹ  
 جائے گا اور فرشتے نیچے اترتے ہوئے نظر آئیں گے۔ سورۃ النبا میں "وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا" اُس دن آسمان کو کھول دیا جائیگا

اور اس میں دروازے دروازے بن جائیں گے۔ جہاں تک قیامت  
 کے دن لوگوں کے دوڑنے کا ذکر ہے تو سورۃ القمر میں "مُهْطِعِينَ"  
 الْحَبَّ الدَّاعِیَ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ سورۃ  
 المعارج میں ہے "يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِجَاجًا"  
 اس دن قبروں سے نکل کر تیزی کے ساتھ دوڑیں گے "كَأَنَّهُمْ  
 الْحَبُّ نَضِيبٌ يُؤْفَضُونَ" گویا کہ وہ شکار کے جال کی طرف دوڑتے







میں ہم تیری دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ اب ہمیں ایک اور موقع دے کہ دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ تیری دعوت کو قبول کر لیں اور تیرے رسولوں کی پیروی کر لیں۔ اللہ نے بعض دوسرے مقامات پر بھی قیامت کے دن پیش آنے والے ایسے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً سورۃ النہج میں ہے کہ مجرم لوگ سر جھکا کر اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے اور عرض کریں گے ”وَبَنَّا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا آتَى اللَّهُ هَمًّا نَسَبَ كَیْفَ دَکِّه لَیَا اُورِیْن لَیَا۔ اب ہمیں واپس بھیج دے، ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔“

خدا تعالیٰ  
کا جواب

ادھر سے اللہ تعالیٰ کا جواب آئے گا ”أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ كَیْآتِیْ نَیْآسِیْ قَسَمِیْ نَیْآسِیْ اُطْهَآیْ تَھِیْ مَآلِ كَھِ مِّنْ زَوَالِ كَھِیْ كَھِیْ زَوَالِ نَیْآسِیْ آتَیْ كَھِ۔ دنیا میں تم غرور میں مبتلا تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی طرح شان و شوکت کے ساتھ ہی رہیں گے، ہمارے اقتدار کو کبھی زوال نہیں آسکتا“ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِیْنَ ہمیں کون سزا دیگا۔ سورۃ النحل میں اللہ نے فرمایا ”وَاقْسَمُوا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِہُمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ کَھِیْ“ اللہ کی سخت قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ مرنے والے کو اللہ دوبارہ نہیں اٹھائیگا اللہ فرمائے گا کیا تم وہی لوگ نہیں جو دنیا کی زندگی پر مغرور و مفتون تھے۔ اور پھر جن لوگوں نے زبانی قسمیں نہیں اٹھائی تھیں، ان کی حالت بتلا رہی تھی گویا کہ وہ اسی شان و شوکت کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مزید یہ بھی فرمائے گا کہ تم وہی لوگ ہو۔ وَ سَکَنُ کَھِ فِیْ مَسَکِیْنِ الذِّیْنِ ظَلَمُوا اَنفُسَہُمْ جو ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں ٹھہرے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تم نے قوم عاد اور ثمود جیسی بڑی بڑی قوموں کی عالیشان عمارت میں رہائش



اختیار کی۔ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ اور تمہیں واضح ہو چکا تھا کَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سابقہ اقوام کے انجام سے تمہیں عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم صالح اور قوم فرعون کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا۔ یہ لوگ بڑی بڑی تہذیبوں کے وارث تھے، بڑے کاریگر اور انجنیئر تھے مگر جب ہماری گرفت آئی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ آج تم انہیں کے بنائے ہوئے عالیشان محلات میں رہ کر بھی ان سے عبرت نہیں پکڑتے فرمایا وَصَرُّنَا كُفْرَهُمُ الْاَمْتِثَالِ ہم نے تمہارے سامنے ان لوگوں کو بطور مثال پیش کر دیا ہے۔ یہ نافرمان قومیں تھیں جنہیں اللہ نے نیست و نابود کر دیا ہے۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔ اگر تم بھی نافرمانی اور ظلم سے باز نہ آئے تو تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی۔

کفار کی  
مخفی تدبیریں

فرمایا وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ انہوں نے مخفی تدبیریں کر کے دیکھ لیا وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور ان کی تدبیریں تو اللہ کے پاس تھیں وہ جو کچھ بھی مخفی طور پر تدبیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ پنجابی زبان میں مکر کا معنی فریب اور دھوکہ ہوتا ہے جب کہ عربی زبان میں یہ لفظ پوشیدہ تدبیر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وہ بھی مخفی تدبیر اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی تدبیر کرتا ہے۔ ظالموں کی یہ مخفی تدبیریں اللہ کے انبیاء کی مخالفت میں اور قرآن پاک کے پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور آج بھی دنیا میں ہو رہی ہیں۔ غیر مسلم اقوام نہیں چاہتیں کہ دنیا میں اللہ کا دین اور قرآن کا پروگرام غالب آئے۔ پرانی اقوام میں سے فرعون، غرود، اہل تبوک اور اہل حجر نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟ امین کے باشندوں اور مصریوں نے اللہ



کے دین کے خلاف کیسے کیسے پروگرام بنائے، جسبانی اور ذہنی تکالیف پہنچائیں اور لوگوں کو دین کے راستے سے روکنے کے لیے بڑے بڑے لالچ دیے اور مال صرف کیا۔

آج بھی دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہود، نصاریٰ، ہندو، دہریے، قرآن پاک کے خلاف طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں ہسپتال کھول کر لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، اور کہیں سکول و کالج جاری کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ غور توں اور ایڈ کی پیش کش کر کے اہل ایمان کو دین سے برگشتہ کر نیچی کوشش کی جاتی ہے۔ کیا یہ بہت بڑا سانحہ نہیں کہ پاک تان بننے کے بعد اس سرزمین میں تیس چالیس لاکھ لوگوں کو عیسائی بنایا گیا ہے۔ یہ سب اُن کی مخفی تدابیر کا نتیجہ ہے مگر مسلمان اس سے بالکل غافل پڑے ہیں اور اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے مغربی ممالک میں مستشرقین کے نام پر ایڈے قائم کر رکھے ہیں جہاں مغربی باشندوں کو مشرقی علوم کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کی یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے، انہیں ڈگریاں دی جاتی ہیں اور پھر انہی سے اسلام کے خلاف کتابیں اور مضامین لکھائے جاتے ہیں تاکہ لوگ دین اسلام سے محروم ہو جائیں اُن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دین کا فتویٰ علمائے حقہ سے لینے کی بجائے یہودی اور عیسائی ماہرین علوم شرقیہ کی طرف رجوع کرنے لگیں اور اس طرح اسلام کا پروگرام تہ و بالا ہو جائے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہندو، عیسائی اور یہودی تو اپنے مذہب پر کاربند ہیں مگر مسلمان اپنے سچے دین سے غافل ہیں ہندوؤں نے اپنے مبلغ مغربی ممالک میں بھیج رکھے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے امریکن ہندو مت قبول کر چکے ہیں مگر مسلمان اپنے حال میں مست

مسلمانوں کے  
لیے لمحہ فکریہ



ہیں۔ انہیں اپنے دین کی کوئی فکر نہیں۔ اگر تبلیغ کے نام پر کوئی بیرون ملک جاتا ہے تو وہ اپنی کے رنگ میں رنگ کر رہ جاتا ہے، اور اپنی بات کو بھول جاتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف پانے والے مسلمان کتنے ہیں جو اپنا ایمان سلامت لے کر واپس آتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل موجود ہیں مگر صلاحیت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج ساری دنیا میں انحطاط کا شکار ہیں۔ یہ سب کافروں کی باریک تدبیروں کا نتیجہ ہے۔

فرمایا ان کفار کی تدبیریں اتنی بڑی بڑی تھیں وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ  
لِتَنزِيلِ هَٰذَا الْكِتَابِ کہ ان کی وجہ سے ہمارا اپنی جگہ سے مل جائیگا  
مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بقا کی خاطر انہیں ناکام کیا۔ ہماروں کو  
سرکھینے والی محض تدابیر بھی کارگر نہ ہو سکیں۔ انگریزوں نے قرآن پاک کے  
متن میں تغیر و تبدل کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ انہیں بعد میں پتہ  
چلا کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ  
نے لے رکھا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی ایک  
ارب کی آبادی میں کم و بیش ایک کروڑ حافظ قرآن موجود ہیں۔ اگرچہ  
مسلمان قومی اور اخلاقی لحاظ سے تنزل کا شکار ہیں مگر پھر بھی قرآن کو کوئی  
نہیں مٹا سکتا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تو وہ کتاب ہے جس کو نہ پانی دھو سکتا ہے  
اور نہ آگ جلا سکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ آج ساری  
دنیا میں انجیل کا ایک بھی حافظ موجود نہیں مگر قرآن کے حافظ آپ کو چپے  
چپے میں ملیں گے، لہذا اغیار کی مخفی تدبیریں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (۴۷) يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (۴۸) وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمِئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ (۴۹) سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قِطْرَانٍ وَتَعْشَىٰ وُجُوهُهُمْ النَّارُ ۝ (۵۰) لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۵۱)

ترجمہ :- آپ نہ خیال کریں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ وہ وعدے کی خلاف ورزی کرے گا جو اپنے رسولوں کے ساتھ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے ۝ (۴۷) جس دن تبدیل کی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ دوسری زمین کے ساتھ اور (اسی طرح تبدیل کیے جائیں گے) آسمان (دوسرے آسمانوں کے ساتھ) اور لوگ ظاہر ہوں گے اللہ کے سامنے جو اکیلا اور زبردست ہے ۝ (۴۸) اور دیکھے گا تو مجرموں کو اُس دن کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ۝ (۴۹) اُن کے کمرے گندھک کے مادے سے ہوں گے اور ڈھانچے گی اُن کے چہروں کو آگ ۝ (۵۰) تاکہ بدلے اللہ تعالیٰ ہر نفس کو جو اُس نے کمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۝ (۵۱)



ربط آیات

گذشتہ آیات میں کافروں کی مکاری اور چالبازی کا ذکر تھا کہ حق کے مقابلے میں وہ کس قسم کی تدبیریں اختیار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں، مشرکوں اور کافروں کی بری حالت کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ قیامت والے دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اگر دنیا میں کفار کو مہلت ملتی رہتی ہے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور نہ بد دل ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جو ان بد بختوں کو آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ خَائِلًا فِي وَعْدِهِ رُسُلُهُ آپ یہ نہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اور اس کا وعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کے مشن کو ضرور غالب کرے گا اور دین حق کے مخالفین بالآخر مغلوب ہونگے۔ سورۃ المجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ اِذَا وَاٰرِسُ الرَّسُولِ الْغُلَامُ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو ضرور غلبہ حاصل ہوگا۔ یعنی دنیا میں انہی کے مشن کو کامیابی حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ صحیح بات کو غالب کرتا ہے چاہے بظاہر کتنی ہی کمزوری نظر آئے اور کتنی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ سورۃ المؤمن میں بھی اللہ کا فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ بیشک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی جو قیامت کا دن ہوگا۔ بہر حال اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے مشن کو ضرور غالب کرے گا۔ لہذا کافروں کی



ظاہری حالت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور یہ کبھی گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ بِشُكِّ اللّٰهِ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور غالب ہے وہ ذُو انتقام یعنی انتقام لینے والا بھی ہے وہ مہلت دیتا ہے، مگر مجرموں کو چھوڑتا نہیں۔ وہ اُن سے ضرور انتقام لے گا کیونکہ وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں پوری زندگی بھی اُن کی گرفت نہ ہونو آخرت میں تو ضرور ہی پکڑے جائیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا عطا کی جائے گی۔

زمین و آسمان  
کی تبدیلی

فرمایا یہ مجرم خدا تعالیٰ کے انتقام کا کب شکار ہوں گے یَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ عَنِ الْأَرْضِ جس دن تبدیل کر دی جائے گی زمین دوسری زمین کے ساتھ وَالسَّمَاوَاتُ اور یہ آسمان بھی تبدیل کر دیے جائیں گے، گویا قیامت کے دن یہ زمین و آسمان نہیں ہوں گے بلکہ ان کی جگہ دوسرے لائے جائیں گے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین کی یہ تبدیلی دو صورتوں میں ہوگی، یعنی ان کی صفت بھی تبدیل کر دی جائے گی اور حقیقت بھی۔ صفت کی تبدیلی کے متعلق سورۃ الانشقاق میں آتا ہے "وَ اِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ" اور زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے کھال کو کھینچا جاتا ہے اور اس کی تمام سلوٹیں نکل جاتی ہیں۔ اسی طرح جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا تو اس پر نہ کوئی غار رہیگا اور نہ پہاڑ بلکہ سب ہموار ہو جائیں گے یہ تو صفت کی تبدیلی ہوگی۔ اور حقیقت کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ پہلے صورت چھوٹے جانے پر تو اس کی اونچ نیچ ختم ہو جائیگی اور جب دوسرے صورت چھوٹے کا جائے گا اور حساب کتاب کی منزل آئے گی تو اس زمین کی جگہ بالکل دوسری زمین لائی جائے گی اور محاسبہ اعمال کی ساری کارروائی اسی نئی زمین پر کی جائیگی حُضُورِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا فرمان ہے کہ نئی زمین پیدا



یا چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ یہ زمین کی حقیقت کی تبدیلی ہوگی۔ جس موجودہ زمین پر انسان گناہ کا ارتکاب کیا کرتے تھے، اس کو یکسر بدل دیا جائے گا۔ البتہ محاسبہ اعمال کے وقت اللہ تعالیٰ اس زمین کے جس خطے کو چاہیگا گواہی کے لیے حاضر کر دیگا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! جب یہ زمین تبدیل کی جائیگی تو اس وقت انسان کہاں ہوں گے تو آپ نے فرمایا علی الصراط جدون الجسر اس وقت سارے لوگ پل صراط کے ایک تاریک کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح موجودہ آسمان بھی تبدیل کر دیے جائیں گے، نہ یہ آسمان باقی رہیں گے اور نہ یہ گہرے، بلکہ یہ سارا نظام ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔ موجودہ تمام چیزیں درہم برہم ہو جائیں گی۔

اللہ کے  
حضور  
پیشی

فرمایا جب زمین و آسمان تبدیل ہو جائیں گے تو اس وقت وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ تمام لوگ اس اللہ تعالیٰ کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے جو اکیلا بھی ہے۔ اور قہار بھی یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے۔ فرمایا اس وقت حق کے منکرین، توحید کو مٹانے والے، کفر و شرک کے پروردگار کو غالب بنانے، شرکیہ رسوم قائم کرنے والے اور انبیاء کی بات کو ٹھکرانے والے لوگوں کا حال یہ ہوگا وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ تَوَّاسٍ دُونَ مَا كَانُوا عَلَىٰ فِي سَفَرٍ لَّهُمْ فِيهِ يَزْفِطُونَ فِيهِ يُصْطَفُونَ فِيهِ الْأَصْطَفَاءُ الَّذِينَ كَانُوا عَلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ فِي الْأَوَّلِينَ وَأُولَٰئِكَ يَلْعَنُونَ فِيهِ يُؤْتُونَ الْأَمْثَالَ أضعافاً مضاعفةً فِيهِ يُصْطَفُونَ فِيهِ الْأَصْطَفَاءُ الَّذِينَ كَانُوا عَلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ فِي الْأَوَّلِينَ وَأُولَٰئِكَ يَلْعَنُونَ فِيهِ يُؤْتُونَ الْأَمْثَالَ أضعافاً مضاعفةً۔ سورۃ الاحقاف میں ہے "ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا تُرَىٰ سُرُرُ الَّذِينَ هُمْ فِيهَا مُتَّكِئُونَ فِيهَا الْأَمْثَالُ خَالِدَةٌ فِيهَا وَالْأَصْطَفَاءُ فِيهَا وَالْأَصْطَفَاءُ فِيهَا وَالْأَصْطَفَاءُ فِيهَا"۔ سورۃ یس میں ہے "فِيهَا أَعْنَابٌ قُلُوبُهُمْ وَأُغْلًا" ان کے گلے میں طوق پڑے ہوں گے۔ وہ اس وقت اس قدر ذلیل و رسوا ہوں گے۔ یہی سبب اور انتقام کی منزل ہوگی۔



فَرِيَا سَرَابِيْلَهُمْ مِّنْ قَطْرَانِ اُنْ كے کرتے گزھک آمیز مے سے  
 بنائے گئے ہوں گے۔ ان کی قمیضوں کا خام مال تار کول، گنداب و زہ یا گندھک  
 وغیرہ کا ہوگا جو فوراً آگ پکڑ لے گا۔ عربی میں قطران اس مرکب وغیرہ کو کہا جاتا ہے  
 جو اونٹوں کی خارش زدہ جگہوں پر لگایا جاتا ہے تاکہ سناٹہ جگہ سے زہریلا مادہ گل  
 مٹ جائے اور جسم میں تندرست گوشت آنے لگے۔ بہر حال اس دن مجرمین کے  
 کپڑے اس قسم کے ہوں گے جو خود آگ کو دعوت دیں گے اور فوراً بھڑک  
 اٹھیں گے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اُس نوحہ کرنے والی عورت کو بھی  
 گندھک کا کمرہ پہنایا جائے گا اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا جو مرنے  
 سے پہلے اس قبض فعل سے توبہ نہیں کر لیتی۔

اس قسم کے بارود امینز کپڑوں کا نتیجہ یہ ہوگا وَتَغْشٰى وُجُوْهُهُمْ  
 النَّارُ آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لیگی۔ چہرہ چونکہ جسم کا افضل عضو ہے  
 اس لیے اس کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، وگرنہ تو سارا جسم ہی بھڑک اٹھے  
 گا۔ دوسری جگہ دِل کا ذکر آتا ہے کہ دوزخ کی آگ سب سے پہلے دِل پر اثر انداز  
 ہوگی اور ظاہری اعضا میں سے اس کا پہلا شکار چہرہ ہوگا۔ اور یہ اس لیے  
 لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ تاکہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس  
 کی کمائی کا بدلہ دے۔ چونکہ مجرمین نے دنیا میں کفر، شرک، اسحاد، انکارِ معاد،  
 انکارِ توحید، انبیاء کی مخالفت اور کفر کے پروگرام کی حمایت جیسے اعمال  
 کمائے، لہذا ان اعمال کا بدلہ انہیں دوزخ کی آگ کی صورت میں ہی ملے گا  
 اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا  
 ہے اگر وہ دنیا میں چند دن مہلت بھی دے دے تو ہو سکتا ہے مگر بالآخر  
 وہ پکڑ لے گا اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا کیونکہ وہ جلد حساب  
 لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان والوں کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں،  
 اپنا کام کرتے جاؤ کیونکہ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا



میں کافروں کو ہدایت مل جائے مگر آگے وہ دین یقیناً آنے والا ہے جس  
 دین مجرموں کا یہ حال ہوگا جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے وہ لوگ آتشین  
 لباس میں ملبوس ہوں گے جو فوراً آگ بکھڑے گا اور ان کا چہرہ فوراً جھلس جائے  
 گا۔ یہ ان کے کئے کا بدلہ ہوگا۔

---

وما آبرئ ۱۳

درس ہفتم ۱۷

ابراہیم ۱۴

آیت ۵۲

هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا  
 أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَلِيَذْكُرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝۵۲

ترجمہ :- یہ پیغام ہے لوگوں کے لیے تاکہ ان کو  
 ڈرایا جائے اس کے ساتھ اور تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک  
 وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقلمند  
 لوگ ۝۵۲

خلاصہ  
مضامین

یہ سورۃ ابراہیم کی آخری آیت ہے۔ یہی سورۃ ہونے کی بنا پر اس میں بھی زیادہ  
 تر اسلام کے چار بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ پہلی بات قرآن کی صداقت و حقایقیت  
 اور اس کا وحی الہی ہونا ہے۔ اس سورۃ میں قرآن پاک کی ضرورت اور اس پر اعتراض  
 کرنے والوں کا خاص طور پر رد کیا گیا ہے۔ اس کی غرض غایت اس کے ابتدائی حصے  
 میں ہی بیان کی گئی ہے ”لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“  
 کہ آپ اس قرآن کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں  
 کفر، شرک، نفاق، بدعتیہ گی اور باعتمالی سب اندھیروں میں جن کی وجہ سے انسان کی  
 روح اور عقل تار یک ہو جاتی ہے اور انسان بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں  
 اس کے برخلاف ایمان، توحید، اخلاص اور نیکی روشنی ہے۔ جس کی دعوت یہ  
 قرآن حکیم دیتا ہے۔

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ معاد بھی اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ قیامت  
 پر ایمان، اس کا وقوع۔ بعثت بعد الموت اور جزائے عمل اس عقیدہ کی جزئیات  
 ہیں۔ اس سورۃ میں ان موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے اور معترضین کے اعتراضات



کے شافی جوابات دیے گئے ہیں۔

اس کے بعد تفسیر بنیادی عقیدہ رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں بعض انبیاء کے تذکرہ میں ان کی اقوام کی نافرمانی اور پھر ان پر آنے والے عذاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

اسلام کا چوتھا اور اہم ترین بنیادی عقیدہ توحید پر ایمان ہے توحید تمام مسائل کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے یہ مسئلہ سمجھایا ہے۔ پھر ابراہیم کی دُعاؤں کا ذکر ہے جن میں تکت حنیفیہ کے اصول ہیں اور آخر میں اللہ نے محاسبہ اعمال کا ذکر کیا ہے، یہ تمام باتیں بنیادی عقائد سے متعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادات کا ذکر بھی اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے "قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا عَلٰی اَنْۢ یَّذٰکُرُوْا" اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں مذکورہ چار بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر سورتوں کے آخر میں ان کا خلاصہ بیان ہوتا ہے اب اس سورۃ کے آخر میں بھی اللہ نے خلاصے کے طور پر چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) پیغام خداوند

ارشاد ہوتا ہے "ہَا ذٰلِکَ الَّذِیْۤ اٰتٰی سِیۡرَۃً لِّیۡکُمْ" اس پیغام ہے لوگوں کے لیے اس سے مراد اس سورۃ مبارکہ کے مندرجات بھی ہو سکتے ہیں، اور پورا قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ اس سورۃ یعنی پورے قرآن حکیم میں ہے وہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام ہے مفسرین کہہ ام بلوغ کے دو معانی بیان کرتے ہیں۔ پہلا معنی تو کفایت ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورۃ مبارکہ یا قرآن پاک میں جو کچھ بھی ہے، وہ انسان کی نصیحت حاصل کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور دوسرا



معنی ایسا کہ میں نے ترجمے میں عرض کیا پیغام ہے تمام لوگوں کے لیے ظاہر ہے کہ اگر یہ پیغام ہے تو پھر اس کو پہنچانے والے بھی ہونے چاہئیں تاکہ اس کی تعلیمات تمام متعلقین تک پہنچ سکیں۔ قرآن پاک اللہ نے اپنے نبی پر براہ راست نازل فرمایا اور پھر اہل ایمان کو پابند کیا ہے کہ وہ اس پیغام کو آگے پہنچائیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان خود اس پر عمل پیرا ہو، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، اس کی صحت پر یقین ہو کہ خود قرآن پاک کا بیان ہے کہ اس کلام الہی پر یقین نہیں رکھو گے۔ ”فَيَايَ حَدِيثٍ مَّبْعَدَهُ يُؤْمِنُونَ“ (المرسلات) تو پھر اس کے بعد کون سی چیز آنیوالی ہے جس پر ایمان لاؤ گے۔ غرضیکہ انسان کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کا آخری اور جامع کلام ہے اور حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرح ہے اس کا متن وحی علی ہے اور اس کی تشریح وحی خفی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی فرماتے ہیں کہ ”تمام احادیث صحیحہ قرآن کی شرح ہیں، اور یہی بات شاہ ولی اللہ امام شافعیؒ اور امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھی ہے۔ الغرض! اس یقین ایمان اور عمل کے ساتھ اگر اس پیغام کو پہنچانا ہی اپنی ذمہ داری کی تکمیل ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ بلاغ کا لفظ عام ہے اور اس پیغام کو پہلے جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات پر یقین ہو کہ یہی پروگرام صحیح ہے چنانچہ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہے ”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ یہ وہ کتاب ہے جو شک و شبہ سے پاک ہے۔ پھر اس کی تعلیمات اور پروگرام پر عمل پیرا ہونے والوں کے متعلق فرمایا ”وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ یہی لوگ ہیں کہ جن کو فلاح نصیب ہوگی، اور جو قوم قرآن پاک کے پروگرام کو قبول نہیں کرے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔ اگر اس کتاب کے پیروکار اس پر عمل کرتے ہوئے، بغیر شک و تردد کے اسے آگے لے جائیں گے، تو اس کا یقیناً اثر ہوگا۔ اور اگر اس کی تعلیمات کا علم ہی نہ ہو یا اس پر



یقین ہی نہ ہو، اس کی شرح اور اپنے اعمال سے ناواقفیت ہو اور اس کے عقائد اور فکر کا علم نہ ہو، تو یہ قرآن موثر نہیں ہو سکتا، بلاغ کے لفظ سے یہ ساری بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور اگر قرآن کے ملنے والوں کے پاس کوئی سلطنت اور ملک ہی نہ ہو جہاں اس کے پروگرام کو عملی طور پر نافذ کر سکیں تو وہ اس کی دعوت دوسروں کو کیسے دے سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس کی حقانیت کو جھجھی سمجھیں گے جب کہ وہ دنیا کے کسی خطے میں اس پر عمل ہوتا اور اس کے متبعین کو فیض یاب ہوتا دیکھیں گے امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب میں روس گیا تو میں نے سٹالن اور اس کے حواریوں کے سامنے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو واقعی بڑا اچھا پروگرام ہے مگر یہ بتائیں کہ اس پروگرام پر عمل کہاں ہو رہا ہے اور اس کے ثمرات کیا مرتب ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ کیونکہ دنیا کی پچاس سے زیادہ مسلم ریاستوں میں سے کسی ایک میں بھی اسلام کے پروگرام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اسلام کی ترویج کے لیے اور اس کی تبلیغ کے لیے انفرادی طور پر کوشش ہو رہی ہے اور یہ بھی مبارک بات ہے کہ تبلیغی جماعتوں کے کشت دنیا بھر میں ہو رہے ہیں مگر یہ اجتماعی فریضہ کہاں ادا ہو رہا ہے وہ کون سا ملک ہے جس نے قرآنی پروگرام کو اپنے ملک میں نافذ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حدود و تعزیرات کے قوانین نازل فرمائے ہیں مگر کہاں ہیں وہ لوگ جو ان کو اپنے سینوں، معاشرے اور ملک میں جگہ دیں۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ہم ابلاغ کا فریضہ ادا نہیں کر رہے ہیں اور قرآن کے پیغام حق ہونے کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اخلاقی تعلیم اور تعزیریات، اگر کوئی اخلاقی تعلیمات سے



مستفید نہیں ہوتا اور قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر اس کے لیے تعزیرات کا نظام ہے تاکہ معاشرے میں فساد برپا نہ ہو، مگر تعزیرات کا نظام اجتماعیت اور حکومت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جو حکومتیں اس وقت موجود بھی ہیں ان کے کارپروایان بھی اسلامی تعزیرات نافذ کرنے کی بجائے من مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔ کافروں کی شاگردی اختیار کرتے ہیں۔ ان سے سیکھیں بولتے ہیں اور پھر انہی کے مطابق دولت خرچ کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ تو قرآنی پروگرام پر عمل ہوتا ہے اور نہ اس کے بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی عقل کو استعمال کرتے، سلف صالحین کی طرح ہر کام کے خود بانی مبنی بننے، دوسروں سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے خود دنیا کے اساتذہ بننے تو انہیں عزت کا مقام حاصل ہوتا، مگر انہوں نے قرآن کریم کے پروگرام کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اس پر عمل کیا ہے حالانکہ یہ تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے اور اس کی تبلیغ کا کام خود اس کے پیروکاروں کو آگے بڑھ کر کرنا چاہیئے تھا۔

(۲)  
انذار بذریعہ  
قرآن

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق پہلی بات تو یہ فرمائی کہ یہ لوگوں کے لیے پیغام ہے اور دوسری بات یہ وَلَیْسَ نَذْرٌ وَّابِلٌ تاکہ اس کے ساتھ ڈرا یا جائے، لوگوں کو خبردار کیا جائے۔ منذر انبیاء کی صفت ہے اور لوگوں کو محاسبہ عمل اور مجرموں کے انجام سے خبردار کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا فسق و فجور سے بھری پڑی ہے، انذار کی زیادہ ضرورت ہے۔ لوگوں کو خبردار کرنا چاہیئے کہ اگر قرآن پاک میں مذکورہ اصولوں کو تسلیم نہیں کریں گے تو انجام بہت بُرا ہوگا۔ انذار ایک عظیم مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی فرمایا "فَعَرِّضْ فَاذْذِرْ" (المذثر) آپ اٹھیں اور لوگوں کو ان کے انجام سے خبردار کر دیں۔



اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے سوا چار ارب کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہیں، لہذا قرآن کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ اس پر و گرام کو لے کر اٹھیں اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کریں اور ڈرائیں۔

(۳)  
دعوتِ  
توحید

سورۃ ہذا کی آخری آیت میں اللہ نے تیسری بات یہ بیان کی ہے۔  
وَلْيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ تَاكِرُهُ جَان لَيْسَ كَهَيْئَةِ شَيْءٍ وَهَآئِكَ  
ہی معبود ہے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی پہچان نہایت ہی ضروری ہے  
یہ پورے دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں  
توحید کے بیشمار عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے توحید کی بات سمجھائی ہے  
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! انسان کی سعادت دو باتوں میں ہے  
ایک انسان کی فکری قوت پاک ہو اور دوسرے اس کی عملی قوت کمال  
درجے کی ہو۔ اگر انسان کو فکری یا نظری قوت میں کمال حاصل ہو جائے  
تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات  
کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے اور یہی چیز انسان کے عروج اور سعادت کی  
انتہا ہے۔ اور یہی چیز قرآن پاک پیش کرتا ہے۔

جہاں تک انسان کی قوتِ عملی کا تعلق ہے تو یہ بھی کمال درجے کی  
ہو تاکہ وہ بدنی اور مالی عبادت انجام دے سکے، اور ان دونوں چیزوں  
کا تذکرہ اس سورۃ مبارکہ میں ہو چکا ہے لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا  
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۖ وَهُوَ نَازِعًا قَائِمًا كَرِيمًا کہ یہ بدنی عبادت ہے اور ہمارے  
دیے ہوئے مال میں سے انفاق فی سبیل اللہ کر کے مالی عبادت کا حق  
بھی ادا کریں۔ بہر حال اس آیت کریمہ میں تیسری بات یہ ہے کہ اللہ  
کی وحدانیت کو پہچاننا ہی سعادت ہے جس کو یہ چیز حاصل نہیں، وہ  
سعادت مندرجہ نہیں بلکہ شقی اور بد بخت ہے۔



(۳۱)  
نصیحت  
برائے  
اہل عقل

جو بھتی چیز کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے وَلْيَذْكُرُوا الْأَلْبَابَ  
تاکہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی قوتِ عملی کا کمال ہے کہ لوگ  
اچھی بات سے نصیحت حاصل کریں اور تمام عبادات بمثلہ بدنی اور مالی،  
نماز، روزہ، زکوٰۃ حج، تبلیغ، اور جہاد وغیرہ انجام دیں اور یہی چیز قرآن پاک  
انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کہ انسانوں کی قوتِ فکری اور عملی دونوں  
درست ہوں تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکیں۔ یہ چاروں باتیں  
ہو گئیں۔

خلاصہ  
کلام

اب آپ اس سورۃ مبارکہ کے تمام مضامین پر نظر ڈالیں گے  
تو خلاصہ یہی نکلے گا جو اس آخری آیت کہ یہ میں ذکر کر دیا گیا ہے اور  
وہ یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ کا آخری پیغام ہے، اس کے ذریعے لوگوں  
کو ان کے برے انجام سے خبردار کر دیا جائے کہ آگے محاسبہ کی منزل  
آنے والی ہے۔ نیز یہ بھی کہ لوگ اللہ کی وحدانیت پر یقین کر لیں کہ معبود  
برحق ایک ہی ہے۔ جب وہ قرآنی دلائل، شواہد اور انعامات الہی  
میں غور کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین آجائے گا۔  
اور پھر یہ بھی کہ اس نصیحت پر عمل کرنا عقل مندوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے سورۃ آل عمران میں عقل مندوں کی یہ صفت بیان کی ہے الَّذِينَ  
يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ  
جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔  
حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ  
ذِكْرِ اللَّهِ تمہاری زبان ہمیشہ ذکرِ الہی سے تر رہنی چاہیے۔ اگر دلائل  
قدرت میں غور و فکر کرو گے تو روح اور قلب کا ذکر ہوگا اور زبان کا  
ذکر تو عام ہے اور ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ حضرت ام المؤمنین  
فرماتی ہیں كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي كُلِّ أَحْيَانٍ

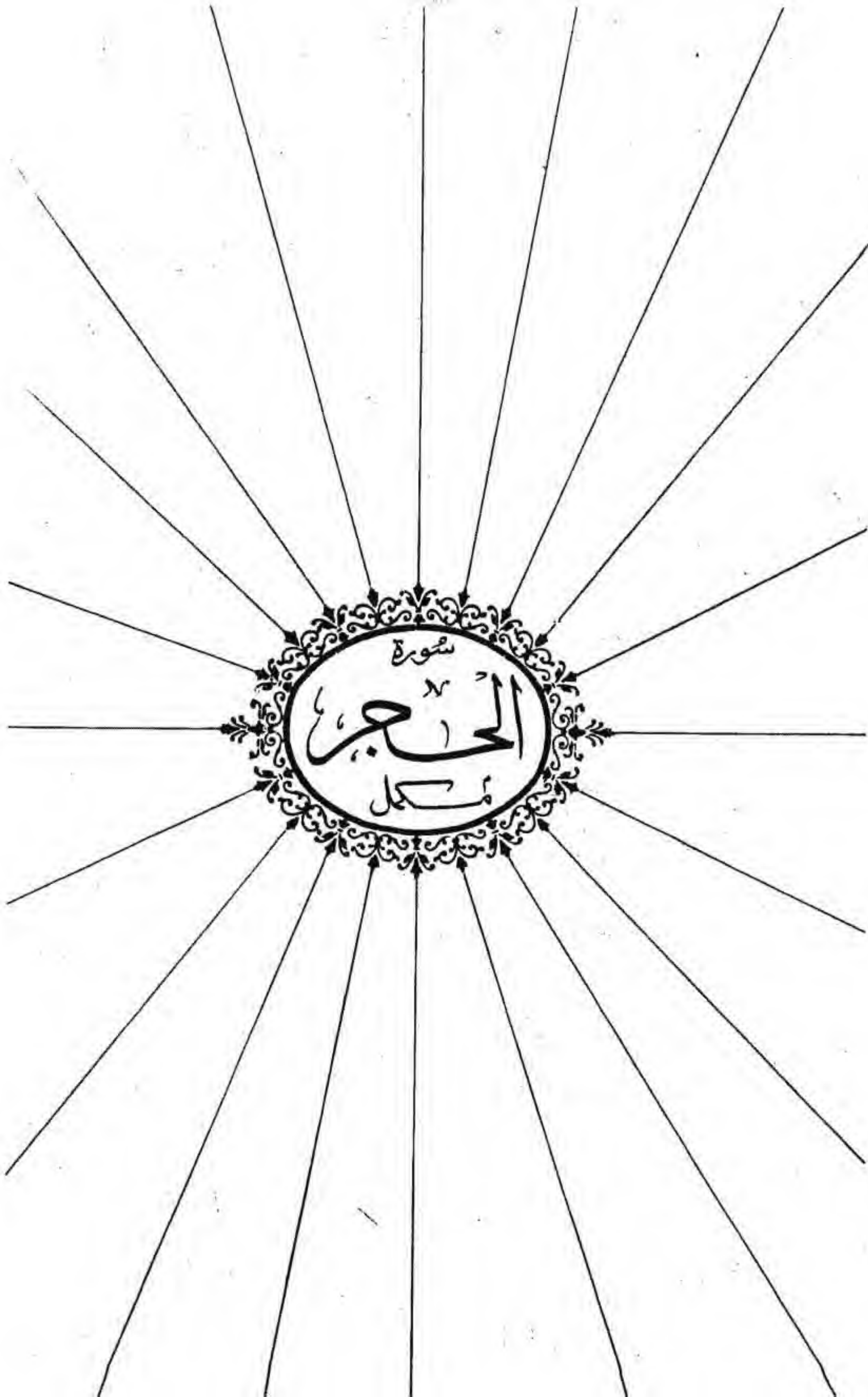


حضور علیہ السلام ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے کہ عقلمندوں کا  
 یہی کام ہے نہ دھوکہ، فریب اور برائی عقلمندوں کا کام ہرگز نہیں۔  
 یہ بات عقل معاش تو ہو سکتی ہے مگر عقل معاد نہیں ہو سکتی۔ نوسنہ پایا  
 صحیح معنوں میں عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، بدنی اور مالی  
 عبادات انجام دیتے ہیں اور قرآن پاک کے پروگرام پر یقین رکھتے  
 ہیں۔ اللہ نے سورۃ کے آخر میں خلاصہ کے طور پر چار باتیں فرمائی ہیں

---







سُورَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ تَسْعُ وَتَسْعُونَ آيَةً فِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ  
سورۃ حجر مکی ہے اور یہ ننانوے آیات اور اس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الرَّافِقِ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ①  
رَبِّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ②  
ذُرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ  
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قُرْيَةٍ  
إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ  
أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤

ترجمہ :- الرافق یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن کی  
جو کھول کر بیان کرنے والا ہے ① با اوقات آرزو  
کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کاش کہ وہ  
مسلمان ہوتے ② چھوڑ دیں ان کو کھا لیں اور فائدہ  
اٹھالیں اور غفلت میں ڈالے ان کو آرزو - پس  
عنقریب وہ جان لیں گے ③ اور نہیں ہلاک کیا ہم  
نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ایک نوشتہ تھا



مقرر لکھا ہوا ④ نہیں سبقت کرتی کسی امت سے  
اُس کی اجل (یعنی موت کا وقت) اور نہ وہ کسی سے  
سہٹتے ہیں ⑤

اس سورۃ کا نام سورۃ الحج ہے۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مکہ اور شام کے  
درمیان تبوک کے قریب واقع ہے۔ ہزاروں سال پہلے ثمود جیسی متمدن قوم اس  
وادی میں آباد تھی۔ یہاں پر ان کے سترہ سو بڑے بڑے شہر اور قصبات تھے۔  
اس سورۃ کا نام اسی وادی کے نام سے الحجر موسوم ہے ان لوگوں نے اپنے رسول  
کی تکذیب کی جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئے  
یہ سورۃ مبارکہ مکی دور میں نازل ہوئی۔ اس کی ۹۹ آیات اور چھ رکوع ہیں۔  
یہ سورۃ ۶۵۴ الفاظ اور ۲۷۷۰ حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ مکی سورتوں کی مانند اس سورۃ مبارکہ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد  
قرآن پاک کی حقانیت، معاد، رسالت اور توحید ہی کا ذکر ہے۔ گزشتہ سورۃ میں  
رسالت کا بیان تفصیل کے ساتھ آیا تھا جب کہ اس سورۃ میں مجرمین کی مہلت  
کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گزشتہ سورۃ میں حضرت ابراہیم اور  
موسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ تھا تو اس سورۃ میں حضرت شعیب اور لوط علیہما السلام کی قوم کی  
نافرمانی کا ذکر ہے۔ البتہ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں بھی آیا ہے۔ توحید کے  
عقلی اور نقلی دلائل اس سورۃ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور دلائل قیامت اور محاسبے  
کا عمل حسب سابق بیان ہوا ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد  
ہی بیان کیے گئے ہیں۔

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا بھی ایک اہم مضمون حضور علیہ السلام اور  
آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔ اللہ نے اہل ایمان  
کو فرمایا کہ آپ مجرمین کی ریشہ دوانیوں سے گھبراہٹیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مہلت

وے رہا ہے مگر بالآخر اُس کی گرفت میں آجائیں گے۔

اس سورۃ مبارکہ کا آغاز بھی حروف مقطعات الہامیہ سے ہو رہا ہے۔  
جیسا کہ سورۃ ابراہیم کی ابتداء میں بھی عرض کیا تھا مفسرین نے ان حروف کے  
مختلف معانی بیان کیے ہیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآن پاک سے مانوس  
رہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اے انا، ل سے اللہ اور ر سے  
رؤیت مراد ہے اور تینوں حروف کو ملائے سے انا اللہ اداۓ بنتا  
ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری تمام حرکات و سکنات  
کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا یہ جزائے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اے  
میرے بندو! تمہارا کوئی عمل میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ میں ایک  
ایک عمل کا حساب لوں گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ  
کروں گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اے اللہ ل سے جبرائیل اور ر سے رسول  
مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے حقائق اللہ رب العزت نے  
جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل  
فرمائے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے  
ذوقی طریقے سے میرے ذہن میں ڈالا ہے کہ ان حروف سے مقامات  
انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ عالم غیب کے حقائق الہیہ اس مادی جہان میں  
آکر متعین ہوتے ہیں اور نافرمان لوگوں کے باطل عقائد اور بُرے اعمال کے  
ساتھ ٹکراتے ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء کی کوشش سے باطل باتیں مٹی رہتی ہیں  
اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ گویا مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم  
جیسا کہ صاحب جلالین فرماتے ہیں، زیادہ سلامتی والا طریقہ یہ ہے اللہ  
أَعْلَمُ بِمَعْرَادِهِ ان کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، امارا اس پر  
ایمان ہے کہ اللہ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جاننا  
لے جلالین ص ۴



ہمارے لیے ضروری نہیں۔

قرآن کی  
حقانیت

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کتاب سے مراد ہے وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ کہ وہ قرآن ہے جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی حقدار صرف یہی کتاب قرآن پاک ہے جو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے اور جس کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں پوری انسانیت کی فلاح اور نجات کا پر و گرام موجود ہے۔ جہاں تک قرآن کے مہین ہونے کا تعلق ہے تو اس کی یہ صفت خود قرآن میں بتکرار بیان ہوئی ہے قرآن اپنے مطالب کبھی خود براہ راست کھولتا ہے۔ اگر کسی ایک مقام پر کسی معاملہ میں اجمال پایا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی وضاحت کا دوسرا ذریعہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا پابند کیا ہے لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اُسے کھول کر بیان کر دیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی تفسیر و تشریح احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اگر کوئی بات نبی کی زبان سے بھی واضح نہ ہوئی ہو یعنی اس کے بعض جزوی مسائل کی تشریح مطلوب ہو تو خود اللہ کا فرمان ہے لَعَلَّمَهُ الذِّيْنَتَ يَسْتَكْنِطُونَهُ (النساء) تو اسے استنباط اور اجتہاد کرنے والے ائمہ کے سپرد کر دو، وہ تحقیق کر کے مسئلہ کا حل بتا دیں گے۔ امام ابو بکر جصاص جو تھنی صدی کے عظیم المرتبت حنفی امام گزے ہیں جنہوں نے تفسیر الاحکام جیسی عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ قرآن پاک کی تبیین کبھی براہ راست قرآن سے ہوتی ہے، کبھی نبی کی زبان سے اور کبھی مجتہد اور علماء قرآنی اصولوں کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔ یہ سارے طریقے قرآن کی وضاحت میں داخل ہیں۔ بہر حال اس سورۃ کی پہلی



کفار کی  
آرزو

آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجرمین کے متعلق فرمایا ہے رُجَعًا  
بِاَوَاقَاتِ يَوْمِ الذِّكْرِ كَفَرُوا کافر لوگ آرزو کریں گے  
لَوْ كُنَّا نُوَا مُسْلِمِينَ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے۔ یہ اس وقت  
کی بات اللہ نے بیان کی ہے جب کافر لوگ عذاب میں مبتلا ہو چکے ہوں  
گے مگر بعض لمحات ایسے بھی آئیں گے جب وہ تمنا کر سکیں گے، کہ  
کاش وہ بھی ایمان لے آتے تو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بعض متفرقین  
فرماتے ہیں کہ حساب کتاب کے مرحلے سے گزرنے کے بعد بعض ایمان  
والے بھی اپنے گناہوں کی پاداش میں کچھ عرصہ کے لیے جہنم میں جائیں گے  
تو اس وقت کافر ان کو طعنہ دیں گے کہ تم نے تو دنیا میں ایمان کو قبول  
کیا، اب ہمارے ساتھ جہنم میں کیوں پڑے ہو۔ پھر وہ سزا بھگتنے کے بعد  
آہستہ آہستہ جہنم سے نکلنے جائیں گے تو اس وقت کافر لوگ آرزو کریں گے  
کہ اگر ہم بھی دنیا میں ایمان لے آتے تو آج ان کے ساتھ ہی دوزخ سے  
نکل جاتے۔ مگر اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا، کیونکہ عمل کا وقت ختم  
ہو کر جزا کا وقت آچکا ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کی یہ حسرت صرف آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور اس کا اطلاق اس دنیا پر بھی ہو سکتا ہے چنانچہ بدر اور بعض دوسرے مواقع پر جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کفار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، تو انہوں نے اُس وقت آرزو کی کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ تاہم زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ کافر لوگ آخرت میں یہ آرزو کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ارشاد فرمایا ذُرْهُمُ آبُ ان کو چھوڑ  
 دیں۔ يَا كُلُّوْا يَذْمَعُوْا یہ کھالیں اور فائدہ اٹھالیں۔ فرمایا آپ

کفار کے  
لیے مہلت



ان کی طرف سے زیادہ تشویش میں نہ پڑیں بلکہ انہیں دنیا کی ترغیبات سے مستفید ہونے دیں۔ انہیں مہلت دیں کہ یہ فائدہ اٹھالیں۔ سورۃ محمد میں کفار کے متعلق آتا ہے يَتَصَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْإِبْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ کہ یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے مویشی کھاتے ہیں مگر بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وَيَأْكُلُهُمُ الْإِبِلُ اور غفلت میں ڈالے ان کہ ان کی آرزو اس دنیا میں تو یہ بلا تمیز حلال و حرام چوپایوں کی طرح کھاتے رہتے ہیں اور دنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں مگر هَنُوفٌ يَغْكُمُونَ انہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ ان کی غفلت، لاپرواہی اور عیش و عشرت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَصْعَاءٍ یعنی کافر آدمی سات آنٹوں میں کھانا کھاتا ہے وہ خوب پیٹ بھرتا ہے کیونکہ اُسے آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعَى وَاحِدٍ مومن آدمی صرف ایک آنٹ میں کھاتا ہے۔ یعنی وہ صرف اتنا کھانا کھاتا ہے جس سے اُس کی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رہ سکے اور اس میں اتنی قوت موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دیگر فرائض انجام دے سکے اسی لیے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں، کھانے دیں اور فائدہ اٹھانے دیں، انہیں جلد ہی نتیجے کا پتہ چل جائے گا۔

حضور ﷺ  
کا تشویش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دو چیزوں کے متعلق میں اپنی امت کے لوگوں پر خوف رکھتا ہوں یعنی اتباع الہوی و طول الامل ان میں سے ایک خواہشات کی پیروی ہے اور دوسری لمبی لمبی آرزوئیں ہیں۔ اتباع ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے قانون



کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا  
 وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (البقرہ) لوگو! شیطان کے نقش قدم پر  
 نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ حق کے مقابلے میں رسم و رواج اختیار  
 کرنا خواہشات اور شیطان کی پیروی کے مترادف ہے۔ اگر سنت کا خیال  
 نہیں رکھو گے، خدا تعالیٰ کے حکم اور شریعت کی پرواہ نہیں کرو گے، خوشی  
 اور غمی کے موقع پر قوم، خاندان اور برادری کے کہنے پر چلو گے، تو یہی خواہشات  
 کی پیروی ہے۔ فرمایا، مجھے دوسرا خطرہ لمبی لمبی آرزوؤں کا ہے۔ انسان  
 بے شمار منصوبے بناتے ہیں کہ یہ کریں گے، پھر وہ کریں گے، اتنا فائدہ ہو  
 گا، اتنی شہرت ہوگی، انسان اسی بات میں لگا رہتا ہے آخرت کی طرف  
 توجہ ہی نہیں دینا حتیٰ کہ اُسے موت آجاتی ہے اور اس کی ساری آرزوئیں  
 دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے اتباع ہوا لیس  
 چیز ہے يَصْدُ عَنْ الْحَقِّ جو حق بات سے روکتی ہے وَأَمَّا طُولُ  
 الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْأَخِرَةَ اور لمبی آرزو وہ ہے جو آخرت کو فراموش  
 کر دیتی ہے۔ انسان کو آخرت کی فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جتنی لمبی  
 آرزو ہوگی اتنی ہی آخرت سے غفلت ہوگی۔

مقررہ وقت  
پر ہلاکت

فرمایا کہ کافر لوگ جو کچھ کرتے ہیں انہیں کرنے دیں، اس وقت انہیں  
 مہلت مل رہی ہے مگر ہر فرد اور قوم کے لیے ہم نے ایک وقت  
 مقرر کر رکھا ہے وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَمْهَكَ  
 كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی مہلت  
 کا مقررہ وقت بکھردیا گیا تھا۔ ہم نافرمان قوموں کو مہلت دیتے ہیں، پھر  
 جب ان کا مقررہ وقت آگیا تو وہ گرفت میں آئے اور ہلاک ہو گئے۔  
 فرمایا یہاں پر ایک یہ قانون بھی ہے مَا سَبَقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلُهَا  
 وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ کسی امرت کی موت آگے پیچھے نہیں ہوتی، مگر



عین وقت مقررہ پر وارد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اللہ نے کئی قوموں کے حالات بیان کیے ہیں جن کو ہدایت دی گئی اور پھر حیب ان کی ہلاکت کا وقت آگیا تو لحظہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوا، بلکہ عین وقت پر ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

اس میں حضور علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہو گیا کہ کفار کے جوش و خیزبے اور ان کے غلبے کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آخرت میں ان کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ فرمایا ان کو چھوڑ دیں اور دُنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھانے دیں۔ ایک مقررہ وقت آنے والا ہے جب خدا تعالیٰ کی گرفت آئے گی اور یہ مجرم لوگ پکڑے جائیں گے اگر دُنیا میں مصلحت خداوندی کے مطابق سزا سے بچ بھی گئے تو اگلے جہان میں یقینی طور پر سزا میں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ  
 لَمَجْنُونٌ ⑥ لَوْ مَا تَأْتِيَنَا بِالْمَلِكَةِ ابْنُ  
 كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑦ مَا نُزِّلَ الْمَلِكَةُ  
 إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ⑧ إِنَّا نَحْنُ  
 نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ⑨ وَلَقَدْ  
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ⑩  
 وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ  
 يَسْتَهْزِءُونَ ⑪ كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ  
 الْمُجْرِمِينَ ⑫ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ  
 الْأَوَّلِينَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنْ  
 السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرَجُونَ ⑭ لَقَالُوا إِنَّمَا  
 سَكْرَتُ أَبْصَارِنَا بِكُمْ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ⑮

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے، اے وہ شخص کہ

اتارا گیا ہے جس پر ذکر، بیشک تو البتہ دیوانہ ہے ⑥

کیوں نہیں لاتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو، اگر

تو سچا ہے ⑦ (فرمایا) نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو

مگر حق کے ساتھ۔ اور نہیں ہوں گے وہ مہلت یافتہ



لوگوں میں سے ⑧ بیشک ہم نے اتارا ہے ذکر کو،  
 اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑨  
 اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول ،  
 پہلے گروہوں میں ⑩ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی  
 رسول مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ⑪ اسی  
 طرح ہم چلاتے ہیں اس کو مجرموں کے دلوں میں ⑫  
 نہیں ایمان لاتے اس پر ، اور تحقیق گزر چکا ہے دستور  
 پہلے لوگوں کا ⑬ اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان  
 سے اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں ⑭ تو کہیں  
 گے بیشک ہماری آنکھوں کی نظربندی کر دی گئی ہے ،  
 جبکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر سحر کر دیا گیا ہے ⑮

ربط آیات

سورۃ ہذا کی پہلی آیت کریمہ میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی  
 پھر کفر کرنے والوں کا آخرت میں آرزو کرنا مذکور ہوا کہ وہ کہیں گے کاش کہ وہ مسلمان  
 ہوتے تو اس دن کی ذلت سے بچ جاتے پھر اُس مہلت کا ذکر ہوا جو کافر ہر شرک  
 اور معصیت شعار لوگوں کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا ان کو چھوڑ دیں اور  
 کھانے پینے دیں ، یہ دنیا میں فائدہ اٹھاتے رہیں اور آرزوئیں ان کو غفلت میں  
 ڈالتی رہیں ، بالآخر ان کو پتہ چل جائے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا۔ اللہ نے یہ  
 بھی فرمایا کہ ہر قوم اور جماعت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے جس پر وہ اپنے  
 انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ مجرموں کو مہلت دیتا ہے مگر انہیں سزا دیے  
 بغیر چھوڑتا نہیں۔

دیوانی کا  
 الزام

اب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بعض حرکات کا شکوہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا  
 ہے وَقَالُوا اِنَّمَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْنَا الذِّكْرُ اے وہ

مستحق شخص کہ جس پر ذکر اُتارا گیا ہے کفار و مشرکین کا یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہے کہ آپ ہی پر ذکر یعنی قرآن پاک اُتار گیا۔ قرآن پاک کے بہت سے ناموں میں سے ذکر بھی ایک نام ہے جس کا معنی نصیحت ہے تو نافرمان اور سرکش لوگ کہتے تھے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ کہ تو تو دیوانہ ہے (العباد باللہ) وہ لوگ اپنے تعصب و عناد، نادانی اور حماقت کی بنا پر آپ سے استہزاء کرتے تھے کہ آپ تو دیوانوں جیسی باتیں کہتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی کی بات ہے؟ أَجَعَلَ الْإِلَٰهَ الْوَاحِدَ إِنْ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ (ص ۱) کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک الہ کو مان لیں، یہ تو عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ یا آپ کہتے ہیں کہ قیامت برپا ہوگی، محاسبہ کا عمل آئیگا، اور پھر جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ بھلا یہ بھی کوئی قابل یقین بات ہے کہ مرنے کے بعد پھر سارے جی اٹھیں گے؟ یہ تو پاگلوں جیسی باتیں ہیں ہم ان کو نہیں مانتے۔

نزل ملائکہ  
کی فرمائش

کہنے لگے اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ اگر آپ سچے ہیں اللہ کے فرشتے ہمارے سامنے آکر گواہی دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو پھر ہم مانیں گے۔ کہ اللہ نے واقعی آپ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا ہے۔ اور آپ پر قرآن بھی نازل کیا ہے، اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ ہم نہیں فرشتوں کو اتار تے مگر حق کے ساتھ۔ جب اللہ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، تو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب فرشتے اتریں گے وَمَا كَانُوا اِذَا مُنْظَرُوْنَ تو پھر انہیں ہدایت بھی نہیں ملے گی، فوری گرفت ہوگی اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔



حفاظت  
قرآن کا ذمہ

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ قرآنِ کریم میں تردد کرتے ہیں اور اسے خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حقیقت یہ ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ اور بیشک ہم ہی البتہ اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ منکرین اس خدائی پروگرام کو مٹانے کی جتنی بھی کوشش کر لیں، ہم خود اس کے محافظ ہیں۔ اس قرآن کو کوئی گنہگار نہیں پہنچا سکتا اور یہ اپنی اصلی حالت میں قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مشرکین نے جنگ و جدل کے ذریعے قرآن کو ختم کرنے کی کوشش کی جب کہ یہودیوں نے سازشوں کے ذریعے اہل ایمان اور ان کی کتاب کو مٹانا چاہا، مگر اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھالیا۔

حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا أَنْزَلْتُ إِلَيْكَ الکتب میں نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جسے نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ پانی دھو سکتا ہے۔ اللہ نے سورۃ العنکبوت میں یہ بھی فرمایا ہے بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ یہ تو ایسی واضح آیات ہیں جو اللہ نے اہل علم کے سینوں میں جمع کر دی ہیں لہذا اسے کون مٹا سکتا ہے؟ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے جس سے متعصب اور مغرور مخالفین کے سر بھی نیچے ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کی حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ میور ایک انگریز پادری تھا، ہندوستان میں یورپی کا گورنر بھی رہا، شدید متعصب عیسائی تھا۔ اس کا مقولہ ہے کہ دو چیزیں انسانیت کی دشمن ہیں ایک محمد کا قرآن اور دوسری محمد کی تلوار۔ اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک تحریف سے پاک رہی ہو۔ بعض دوسرے یورپی محققین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جس طرح مسلمان قرآنِ پاک کو خدا کا کلام سمجھتے



ہیں اسی طرح ہم بھی اسے بعینہ محمد کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے  
ہیں۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ قرآن کو خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ  
والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ وہ بھی ماننے پر مجبور ہیں۔  
کبار شیخ گمراہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء کا ایک عظیم گروہ موجود رہا ہے  
جس نے قرآن پاک کے علوم و مطالب اور اس کے لامتناہی عجائبات کی  
ہمیشہ حفاظت کی ہے۔ یہ حضرات ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف  
کو یاد کرتے رہے ہیں اور آئندہ نسلوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ قرآن پاک  
کا رسم الخط بھی اس کی حفاظت کا ذمہ دار رہا ہے۔ پرانے کوئی رسم الخط متعلق  
نسخ اور دیگر خطوں میں قرآن پاک ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ حفاظ نے اس کو  
حرف بحرف زبانی یاد کر کے اور قاری حضرات نے اس کی صحت لفظی کے  
لحاظ سے حفاظت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی عزت  
کو شمار کر کے اس کی حفاظت کی ہے۔ کسی نے قرآن کے رکوع شمار کیے  
تو کسی نے آیات، کسی نے اس کے الفاظ کو گناہے اور کسی نے حروف  
کو شمار کر لیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک کوئی زمانہ ایسا  
نہیں گزرا جس میں لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود نہ ہوں، اور حیرت کی بات  
یہ ہے کہ آٹھ دس سال کا پاکستانی یا ہندوستانی بچہ، افریقی یا ملائی، جس کی  
اپنی مادری زبان بھی عربی نہیں اور وہ خود اپنی زبان میں چھوٹی سی کتاب بھی یاد نہیں  
رکھ سکتا، مگر قرآن پاک اسے حرف بحرف زبانی یاد ہے۔ کوئی بڑے سے  
بڑا عالم بھی اگر تلاوت میں غلطی کرتا ہے تو وہ بچہ فوراً ٹوک دیتا ہے اللہ تعالیٰ  
نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ایسا اچھا نظام قائم کر رکھا ہے۔  
صاحب "معارف القرآن" مفتی محمد شفیعؒ نے امام قرطبی کے حوالے  
سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کا راوی خلیفہ مامون الرشید عباسی کا بڑا  
قاصی اکثم تھا۔ خلیفہ کے دربار میں بڑے بڑے فقہاء، عالم اور ماہرین جمع ہو

حفاظت  
قرآن کا  
قدرتی نظام

قبول اسلام  
کا ایک واقعہ



کے مختلف مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسی ہی ایک بحث چل رہی تھی کہ ایک نہایت ہی وجہ شخص محفل میں شامل ہوا اور اس نے نہایت فصیح و بلیغ زبان اور عالمانہ انداز میں بحث میں حصہ لیا۔ اختتام مجلس پر خلیفہ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ یہودی مذہب رکھتا ہے خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ اگر تم مسلمان ہوتے تو ہم تمہاری بہت قدر و منزلت کرتے، اس شخص نے کہا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور چلا گیا۔ کوئی ایک سال بعد دربار میں پھر اُسی قسم کی مجلس برپا تھی کہ وہ شخص پھر داخل ہوا اور بحث میں پورا پورا حصہ لیا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مامون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم وہی شخص نہیں جو گزشتہ سال بھی یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا میں وہی شخص ہوں۔ اس وقت میں یہودی تھا۔ مگر اب مسلمان ہو چکا ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے اسلام کیسے قبول کر لیا حالانکہ تم اپنا پہلا مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ کی گزشتہ سال کی پیش کش پر میں نے بڑا غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے مختلف مذاہب پر تحقیق کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے نہایت عمدہ خط میں توراة کا ایک نسخہ لکھا اور اس میں کہیں کہیں تغیر و تبدل کر دیا۔ وہ نسخہ میں نے یہودی علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔ پھر میں نے انجیل کی بڑی خوش خط کتابت کر کے عیسائیوں کے سامنے پیش کی، تو انہوں نے اُسے شکر یہ کے ساتھ قبول کر لیا۔

میسر تیسرے نشانہ قرآن پاک تھا۔ میں نے اس کو بھی بہت اچھے خط میں تحریر کیا اور حسب معمول اس میں تحریف بھی کر دی۔ پھر جب میں نے اُسے مسلمان علماء کی خدمت میں پیش کیا تو کسی نے بھی بلا تحقیق اُسے قبول نہ کیا۔ انہوں نے حفاظ سے اس کی تصدیق چاہی مگر جب معلوم ہوا کہ اس میں



رد و بدل کیا گیا ہے تو نسخہ واپس کر دیا کہ یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اس بات پر مجھے یقین آگیا کہ قرآن پاک ہی ایک واحد کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور یہی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس پر میں نے اسلام قبول کر لیا۔

جب حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو قاضی الکتب نے یہ واقعہ امام سفیان ابن عیینہؒ کے سامنے ذکر کیا۔ آپ امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں اور اُنہی زمانے کے امام، محدث اور فقیہ ہیں اس پر امام سفیان ابن عیینہؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ الیسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ نے تورات وغیرہ کے متعلق فرمایا ہے بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ (المائدہ)

کہ ان لوگوں کو کتابِ الہی کا محافظ بنایا گیا تھا، مگر وہ اس کی حفاظت میں ناکام رہے۔ پھر اللہ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کہ اے ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، لہذا قرآن کریم ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بالکل پاک ہے اگر کوئی بد بخت اس کے معانی میں غلط بیانی کی جارت کرتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل علم کو کھڑا کر دیتا ہے جو فوراً اس غلطی کی نشاندہی

کر دیتے ہیں۔ سرسید احمد خاں، پیر ویز، نیاز فتحپوری اور غلام احمد قادیانی وغیرہ نے غلط سط معانی کیے تو علمائے حق نے ان کے دجل و فریب کو چاک کر دیا

اہل بدعت اور رافضی وغیرہ جو بھی غرابی کرتے ہیں، اہل علم اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ حضور کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو قرآن پاک کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے

قرآن میں تحریف کرنے کی بڑی کوشش کی اور افریقہ کے نو مسلموں کو تحریف شدہ نسخے بھیجے مگر اللہ نے مصر میں کرنل ناصر کو کھڑا کر دیا جس نے اس سازش کو چاک کیا، لاکھوں کی تعداد میں غلطی سے پاک نسخے تیار کر لے اور انہیں

لفظی اور  
معنوی  
حفاظت



پورے افریقہ میں تقسیم کر دیا۔

رسولوں کے  
ساتھ استنزا

اگے تسلی کا مضمون آ رہا ہے وَلَقَدْ ارْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي  
شَيْعِ الْاَوَّلِينَ اور تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول پہلے گروہوں  
میں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِه  
يَسْتَهْزِءُونَ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس سے  
ٹھٹھکرتے تھے۔ کہتے لاؤ ہمارے سامنے فرشتوں کو اتارو، مگر تو  
دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے فرمایا كَذٰلِكَ نَسْلُكُكَ فِي  
قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ اسی طرح ہم چلاتے ہیں اسے مجرموں کے دلوں  
میں یعنی مجرم لوگ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِہ اس رسول پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اُسے  
جھٹلاتے ہیں۔ وَقَدْ خَلَتْ مُسْنَدُ الْاَوَّلِيْنَ اور پہلے لوگوں سے  
یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے ساتھ استنزا کرتے رہے  
ہیں اور اللہ کی کتاب کا انکار کرتے رہے ہیں فرمایا، یہ کوئی نئی بات نہیں  
ہے جو آپ کو پیش آ رہی ہے بلکہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اسی قسم کے  
معاملات پیش آتے رہے ہیں۔ مجرم لوگ پہلے رسولوں کا بھی انکار کرتے  
رہے اور ان کو مجنون، شاعر اور کاہن کا خطاب دیتے رہے۔ بہر حال یہ  
حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

کفار کا  
مسئلہ انکار

کفار کے اس مطالبے کے جواب میں کہ آسمان سے فرشتے کیوں نہیں  
نازل ہوتے، اللہ نے فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ  
اَلَمْ يَهِيمْ اِنْ يَرَوْا سَمَاءًا مِّنْ غُيُوبٍ اَلَمْ يَكُونُوا فِيْهَا يَعرُجُوْنَ  
کہ یہ اس میں بیٹھ رہے کہ ذریعے چڑھتے رہیں تو پھر بھی یہ متعصب اور ضدی  
لوگ لگتا لگاویں کہیں گے اِنَّمَا سُبُكَّتْ اَبْصَارُنَا کہ ہماری  
نظر بندی کر دی گئی ہے۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر سحر  
کر دیا گیا ہے مطلب یہ کہ لوگ آسمان پر چڑھ کر بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں

گے اور قرآن اور نبی برحق کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔ اللہ نے حضور  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے اعتراضات  
کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنا کام کرتے رہیں۔ یہ تو اپنی مطلوبہ نشانیاں دیکھ  
کر بھی یہی کہتے ہیں ”يَسْحَرُونَ مُنْجِبًا“ القمرا یہ تو چلتا ہوا جادو ہے  
پہلے بھی لوگ ایسا جادو کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں شوق القمر  
کا معجزہ دیکھ کر انہوں نے یہی کہا تھا۔ فرمایا ایسے لوگ ہدایت سے محروم  
رہیں گے۔ آپ ان پر زیادہ افسوس نہ کریں۔ اپنا حق تبلیغ ادا کرتے رہیں  
جس کے نتیجے میں منصف مزاج لوگ ہدایت حاصل کر لیں گے۔



وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا  
 لِلنَّاظِرِينَ ①۶ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ  
 رَجِيمٍ ①۷ إِلَّا مَرِيًّا اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ  
 شِهَابٌ مُبِينٌ ①۸ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا  
 فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ  
 مَّوْزُونٍ ①۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ  
 وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ②۰ وَلَنْ مِّنْ شَيْءٍ  
 إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ  
 مَّعْلُومٍ ②۱

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں بُرج

اور مزین کیا ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے ①۶

اور ہم نے حفاظت کی ہے ان کی ہر شیطان مردود

سے ①۷ مگر وہ جو چوری چھپے سنتا ہے، پس پھینکا کرتا

ہے اس کا ایک روشن شہاب ①۸ اور زمین کو پھیلایا

ہم نے اور رکھے ہیں ہم نے اس میں بوچھل پہاڑ، اور

اگائی ہم نے ہر چیز اس میں ایک اندازے سے ①۹ اور

بنائے ہیں ہم نے تمہارے لیے اس (زمین) میں

معیشت کے سامان ، اور اُن کے لیے بھی کہ نہیں ہو تم اُن کو روزی پہنچانے والے (۲۰) اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے ہی پاس ہیں اس کے خزانے ۔ اور نہیں اتارتے ہم اس 356 کو مگر ایک معین اندازے پر (۲۱)

رابط آیات

کافر اور مشرک قرآن حکیم کی حقانیت پر شبہ کرتے تھے اور صاحب قرآن کو کہتے تھے کہ تو دلیا نہ ہے ۔ اور اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو نازل کرتا کہ وہ تیری اور قرآن پاک کی صداقت کی گواہی دیں ۔ اللہ نے مشرکوں کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتا ہے اور جب اتارتا ہے تو پھر نافرمانوں کو مہلت نہیں ملتی بلکہ ان کا کام تمام کر دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کے حق میں گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ، لہذا حفاظت کے سامان ہم خود پیدا کریں گے ۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نشانیاں طلب کرنے کے جواب میں فرمایا ہے کہ تمہارے ارد گرد قدرت کی بیشمار نشانیاں بھری پڑی ہیں ۔ اگر نیت صاف ہو تو ایمان لانے کے لیے یہی کافی ہیں ، اور اگر ضد اور عناد پر ہی قائم رہنا ہے تو پھر کوئی بھی نشانی کارگر نہیں ہو سکتی ۔

آسمانی برج ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا لِّبَيِّنَاتٍ لِّمَنْ يَّهْتَدِي ۚ اُنہوں نے آسمانوں میں برج بنائے ہیں ۔ پرانی ریاضی اور ماہرین فلکیات بارہ برجوں کا تصور پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چاند اور سورج ہر ماہ جدا جدا برج میں ہوتے ہیں ۔ ہر برج یا محل کی تاثیر مختلف ہوتی ہے جس سے مومنوں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے ۔ بارہ برجوں کا تصور یونانیوں سے آیا ہے ۔ انہوں نے یہ تصور ایرانیوں سے اور ایرانیوں نے بابلیوں یعنی آشوریوں سے اخذ کیا تھا ۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ برجوں



سے مراد مطلق ستارے یا بڑے بڑے سیارے ہیں۔ جہاں سے فرشتے اللہ کے حکم سے نیچے اترتے ہیں۔ وہاں پر دروازے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں سے فرشتے آتے جاتے ہیں۔ اور پھر برجوں، سیاروں یا ستاروں کو اللہ نے اس طریقے سے ترتیب دیا ہے وَرِیْثُهَا لِلنَّظَرِیْنَ کہ دیکھنے والوں کے لیے بڑے بڑے پر رونق معلوم ہوتے ہیں۔ دن کے وقت تو سورج کی حکومت ہوتی ہے اور رات کو چاند روشن ہوتا ہے اور جب چاند بھی موجود نہ ہو تو اس وقت ستارے خوب روشن ہوتے ہیں جن کا منظر بڑا خوش گُن ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ستاروں کو دیکھنے والوں کے لیے مزیں کر دیا ہے۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کا نظارہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔

شیاطین کے لیے شہاب

ارشاد ہوتا ہے وَحَفِظْنَاہَا مِنْ كُلِّ شَیْطَانٍ رَّجِیْمٍ اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی شیطان مردود سے۔ ان کو اوپر جانے سے روک دیا گیا ہے اَسْتَرْقَ السَّمْعَ مگر وہ جو چوری چھپے سُن کر بھاگنا چاہتا ہے فَاَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ۔ پھر اس کے پیچھے روشن انگارا آتا ہے۔ اسے شہابِ ثاقب کہتے ہیں جو کسی ستارے سے ٹوٹ کر شیطان کا پیچھا کرتا ہے۔ سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق اوپر اٹھنے والے بخارات میں حرارت ہوتی ہے۔ پھر جب ان میں آگ لگتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ٹوٹا ہوا ستارہ ہو۔ اس نظریے کی نفی نہیں کی جاسکتی کیونکہ قرآن پاک نے اس قسم کے اسکان کی نفی نہیں کی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح سورج میں ایک بہت بڑا لاوہ ہے جو جلتا رہتا ہے، روشنی اور حرارت دیتا ہے، اس طرح ستاروں کے اندر کوئی ایسا مادہ ہو جو پھٹ جاتا ہو اور وہ ٹوٹا ہوا ستارہ نظر آتا ہو۔ بہر حال قدیم زمانے سے ہی کچھ مشاہدے میں آ رہا ہے۔ اس

ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنات کی تخلیق سے  
 لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک شیاطین کے لیے آسمان  
 پر جانے میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں تھی، لہذا وہ اُپر جا کر فرشتوں کی کچھ  
 کچھ باتیں سن لیتے۔ پھر وہ اسے واپس آ کر اپنے چلیوں، کاہنوں وغیرہ کے  
 کانوں میں بھونکتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلا دیتے۔ پھر جب  
 حضور علیہ السلام کا زمانہ آیا اور قرآن کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کے اُپر  
 جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اب اگر یہ اُپر جانے کی کوشش کرتے  
 ہیں تو اللہ کے فرشتے ان پر شہاب پھینکتے ہیں۔ پھر ان شیاطین میں سے  
 کچھ زخمی ہو جاتے ہیں اور بعض ہلاک ہو جاتے ہیں۔ سورۃ جن میں ہے کہ  
 جنات نے کہا کہ جب ہم اُپر جاتے ہیں ”مِلَّتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَ  
 شُهُبًا تَسْحَبُ پَرَّے لَکَ جَاتے ہیں اور آگے سے شہاب پڑتے ہیں۔  
 بعض جدید ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ اُپر فضا میں کائناتی شعاعیں  
 (COSMIC RAYS) کا سک ریزہ ہیں جو ہر اُپر والی چیز کو جلا دیتی ہیں اسی لیے فضا میں بھی  
 جانے والی خلائی گاڑیوں کی حفاظت کا خصوصی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح  
 اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو بھگانے کے لیے شہاب مقرر کر رکھے ہیں۔ بہر حال  
 یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ  
 کی وحدانیت کا یقین آ جاتا ہے۔ انصاف پسند آدمی ایسے دلائل سے  
 بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

یہ تو عالم علوی کا حال تھا، آگے اللہ نے عالم سفلی کا حال بھی بیان  
 کیا ہے۔ ”وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا“ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔  
 اگرچہ زمین بظاہر چپٹی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں بالکل گیند کی طرح  
 گول ایک بہت بڑا کرہ ہے۔ چونکہ اس کا حجم بہت بڑا ہے اس  
 لیے یہ ہر حصے سے پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کی گولائی محسوس نہیں

زمین کے  
 فوائد



۳۵۵

ہوتی، فرمایا ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے وَالْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِي  
اور اس میں بوجھل پہاڑ رکھ دیے ہیں۔ رَاسِيہ جیسے ہوئے پہاڑ کو کہتے  
ہیں۔ ان پہاڑوں کو بھی اللہ نے بے سود نہیں پیدا کیا بلکہ ان کے ساتھ  
بھی انسانی زندگی کے بہت سے مفادات والبستہ ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوں  
تو انسان ان سے پیدا ہونے والے، پھلوں، جڑی بوٹیوں اور معدنیات  
سے محروم ہو جائیں۔ تو پہاڑ بھی اللہ نے انسان کی خدمت کے لیے  
پیدا فرمائے ہیں۔

فَرَايَا وَابْتَلْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ اور ہم نے  
اس زمین میں ہر چیز ایک اندازے کے مطابق اگائی ہے۔ انسان کمال  
قدرت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی ہر قسم کو موزون  
پیدا فرمایا ہے۔ اناج کا دانہ ہو یا پھنیاں اور پتے۔ چھوٹی سی بل ہو یا  
تناور درخت، ہر چیز میں موزونیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے ہر اگنے والی چیز میں مختلف قسم کے رنگ، خوشبو اور تاثیر رکھی ہے  
جو انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر دل و نگاہ  
خوش ہو جاتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ جس قسم کا بیج بوٹیں گے، ہزار دفعہ  
بھی اگائیں تو اسی قسم کا پودا، درخت اور پھل پیدا ہوں گے اور ان میں  
کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہی رنگ، وہی ذائقہ اور وہی شکل و صورت  
ہوگی۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ اتنے بڑے بڑے نشانات قدرت  
دیکھ کر بھی لوگ کفر و شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت کے قائل نہیں  
ہوتے۔ یہ ان کی ناشکر گزاری کی علامت ہے۔

معیشت کے  
سامان

ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ  
اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان پیدا کیے  
ہیں۔ ہم نے تمہاری زندگی کے لیے اسباب فراہم کیے ہیں۔ ان اسباب



کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ انسان انہیں شمار بھی نہیں کر سکتے۔ فرمایا ہم نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہاری روزی کا سامان بھی مہیا کیا ہے، اور اُن کو بھی پیدا کیا ہے وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنِ جن کی روزی کے ذمہ دار تم نہیں ہو۔ اللہ نے تمہاری خدمت کے لیے کتنے غلام اور نوکر چاکر پیدا کیے مگر اُن کا روزی ریاں بھی میں ہوں، تم نہیں ہو۔ پھر اللہ نے کتنے چوپائے، پرندے، درندے، پھلیاں، کیڑے مکوڑے اور لاتعداد مخلوق پیدا کی ہے اور اُن کے لیے معیشت کے سامان بھی خود ہی پیدا کیے ہیں۔ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اللہ نے کسی دوسری مخلوق کی روزی تمہارے ذمے نہیں لگائی، بلکہ ہر جاندار کا روزی رسال وہ خود ہے، تو فرمایا یہ باتیں اہل خرد کے لیے بڑے بڑے دلائل ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہیئے، نہ کہ من مانی نشانیاں طلب کی جائیں اللہ نے تو پہلے ہی بیشمار نشانیاں پھیل رکھی ہیں جنہیں تم ہر وقت دیکھتے ہو، مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

آگے فرمایا وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خِزَانَةٌ اور ایسی کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ آج کی کوئی قسم لے لیں، پھولوں اور پھلوں پر نگاہ ڈال لیں، پانی، ہوا، بحارات، نباتات، اور معدنیات کو دیکھ لیں، ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہی انہیں تقسیم کر رہے ہیں۔ انسانی دل و دماغ، شکل و صورت، حسن، علم اور صحت ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے عطا کر رکھی ہے۔ اور اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ ان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ فرمایا وَمَا نَزَّلْنَاهُ اِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُومٍ ہم یہ تمام نعمتیں ایک معین انداز سے کے مطابق نازل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو دوسری کوئی مخلوق نہیں سمجھ سکتی، وہ اپنی قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ

قدرت  
خزانے



کے مطابق جہاں جس چیز کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، اتنی مہیا فرمادیتا ہے  
 یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی کی شکل و صورت کیسی بنانی ہے، کسی  
 کو حسن و جمال اور علم و صحت کتنی دینی ہے۔ یہ سب چیزیں اس کے علم  
 و قدرت میں ہیں اور وہ اسی کے مطابق انہیں نازل فرماتا ہے۔

---

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ  
السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ  
بِخَرِينِ ۚ (۲۲) وَإِنَّا لَنَحْنُ نَحْيِ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ  
الْوَارِثُونَ ۚ (۲۳) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ  
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۚ (۲۴) وَإِنَّ  
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۚ (۲۵)

ترجمہ :- اور بھیجیں ہم نے ہوائیں بوجھل ۔ پس اتارا ہم نے  
آسمان کی طرف سے پانی ۔ پس ہم نے پلایا وہ پانی تم کو  
اور نہیں تھے تم اس کو خزانہ کرنے والے (۲۲) اور بیشک  
البتہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور  
ہم ہی وارث ہیں (۲۳) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں  
اُن لوگوں کو جو آگے بڑھنے والے ہیں تم میں سے، اور  
البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو پیچھے رہنے  
والے ہیں (۲۴) اور بیشک تیرا پروردگار ان کو اکٹھا کرے  
گا ۔ بیشک وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۵)

سورۃ کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت

ربط آیت

کا ذکر کیا، اور اس کی حفاظت کا قانون بتلایا۔ پھر منکرین قرآن کی مذمت بیان فرمائی  
پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور قیامت کے دلائل ذکر کیے، پہلے علوی دلائل



بیان کیے یعنی آسمانی برج اور اُن کی حفاظت کا ذکر کیا۔ پھر سفلی دلائل میں زمین کا پھیلانا، اس میں پہاڑوں کو پیدا کرنا اور ہر چیز کو موزوں طریقے سے رکھنا بیان ہوا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ پانی صحت، علم اور مادی زندگی کے تمام لوازمات اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ ہر چیز کو معلوم مقدار کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

پانی کی  
قدرتی  
بہم رسانی

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کے علمی اور سفلی دلائل کے بعد اب تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے **وَ ارْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ اَوْرَہِمَ** نے بوجھل ہوائیں چلائیں۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ **رس بھری ہوائیں** کرتے ہیں۔ یعنی وہ ہوائیں جو پانی سے بھر پور ہوتی ہیں۔ لقمہ حاملہ یا دودھ دینے والی مادہ کو کھا جاتا ہے۔ تلیقح کا معنی **پونڈر** بھی ہوتا ہے۔ اس سے بھی چیز بوجھل ہو جاتی ہے اور آگے دوسری چیز نکلتی ہے **اَجَلُ** کی میڈیکل سائنس میں اسے ٹیکہ لگانا۔

(INOCULATION انسولیشن) کہتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے انسانی جسم میں خاص قسم کے جراثیم پہنچائے جاتے ہیں جس سے بیماری کو ابھارنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس کا واضح طور پر علاج کیا جاسکے یا خود انسانی طبیعت کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ بیماری کا مقابلہ کر سکے۔

بہر حال یہ بوجھل ہوائیں سمندر سے اٹھنے والے بخارات کو اٹھاتی ہیں اور پھر قدرت کو جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ وہاں لے جاتی ہیں۔ بارش برستی ہے جس سے انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے اور نباتات سیراب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا خود کار انتظام کر رکھا ہے جس سے پانی جیسی بنیادی ضرورت ہر ایک تک فری پہنچتی ہے اللہ نے اس نظام کو اس حکمت کے ساتھ قائم کیا ہے کہ بارش حسب ضرورت کبھی کبھی ہوتی ہے اگر ہر وقت بارش برستی ہے تو دنیا کا سارا



کاروبار ہی ٹھپ ہو جائے اور زمین اس قابل ہی نہ ہو سکے کہ اس میں کاشت کی جاسکے اور وہ بار آور ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ اس نے سمندری پانی کو کھاری بنایا ہے اس میں ایسی تیز بہت پانی جاتی ہے کہ پانی میں پہنچنے والی غلاظت اور اس میں مرنے والے جانور اس طرح گل سٹر جاتے ہیں کہ ان کا تعفن باقی نہیں رہتا۔

پانی کی بہم رسانی کا اللہ نے یہ عجیب نظام قائم کیا ہے کہ سمندروں کے کھاری پانی سے بخارات اٹھتے ہیں۔ ہوائیں انہیں اٹھا کر مختلف سمتوں میں پھیل جاتی ہیں اور پھر ان سے مختلف مقامات پر بارش ہوتی ہے مگر کڑوے سمندر کے بخارات جب پھر پانی میں تبدیل ہوتے ہیں تو وہ پانی میٹھا ہوتا ہے جو حیوانات اور نباتات کے استعمال کے قابل ہوتا ہے۔ یہی پانی اونچے پہاڑوں پر بہتا ہے تو ندی نالوں کی صورت میں میدانی علاقوں میں پہنچ کر پیاسی زمین کو سیراب کرنا ہے جس سے کھیتی باڑی ہوتی ہے، انسان اور جانور سیراب ہوتے ہیں۔ اور کچھ پانی برف کی صورت میں جم جاتا ہے۔ پھر موسم گرما میں برف پگھلتی ہے جس سے چشمے، ندی نالے اور پھر دریا سارا سال جاری ہوتے ہیں اور اس طرح سال بھر کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ پانی کو زمین کی گہرائی میں اتار دیتا ہے جسے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکال کر انسانی ضروریات اور کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں فَانْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور آسمان کچھ طرف سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان کا اطلاق فضا پر بھی ہوتا ہے۔ بادل فضا میں ہی گھومتے پھرتے ہیں جن سے بارش ہوتی ہے۔ اگرچہ بادل ہی بظاہر ذریعہ



بارش ہیں مگر اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو بارش نہیں ہوتی، ہوا، روشنی، خوراک، لباس، مکان کی طرح پانی بھی انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے جو بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے فرمایا فَاسْقِیْكُمْ مَّوَدَّہُمْ ہم نے یہ پانی تمہیں پلا یا اور تمہارے ساتھ دیگر جانداروں اور نباتات کو بھی سیراب کیا۔ پانی مدار حیات ہے۔ اس کی اصل قدر صحرائی علاقوں کے باشندوں کو ہوتی ہے۔ جہاں سینکڑوں میلوں تک اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

فرمایا پانی ایک ایسی چیز ہے کہ بنیادی ضرورت ہونے کے باوجود وَمَا أَنْتُمْ بِخَازِنِیْنَ تم اس کو ذخیرہ (STORE) نہیں کر سکتے۔ تم چند دن کے لیے تو پانی جمع کر سکتے ہو مگر سالوں تک اس کی بہم رسانی کے لیے تمہارے پاس کوئی انتظام نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اللہ نے چشموں، جھیلوں، ندی نالوں، دریاؤں اور برف کے تودوں کی صورت میں ایسا مربوط نظام قائم کر دیا۔ کہ انسان، حیوان اور نباتات سال بھر کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں اور اللہ کے یہ خزانے ختم نہیں ہوتے موجودہ دور میں پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم بنائے گئے ہیں مگر پھر بھی سال میں کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق پانی میسر نہیں آتا جس کا اثر نہ صرف کھیتی باڑی پر پڑتا ہے بلکہ ہمارے ملک کی بجلی کی پیداوار میں بھی کمی آجاتی ہے اور پھر لوڈ شیڈنگ کہنا پڑتی ہے۔

میڈیکل سائنس والے بتاتے ہیں کہ انسان کی رگوں میں گردش کرنے والے خون پر زندگی کا دار و مدار ہے اور اس خون میں اسی فیصد پانی اور بیس فیصد باقی غذائی اجزاء ہوتے ہیں۔ اگر پانی جیسی عظیم نعمت نہ ہو تو نہ کوئی انسان زندہ رہ سکے، نہ کوئی جانور، اور نہ ہی نباتات پیدا ہو سکے۔ اسی لیے



تو اللہ نے فرمایا ہے ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“  
 (الانبیاء) ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔ اور پانی بھی ایسا  
 کہ جو گنڈا یا بدبو دار نہیں بلکہ ”وَإِنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
 طَهُورًا“ (الفرقان) ہم نے پاکیزہ پانی نازل فرمایا ہے جو خود بھی پاک  
 ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔ چنانچہ غلاظت کو دور کرنے  
 کے لیے بھی پانی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم  
 نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرما کر تمہیں سیراب کیا ہے۔ اب تمہارا  
 یعنی تمام حکومتوں کا بھی فرض ہے کہ لوگوں کے لیے پانی کی فری سپلائی  
 کا بندوبست کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی یہ پیسری دلیل بیان  
 فرمائی ہے۔

زندگی اور  
موت کا نظام

اب اپنی وحدانیت کی چوتھی دلیل اللہ نے یہ بیان فرمائی ”وَإِنَّا لَنَحْنُ  
 الْحَيُّ وَنُعِیْتُ“ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دے  
 کرتے ہیں۔ گویا موت و حیات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے  
 یہ کسی انسان، جن، فرشتہ یا دیوی دیوتا کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کی حکمت  
 بالغہ کے مطابق جب تک کسی کی زندگی مقصود ہوتی ہے، اُسے زندہ رکھتا  
 ہے اور پھر موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک چاہے گا  
 کائنات کو مجموعی طور پر زندہ رکھیگا اور جب چاہے گا قیامت برپا کر کے  
 ہر چیز کو فنا کر دیگا۔ غرضیکہ جس طرح پیدائش اس کے اختیار میں ہے اسی  
 طرح موت بھی اُس کے ہاتھ میں ہے اس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی پیدا  
 کر سکتا ہے اور نہ کسی کو مار سکتا ہے پھر فرمایا ”وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ“  
 اور ہر چیز کے وارث بھی ہم ہی ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
 کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص موت کی آغوش  
 میں چلا جاتا ہے تو اس کی چھوڑی ہوئی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں



ہوتی ہے۔ یہاں پر اولاد والی وراثت مراد نہیں بلکہ ہر انفرادی موت اور پھر قیامت کو مجموعی موت کے بعد ہر چیز کا وارث اللہ ہی ہے سب کی کھائی اسی کے قبضہ قدرت میں ہوتی ہے۔

متقدمین  
اور متاخرین

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔ مفسرین کرام نے متقدمین اور متاخرین کی تفسیر مختلف طریقے سے بیان فرمائی ہے۔ امام ابن جریر طبری اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ متقدمین سے پہلی امتوں کے لوگ مراد ہیں اور متاخرین سے حضور علیہ السلام کی امت یعنی آخری امت کے لوگ مراد ہیں۔ فرمایا ہم تمام اولین اور آخرین کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم تمام چیزوں پر محیط ہے بعض فرماتے ہیں کہ متقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو نیکی میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے حکم دیا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدہ) نیکی کے کاموں میں آگے بڑھو۔ اور متاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے متقدمین سے مراد نماز اور جہاد کی صفوں میں آگے بڑھنے والے لوگ ہیں بعض لوگ سستی کرتے ہیں نماز کی اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ پچھلی صفوں میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اذان کہنے کا گناہ جبر ہے اور اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے تو لوگ اگلی صفوں میں شامل ہونے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ حضرت کعب احبارؓ نے بیان کیا ہے کہ امام قرطبیؒ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی امت میں بعض ایسے مقبول بندے بھی ہوں گے کہ ان سے کچھلی



صف میں نماز ادا کرنے والے لوگوں کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اگر کوئی مقبول ہے  
بندہ اگلی صف میں نماز ادا کرتا ہے تو پیچھے والوں کے سب کے گناہ معاف  
ہو جائیں گے۔ تاہم فضیلت اگلی صف کو ہی حاصل ہے اور اگلی صف  
والے کی وجہ سے ہی پچھلی صف والوں کے گناہوں کی معافی کا ذکر آیا ہے  
لہذا حتی الامکان اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عورتوں اور  
مردوں  
کی صفیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے  
زمانے میں ایک خوبصورت عورت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آتی  
تھی اس لیے بعض آدمیوں کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اگلی صف میں چلی جائے  
ناکمران کی نگاہ عورت پر نہ پڑے۔ اور بعض منافق صفت آدمی ایسے بھی  
تھے کہ وہ پچھلی صفوں میں رہنا پسند کرتے تھے تاکہ انہیں تاک جھانک  
کا موقع مل سکے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں آگے بڑھنے والوں کو  
اور پیچھے رہنے والوں کو۔ ان کی نیت اور ارادہ بھی ہمارے علم میں ہے  
اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مردوں میں سب سے اچھی اگلی  
صفیں ہیں اور عورتوں میں اچھی صفیں پچھلی ہیں۔ مرد و عورتیں اختلاف سے جتنے  
دور رہیں گے اتنے ہی فتنے سے محفوظ رہیں گے اس سے یہ مراد  
بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نیکی میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے  
والوں کو جانتے ہیں۔ یا میدان کارزار میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں  
کو بھی جانتے ہیں اور پیچھے رہنے والوں سے بھی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ  
ہر ایک کے حالات، نیت اور عزم کو جانتا ہے۔

قیامت اور  
جزائے عمل

دلائل توحید کے بعد اللہ نے فرمایا **وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ**  
اور بیشک اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، اور سب کو جزائے عمل  
کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ اور سب کو اپنے اپنے کیے کی جزا یا سزا  
بھگتنا ہوگی۔ فرمایا **إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ** وہ اللہ تعالیٰ کمال حکمت



کا مالک ہے۔ اس کی ہر بات حکیمانہ ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلے کرتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے کہ ہر شخص کے مخفی عزائم کو بھی جانتا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی نیت اور ارادے اور عمل کے مطابق جزا دے گا۔

---

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ  
 حَمِئٍ مَسْنُونٍ ۚ (۲۶) وَالْجَبَّارِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ  
 مِنْ نَارِ السَّمُومِ (۲۷) وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ  
 إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِئٍ  
 مَسْنُونٍ (۲۸) فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ  
 رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (۲۹) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ  
 كُلُّهُمْ أَحْبَامُونَ (۳۰) إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَنْ  
 يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ (۳۱) قَالَ يَا إِبْلِيسُ  
 مَا لَكَ إِلَّا تَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ (۳۲) قَالَ لَمْ  
 أَكُنْ لَّا سَجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ  
 مِنْ حَمِئٍ مَسْنُونٍ (۳۳) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ  
 رَجِيمٌ (۳۴) وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ  
 الدِّينِ (۳۵)

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان

کو بجنے والے، متغیر، سڑے ہوئے گارے سے (۲۶)

اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی

لڑ سے (۲۷) اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جبکہ



فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان کو ایک نبیجئے والے، متغیر سڑے ہوئے گارے سے (۲۸) پس جب میں اس کو برابر کردوں، اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے روح۔ پس گر پڑو تم اس کے سامنے سجدے میں (۲۹) پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب کے سب نے (۳۰) لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے انکار کیا کہ ہو وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (۳۱) فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس! کیا ہے تجھ کو کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا (۳۲) کہنے لگا، میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کے سامنے جس کو پیدا کیا ہے تو نے نبیجئے والے، متغیر، سڑے ہوئے گارے سے (۳۳) فرمایا (اللہ نے) نکل جاؤ یہاں سے۔ بیشک تم مردود ہو (۳۴) اور بیشک تجھ پر لعنت ہے انصاف کے دن تک (۳۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان ہوئے۔ پہلے بیرونی دلائل کا ذکر ہوا جن میں آسمانوں کی تخلیق، اس میں ستاروں اور سیاروں کو چلانا، پھر زمین کو پھیلانا اور اس میں طرح طرح کی چیزیں پیدا کرنا۔ پھر زمین و آسمان کے درمیان فضاؤں میں ہواؤں کو چلانا، بادلوں کو اٹھانا، باران رحمت کا نزول، انسانوں، جانوروں اور نباتات کے لیے پانی کی ہمہ رسانی اور اس کے نتیجے میں خوراک کا مہیا کرنا وغیرہ بیرونی دلائل تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے قیامت کا ذکر بھی فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ تیرا پروردگار ان سب کو اس دن اکٹھا کرے گا۔ وہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر

قدرت رکھتا ہے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزائے عمل واقع ہوگی کہ یہ انسان کی پیدائش کے ساتھ لازم ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس میں اپنی قدرت اور وحدانیت کے اندرونی دلائل ذکر کیے ہیں۔ بیرونی دنیا کے علاوہ اللہ نے انسان کے اندر بھی غور و فکر کھسنے والوں کے لیے بہت سے دلائل رکھے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے ”وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفْلاَ تَبْصِرُوْنَ (الذاریات) تمہارے نفسوں کے اندر بھی اللہ نے بہت سے دلائل رکھے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟ اسی طرح حشر اموات بھی خود انسان کے اندرونی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

مسلک تخلق  
انسان

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کو وجود عطا کر کے بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس سے نوع انسانی قائم ہوئی ہے انسان میں اگرچہ نافرمانی کا مادہ بھی پایا جاتا ہے، مگر اللہ نے اس میں کمالات بھی بہت زیادہ پیدا کیے ہیں۔ اگر انسان ان سے کام لے تو ہر کمال خدا تعالیٰ کی معرفت کی دلیل بن سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو مِنْ صَلْصَالٍ مِّثْلِ حَمِیٍّ مَّسْنُوْنٍ بجنے والے متغیر، مڑے ہوئے گارے سے۔ صلصال اس خشک مٹی کو کہتے ہیں کہ جب اسے آگ پر پکایا جائے تو مٹھ کر لگانے سے بجنے لگتی ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے ”خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ“ انسان کو پیدا کیا خشک مٹی سے جیسے مٹھکری ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق مٹھکری یعنی پکی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے تو اس میں حرارت کا جزو بھی یقیناً موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین کی مٹی اکٹھی کر کے لاؤ



انسانی وجود  
کے عناصر

پھر اس کو گندھا گیا، اس کا گار بنایا گیا، اور پھر اس سے انسان کا مجسمہ تیار ہوا۔ عام مشہور ہے کہ انسان عناصر اربعہ یعنی مٹی، آگ، ہوا اور پانی کا مجموعہ ہے۔ یہ نظریہ یونانیوں کے ہاں مانا جاتا تھا جسے بعض دوسروں نے بھی تسلیم کیا۔ تاہم بعض لوگ انسان کو پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ عناصر کا مجموعہ سمجھتے تھے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بیرونی دنیا میں پائے جانے والے لاتعداد عناصر کا مرکب ہے۔ باہر کی دنیا میں جتنے عناصر موجود ہیں، انسانی وجود ان سب کا خلاصہ اور سچوڑ ہے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی مشینری بڑی پیچیدہ بنائی ہے اس کی ہر ایک ہر ایک رگیں اور دماغ کے پیچ و خم میں اپنی قدرت کے بے شمار کمالات اور حکمتیں رکھی ہیں اور پھر یہ ہے کہ روئے زمین کی مٹی کہیں نرم ہے کہیں سخت کہیں سفید ہے، کہیں سیاہ اور کہیں سرخ، اسی طرح یہ خواص انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ نرم مزاج ہوتے ہیں اور بعض سخت مزاج بعض رنگت میں کالے، گورے اور سرخ ہوتے ہیں یہ مختلف خطوں کی مٹی کی تاثیر ہے۔

بہر حال اللہ نے انسان کی تخلیق کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو صلصال یعنی کھنکھانے والی، حما یعنی بدلی ہوئی اور مسنون یعنی گلی سٹری مٹی سے پیدا کیا۔ اس بات کی تفصیل تو نہیں تھی کہ آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار ہو کر کتنی دیر تک پڑا رہا اور پھر خشک ہوا۔ البتہ فرشتے اور ابلیس اس مجسمے کو دیکھ رہے تھے۔ ابلیس کے متعلق آتا ہے کہ اُس نے دیکھا کہ یہ مجسمہ اندر سے خالی ہے اور اس میں وسوسے ڈالنے کی گنجائش موجود ہے۔ ادھر فرشتے بھی اس عجیب و غریب مجسمے کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے کہ یہ کیسی مخلوق ہے۔ کافی عرصہ کے بعد اس مجسمے میں روح ڈالی گئی۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے کھنکھانے والے، متغیر اور سٹری



ہوئے گارے سے انسان کو تخلیق کیا۔ اس مٹی میں اللہ نے وہ کمال رکھا جو کسی دوسرے مادے میں نہیں پایا جاتا۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہے جو کسی دوسری مخلوق جات ملائکہ وغیرہ میں بھی نہیں رکھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو بہترین عطا فرمائی ہے۔

فرشتوں  
کی تخلیق

فرشتوں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے ہوئی۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا دور بھی آیا جب اللہ تعالیٰ نے ملائعہ اعلیٰ کے فرشتوں جبرائیل اور میکائیل کو پیدا فرمایا۔ ان فرشتوں کے مادہ تخلیق کی مثال شاہ صاحبؒ نے اُس آگ سے دی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھا تھا۔ وہ ایک خاص نوری یا ناری مادہ تھا جو درخت سے ظاہر ہو رہا تھا مگر درخت کو جلاتا نہیں تھا۔ جوں جوں اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا تھا۔ درخت کی سرسبزی اور شادابی بھی ٹھہرتی جاتی تھی۔ تو اس قسم کے حیرت انگیز مادے سے اللہ تعالیٰ نے ملائعہ اعلیٰ کے فرشتوں کی تخلیق کی۔ پھر ملائعہ اعلیٰ کے دوسرے طبقے کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کے لطیف مادے سے پیدا کیا، پھر باقی فرشتے پیدا کیے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے نہیں بلکہ ملائعہ اعلیٰ سے زمین تک ان کے تسلسلے طبقے ہیں اور ہر طبقے کا مادہ تخلیق مختلف ہے۔ بعض کا مادہ برف کے ٹکڑے کی مانند ہے جس سے دھواں سانکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے بہر حال فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی مصلحت کی خاطر پیدا فرمایا۔ فرشتے، جنات، زمین اور آسمان وغیرہ تمام چیزیں پہلے پیدا کیں اور اس کے بعد انسان کو پیدا فرمایا۔

انسان  
کی برتری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر برتری اور فضیلت



عطا فرمائی ہے کیونکہ اس کے مادہ تخلیق میں جو لطافت اور کمال رکھا ہے اور جو خوبیاں اور صفات اس میں ودیعت کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ مٹی جیسی حقیر چیز کو دیکھیں اور پھر اس سے پیدا ہونے والا اللہ کا شاہکار ملاحظہ کریں کہ انسان کو کیسی عظیم ہستی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ (التین) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور بہترین قد و قامت میں پیدا فرمایا۔ اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ (بنی اسرائیل) ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ انسان کا مجسمہ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی۔ انسان کا شرف و کمال اسی روح کی وجہ سے ہے روح نہایت ہی لطیف چیز ہے اور اسی کی بدولت انسان کی صفات اور کمالات قائم ہیں۔

جہات کی تخلیق

انسان کی تخلیق کے بیان کے ساتھ اللہ نے نافرمان عنصر یعنی جہات کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالْجَّانُّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جان سے مراد جنوں کا جدا مجدا بلیس ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان میں شامل نہیں بلکہ الگ ہے۔ تاہم ابلیس کی ساری اولاد نافرمان ہے مگر جہات میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی جیسا کہ سورۃ جن میں آتا ہے ”وَإِنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِمَّا دُونَ ذَلِكَ“ ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ بہر حال جہات کو اللہ تعالیٰ نے نارِ سموم سے پیدا کیا۔ سورۃ الرحمن میں ہے ”وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارِ جہات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق میں مٹی کا عنصر زیادہ ہے جب کہ جہات اور شیاطین کی تخلیق میں آگ کا عنصر غالب ہے۔











ابلیس کو بھی حکم تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جس سجدے کا حکم فرشتوں اور ابلیس کو دیا تھا، وہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی کمریگا تو اس پر کفر لازم آئے گا۔ یہ سجدہ تعظیم و تحریم الیہ ہی ہے جیسا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ قدیم زمانے میں لوگ سجدہ تعظیمی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے سامنے بھی کرتے تھے۔ اس کو سجدہ تخریم یعنی ملاقات کا سجدہ بھی کہتے ہیں اور یہ پہلی امتوں میں ممنوع نہیں تھا مگر اس آخری امت کے لیے سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے خواہ یہ کسی بادشاہ پیر، استاد یا قبر کے سامنے کیا جائے۔ البتہ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان یا قبر کو سجدہ تعظیمی کرتا ہے، تو وہ حرام ہے، سجدہ کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے سامنے عبادت کا سجدہ بجالاتا ہے تو یہ صریح کفر ہوگا کیونکہ عبادت کا سجدہ ہر امت میں حرام ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں ہوا تھا بلکہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی تھا۔ اور آدم علیہ السلام بمنزلہ قبلہ کے تھے جس طرح ہم بیت اللہ شریف کو قبلہ اور جنت مان کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ہونے ہیں، اسی طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کر اللہ کو سجدہ کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ خانہ کعبہ مرکز عالم ہے، اس کی سمت پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات بہت زیادہ پڑتی ہیں، تو ہمارا سجدہ دراصل اس تجلی الہی کو ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام بھی بمنزلہ قبلہ تھے جن کی طرف فرشتوں نے سجدہ کیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کے لیے سجدے کا حکم ہوا تو اس وقت ان کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات



پڑ رہی تھیں اس لیے آدم علیہ السلام کی سمت میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔  
بعض فرشتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی محض تعظیم کرائی تھی اور فرشتوں  
نے اس حکم کی بجا آوری کی۔

بہر حال تمام فرشتوں نے سجدہ کیا إِلَّا ابْلِيسَ مَسْوَاةً ابْلِيسَ کے  
ابن أَنَّ يَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ اس نے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے  
والوں کے ساتھ ہو قَالَ اللَّهُ نَفَرًا بِيُوسُفَ مَالِكُ إِلَّا تَكُونُ  
مَعَ السَّاجِدِينَ ابلیس! تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا  
قَالَ كُنْ لَكُمْ آكُنْ لَا سَجْدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ  
صَلْصَالٍ مِنْ حَمِئٍ مَسْنُونٍ میں اس بشر کو سجدہ نہیں  
کر سکتا جسے تو نے کھنکھانے والے متغیر گارے سے پیدا کیا ہے  
گویا ابلیس نے آدم علیہ السلام پر اپنی بدترہی ظاہر کی۔ سورۃ اعراف میں  
ہے قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں اس سے بہتر ہوں۔ خَلَقْتَنِي  
مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ تو نے مجھے آگ سے  
پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ اور آگ مٹی  
سے فائق ہے، لہذا میں مٹی جیسی ادنیٰ چیز کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتا  
بشار ابن برد شاعر نے کہا ہے۔

إِبْلِيسُ أَفْضَلُ مِنْ أَبِيكَمُ آدَمُ  
فَتَبَيَّنُوا يَا مَعْشَرَ الْأَشْرَارِ  
النَّارُ عُنْصُرُهُ وَآدَمُ طِينُهُ  
وَالطِّينُ لَا يَسْمُو سَمَوَاتِ النَّارِ

ابلیس تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام سے زیادہ فوقیت رکھتا  
ہے کیونکہ ابلیس کا عنصر آگ ہے اور آدم کا مٹی۔ اور آگ کو مٹی پر فوقیت  
حاصل ہے۔ یہ ابلیس کا تکبر اور حسد تھا کہ اس نے آدم علیہ السلام پر

ابلیس کا  
انکار



اپنی برتری ظاہر کی۔ تکبر بہت بڑی بیماری ہے۔ اسی لیے بزرگان دین جب کسی کی تربیت کرتے ہیں تو تکبر سے آخر میں نکلتا ہے۔ یہ سب سے خطرناک اخلاق ہے تو شیطان نے اکھر کی وجہ سے کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔

شیطان  
رانڈہ درگاہ

قَالَ اللَّهُ نَفَرًا فَلَخَرُجَ مِنْهَا سَيِّئَاتُ كُلِّ جَاوِدٍ فَنَادَىٰ رَجِيمٌ بِشَيْكٍ تَمَّ مَرْدُودٌ هُوَ اَتَمُّ مِنْ تَجْرِ پیدیا ہو گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے "اَجِبْ وَاسْتَكْبِرْ" وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ اس نے انکار اور تکبر کیا تو کافروں میں ہو گیا۔ حضرت شمس الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ سال عبادت کی مگر اللہ کے ایک حکم کی سرتابی کی وجہ سے ساری عبادت رائیگاں چلی گئی۔ فرمایا، یاد رکھو! فَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اَلْحَیْ یَعْمُ الدِّیْنُ تم پر قیامت تک لعنت ہی بستی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت آئے پر لعنت سے نکل جائیگا بلکہ قیامت برپا ہونے کے بعد تو جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اس کا عذاب تو مزید بڑھ جائے گا۔ کافروں کے متعلق سورۃ بقرہ میں اللہ کا واضح حکم ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَاۡتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالسَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنظَرُوْنَ جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائیگی۔ بہر حال فرمایا کہ اے ابلیس! تم پر قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی اور پھر آخرت کا عذاب تو دائمی ہوگا۔



ربما ۱۴  
درس ششم ۶

الحجر ۱۵  
آیت ۲۶ تا ۴۲

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ (۳۶) قَالَ  
فَأِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ (۳۷) إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ  
الْمَعْلُومِ ۝ (۳۸) قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي  
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ  
أَجْمَعِينَ ۝ (۳۹) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ  
الْمُخْلِصِينَ ۝ (۴۰) قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَى  
مُسْتَقِيمٍ ۝ (۴۱) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ  
سُلْطَانٌ إِلَّا مَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ (۴۲)  
وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۴۳)  
لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ  
جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ۝ (۴۴)

ترجمہ :- کہا (شیطان نے) اے پروردگار! پس  
مہلت دے مجھ کو اُس دن تک جس دن ان لوگوں  
کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا (۳۶) فرمایا (اللہ تعالیٰ  
نے) تو مہلت دے ہوؤں میں سے ہے (۳۷) ایک معلوم  
وقت کے دن تک (۳۸) کہا (شیطان نے) اے پروردگار!  
اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا ہے، میں ضرور

مزن کر کے دکھاؤں گا ان کے لیے زمین میں (برائیوں کو) اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو (۳۹) ماسوائے تیرے مخلص بندے ان میں سے (۴۰) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہ ہے راستہ سیدھا مجھ تک (۴۱) بیشک میرے بندے کہ نہیں ہے ان پر کوئی غلبہ، مگر وہ جس نے پیروی کی تیری گمراہوں میں سے (۴۲) اور بیشک جہنم ان سب کے وعدے کا وقت ہے (۴۳) اور اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ ہے تقسیم کیا ہوا (۴۴)

پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا۔ ایک معمولی چیز یعنی سڑے ہوئے بدبودار گارے والی مٹی سے انسان کو پیدا کیا اور اسے کمال درجے کی حیثیت اور شان عطا فرمائی، اس میں روح ڈالی، فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اپنی برتری جتانے کی کوشش کی کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے کیسے سجدہ بجالاؤں۔ اُس نے تکبر میں آکر اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرتابی کی، تو اللہ نے اسے مردود ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ قیامت تک تجھ پر لعنت ہی بستی رہے گی۔

رابطہ آیت

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے بعد شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت طلب کی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے  
قَالَ شَيْطَانُ نَعَمْ يَا رَبِّ فَإِنِّي نَظَرْتُ  
وَعَلَى الْإِنْسَانِ يَوْمَ يُبْعَثُونَ اُس دن تک کے لیے جب سب لوگ دوبارہ جی اٹھیں گے انظار مہلت دینے کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال حدیث شریف میں ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے مَنْ أَنْظَرَ مَعْسِرًا أَوْ تَجَاوَزَ

مہلت کی درخواست



اعنه فَاظْلَمَهُ اللهُ فِي كَيْفٍ لَا يَحِمْ وَلَا يَظِلُّ إِلَّا ظِلُّهُ، جو آدمی کسی تنگ دست کو مہلت دے یا قرضہ معاف ہی کر دے تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دیگا، جس دن اُس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تو بہر حال ابلیس نے بھی قیامت تک کے لیے مہلت مانگی تو اللہ رب العزت نے فرمایا قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ پس بیشک تو مہلت دے ہوؤں میں سے ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے شیطان کی درخواست قبول کر لی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان جیسے بدترین کافر کی دعا فوراً قبول کر لی جس کا یہ مطلب نہیں ہے جس کی دعا قبول کر لی جائے وہ لازماً مقبول ہوتی ہوتا ہے۔ یعنی دعا کی قبولیت دعا کرنے والے کی مقبولیت کی شرط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی بدترین مخلوق کی دعا بھی قبول کر لے، اس کا انحصار اس کی حکمت اور مصلحت پر ہے۔ مومن کی دعا کی قبولیت تو اس کی سعادت کی بات ہے مگر ہو سکتا ہے کہ دنیوی مفاد کے لیے دعا کسی نافرمان کی بھی قبول کر لے، وہ مالک الملک اور مختار کل ہے، اُس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی اس کی سعادت کی علامت نہیں سمجھی جائے گی۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شیطان نے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اپنی زندگی کی مہلت طلب کی جس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ یوم البعث تک تو اُسے ویسے ہی زندگی حاصل ہو جائے گی اور اُس دن سب کو پھر جی اٹھنا ہے، اس طرح وہ موت کی کھٹن گھائیوں سے بچ جانے کا مگر اللہ نے فرمایا کہ تمہیں مہلت دیدی ہے مگر وہ یوم البعث تک نہیں بلکہ الْحَبْ یَوْمَ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ معلوم وقت کے دن تک یعنی اُس دن تک جس دن قیامت برپا ہوگی۔ گویا اُسے قیامت



کے اعلان کے ساتھ ہی باقی ماندہ مخلوق کی طرح موت سے ہکنا رہنا پڑیگا  
قیامت سے متعلق قرآن و حدیث میں تصریح موجود ہے کہ دو دفعہ صور پھونکا  
جائے۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ ہر زندہ ہستی پر  
موت طاری ہوگی اور کوئی بھی چیز باقی نہیں رہے گی۔ پھر چالیس سال کے بعد  
دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ  
نے شیطان کو رعایت پہلے صورت تک دی تاکہ موت اس پر بھی طاری ہو۔  
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیطان سخت پریشان ہوگا، فرشتے  
اس کو گھیریں گے اسے بڑی تلخی ہوگی اور وہ بہت تڑپے گا۔ پھر دوسرے صور  
پر وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور عزرائل کے سامنے پیش ہوگا۔

گمراہ کریں  
عزم

بہر حال جب شیطان کو مہلت مل گئی قَالَ تَوَكَّنْ لَكَ رَبِّ جَمًا  
اَعُوذُ بِكَ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا ہے۔ اب میں یہ کرونگا  
لَا زِيْنَنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ان لوگوں کے لیے میں زمین میں مزین  
کروں گا۔ یعنی اس سطح ارضی پر ہونے والی تمام برائیوں اور بے جانیوں کو  
لوگوں کے لیے خوشنما کر کے دکھاؤں گا تاکہ انہیں کی طرف مائل ہو جائیں اور  
تیرے راستے سے ہٹ جائیں گویا کہ وَلَا اَعُوذُ بِكَ لَهُمْ اَجْمَعِينَ  
ضرور سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ  
شیطان نے یوں کہا تھا کہ اے اللہ! جب تک انسانوں کی روحیں ان کے  
جسموں میں موجود ہیں۔ میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا اور ان کی گمراہی کا کوئی  
موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے تمام وسائل  
بروئے کار لاؤں گا۔ سورۃ اعراف میں ہے میں تیری عبادت کے راستے سے  
آکر بھی گمراہ کروں گا۔ میں ان کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی  
ان کی دائیں طرف سے بھی آؤں گا اور بائیں طرف سے بھی۔ میں ان کو دنیا  
کے معاملات کے اعتبار سے بھی گمراہ کروں گا اور آخرت کے اعتقاد



کے راستے سے آکر بھی گمراہ کر دیں گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب انسان نیکی کے راستے پر چلنا شروع کرتا ہے تو شیطان راستے میں آکر بیٹھ جاتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، روزہ رکھتا ہے، جہاد باج کے لینے نکلتا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے دوسوے ڈالنا شروع کر دیتا ہے اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کو کفر، شرک، بدعات، رسوم باطلہ، عیاشی، فحاشی اور بے حیائی کے کاموں کو مزین کر کے دکھائے گا اور اللہ کے بندوں کو گمراہ کر بھی کرے گا۔ اللہ نے بھی فرمایا کہ مجھے میری عزت و جلال کی قسم جب تک میرے بندے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی طلب کرتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔

مخلصین  
کی حفاظت

لوگوں کو گمراہ کرنے کے عزم کے ساتھ شیطان نے کچھ استثناء بھی کیے ہیں، کہا ہے سب کو گمراہ کر دیں گا إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ سوائے تیرے مخلص بندوں کے، یعنی تیرے برگزیدہ اور منتخب بندوں پر میرا دائرہ نہیں چل سکے گا، باقی سب کو اپنے دام میں پھنسا لوں گا۔ قَالَ اللَّهُ نَزَّلَ فرمایا هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یہی مجھ تک سیدھا راستہ ہے، اللہ نے مزید فرمایا إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سلطان بیشک میرے بندے ایسے ہیں کہ تجھے ان پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکے گا، یعنی تم انہیں گمراہ نہیں کر سکو گے إِلَّا مَن تَبِعَكَ مِنْ الْغَوِينَ سوائے ان گمراہوں میں سے جنہوں نے تیری پیروی اختیار کر لی۔ ایسے لوگوں کو تو گمراہ کر سکے گا۔ وگرنہ میرے مخلص بندے تیرے دام میں نہیں پھنسیں گے۔

مفسرین کرام اس بات میں کلام کرتے ہیں کہ شیطان نے تو یہ کہا کہ تیرے مخلص بندے میرے قابو میں نہیں آئیں گے مگر حضرت آدم علیہ السلام

اور جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود شیطان کے وسوسے میں آگئے۔ اسی طرح بعض دوسرے بنیاد اور بزرگ مہتمموں کے متعلق بھی اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ خود موسیٰ علیہ السلام سے جب ایک لغزش ہو گئی تو انہوں نے یہی کہا تھا "هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" (القصص) یہ تو شیطان کا عمل ہوا ہے۔ گویا شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی پھسلا دیا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے مخلص بندوں کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہیں کر سکے گا، جس سے بندے توبہ نہ کر سکے یا جن کی معافی کی گنجائش نہ ہو۔ اگر شیطان وسوسہ اندازی کرے گا تو اللہ کے بندے معافی مانگ لیں گے اور انہیں معافی مل جائے گی۔ غرضیکہ شیطان مخلص بندوں سے کوئی ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں پر شیطان کی معمولی معمولی باتیں بھی اثر انداز نہ ہوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر ایک قلعہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے مومن شیطان کے وساوس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سورۃ اعراف میں یہ بھی موجود ہے "وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" کہ اے اللہ! تو اپنے اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائے گا، تو گویا لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا "وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْكَ عَزَائِلُكَ" فَاتَّبَعُوهُ" ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور لوگوں کی اکثریت نے شیطان کی پیروی کی۔ چنانچہ دنیا بھر میں نافرمانوں کی اکثریت ہی رہی ہے، اور آج بھی یہی حال ہے کہ فرمانبردار ہتھوڑے ہیں۔

فرمایا، جو بھی تیرا اتباع کرے گمراہ ہو جائے گا "وَإِنْ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ" ایسے تمام لوگوں کے وعدے کا مقام جہنم ہے اور جہنم کی تعریف یہ ہے لَهَا سَبْعَةُ

گمراہوں کی  
جہنم رسیدگی



اَلْجَوَابُ اس کے سات دروازے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سات گیٹ سات طبقات کے لحاظ سے ہیں۔ جہنم کے کل سات طبقے ہیں اور ہر طبقے کا الگ الگ دروازہ ہے۔ ہر طبقے کے لوگ اپنے مخصوص دروازے سے جہنم میں داخل ہوں گے جہنم کے ان سات طبقات کا ذکر قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ یعنی جہنم اسعیر، نطی، حطہ، سقر، جحیم اور ہادیہ۔

بعض فرماتے ہیں کہ جہنم کے دروازے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے ہوں گے۔ مثلاً کفر اور شرک کرنے والے ایک گیٹ سے داخل ہوں گے، زنا کار اور اس سے متعلقین دوسرے دروازے سے ظلم کرنے والوں کا دروازہ علیحدہ ہوگا۔ حقوق ضائع کرنے والوں اور سرکش لوگوں کے داخلے مختلف دروازوں سے ہوں گے۔ گویا کل جرائم کو سات گروپوں میں تقسیم کر کے ان کے لیے ایک ایک دروازہ مختص کر دیا جائے گا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حشر کے میدان میں مختلف گمروہ یا جماعتیں بن جائیں گی۔ مثلاً سونمبر کی نیکی والے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور تنانوے نمبر والے دوسری صف میں۔ اسی طرح جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے بھی الگ الگ صف بندی ہوگی اور اس طرح لوگ جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے۔ تاہم فرمایا کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ان میں سے ہر دروازے کے لیے انسانوں کا ایک تقسیم شدہ حصہ ہے جو اس میں سے داخل ہوگا۔ جہنم کے سات دروازے ہیں تو جنت کے آٹھ ہیں۔ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جنت میں بھی لوگ اعمال کے لحاظ سے داخل ہوں گے۔ مثلاً ایک دروازے سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور آٹھواں دروازہ محض صحیح عقیدے والے لوگوں کے لیے

مخصوص ہوگا۔ ایسے لوگ جن کے پاس عمل تو کوئی نہیں ہوگا، مگر عقیدہ بالکل درست ہوگا، ان کے ایمان اور توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اس دروازے میں داخل کرے گا۔ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہو گا، وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

یہ ہزارے عمل کا ذکر بھی ہو گیا۔ شیطان کے اغوا اور اس کی پیروی کرنے والوں کی بات ہوئی۔ اب اگلی آیات میں اللہ نے اپنے نیک بندوں یعنی متقین اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔



ربما ١٣

ورثت مستم

الحجبر ١٥

آيت ٢٥ تا ٦٠

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ④٥  
 ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِينَ ④٦ وَنَزَعْنَا مَا فِي  
 صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ  
 مُتَقَابِلِينَ ④٧ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ  
 مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ ④٨ نَبِيُّ عِبَادِيَ أَنَا  
 الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ④٩ وَأَنَّ عَذَابُ  
 هُوَالْعَذَابِ الْأَلِيمِ ⑤٠ وَنَبِّئُهُمْ عَنْ  
 ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ⑤١ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ  
 فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ⑤٢  
 قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْكَ ⑤٣  
 قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَى أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ  
 فِيمَ تَبَشِّرُونَ ⑤٤ قَالُوا بَشِّرْنَا بِالْحَقِّ فَلَا  
 تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ⑤٥ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ  
 مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ⑤٦ قَالَ وَمَا  
 خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ⑤٧ قَالُوا إِنَّا  
 أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ⑤٨ إِلَّا آلَ لُوطٍ

إِنَّا لَمُنَجِّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۵۹ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرْنَا  
 إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۝۶۰

ترجمہ :- بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (۴۵) (اُن سے کہا جائے گا) داخل ہو جاؤ اس کے اندر سلامتی کے ساتھ امن سے (۴۶) اور ہم نکالیں گے جو کچھ اُن کے سینوں میں ہو گا کچھ کھوٹ راس حال میں کہ وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھے ہوئے آنے سامنے (۴۷) نہ پہنچے گی اُن کو ان (بشتوں) میں کوئی تھکاوٹ، اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے (۴۸) بتلا دیں آپ میرے بندوں کو کہ بیشک میں بہت بخشش کرنے والا مہربان ہوں (۴۹) اور بیشک میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے (۵۰) اور بتلا دیں اُن کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کے بارے میں (۵۱) جب وہ داخل ہوئے اُن کے پاس تو انہوں نے کہا سلام۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تحقیق ہم تم سے کچھ خوف معلوم کرتے ہیں (۵۲) انہوں نے کہا کہ آپ نہ ڈریں، بیشک ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک علمدار لڑکے کی (۵۳) (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا، کیا تم مجھے خوشخبری سناتے ہو حالانکہ پہنچا ہے مجھ کو بڑھاپا۔ پس کس چیز کی تم مجھے خوشخبری دیتے ہو (۵۴) کہنے لگے ہم خوشخبری سناتے ہیں تم کو حق کے ساتھ پس نہ ہوں آپ ناامید ہونے والوں میں سے (۵۵)



کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) اور نہیں ناامید ہوتے اپنے رب کی رحمت سے مگر وہی لوگ جو گمراہ ہوتے ہیں (۵۶) کہا (ابراہیم نے) پس کیا حال ہے تمہارا، اے نبیجے ہوئے لوگو! (۵۷) کہنے لگے، تحقیق ہم نبیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف (۵۸) مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے، تحقیق ہم بچانے والے ہیں اُن سب کو (۵۹) مگر اس کی بیوی۔ ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ بیشک وہ (اُن کی بیوی) البتہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی (۶۰)

رابطہ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی نعمت کا ذکر کیا اور اس سلسلے میں شیطان کے اغواء اور اس کی طرف سے اللہ کے حکم کی سرکشی کا ذکر کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُسے مردود ٹھہرایا۔ پھر اس نے مہلت طلب کی تو اللہ نے قیامت تک کے لیے مہلت بھی دے دی شیطان نے قسم اٹھا کر کہا کہ وہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہے گا، البتہ مخلص بندوں پر اُس کا وارہ کارگر نہیں ہو سکے گا۔ اللہ نے فرمایا یہ اخلاص ہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا۔ البتہ گمراہ لوگ تیری پیروی کئے کے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیں گے جو اُن کے وعدے کی جگہ ہے۔ پھر فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے نافرمانوں کا منقسم حصہ داخل ہوگا۔

متقین کے لیے بہشت

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے بہشت اور وہاں ملنے والے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَدَّتٍ وَّ عِيُوْنٍ بِشَکِّ مُتَّقِيْ لَوْکَ بَانَاتٍ اَوْ حِمْیَیْمٍ مِّمَّنْ هُوَ فِیْہَا مِنْ حَضْرَتٍ عِبْدُ اللّٰہِ رِجَالٌ مُّسْتَقِیْمٌ کَذَبُوْا بِالْحَقِّ اِذَا دُعُوْا بِالْحَقِّ فَمَنِ یَّکْفُرْ اَوْ یُشْرَکْ اَوْ یُؤْتِ اِیْمٰنًا فَاُولٰٓئِکَ سَیُجْزٰی عَنْہُمْ اَوْ حِمْیَیْمٍ مِّمَّنْ هُوَ فِیْہَا مِنْ حَضْرَتٍ عِبْدُ اللّٰہِ رِجَالٌ مُّسْتَقِیْمٌ کَذَبُوْا بِالْحَقِّ اِذَا دُعُوْا بِالْحَقِّ فَمَنِ یَّکْفُرْ اَوْ یُشْرَکْ اَوْ یُؤْتِ اِیْمٰنًا فَاُولٰٓئِکَ سَیُجْزٰی عَنْہُمْ

بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کمال درجے کے متقی ہوتے ہیں۔ تو تقویٰ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان بدعتیگی، کباہر، کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائے سورۃ توبہ میں اللہ نے ایمان والوں کی سات صفات بیان کی ہیں جن میں ساتویں صفت ہے ”وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ“ یعنی وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور یہی تقویٰ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ”الطواف القدس“ میں لکھتے ہیں ”تقویٰ محافطت بر حدود شرع است“ یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے اور ان پر قائم رہنے کا نام تقویٰ ہے۔ تو فرمایا متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے جب وہ وہاں پہنچیں گے تو حکم ہوگا۔ اَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اَمْنِیْنَ داخل ہو جاؤ اس بہشت میں سلامتی اور پورے اطمینان کے ساتھ۔ یہاں تمہیں ہر قسم کی سلامتی حاصل ہوگی۔ دکھ اور تکلیف سے پاک ہو گے۔ اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

کدورت سے  
پاک دل

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق ایک اور بات بھی بیان فرمائی ہے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کھوٹ، کینہ یا عداوت وغیرہ ہوگی۔ کوئی شخص دل میں اس قسم کی بات لے کر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس مقام میں کدورت کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ وہاں ہر ایک کا سینہ صاف ہوگا اور تمام جنتی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے اگر دنیا میں کسی کو کسی دوسرے جنتی کے خلاف شکم رنجی بھی تھی، تو وہاں پہنچ کر صفائی ہو چکی ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ پھر طے سے گزر جانے کے بعد لوگوں کو پھر روک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اگر کسی جنتی نے کسی سے کوئی بدلہ لینا ہے تو ابھی لے لے کیونکہ جنت میں داخلے سے پہلے



ہر قسم کا بغض، عداوت اور دشمنی کو سینوں سے نکال لیا جائے گا۔  
 پھر جنت میں نہ صرف یہ کہ کدورت کو نکال دیا جائے گا بلکہ تمام جنتی  
 اِخْوَانِ ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کریں گے، اور ان کی  
 حالت یہ ہوگی عَلٰی سُرِّ مُتَقَبِّلٰیۡنَ تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے  
 سامنے بیٹھے ہوں گے۔ رحمت کے اُس مقام میں نفرت کی بجائے محبت  
 اور دشمنی کی بجائے دوستی ہوگی۔ وہاں یہ کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں ہوگی  
 اس کے علاوہ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا اَذٰبٌ وہاں پر انہیں کوئی تھکاوٹ  
 یا تکلیف نہیں پہنچے گی وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِيْنَ اور وہاں  
 سے نکلے بھی نہیں جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 جنتیوں سے فرمایگا کہ یہاں پر تمہیں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ  
 تندرست اور جوان رہو گے۔ دنیا میں ملنے والی ہر نعمت اور آسائش کے  
 متعلق کھٹکا رہتا ہے کہ یہ چھین نہ جائے یا انسان خود اس سے مستفید ہونے  
 کے قابل نہ ہے۔ مگر جنت میں جا کر ایسا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ وہاں پر نہ تو  
 کوئی نعمت چھین جانے کا خوف ہوگا اور نہ کسی جنتی کے نکلے جانے کا  
 خطرہ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات کا ذکر کر کے ترہیب  
 کے بعد ترغیب کا ذکر بھی کر دیا۔ گزشتہ درس میں منکرین کے لیے عذاب  
 کی بات تھی اور اب اللہ کی رحمت کا ذکر بھی ہو گیا۔

خوف اور  
امید

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مکی زندگی کے دوران ایک موقع پر حضور  
 علیہ السلام بیت اللہ شریف کی طرف آئے تھے کہ جب باب الی شیبہ  
 کے قریب پہنچے تو وہاں صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی جو کسی بات  
 پر منہس ہے تھے، حضور علیہ السلام نے فرمایا، کیا بات ہے کہ میں تمہیں  
 ہلکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آگے جہنم بھی ہے۔  
 حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بات سن کر صحابہ سخت پریشان ہو گئے۔ پھر

جب آپ عظیم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی نَبِیُّ عِبَادِیْ اَنْتَ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میرے بندوں کو تبتلا دو کہ میں بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیں وَ اَنْ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کہ بیشک میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ نہ تو اللہ کی بخشش اور رحمت سے بالکل مایوس ہی ہو جائیں کیونکہ وہ غفور اور رحیم ہے اور نہ ہی بالکل بے فکر ہو جائیں کیونکہ اس کا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہونا چاہیئے۔ اُسے اللہ کی رحمت کی اُمید بھی ہو اور اس کی سزا کا خوف بھی۔

ابراہیم علیہ السلام کے لیے خود شجری

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی دو شانوں یعنی رحمت اور غضب کو سمجھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَ نَبِّیُّهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰہِیْمَ میرے بندوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے متعلق بتلا دیں اِذَا دَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلَامًا جب وہ مہمان ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔

اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سلام کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ الذریت میں ہے "اِذَا دَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلَامًا قَالَ سَلٰمٌ" یعنی جب فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ تو اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کہا۔ آگے یہ بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے فوراً چلے گئے "فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ" اور بچھا کاتلا ہوا گوشت لے آئے پھر جب دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔

پس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ تو اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کہا۔ آگے یہ بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے فوراً چلے گئے "فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ" اور بچھا کاتلا ہوا گوشت لے آئے پھر جب دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔



قَالَ اِنَّا مَنَّكُمْ وَجِلْمُونَ تَوَكَّنْ لَكُمْ، میں تم سے خطرہ محسوس  
 کر رہا ہوں۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نقصان پہنچانا  
 مطلوب ہوتا تھا، دشمن، چور یا ڈاکو اس کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔  
 اسی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی خوف محسوس ہوا تو قالُوا لَا تَوْحَلْ  
 مہمان کہنے لگے، خوف نہ کھاؤ اِنَّا نَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ  
 ہم تمہیں علم والے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ یہ خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام  
 کے متعلق تھی جو حضرت سارہ کے لطن سے پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے  
 حضرت ہاجرہ کے لطن سے اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق سورۃ  
 الصافات میں ہے "فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ" ہم نے آپ کو  
 بُد بار بیٹے کی خوشخبری دی۔ آپ کے علم کا واقعہ تو تاریخ میں موجود ہے  
 کہ کس طرح انہوں نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ بہر حال  
 حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام دونوں ہی اللہ کے حبیل القدر بنی  
 تھے۔ بہر حال مہمانوں نے اپنا تعارف خود کر دیا کہ اُن سے ڈرنے کی  
 ضرورت نہیں، وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کو خوشخبری دینے کے  
 لیے آئے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں کی تعداد دس تھی  
 جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے۔

ابراہیم کی  
 حیرانگی

فرشتوں کی زبان سے خوشخبری کی بات سن کر ابراہیم علیہ السلام نے  
 کہا قَالَ اَكْبَرُ تَمُوْنِي عَلٰی اَنْ تَمْسِيْنِي الْكَذِبُ كَيْتَم مَجھے ایسے  
 وقت میں خوشخبری دے رہے ہو۔ جب کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے  
 فَبِمَ تَكْبَرُ وَنَ تَمَجُّ كَيْسِيْ خوشخبری سناتے ہو۔ مترجم، مفسر قرآن  
 شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عالم اسباب میں انبیاء بھی اسباب  
 کی بات ہی کرتے ہیں۔ آپ کی عمر مبارک سو سال ہو چکی تھی اور بوی بھی  
 بانجھ تھی۔ تو ان حالات میں بیٹے کی خوشخبری پر اُن کی حیرانگی فطری امر تھا



اہم فرشتوں نے کہا قَالُوا نَبَشِّرُكَ بِالْحَقِّ ہم آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک خوشخبری دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِينَ لہذا آپ ناامیدوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں قَالَ فرمایا، مایوسی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وَمَنْ يَّقْنُظْ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ مگر ظاہری اسباب کی بناء پر حیرانگی ہوئی ہے کہ اس عمر میں یہ کیسے ممکن ہوگا۔

عالم اسباب میں رہ کر اسباب پر نگاہ تمام انبیاء علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے۔ جنگ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام اوپر نیچے دو زبردیں پہن کر تشریف لائے جس سے امت کی تعلیم مقصود تھی کہ عالم اسباب میں اسباب ہی اختیار کرنے کا حکم ہے، اگرچہ فتح و شکست تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ان اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود حضور علیہ السلام کو بڑی تکلیف پہنچی آپ گڑھے میں گر گئے، سر مبارک اور دانت زخمی ہو گئے۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے کہ اللہ نے یعقوب علیہ السلام کی زبان سے بھی یہی کہلوا یا تھا۔ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ رُوحٌ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اور بے فکر ہو جانا بھی کفر کی بات ہے۔ اصل ایمان بین الخوف والرجاء یعنی خوف اور امید کے درمیان ہے۔ اپنے انبیاء کے متعلق بھی اللہ نے یہی فرمایا ہے يَدْعُونَنَا خَوْفًا وَطَمَعًا وہ ہمیں خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

قوم کوٹ  
پر عذاب

ابراہیم علیہ السلام کو یہ تو پتہ چل گیا کہ ان کے دھان اللہ کے پیچھے ہوئے فرشتے ہیں اور انہوں نے آپ کو اہل علم بیٹے کی خوشخبری بھی



دی گئی تھی ان کی آمد کے متعلق آپ مطمئن نہیں تھے۔ آپ کا قلب صافی  
 گواہی دے رہا تھا کہ ان فرشتوں کے آنے کا کوئی اور مقصد بھی ہے چنانچہ  
 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ کہائے بیٹھے  
 ہوئے لوگو! تمہارے آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ خطیب کا لغوی معنی کام  
 یا حالت ہوتا ہے اور مراد یہ تھی تم کس کام کے لیے آئے ہو۔ قَالُوا  
 إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ کہنے لگے ہمیں مجرم قوم  
 کی طرف بھیجا گیا ہے۔ تاکہ ان کو ان کے بُرے عمل کی سزا دی جاسکے  
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی تباہی کا حال تو ذکر نہیں کیا، البتہ کناہ سے  
 ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس بد بخت قوم کو عفو ہستی سے مٹانے  
 کے لیے آئے تھے۔ یہاں پر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کا ذکر ہے کہ  
 آپ کی بیوی کے سوا باقیوں کو عذاب الہی سے بچا لیا جائے گا۔

فرمایا ہم مجرم کو سزا دینے کے لیے آئے ہیں إِلَّا آلَ لُوطٍ سَوَّاهُ  
 لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے۔ إِنَّا لَمَنْ جُوعِهِمْ أَجْمَعِينَ  
 تحقیق ہم سچانے والے ہیں ان سب کو۔ إِلَّا امْرَأَتَهُ سوائے  
 ان کی بیوی کے قَدْ دَرْنَا ہم نے اندازہ کر لیا ہے۔ مُصْطَرَّيَا ہم  
 جانتے ہیں إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی  
 وہ مجرم قوم کے ساتھ ہی بستی میں رہ جائیگی اور عذاب کا شکار ہوگی جب  
 کہ باقی اہل خانہ آپ کے ساتھ بستی سے نکل جائیں گے اور عذاب الہی  
 سے بچ جائیں گے۔ سورۃ ہود میں تفصیلات موجود ہیں کہ ہم نے  
 لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو بستی سے نکل  
 جائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ چنانچہ اہل خانہ میں سے آپ کی بیوی ہی  
 نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کا حشر بھی نافرمان قوم کے ساتھ ہی ہوا  
 اللہ نے فرمایا ہم نے ان کی پوری بستی کو الٹ دیا اور اوپر سے پھڑول

کی بارش بھی کی جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی مضمون اگلے رکوع میں  
 میں بھی آ رہا ہے۔ سورۃ تحریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مثال بیان  
 فرماتے ہوئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر کیا ہے کہ  
 وہ دونوں دو صالح بندوں کے گھروں میں تھیں مگر انہوں نے خیانت  
 اور نافرمانی کی تو باقی قوم کے ساتھ ہی جہنم واصل ہوئیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب  
 کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کو وہ اولاد نصیب فرمائی جس کا عظیم سلسلہ آگے چلا۔ یہ اس کی مہربانی کی  
 شان تھی اور اُدھر ایک مجرم قوم کو صفحہ مہستی سے ناپید کر دیا اور یہ اس کی  
 غضب کی شان ہے۔



فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ  
 قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا  
 فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا  
 لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَاسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ  
 وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ  
 وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ  
 ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ أُولَاءُ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾  
 وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ فَقَالَ  
 إِنَّ هَؤُلَاءِ ضِيفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا  
 تُخْرِضُونِ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ :- پس جب آئے لوط (علیہ السلام) کے گھر  
 بھیجے ہوئے ﴿۶۱﴾ تو کہا (لوط علیہ السلام نے) بیشک تم  
 لوگ کچھ اُدپرے سے معلوم ہوتے ہو ﴿۶۲﴾ کہا انہوں نے  
 (نہیں) بلکہ ہم لائے ہیں آپ کے پاس وہ چیز  
 جن میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں ﴿۶۳﴾ اور لائے ہیں  
 ہم آپ کے پاس سچی بات اور بیشک ہم سچے  
 ہیں ﴿۶۴﴾ اپنے گھر والوں کو لے کر نکل

جائیں رات کے حصے میں، اور آپ اُن کے پیچھے  
 رہیں، اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی۔ اور  
 چلو جہاں پر تم کو حکم دیا جاتا ہے (۶۵) اور ہم نے فیصلہ  
 کیا اُس کی طرف اس محلے کا کہ بیشک ان لوگوں کی جڑ  
 کاٹی جائے گی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہوں گے (۶۶)  
 اور آئے شہر والے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (۶۷)  
 تو کہا لوط (علیہ السلام) نے کہ بیشک یہ میرے مہمان ہیں  
 پس نہ رسوا کرو تم مجھے (۶۸) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور  
 مت بے آبروئی کرو (۶۹) وہ کہنے لگے، کیا ہم نے تمہیں  
 نہیں روکا تھا جہاں والوں کی حمایت سے (۷۰)

رابط آیات

پہلے اللہ نے شیطان کا اتباع کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور پھر متقی  
 لوگوں کے انعامات کا ذکر کیا۔ پھر اللہ کی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب  
 کی بات ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی  
 ہیں۔ ایک طرف ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ انہیں  
 نئی نسل کے قیام کے لیے ایک عظیم بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے، اور دوسری  
 طرف ایک پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی بات ہو رہی ہے۔

کل کے درس میں اللہ کے فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس  
 آکر بیٹے کی خوشخبری سنانے کا ذکر تھا اور ساتھ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ قوم لوط  
 پر عذاب لانے کے لیے آئے ہیں اور یہ بھی کہ وہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں  
 کو بچالیں گے، البتہ آپ کی بیوی پوری قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوگی۔ اب آج  
 کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لوط علیہ السلام کے پاس آنے کا واقعہ  
 بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو مہمان سمجھ کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہی



مگر قوم اپنے شنيع فعل پر مصر ہوئی۔ ان آیات میں واقعاتی لحاظ سے کچھ تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ واقعہ کے تسلسل کے لحاظ سے آیت ۶۱ کے بعد آیات ۶۰ تا ۶۲ کی تشریح ہوگی اور اس کے بعد آیت ۶۱ تا ۶۲ کا بیان ہوگا، انشاء اللہ۔

فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد اللہ کے یہ دس فرشتے جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے، حضرت لوط علیہ السلام کی جائے قیام سدوم بستی کی طرف چل دیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّتَكَبِّرُونَ ۝ جب اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے تو لوطؑ نے کہا کہ تم لوگ کچھ اوپر سے معلوم ہوتے ہو۔ یہ نوجوان اور حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں تھے۔ لوط علیہ السلام نے انھیں انسان ہی سمجھا، کیونکہ غیب دان تو نہیں تھے۔ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ لوط علیہ السلام کو ان کے مہمان ہونے میں کوئی شک بھی نہیں تھا، کیونکہ بستی میں پہنچ کر فرشتوں نے آپ ہی کے گھر کا پتہ پوچھا تھا۔ لہذا ان کی مہمانداری کا حق ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ مہمان نوازی ویسے بھی ملتِ ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے اور اسی لیے خود ابراہیمؑ نے بھی ان مہمانوں کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ انہوں نے ان کے لیے فوراً تلے ہوئے بچھڑے کا گوشت پیش کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے نہ کھانا تھا، لہذا نہ کھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَنْ لَوْ دَعَاكُمْ ضَيْفًا فَلَيْسَ مِنْكُمْ جَوْشَخْصِ مَہَانِ کی مہمان نوازی نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے چنانچہ شریعت نے مہمان نوازی کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں کہ اجنبی کی مہمان نوازی تین دن تک کی جا سکتی ہے۔ اس میں ایک دن رات کا پیکلفت کھانا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی میزبان کسی مہمان کو تین دن سے



زیادہ بھڑلے تو یہ اُس کی طرف سے صدقہ ہوگا۔ اگر خدمت کر سکتا ہے تو کرے، ورنہ اس پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ البتہ خاص دوست احباب یا رشتہ دار وغیرہ تین دن سے زیادہ بھی قیام کر سکتے ہیں۔ بہر حال مہمان کی عزت افزائی ضروری ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے اخلاق سے واقف تھے، لہذا اُن کے نزدیک ایسے خوش وضع مہمانوں کی خاطر مہارت سے اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت زیادہ ضروری تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو جو تشویش لاحق ہوئی اُس کا ذکر سورۃ ہود میں بیان ہو چکا ہے ”سَيِّئٌ مِّمَّا فَعَلُوا وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ“، آپ بہت پریشان ہوئے اور فرمایا آج بڑا مشکل دن آگیا ہے۔ آپ کو فکر اس بات کی تھی کہ قوم کے لوگوں سے مہمانوں کی حفاظت کیسے کریں گے؟ یاد ہے کہ بحر ملکیت کے کنارے جہاں یہ قوم آباد تھی وہاں ان کی پانچ چھ بڑی بڑی بستیاں تھیں جن میں سدوم سب سے نمایاں تھی امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس قوم کی کل آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی لوط علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا، یہیں آپ نے شادی کی، آپ کے ہاں بچیاں بھی پیدا ہوئیں جو آپ پر ایمان لائیں مگر آپ کی بیوی آپ پر ایمان نہ لائی اور منافقہ کی طرح آپ کے ساتھ ہی رہی۔ حقیقت میں وہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی تھی۔

ادھر لوط علیہ السلام تو پریشان ہوئے تھے اور ادھر جب اہل بستی کو اس قسم کے مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ خلافت وضع فطری فعل کے عادی لوگوں کو خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے مذموم فعل کی تکمیل کر سکیں گے۔ اس بیماری کے موجد بھی دراصل یہی لوگ تھے۔ سورۃ اعراف میں گمز چکا ہے ”مَكَانًا“

اہل بستی کی  
اخلاقی بستی



سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ پوری دنیا میں ان سے پہلے یہ قباحت کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی شرم و حیا بالکل ختم ہو کر ان کی فطرت ہی مسلخ ہو چکی تھی۔ ان کی اخلاقی بستی کا حال اللہ نے سورۃ العنکبوت میں اس طرح بیان فرمایا ہے "وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْحُتُكُ" اپنی مجلسوں میں بہت بڑی باتیں کہتے تھے مفسرین کلام بیان فرماتے ہیں کہ ان کی ایک یہ بھی بڑی خصلت تھی کہ کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی عزت افزائی کی بجائے اس کا سامان چھین لیتے اور اگر وہ فریاد کرتا تو مار مار کر بستی سے نکال دیتے۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی بیوی سارہ نے خادم کو بھیجا کہ وہ لوط علیہ السلام کی خبر لائے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ سدومی لوگ کسی دوسرے مسافر کو پٹ رہے ہیں۔ جب اس خادم نے مداخلت کی تو اس کو بھی پتھر مار مار کر زخمی کر دیا۔ بہر حال یہ قوم بے حیائی میں انتہا کو پہنچ چکی تھی مہمانوں کو دیکھ کر وہ لوط علیہ السلام کے گھر پر جمع ہونے لگے۔ بائبل میں تو صراحتاً مذکور ہے کہ ان لوگوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ شہوت رانی کے لیے ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو۔

جب لوط علیہ السلام نے قوم کی یہ حالت دیکھی قَالَ اِنَّ لَّهٗۤ اَنْۢ اَعْرِضُ عَنْكُمْ فِرَافِیٰ فرمایا، ظالموں! یہ تو میرے مہمان ہیں۔ ان پر دست درازی کر کے فَلَا تَفْضَحُوْنَ تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اس کی بجائے فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈر جاؤ وَلَا تَخْزَوْنِ اور مجھے حقیر نہ بناؤ۔ اگر میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی ہوئی تو میری کیا عزت رہ جائیگی۔ قوم نے اس بات سے کوئی اثر قبول نہ کیا بلکہ قَالُوْۤا كَسَنُكُنَّ اَوَّلُكُمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعُلَمَاءِ کیا ہم نے تمہیں جہاں بھر کی حمایت سے نہیں روکا تھا؟ جب بھی لوط علیہ السلام ان کو بڑی حرکات سے منع کرتے، انہیں ظلم و

لوط علیہ السلام  
طرف سے  
دفاع



تعدی کرنے سے روکتے، تو وہ کہتے کہ تم اجنبی لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہو، بیرونی لوگوں سے ساز باز کرتے ہو اور پھر ان کی مدد کرتے ہو۔ لہذا ہم نے آپ کو کئی بار منع کیا ہے کہ آپ بلا وجہ لوگوں کی حمایت نہ کیا کریں سورۃ اعراف میں ہے کہ جب لوط علیہ السلام قوم کے لوگوں کو ہم جنسی جیسے فعل بد سے منع کرتے، تو وہ کہتے، انہیں اپنی بستی سے نکال دو **وَاَنذَرْتَهُمْ اَنَّا سَوَّيْتُمْ بَيْنَهُمْ وَهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ** یہ بڑے پاکیزہ لوگ بنے پھرتے ہیں، کسی پاک بستی میں چلے جائیں۔ بہر حال قوم نے لوط علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی اور مہمانوں پر قابو پانے کے لیے دیواریں بچھلانگنا اور دروازے توڑنا شروع کر دیے۔ سورۃ قمر میں **وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذِرُ اُولَیْہِمْ اَنْہُمْ** مہمانوں کو لینا چاہا، تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں اور کہا کہ اب میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ بہر حال لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کا ہر ممکن دفاع کر رہے تھے، لوگوں کو زبان سے سمجھا رہے تھے مگر مہمان بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ **اِنَّکُمْ قَوْمٌ مُّشْکِرُونَ** کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم عجیب لوگ ہو۔ میں ان بدعاشوں سے تمہارا دفاع کر رہا ہوں مگر تم میری کوئی مدد نہیں کرتے۔

فرشتوں کی مداخلت

جب لوط علیہ السلام مہمانوں کا دفاع کرتے کرتے، بہت ہی تنگ ہو گئے، آپ کی پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تو پھر مہمانوں نے مداخلت کی۔ لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں، ہم فرشتے ہیں اور ان بدعاشوں سے خود ہی نیٹ لیں گے چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے ذرہ سا پتہ ہلایا تو جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ نے فرمایا **فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ** (قمر) ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں



مگر اس کے باوجود وہ دیواریں پھلانگنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ لوگ مسمون  
الفطرت ہو چکے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی فطرت تو معکوس ہو چکی ہے، مگر  
قوم لوط کی فطرت بالکل ہی مسخ ہو چکی تھی۔

بہر حال اب فرشتے کھل کر سامنے آ گئے قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ  
بِمَا كُنَّا فِیْهِ یَمْتَرُونَ، کہنے لگے، اے لوط علیہ السلام  
ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس کے متعلق یہ لوگ جھگڑا کرتے  
تھے۔ یہ لوگ خدا کے عذاب کا انکار کرتے تھے اور آپ سے جھگڑاتے  
تھے۔ اب ہم ان کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں۔ وَأْتَيْنَاكَ  
بِالْحَقِّ اور ہم آپ کے پاس سچی بات لائے ہیں وَأَنَا لَصَادِقُونَ  
اور بیشک ہم سچے ہیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ  
فکر نہ کریں، یہ لوگ آپ تک بھی پہنچ سکیں گے، ہم تک کیسے  
پہنچیں گے۔

بستی سے  
خروج کا  
حکم

اب قوم پر عذاب کا وقت قریب آ رہا تھا۔ فرشتوں نے  
اللہ کے حکم سے لوط علیہ السلام سے کہا فَاسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ  
الَّیْلِ آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ حصے میں نکل جائیں  
وَاتَّبِعْ أَذْیَارَهُمْ اور آپ ان کے پیچھے رہیں یعنی اپنے گھر  
والوں کو اپنے آگے چلائیں۔ وَلَا یُكَلِّفُكَ مِنْهُمْ أَحَدٌ  
اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پٹ کر نہ دیکھے۔ وَأَمْضُوا حِیْثُ تُؤْمَرُونَ  
اور جاؤ جہاں تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ بائبل میں ذکر ہے کہ آپ کو زمر نامی  
بستی میں چلے جانے کا حکم ہوا تھا۔ آج کل تو اس بستی کا نام و نشان تک  
باقی نہیں، تاہم لوگ کہتے ہیں کہ یہ بستی بحر میت کے جنوب میں واقع تھی۔  
بائبل کی روایت میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جب سدوم سے نکلے تو  
ان کے اہل خانہ میں سے ان کی بیوی بھی شامل تھی، مگر اس نے حکم خداوندی

کے خلاف پیچھے پلٹ کر دیکھ لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اُسی وقت پتھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ روانہ ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے ساتھ بستی میں ہی رہ گئی تھی۔ آپ کے ساتھ صرف اچیاں تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی فرد ہو تو اس کا ذکر نہیں ملتا۔ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنے میں یہ حکمت تھی کہ قوم پر عذاب آرہا تھا اور دیکھنے والا بھی کہیں اس کی زد میں نہ آجائے۔

اللہ نے فرمایا وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ هُمْ نَاطِقُونَ  
 کے سامنے اس بات کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اور آپ کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اَنَّ دَابِرَهُمْ أَوْ لَا مَقْطُوعٍ مُّصْبِحِينَ کہ ان لوگوں کی جبر کاٹ دی جائیگی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہونگے۔ جب لوط علیہ السلام کے راتوں رات بستی سے نکل جانے کے بعد اگلی صبح طلوع ہوگی تو پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ واقعہ کا باقی حصہ اور عذاب کی تفصیل اگلی آیات میں آ رہی ہے۔

عذاب کا  
فیصلہ



درسم ۱۴  
درس نم ۹

الحجر ۱۵  
آیت ۷۱ تا ۷۹

قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ  
إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ  
الصَّيْحَةُ مَشْرُقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا  
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ  
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ  
مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾  
وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾  
فَأَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

دفع لازم  
۵۹

ترجمہ :- کہا (لوط علیہ السلام نے) یہ میری بیٹیاں ہیں،  
اگر تم کو کچھ بات کرنی ہے ﴿۷۱﴾ (اے پیغمبر) آپ کی  
عمر کی قسم وہ لوگ اپنی بدستی میں اندھے ہو رہے تھے ﴿۷۲﴾  
پس پکڑا انکو ایک چیخ نے سورج نکلتے وقت ﴿۷۳﴾ پس کر دیا  
ہم نے ان بٹیوں کے اوپر دالے حصّے کو نیچے اور برساتے  
ہم نے اُن کے اوپر پتھر کھنکھنے کے ﴿۷۴﴾ بیشک اس میں  
البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کھتے  
ہیں ﴿۷۵﴾ اور بیشک یہ بتیاں البتہ آباد شاہراہ پر ہیں ﴿۷۶﴾  
بیشک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کیلئے ﴿۷۷﴾ اور (تحقیق  
شان یہ ہے) کہ تھے ایک دالے البتہ ظلم کھینے والے ﴿۷۸﴾ پس ہم نے  
ان سے انتقام لیا۔ اور تحقیق یہ دونوں بتیاں البتہ ایک واضح

راتے پر واقع ہیں ﴿۹﴾

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ لوط علیہ السلام مہمانوں کے بارے میں قوم سے لجاجت کر رہے تھے کہ خدا کے لیے مجھے رسوا نہ کرو، میرے مہمانوں کی بے آبروئی نہ کرو۔ مگر لوگوں نے کہا کہ تم خواہ مخواہ اجنبی لوگوں کو اپنے گھر میں بٹھراتے ہو۔ ہم تمہیں منع کر چکے ہیں کہ جہان والوں میں سے کسی کی بھی حمایت نہ کیا کرو، غرضیکہ بد معاش قوم نے اپنے قبیح فعل کے جواز کے لیے الٹا حضرت لوط علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اب لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کوشش کی اور کہا کہ یہ ناپاک کام نہ کرو، اس کی بجائے قَالَ هُوَ لَا يَكُنْ بِذِي بَيْتِي مِثْرًا مِثْرًا اگر تم کچھ کہنا ہی چاہتے ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرنا چاہتے ہو تو میری بیٹیاں حاضر ہیں، مگر ان مہمانوں کو نظر بد سے نہ دیکھو۔

لوط علیہ السلام کی پیش کش

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف سے اپنی بیٹیوں کی پیش کش نکاح کے لیے تھی، نہ کہ کسی ناجائز رشتہ رانی کے لیے کیونکہ اللہ کا نبی کسی کو گناہ کی دعوت نہیں دے سکتا۔ دوسری بات جسے عام مفسرین تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ لوط علیہ السلام کی ”میری بیٹیوں“ سے مراد قوم کی بیٹیاں تھیں کیونکہ قوم کی ساری عورتیں پیغمبر کی بیٹیاں اور پیغمبر بہنز کہ باپ ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو جائز کام کی دعوت دی۔ قوم ہم جنسی جیسا غیر فطری کام کرنا چاہتی تھی، حالانکہ یہ فعل تو جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا چہ جائیکہ انسان جیسی اعلیٰ و ارفع مخلوق اس فعل کا ارتکاب کرے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ تمام جانوروں میں سے صرف بندروں میں یہ قبیح خصلت پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ کسی جانور میں نہیں



پائی جاتی۔

فقہائے کرام نے زنا اور ہم جنسی کے تقابل میں بحث کی ہے قرآن پاک میں دونوں افعال کو فحش کہا گیا ہے۔ دونوں ہی طریقیے شہوت رانی کا ذریعہ ہیں مگر فرق یہ ہے کہ زنا میں یہ تعلق مخالف جنس سے قائم کیا جاتا ہے جو کہ فطری امر ہے اور قانون توڑنے کی بناء پر فحش بناتا ہے۔ مگر ہم جنسی تو ہے ہی خلاف فطرت کام، لہذا اس کو بھی فحش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ آیا زنا کی طرح لواطت کے جرم میں بھی حد جاری ہوگی یا نہیں۔ زنا کی حد یہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے کو شکار کیا جاتا ہے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض آئمہ اس فعل کو زنا کے مساوی قرار دیکر اس کے متعلقین پر بھی حد جاری کرنے کے حق میں ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ ہم جنسی زنا کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ یہ قابلِ تعزیر جرم ہے جس کی سزا قید و بند سے لے کر سزائے موت تک ہو سکتی ہے تاہم امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سزائے موت کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ ایسے مجرم کو کسی بلند مینار پر چڑھا کر نیچے پھینک دیا جائے یا کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گرا دی جائے، گو یا اس فحش عمل پر عبرتناک سزا ملنی چاہیے۔ جیسا کہ لوط علیہ السلام قوم سے کہتے تھے: "إِنِّي أَخْشَىٰ لِعَمَلِكُمْ مِنِّي" (الشعراء) اے لوگو! میں تمہارے عمل سے سخت نفرین ہوں۔

چونکہ قضائے شہوت، بنی نوع انسان پر مسلط کی گئی ہے، لہذا اس کو فرو کرنے کے لیے ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ شہوت رانی جائز نہیں "إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" (المومنون) سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ۔ پہلے زمانے میں لونڈی کا رواج





حَقٌّ قَدْ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ (ہود) ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی سرکار نہیں، بلکہ تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تو تمہارے مہمانوں کو حاصل کر کے انہی سے فضلے حاجت کریں گے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قسم اٹھائی ہے حالانکہ کسی مخلوق مسئلہ قسم کے لیے غیر اللہ کی قسم اٹھانا بالکل ناجائز ہے۔ قسم صرف اللہ کے نام اور اس کی صفات کے ساتھ ہی اٹھائی جاسکتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قسم اٹھانے کی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں موجود ہیں، جیسے "وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ" قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ "لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ" شہر مکہ کی قسم ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم پر مخلوق والی قسم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مخلوق کے کسی چیز کی قسم اٹھانے سے اس چیز کی حد درجہ تعظیم مراد ہوتی ہے، اور یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا مَن اَقْسَمَ لَغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ اَشْرَكَ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اور اگر کوئی شخص قسم سے متعلقہ چیز کی خدا جیسی تعظیم نہیں بھی کرتا تو پھر بھی یہ شرک والی شکل و صورت تو ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ۔ ورنہ خاموش رہو۔ کسی طاغوت، نبی، ولی، جن، فرشتہ، ماں باپ یا کسی عزیز کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے خود کسی مخلوق کی قسم اٹھانے کا تعلق ہے تو اس سے مراد اس چیز کو محض بطور گواہ پیش کرنا ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد کی جان سے زیادہ عزیز کسی جان کو پیدا نہیں کیا۔ لہذا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کی قسم اٹھا کر بات کی ہے۔



قوم پر عذاب

الغرض ! قوم نے لوط علیہ السلام کی کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔  
 بلکہ اپنی ضد پر اڑے رہے، لہذا خدا تعالیٰ کی گرفت کا وقت قریب آچکا  
 تھا۔ ارشاد ہوتا ہے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ پس پھڑپھڑانے  
 کو صبح نے سورج نکلنے وقت۔ اللہ نے کئی قسم کی سزائیں نازل فرمائیں جن  
 کا ذکر مختلف مقامات پر آتا ہے۔ سخت خوفناک آواز کے علاوہ ان پر  
 پھڑپھڑ بھی برسائے گئے اور جس خطا ریزی میں وہ قوم آباد تھی اللہ نے اس لئے  
 خطہ کو الٹ دیا۔ فرمایا فَجَعَلْنَا كَأَالِيهَا سَاكِنَاتٍ ہم نے اس کے  
 اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کر دیا۔ وَأَمْطَرْنَا  
عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ اور ان پر کھنکھارے قسم کے پتھروں  
 کی بارش کی۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تین سزاؤں کا ذکر کیا ہے ایک  
 تیزبردست چٹخ آئی جس سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ ان کے  
 دل پھٹ گئے۔ اللہ نے ان کی ساری بستیوں کو آسمان کے قریب تک  
 اٹھا کر الٹ دیا، اور پھر ان پر پھڑپھڑ بھی برسائے۔ ہر پھڑپھڑ پر اس شخص کا نام  
 لکھا ہوا تھا جسے ہلاک کرنا مقصود تھا۔ اس طرح چار لاکھ سے زیادہ  
 آبادی کی یہ بستیاں آنا فنا صفا ہوتی سے مٹ گئیں۔

سزا فرست

ارشاد ہوتا ہے فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَن تَوَسَّعَ  
 بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے  
 لیے۔ تو ہم کا معنی تارنا، دیکھنا، دھیان کرنا اور غور کرنا ہے۔ اصل میں  
 یہ لفظ کسی علامت کے مشابہہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور  
 یہاں پر فراست کے معنوں میں آیا ہے۔ فراست ایک قسم کی دانائی اور  
 اور زیر کی کا نام ہے جس کے ذریعے غور و فکر کرنے سے انسان کو بعض  
 چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے انْقُوا مَدَنَ  
فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ ایک روایت



میں بِتَوَفِیقِ اللہ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کی فرست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور یا اس کی توفیق سے بعض چیزیں دیکھ لیتا ہے۔

امیر عبدالرحمن، امیر امان اللہ خان والی کابل کے دادا تھے۔ بادشاہ وقت اور صاحب علم آدمی تھے، آپ نے تاریخ کی کتاب بھی لکھی ہے۔ ان کے متعلق حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک کشف اور فرست میں اسی قدر فرق ہے جس قدر ٹیلیفون اور ٹیلیگرام (تار) میں جب ٹیلیفون پر بات ہوتی ہے تو اس میں صریح الفاظ کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آٹے سے ملنے بیٹھ کر گفتگو کی جاتی ہے۔ البتہ ٹیلیگرام ایک ایسا ذریعہ مواصلات ہے جس میں ٹیکٹیک کی صرف آواز ہوتی ہے، اور پیغام وصول کرنے والے ان آوازوں کو الفاظ کا جامہ خود پہناتا ہے۔ تو گویا صاحب فرست آدمی بعض اشارات سے بات کا معنوم خود سمجھتا ہے۔

صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ مشائخ نقشبندیہ میں سے ایک اونچے درجے کے بزرگ خواجہ عبدالخالق مجلس میں بیٹھے معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان آدمی مجلس میں آیا جس نے درویشوں کا خروتر پہن رکھا تھا اور کندھے پر مصلیٰ تھا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو وہ درویش منش نوجوان خواجہ صاحب کے قریب ہوا، اور پوچھا حضرت ! اَتَقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ والی حدیث کا کیا مطلب ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو زمار پہن رکھا ہے، اسے توڑ دو اور ایمان قبول کر لو۔ اس پر پہلے تو اس شخص نے انکار کیا، مگر جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے جسم کے ساتھ زمار بندھا ہوا ملا۔ چنانچہ اس شخص نے اقرار کیا کہ وہ مجوسی ہے اور خواجہ صاحب کی آزمائش کے لیے آیا تھا۔ اس نے



خواجہ صاحب کی اس فرست کو کرا مت پر محمول کیا، اور زناہ توڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھو! اس نو مسلم شخص نے ظاہری زناہ کو توڑ دیا ہے، آؤ ہم سب مل کر توبہ کریں اور باطنی زناہ کو بھی توڑ دیں۔ اس پر مجلس میں شور اٹھا اور سب نے توبہ کی مطلب یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنی فرست سے اُس شخص کو پہچان لیا تھا کہ یہ مجوسی ہے۔

نشاناتِ  
عبرت

اللہ نے فرمایا کہ صاحب فرست لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو ان کے جرم کی کسی عبرت ناک سزا دی۔ ہر فرد اور قوم کو جان لینا چاہیے کہ اگر اس قسم کے جرائم ان میں بھی ہوں گے تو وہ بھی عذاب الہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنَّهَا لِبِسْبِيلِ مُّصِیِّمٍ اور بیشک یہ بتیاں البتہ آباد شاہراہ پر واقع ہیں۔ یعنی عبرت کے نشانات ایسے راستے پر ہیں جہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ اسی لیے ان میں مومنوں کے لیے بھی نشانی ہے۔ جب وہاں سے گزرتے ہیں اور ان بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو انہیں بھی عبرت حاصل کر کے ایسی برائیوں سے بچنے کی کوششوں کو کرنی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو کسی عبرت ناک سزا دیتا ہے فَرَمَا وَآلُ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لظُلُمَآئِنَ بیشک شان یہ ہے کہ ایک والے بھی بڑے ظالم لوگ تھے۔ مدین اور ایک والے ایک ہی قوم کے افراد تھے، مدین شہر تھا اور ایک اس کے نواح میں جنگل تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دو مختلف قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف حضرت شعیب کو مبعوث فرمایا تھا۔ فرمایا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پھر ہم نے ان سے ان کی سرکشی کا انتقام لیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم اور



ایکے والے وَافَقَهُمَا لِبَا مَکَرٍ صَبَّيْنِ دُونِ بڑی شاہراہ پر واقع تھے  
عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور  
حجاز سے شام اور فلسطین کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا  
تھا اور وہ ان اصرطی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے تھے۔ مکے  
کے لوگ بھی اسی راستے سے گزرتے تھے، اہل یہ اللہ نے ان کو بھی یاد  
دلایا کہ وہ ان ویران بستیوں سے عبرت حاصل کریں۔

جغرافیائی لحاظ سے بھی بحیرہ میت کا علاقہ سطح سمندر سے کافی نشیب میں  
واقع ہے۔ اس کے بعض خطوں کا پانی اس قدر زہریلا ہے کہ اس میں کوئی  
مینڈک، مچھلی یا کیر مکور زندہ نہیں رہ سکتا۔ سفرِ تنوک کے دوران جب  
حضرت علیہ السلام کا اس وادی سے گزر ہوا تو آپ نے سر پر چادر ڈال لی اور  
جلدی جلدی گزرنے کی کوشش کی۔ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر  
آیا تھا، کہیں ہم بھی اس میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے  
کہ جس خطہ کو اللہ تعالیٰ نے جائے عبرت قرار دیا ہے، اُسے جدید روشنی والوں  
نے تفریح گاہ بنا لیا ہے۔ وہاں پر عجائب گھر قائم کر دیا گیا، ساتھ ہوٹل بھی  
ہیں جہاں لوگ تفریح کے لیے آتے ہیں حالانکہ ایسے مقامات سے عبرت  
حاصل ہونی چاہیے تھی اور لوگوں کو معاصی سے باز آجانا چاہیے تھا۔

الحجیر ۱۵

آیت ۸۰ تا ۸۹

ربما ۱۳

درس دہم ۱۰

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۝  
 وَآتَيْنَهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝  
 وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝  
 فَآخَذَتُهُمُ الصَّيْحَةُ مُمْصِحِينَ ۝  
 وَكَانُوا يَكْسِبُونَ ۝  
 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا  
 بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ  
 الْجَمِيلَ ۝  
 إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝  
 وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ  
 الْعَظِيمَ ۝  
 لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا  
 بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْ  
 جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝  
 وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ  
 الْمُبِينُ ۝

ترجمہ :- اور البتہ جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسولوں

کو ۸۰ اور ہم نے دی اُن کو اپنی نشانیاں، پس وہ تھے

ان سے اعراض کرنے والے ۸۱ اور وہ لوگ پہاڑوں میں

گھر تراشتے تھے بے فکری سے ۸۲ پس پکڑا اُن کو



خوفناک آواز نے اس حال میں کہ وہ صبح کے وقت تھے (۸۳) پس نہ بچایا اُن کو اُس چیز نے جو وہ کھاتے تھے (۸۴) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور بیشک قیامت البتہ آنے والی ہے، پس آپ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا (۸۵) بیشک تیرا پروردگار وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور سب کی خبر رکھنے والا ہے (۸۶) اور البتہ تحقیق دی ہیں ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیتیں اور بڑا قرآن (۸۷) آپ نہ پھیلائیں اپنی آنکھوں کو اس کی طرف جو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے اس کے ساتھ ان میں سے مختلف لوگوں کو۔ اور نہ غمگین ہوں آپ ان پر۔ اور آپ جھکا دیں اپنے بازو ایمان والوں کے لیے (۸۸) اور آپ کہہ دیں کہ بیشک میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر (۸۹)

رہط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور اُن کی سزا کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایچہ والوں کا تذکرہ بھی ہوا۔ ایچہ اور مدین والے قریب ہی راستے پر تھے تو اللہ نے ان کی سزا کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا۔ ان کا تفصیلی بیان سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں آچکا ہے اور آگے بھی بعض سورتوں میں آئے گا۔ یہ نافرمان لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کا نشانہ بنے۔ آج کی ابتدائی آیات میں قوم ثمود ہی کا مختصراً ذکر ہے۔ جنہیں یہاں پر اصحاب حجر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اہل حجر کی  
تکذیب

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ہ اور البتہ تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسولوں کو۔ اہل حجر صالح علیہ السلام کی

قوم ثمود ہیں جو تبوک سے لے کر وادی قرئی تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ  
عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ اس خطہ میں اس قوم  
کے سترہ سو شہر، قصبات اور دیہات آباد تھے۔ یہ لوگ صنعت و حرفت  
میں بڑے ماہر تھے۔ بڑے متمدن اور آسودہ حال لوگ تھے، حجر انہی کے مراکز  
میں واقع ایک جگہ کا نام ہے جس کی نسبت سے انہیں حجر کہا گیا ہے۔  
سورۃ ہود میں ہے وَالْحَافِ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا یعنی  
ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔  
اس کا مطلب ہے کہ اس قوم کی طرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا جب کہ  
اس آیت کرمیہ میں ہر سلین جمع کا لفظ ہے یعنی بہت سے رسول مبعوث  
فرمائے اس ضمن میں امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس قوم کی طرف حقیقت  
میں حضرت صالح علیہ السلام کو ہی مبعوث کیا گیا مگر یہاں پر جمع کا صیغہ اس  
لیے آیا ہے کہ کسی ایک رسول کے جھٹلانے سے تمام رسولوں کا جھٹلانا  
صادق آتا ہے۔ دین کی مرکزی تعلیم اور خاص طور پر عقیدہ توحید کے بارے  
میں اللہ کے سارے بنی متفق ہیں تو اس لحاظ سے اس قوم نے صرف صالح  
علیہ السلام کو ہی نہیں جھٹلایا بلکہ انبیاء کی پوری جماعت کی تکذیب کی۔ اس  
قسم کی مثال حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن میں مذکور ہے۔ وہ بھی  
ایسی قوم عاد کی طرف واحد رسول مبعوث ہوئے مگر سورۃ ہود میں اللہ نے  
ان کے متعلق فرمایا جَعَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ کہ  
انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی  
یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے مراد یہی ہے کہ کسی ایک رسول کا  
انکار سارے رسولوں کے انکار کے مترادف ہے۔

فرمایا اہل حجر نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا وَاتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا  
اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ



پس وہ ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے تھے۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے خود مطالبہ کیا کہ پتھر میں سے اونٹنی کو نکال جو دس ماہ کی گاہن ہو اور ان کے سامنے بچہ جنے۔ جب صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے نشانی پیش کر دی تو قوم پتھر بھی انکار کر گئی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! نشانیاں نہ طلب کیا کرو۔ قوم ثمود کو ان کی مرضی کی نشانی دے دی گئی مگر انہوں نے اس نشانی یعنی اونٹنی سے تعرض کیا، اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ غرضیکہ اہل حجر کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی معجزات سے اعراض کرنے والے لوگ تھے۔

حجر والوں کی کارگزاری کے متعلق اللہ نے فرمایا وَكَانُوا يُخِتُونَ  
مِثْلَ الْجِبَالِ يَوْمَئِذٍ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے تھے بے فکری سے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہنر عطا کیا تھا کہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان کے اندر ہی نہایت دیدہ زیب مکان تیار کر لیتے تھے۔ ان میں کھدائی کے ذریعے خوبصورت نقش بناتے یہ ایسے محفوظ مکان ہوتے تھے کہ کوئی چور ڈاکو ان میں نقب بھی نہیں لگا سکتا، اس لئے ان کے باشندے بالکل بے فکری کے ساتھ رہتے تھے ان مکانات کے بچے کچھ نمونے آج بھی موجود ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے دور دور سے سیاح آتے ہیں۔

پرائی تنزیہوں  
 کے آثار

اس قسم کی پرائی تنزیہوں کے آثار دنیا بھر میں ملتے ہیں۔ یہاں جنوبی ہندوستان میں ایجنٹا اور آلورہ کی تنزیہوں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں یہ لوگ بھی پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بناتے اور ان کی چھتوں اور دیواروں پر حیرت انگیز نقش و نگار بناتے۔ ان کی دیواروں پر بنے ہوئے اس نمونے کی تہذیب و تمدن کے آثار اب بھی ملتے ہیں۔ کسی جگہ شادی کی کسی



تقریب کی تصاویر ہیں اور کہیں کوئی مائی مجلس دکھائی گئی ہے۔ بعض مقامات پر عبادت کا طریقہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح ٹیکسلا کی بھی ایک تہذیب تھی۔ یہ قوم زمین میں دب گئی جس کے آثار کو کھنڈرات میں سے نکالا گیا ہے۔ ہڑپہ اور موہنجو دھارو کی تہذیب کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے عراق میں آشوریوں کی تہذیب کے بہت سے آثار ملے ہیں۔ مصر میں پانچ چھ ہزار سالہ عمارت ابھی تک موجود ہیں۔ چار چار سو فٹ اونچے مہرام ہیں جو ٹٹوں وزنی پتھروں سے تعمیر کیے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

عذاب کی آمد

فرمایا جب ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نشانوں سے اعراض کیا فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ان کو صبح نے آلیا صبح کے وقت۔ سورۃ اعراف اور ہود میں صبح کے ساتھ زلزلہ نے کا ذکر بھی ہے بہر حال جس طرح کل قوم لوط کے متعلق پڑھا تھا کہ ان پر سورج نکلے وقت عذاب آیا، اسی طرح قوم ثمود کو بھی عذاب نے صبح کے وقت ہی آن پکڑا۔ اور پھر ان کی حالت یہ تھی فَنَحَا اَعْنٰ عَنْهُمْ مَّكَادِرُ يُكْسِبُوْنَ پس نہ کام دیا ان کو اس چیز نے جو وہ کھاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس قوم پر عذاب آیا تو ان کی کارِ سیمائی، صناعی، اوزار اور ان کی عقل و دانش کچھ کام نہ آئے اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ نے اپنی صفتِ غفور اور رحیم کا ذکر فرمایا تھا اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ اور اس واقعہ میں صفتِ غضب کا ذکر کیا ہے۔

حضرت علیہ السلام کے لیے تسلی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز بیکار محض نہیں بلکہ ہر چیز کی تخلیق اس کی حکمت پر مبنی ہے



زمین، جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر، تارے اور سیارے غرضیکہ ہر چیز کے ساتھ انسان کا مفاد والبتہ ہے۔ اور ان تمام اشیاء کا خالق اور مالک بھی موجود ہے وہی ہر چیز کی تدبیر کر رہا ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے۔ فرمایا جو خالق ان اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ان کو ختم کرنے کا بھی مجاز ہے، لہذا یاد رکھو! وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ بَيْنَكُم مَّا تَكْتُمُونَ آنے والی ہے جس کائنات کا آغاز دیکھ رہے ہو اس کا انجام بھی ہوگا۔ پھر محاسبے کی منزل آئیگی، ہر چیز کے متعلق باز پرس ہوگی، جو شخص آنکھ میں سلائی ڈالتا ہے یا انگلی کے ساتھ گارے کا ذرا سا حصہ لگاتا ہے اُسے بھی حساب دینا ہوگا۔

اس سورۃ کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ جب حضور علیہ السلام اپنے منیٰ طہین کو قیامت کی ہولناکیوں اور حساب کتاب کی منزل سے ڈراتے تو لوگ کہتے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ، آپ تو دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ بھلا کسی مردے کو زندہ ہونے کسی نے دیکھا ہے؟ کوئی قیامت اور جبرائے عمل نہیں ہے ایسے ہی تو ہیں آمیز کلمات سے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو سخت کوفت ہوتی ہے ایسے ہی مواقع پر تسلی کے لیے اللہ نے فرمایا ہے۔ اے پیغمبر! آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ فَاصْبِرْ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا۔ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ لوگ یقیناً پکڑے جائیں گے اور پھر اپنے انجام کو بھی پہنچیں گے، لہذا آپ درگزر کریں۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ آپ کا پروردگار بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اس نے کائنات کا عظیم سلسلہ پیدا کیا ہے، اس میں انسان جیسی اشرف مخلوق پیدا کی ہے۔ پھر ان کی آزمائش بھی لی ہے، لہذا آپ خاطر جمع رکھیں اور ان لوگوں کی کارگزار یوں پر بد دل نہ ہوں بلکہ اپنا

کام کرتے رہیں۔

سبع مثانی  
کا نزول

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ہونے والے ایک  
عظیم احسان کا ذکر کیا وَلَقَدْ اَتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَشَافِقِ  
وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ۔ البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے  
والی آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔ اللہ نے اس عظیم نعمت کا نزول آپ  
کے قلب مبارک پر کیا۔ سبع مثانی کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس  
سے سات لمبی سورتیں مراد ہیں یعنی سورۃ بقرہ سے لیکر سورۃ یونس تک میگہ  
صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے سورۃ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں اور یہی آیتیں  
نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت  
سے یہی ثابت کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ سبع مثانی بھی  
سورۃ فاتحہ ہے اور قرآن عظیم بھی یہی سورۃ ہے۔ قرآن پاک میں سب سے زیادہ  
فضیلت والی سورۃ یہی ہے اور یہ پورے قرآن کا لب لباب ہے اس لیے  
اُسے قرآن عظیم بھی کہا گیا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ قرآن پاک میں  
سب سے زیادہ فضیلت والی آیت اہل البیت اور سب سے فضیلت والی سورۃ  
سورۃ فاتحہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اس لیے علمائے کرام  
فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن کریم آتا ہے، اُسے اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے  
کیونکہ اللہ نے اُسے عظیم نعمت عطا کی ہے۔ دنیا کا مال و منافع اس کے  
مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہذا ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کا شکر  
ادا کرنا چاہیئے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے رَكَعَتِي الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ  
الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا یعنی نماز فجر سے پہلے دو سنتیں دنیا اور اس کی ہر چیز  
سے بہتر ہیں۔ دنیا کا مال و اسباب تو عارضی ہے مگر ٹھیک طور پر ادا  
کی گئی یہ سنتیں اگر مقبول ہو گئیں تو ان کا اجر کبھی ختم نہیں ہوگا، لہذا یہ دنیا



اور مافیہا سے بہتر ہیں۔ خود قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن کریم کتاب شفا اور کتاب ہدایت ہے "خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" جو چیز یہ لوگ جمع کرتے ہیں، قرآن پاک اس سے بہتر ہے۔

مال و دولت  
بے رغبتی

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ثُمَّ تَنَازَعْتُمْ فِيهِمْ ۚ وَلَا تَوَلَّوْا الْآخِذِينَ بِآيَاتِنَا وَلِئَلَّامُ لَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ) آپ اپنی آنکھوں کو اُس کی طرف نہ پھیلائیں، مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ملنے والے مال و متاع کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ یہ عارضی چیزیں ہیں۔ اس کے مقابلے میں اللہ نے جو چیز آپ کو عطا کی ہے اس کے مقابلے کی کوئی چیز نہیں۔ بعض مفسرین نے ازواجاً سے مختلف لوگوں کی بجائے مختلف اشیاء مراد لی ہیں یعنی جتنی بھی چیزیں ہم نے دنیا میں لوگوں کو دی ہیں وہ سب قرآن پاک کے مقابلے میں حقیر اور فانی ہیں جب کہ کلام الہی اور سورۃ فاتحہ ابدی چیز ہے۔ فرمایا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۚ وَخَبِّرْ بِطَوَاتُرِهِمْ (البقرہ) آپ ان پر زیادہ غمگین بھی نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ آپ اپنا حق تبلیغ ادا کرتے رہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (البقرہ) آپ سے اہل دوزخ کے متعلق باز پرس نہیں ہوگی کہ یہ وہاں کیوں گئے بلکہ یہ تو خود ان سے پوچھا جائے گا مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ (المذثر) کہ تم جہنم میں کس وجہ سے پہنچے آپ کا فرض یہ ہے اَتَّكُمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (الرعد) کہ آپ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ کوئی ایمان قبول کرتا ہے یا نہیں، یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ فرمایا وَخَفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (البقرہ) آپ اپنے بازو ایمان والوں کے لیے جھکا دیں۔ جس نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا ہے آپ کی نبوت پر ایمان لایا ہے اور معاد پر یقین کیا ہے، آپ اس کے

اہل ایمان  
کے لیے  
شفقت

ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئیں تاکہ ان کو تسلی ہے۔ وَقُلْ  
أَبِئِنَّ كُورِيَهٗ يَحْيٰى سَمَّجَادِيْنَ اِحْيٰى اَنَا التَّنْذِيْرُ الْمُبِيْنُ میں تو کھول  
 کر ڈرنا نے والا ہوں۔ میں تو تمہیں خطرناک انجام سے آگاہ کرنے والا ہوں۔  
 اگر کفر، شرک، معصیت اور ناشکر گزاری کا راستہ اختیار کرو گے تو میں تمہیں  
 برے انجام سے خبردار کر رہا ہوں۔ جس طرح قرآن مبین ہے یعنی ہر چیز  
 کو واضح کرتا ہے، اسی طرح اللہ کے نبی بھی نذیر مبین ہیں کہ کسی چیز کو تشنہ  
 نہیں لےنے دیتے بلکہ ہر چیز کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں  
 عربوں میں نذیر العربیان کی اصطلاح پائی جاتی تھی یعنی سخت خطرے کے  
 وقت کوئی شخص اپنا تہبند اتار کر جھنڈے کے طور پر لہراتا تھا اور خطرے  
 سے آگاہ کرتا تھا، وہ نذیر عربیان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح اللہ کا نبی بھی  
 لوگوں کو شدید خطرے سے آگاہ کرنے والا ہے کہ آنے والے وقت  
 سے ڈر جاؤ اور اللہ کے احکام کو تسلیم کر لو۔



الحجر ۱۵

آیت ۹۰ تا ۹۹

ربما ۱۴

درس یازدهم

كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۙ (۹۰) الَّذِينَ  
 جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۙ (۹۱) فَوَرَّكَ لَنَسْتَلَنَّهٗمْ  
 اَجْمَعِينَ ۙ (۹۲) عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۙ (۹۳) فَاصْدَعْ  
 بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ (۹۴) اِنَّا  
 كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ۙ (۹۵) الَّذِينَ يَجْعَلُوْنَ  
 مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۙ (۹۶)  
 وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَظِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا  
 يَقُوْلُوْنَ ۙ (۹۷) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ  
 السَّاجِدِيْنَ ۙ (۹۸) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ  
 الْيَقِيْنُ ۙ (۹۹)

ترجمہ:- جس طرح کہ ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے  
 والوں پر (۹۰) وہ جنہوں نے بنایا ہے قرآن کو ٹکڑے  
 ٹکڑے (۹۱) پس تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب  
 سے سوال کریں گے (۹۲) اس بارے میں جو کچھ وہ  
 کیا کرتے تھے (۹۳) پس آپ واضح طور پر وہ بات  
 سنا دیں، جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور آپ اعراض کریں  
 شرک کرنے والوں سے (۹۴) بیشک ہم کفایت کرتے

ہیں آپ کے لیے مٹھا کرنے والوں کے شر ہے (۹۵)  
 وہ جو مٹھراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، پس  
 عنقریب وہ جان لیں گے (۹۶) اور البتہ تحقیق ہم  
 جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان  
 باتوں سے جو وہ کرتے ہیں (۹۷) پس آپ تبیح بیان  
 کریں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیں آپ  
 سجدہ کرنے والوں میں سے (۹۸) اور عبادت کریں اپنے  
 پروردگار کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس  
 یقینی بات (۹۹)۔

رابط آیت

پہلے اللہ تعالیٰ کی دونوں شانوں یعنی اس کے غفور اور رحیم ہونے اور  
 غضبناک ہونے کی شان کا ذکر ہوا پھر اللہ نے دونوں قسم کے لوگوں  
 کی مثالیں بیان فرمائیں جن پر اللہ کا انعام ہوا اور جن پر غضب نازل ہوا پھر  
 آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے تسلی کا  
 مضمون نازل ہوا۔ مشرکین آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ نہایت  
 غلط قسم کا سلوک کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ دل برداشتہ ہوتے تھے۔ تو  
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی بھی دی، اور ساتھ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ نافرمان لوگ  
 بالآخر ناکام ہوں گے۔ اس ضمن میں قوم لوط کی ناسمجاری کا ذکر فرمایا، اہل حجر کی بات  
 کی کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے سچے نبی اور سچے دین کی مخالفت کی، اہل ایمان  
 کو اذیت پہنچانی تو اللہ نے ان کو سزا میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح سابقہ انبیاء کے  
 مخالفین تباہ و برباد ہوئے، اسی طرح آپ کے مخالفین بھی اللہ کے غضب سے  
 بچ نہیں سکیں گے۔

اب اللہ نے اس بات کو ایک مثال یا تشبیہ کے طور پر سمجھایا ہے

کتاب الیہ  
 کی تقسیم



كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ جیسا کہ ہم نے امارا (عذاب) تقسیم  
 کرنے والوں پر یقیناً تقسیم کے مادے سے بھی ہو سکتا ہے اور قسم کے  
 مادے سے بھی اور اس مقام پر دونوں معنی درست ہیں، البتہ تقسیم والا معنی  
 زیادہ معروف ہے۔ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ وہ تقسیم  
 کرنے والے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر قرآن سے اللہ  
 کی یہی کتاب مراد لی جائے جیسا کہ تبارک ہے تو تقسیم کرنے والے مشرکین  
 مکہ میں جنہوں نے قرآن کو تقسیم کر دیا تھا یعنی وہ کتاب الہی کے ساتھ غلط  
 باتیں منسوب کرتے تھے، کوئی کہنا یہ شاعری ہے، کوئی اسے سحر بانا  
 اور کوئی اسے اسباطیو الاولین (الانفال) پرانے لوگوں کی قصے  
 کہانیاں کہتا۔ بعض لوگوں نے قرآن کو تسخر کے طور پر اس طرح تقسیم کر  
 رکھا تھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا کہ سورۃ بقرہ کو میں سبھال لوں گا  
 تم ذرا سورۃ الفیل سے پیٹ لو۔ کوئی کہتا مائدہ میرے ذمے رہنے دو اور  
 انعام فلاں کے ذمے لگا دو۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے قرآن پاک کی  
 سورتوں کو مذاق کے طور پر تقسیم کر دیا تھا۔ تقسیم کی ایک صورت یہ بھی اللہ  
 نے سورۃ مائدہ میں ذکر کی ہے کہ بعض اوقات مشرکین اپنے مقدمات  
 حضور علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیج دیتے اور ساتھ ہی فریق  
 مقدمہ کو کہہ دیتے کہ اگر فیصلہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوا تو قبول کر لینا ورنہ  
 چھوڑ دینا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا لَهُمْ فِي  
 الدُّنْيَا حِزْبٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
 (المائدہ) یعنی ایسا شخص دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی اس کے  
 لیے عذاب عظیم ہوگا۔ بڑے بڑے صنادر پر قریش تھے جنہیں اللہ نے  
 اسی دنیا میں ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔  
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آپس میں درے اور راستے



تقسیم کر رکھے تھے تاکہ حصہ علیہ السلام کے پاس جانے والے لوگوں کو راستے میں ہی روک دیا جائے۔ آپ کے خلاف پراپیگنڈا کرتے، آپ کو بغیر ذیالمرہ ساحر اور دیوانہ کہہ کر لوگوں کو آپ کی ملاقات سے روکتے۔ ایک دفعہ عربوں کا مشہور شاعر اعشى احنور کی خدمت میں حاضری کے لیے مکہ آیا۔ یہ شخص ساجۃ العرب یعنی عربوں کا باجہ کہلاتا تھا۔ اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات ضرب المثل بن جاتی تھی۔ قریش مکہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر اس نے احنور کی شان میں کوئی قصیدہ کہ دیا تو پھر آپ کا راستہ روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا انہوں نے تدبیر کی کہ کس طرح اعشى احنور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اناج سے لدا ہوا ایک سو اوونٹ اُسے رشوت میں اس لیے پیش کیا کہ وہ احنور علیہ السلام سے ملاقات نہ کرے۔ وہ شخص اوونٹ لے کر اپنے وطن یمن چلا گیا اور آپ سے ملاقات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے آئمۃ الکھز کو دنیا میں ہی سزا دی۔ چنانچہ بعض جنگ بریں مارے گئے۔ کوئی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا ہو کر جہنم داخل ہوا کسی کے پاؤں میں کانٹا چھ گیا جس کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ یہ حال جن لوگوں نے قرآن پاک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، اللہ نے ان پر طرح طرح کا عذاب نازل فرمایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر قرآن سے مراد اللہ کی آخری کتاب نہیں بلکہ اس سے مراد پہلی کتابیں تورات، انجیل وغیرہ ہیں اور ان کو تقسیم کرنے والے ان کے حاملین یہود اور نصاریٰ ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ ان کے کسی حکم کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں موجود ہے "أَفْتَوْا مِنْهُمْ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کیا تم کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ ایسے لوگوں کے عذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن



میں بار بار ذکر کیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ بندہ اور خنزیر بنا دیے گئے، کہیں فرمایا کہ چالیس سال تک صحرائیں بھٹکتے رہے۔ کبھی یہ باہمی عداوت و پیکار میں مبتلا ہوئے اور کبھی ان کو دوسری اقوام نے پامال کیا۔

اگر متقسم قسم کے مادے سے ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والے لوگوں پر عذاب نازل فرمایا۔ ایسے لوگوں کا ذکر بھی اللہ نے مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ اصحاب حجر یعنی قوم ثمود کے لوگ بھی قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ ہم صالح علیہ السلام کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ سورۃ النمل میں موجود ہے "قَالُوا اتَّقَاسْكُمْ بِاللّٰهِ لَنْبَيِّنَهُ وَاَهْلَكَ" شہر کے نو فسادی آدمیوں نے کہا کہ خدا کی قسم کھاد کہ ہم راستہ کو صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے۔ یعنی ان سب کو ہلاک کر دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے خود انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والوں پر عذاب نازل کیا۔ اسی طرح ان لوگوں پر نازل کریں گے جو خاتم النبیین علیہ السلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

لازمی  
باز پرس

قرآن پاک کو مختلف طریقوں سے تقسیم کرنے والے ہوں یا دین حق کی قسمیں اٹھا کر مخالفت کرنے والے اللہ نے فرمایا هُوَ رَبُّكَ تیرے پروردگار کی قسم لَنْبَيِّنَهُمْ رَاجِعُونَ ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اس بارے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اس مقام پر تو منکرین و مکذبین سے سوال جواب کا ذکر ہے مگر بعض مقامات پر بغیر باز پرس ہی جہنم رسیدگی کی وعید سنائی گئی ہے جیسے سورۃ الرحمن میں ہے "فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ أَتَسْرِبُ" انسان یا جن سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔



بَلْ لَعَنَ الْمُجْرِمُونَ بِسَيِّئِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي  
وَالْأَفْدَامِ۔ مجرم لوگ اپنے چہروں سے ہی پچانے جائیں گے اور انہیں  
سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر تھیدٹ کرے جایا جائے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے  
حشر کے میدان میں کئی واقعات پیش آئیں گے۔ بعض مواقع پر انسان سے  
شدید باز پرس ہوگی اور بعض مواقع پر بغیر پوچھے مجرمین کو پکڑ کر لے جایا جائیگا  
امام ابو جبر رازی فرماتے ہیں کہ یہاں پر سوال کرنے سے مراد محض باز پرس  
نہیں بلکہ سخت ڈانٹ ڈپٹ مراد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے  
کہ کسی شخص کو قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا جب تک وہ ان سوالوں  
کا جواب نہ دے کہ اُس نے عمر کے شباب کے حصے کو کہاں خرچ کیا  
دنیا میں مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر بھی  
فرمایا ہے کہ اُن سب سے ہم ضرور سوال کریں گے ان تمام کاموں کے متعلق  
جو وہ دنیا میں انجام دیتے ہیں۔

حضور علیہ السلام  
کے لیے تسلی

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے۔  
فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ پس آپ واضح طور پر سنا دیں جو کچھ آپ کو  
حکم دیا گیا ہے۔ صدع دراصل اُس برتن کو کہتے ہیں جو ٹوٹ جائے اور  
اُس کے دوبارہ جڑنے کا امکان نہ ہو۔ تو یہاں پر مطلب یہ ہے کہ آپ  
اللہ کی توحید کا واضح طور پر دو ٹوک اعلان کر دیں اور اس میں کسی قسم کی رو  
رعایت نہ رکھیں وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ، اور مشرکوں  
سے اعراض کریں۔ آپ ان کی پروا نہ کریں کہ وہ کیا کرتے ہیں، انہیں  
اُن کے حال پر چھوڑ دیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اِذَا كَفَيْتُكَ  
الْمُسْتَهْزِئِينَ ہم آپ کو کفایت کریں گے کھٹا کرنے والوں کے  
شر سے۔ یعنی اُن کے شر کے اثرات آپ تک نہیں پہنچنے دیں گے



سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے ”فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی کفایت کرے گا کیونکہ وہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔ آپ ٹھٹھا کرنے والوں کی بالکل پرواہ نہ کریں۔

اور استہزا کرنے والے کون لوگ ہیں؟ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ کوئی ان کا سفارشی ہے۔ کوئی معبود، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا۔ فرمایا فَيَسْأَلُكَ عَنْ لَوْمًا وَهُوَ غَنَقَرِيبٌ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بندے نہ شریک اور نہ ہی اس کے سوا کوئی معبود ہے فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو یہ مشرکین کہتے ہیں۔ یہ لوگ کفر شرک کی باتیں کہتے ہیں، آپ پر طعن اور استہزا کرتے ہیں، آپ کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہنچتی ہے، آپ کو رنج ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ زیادہ فک نہ کریں۔ جب آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے اور وہ اسے شدت سے رد کرتے تو پھر بھی آپ کی طبع پر بہت گہرا گزرتا آپ بنی نوع انسان کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور لوگوں کو بے لوث ایمان اور فلاح کی دعوت دیتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا لوگو! کہہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، فلاح پا جاؤ گے، یہ تو تمہارے ہی فائدے کی بات ہے مگر اتنی خیر خواہی کا جواب جب شر و فساد سے ملتے تو حضور علیہ السلام کا دل بڑا تنگ ہوتا۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ آسَفًا



(الکہف) اے پیغمبر! کہہ یہ لوگ اس کلام الہی پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ  
گلا گھونٹ کر ہلاک ہو جائیں۔

فرمایا اس قدر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا فرض  
یہ ہے ”بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ“ (المائدہ)  
جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، آپ اُسے  
بلا کم و کاست آگے پہنچا دیں۔ کیونکہ ”فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا  
الْحِسَابُ“ (الرعد) خدا کا پیغام پہنچا دینا اور لوگوں کو سمجھا دینا آپ کا کام  
ہے، اور اُن سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ ”وَلَا تَسْأَلْ عَنْ  
أَصْحَابِ الْجَحِيمِ“ (البقرہ) اہل دوزخ کے متعلق آپ سے نہیں

پوچھا جائے گا کہ وہ کیوں دوزخ میں گئے، بلکہ اپنی کارکردگی کے وہ خود  
ذمہ دار ہوں گے اور اس بارے میں اپنی سے سوال ہو گا۔ آپ صرف  
اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے چلے جائیں۔ بہر حال مشرکین کی بدسلوکی پر حضور  
علیہ السلام کے دل کی تنگی قدرتی بات تھی۔ ہر نبی امت کا خیر خواہ ہوتا ہے،  
حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم عاد سے یہی کہا تھا ”أَلَيْفَ كُنتُمْ  
رِسَلْتُمْ رِجْلًا وَآنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ“ (الاعراف)  
میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور  
امانت دار بھی ہوں۔ اس میں میرا ذاتی کوئی مفاد نہیں بلکہ تمہاری خیر خواہی مقصود  
ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم کو اس طرح خطاب فرمایا  
”اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے“ وَفَصَحَّتْ  
لَكُمْ أَوْتَارُكُمْ اور تمہاری خیر خواہی کہہ دی ہے۔ ”فَكَيْفَ اتَّسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ  
كَافِرِينَ“ (الاعراف) اب میں تمہاری ہلاکت پر کیسے افسوس کا اظہار  
کروں؟

تبلیغ و تحید آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے قلب و صدر کی تنگی



کا علاج بھی بتایا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ  
 بلکہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کریں، اسکی پاکی اور حمد بیان کریں  
 وَكُنْ مِمَّنِ السَّاجِدِينَ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو  
 جائیں یعنی آپ کثرت سے نماز پڑھیں۔ چنانچہ ترمذی اور ابوداؤد کی  
 روایت میں آتا ہے کہ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت پریشانی  
 لاحق ہوتی تو آپ فوراً نماز کی طرف رجوع کرتے۔ پریشانی کا علاج نماز ہے  
 کیونکہ اس کے ذریعہ تعلق باللہ قائم ہوتا ہے اور جس قدر تعلق باللہ مضبوط  
 ہوگا اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی اور  
 دل میں تسکین پیدا ہوگی کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر میں ہی ہے تو فرمایا  
 آپ اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کریں، اس کی تعریف کریں اور نمانہ کی  
 کثرت رکھیں۔

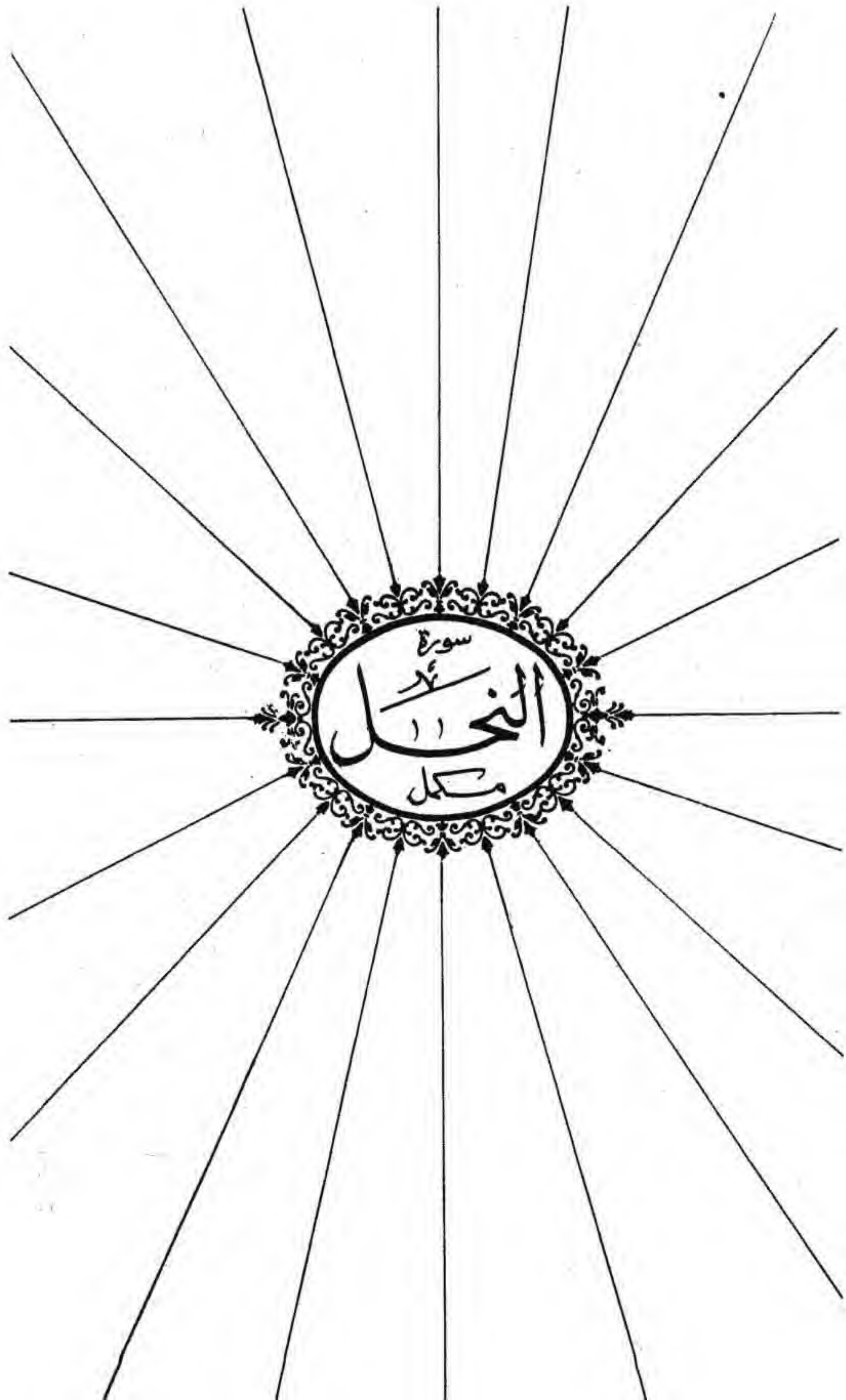
آخر دم  
 میں عباد

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے وَاعْبُدْ  
 رَبَّكَ اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں، مسلسل بندگی میں لگے رہیں  
 حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے  
 عربی زبان میں یقین کا اطلاق موت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے  
 معنی یہ ہوگا کہ آپ آخر دم تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ موت  
 ایک یقینی امر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد بھی ہے  
 ”كُلُّ نَفْسٍ ذَٰلِقَةٌ الْمَوْتِ“ (آل عمران) ہر نفس کو موت کا  
 نرہ چھنا ہے اس سے اللہ کا نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر جاندار کو اس کھٹن  
 گھاٹی سے گزرنا ہے۔ مہربانی شاعر کہتا ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہو سکتا  
 ہے مگر موت ایک ایسی چیز ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں، اس  
 پر سب کو یقین ہے الْمَوْتُ أَصْدَقُ وَالْحَيَاةُ غُرُورٌ۔  
 موت یقینی چیز ہے اور زندگی محض دھوکا ہے۔ انسان کے گلے

میں زندگی کا جو دھکا کاٹنا رہا ہے، یہ بالکل کمزور ہے اور کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے، لہذا فرمایا کہ زندگی کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں یہ تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

سورۃ کی ابتداء میں قرآن پاک کی حقانیت، اور صداقت کا مضمون تھا پھر توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی شان رحمت اور شان غضب کا ذکر ہوا۔ پھر نافرمان قوموں کی سزا کی طرف اشارہ کیا اور آخر میں تسلی کے مضمون پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے۔





النحل ۱۶

آیت ۱ تا ۴

ربما ۱۴

درس اول ۱

سُورَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ وَثَمَانُ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا سِتَّةٌ وَعِشْرُونَ كُوعًا

سورۃ نحل مکی ہے اور یہ ایک سو اٹھائیس آیات اور اسمیں سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

إِنِّي أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى

عَمَّا يُشْرِكُونَ ① يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ

مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ② خَلَقَ السَّمُوتِ

وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ③ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ④

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ

مُّبِينٌ ⑤

ترجمہ :- آ پہنچا ہے اللہ کا حکم ۔ پس نہ جلدی کرو

اس کے لیے ۔ پاک ہے اُس کی ذات اور بلند و برتر

ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اسکے ساتھ شریک بناتے

ہیں ① اتارتا ہے وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ

اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے (اور

فرماتا ہے) کہ ڈرادو لوگوں کو بیشک نہیں کوئی معبود میرے



سوا، پس مجھ سے ڈرتے رہو ② پیدا کیا ہے اُس نے  
آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بلند و بڑا ہے اُن  
چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ③  
پیدا کیا ہے اُس نے انسان کو پانی کے قطرے سے، پس  
اچانک وہ انسان ہو گیا جھگڑا کرنے والا کھلے طور پر ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النحل ہے۔ نحل شہد کی مکھیوں کو کہا جاتا ہے  
ان مکھیوں میں اللہ نے جو کمال رکھا ہے اُسے اپنی توحید کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا  
ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کو نحل کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول  
بھی سابقہ سورۃ کی طرح مکی زندگی کا آخری دور ہے۔ جب کہ ہجرت کا وقت قریب  
آچکا تھا۔

اس سورۃ کی ۱۲۸ آیات ۶۱ رکوع ۱۸۴ الفاظ اور ۶۷۰ حروف ہیں۔ یہ  
درمیانے درجے کی سورتوں میں سے ہے۔

مضامین  
سورۃ

گزشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
کو مخاطب کر کے فرمایا تھا "قُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ" آپ کہہ دیں  
کہ میں کھول کر ڈرسانے والا ہوں، تو اس سورۃ میں اللہ نے ڈر کی تفصیل بیان فرمائی  
ہے، اور مجرمین کو واضح طور پر خبردار کر دیا ہے کہ وہ اپنی فکر کر لیں، اُن کی گرفت  
آنے والی ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور وحی الہی  
کی صداقت، توحید باری تعالیٰ، منکر رسالت اور وقوع قیامت اور اس کے ساتھ  
مجرموں کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان  
ہوئے ہیں۔ انسان کی طرف سے ان خود حرام کردہ چیزوں کی تردید اور اللہ  
کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ

کام اور اس کی صفت ہے اور یہ بات ایمان کی شرائط میں داخل ہے حضور علیہ السلام کے صحابی نعمان بن قریظؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، اگر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کروں، نماز ادا کروں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں، تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ مجبوری کی حالت میں بعض اوقات حرام چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں، تو اس سورۃ میں اللہ نے اضطرار کے مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ سورۃ ابراہیم کی طرح اس سورۃ میں بھی ملت ابراہیمی کی تصریح کی گئی ہے۔ غلامی اور آزادی کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے تاہم زیادہ تر توحید کے دلائل اور شرک کی مختلف صورتوں کی تردید کی گئی ہے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پروگرام پیش کیا ہے۔ جسے اہل اسلام فخر کے ساتھ دینا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ وہی عالمی پروگرام ہے جس کی ایک آیت آپ ہر خطبہ جمعہ میں سنتے رہتے ہیں **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ** اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ یہ اسی سورۃ مبارکہ کی آیت ہے، جسے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خطبہ جمعہ میں شامل کیا تھا۔ ہر جماعت اور حکومت کا ایک منشور ہوتا ہے جس کے مطابق کوئی نظام چلانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے منشور اسلام (MANIFESTO OF ISLAM) یعنی فٹوائف اسلام) بھی پیش کیا ہے اس کے اگلی دونوں سورتوں میں اللہ نے درجہ کے فتنوں یعنی عیسائیت اور دجالیت کا رد فرمایا ہے۔ اس میں طریقہ تبلیغ بتایا ہے اور اقتصادی مسائل کا حل بھی پیش کیا ہے۔ اللہ نے ایفائے عہد کی تلقین اور نقص عہد سے منع فرمایا ہے۔

نہید کے طور پر بعض سورتوں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہوتی



ہے اور بعض کی ابتداء میں حروف مقطعات آتے ہیں۔ تاہم اس سورۃ مبارکہ میں چونکہ انذار کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس سے مجرموں اور نافرمانوں کی تنبیہ مطلوب ہے، لہذا اس سورۃ کی ابتداء بلا تمہید براہ راست کی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا حکم آن پہنچا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی لوگوں کو قیامت اور محاسبہ اعمال سے ڈراتے تو وہ کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو، اُسے لے آؤ۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اُن کو عنبر لینے والا حکم پہنچا ہے یہ عذاب الہی کی آمد کی وعید ہے جو کہ مستقبل میں نازل ہونے والا ہے مگر اس آیت کریمہ میں اَلْحَمْدُ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کا حکم آچکا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جو واقعہ مستقبل میں یقینی طور پر پیش آنیوالا ہوتا اُسے مضارع کی بجائے ماضی کے صیغہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت اور جنت، دوزخ کے اکثر واقعات ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُلُّ مَا آتٰ ہر چیز جو یقینی طور پر آنے والی ہے، وہ اتنی ہی اٹل ہوتی ہے جیسے وہ آچکی ہے چونکہ قیامت اور عزرائل کے عمل لازمی طور پر واقع ہونے والے ہیں، اس لیے اللہ نے انہیں ماضی میں بیان کیا اور مطلب یہی ہے کہ اللہ کا حکم عنقریب آنے والا ہے فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ لَنْزِلِہِ نہ کرو، وہ آیا ہی چاہتا ہے۔

غالبہ اسلام  
کی پیش گوئی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیر کے مطابق امر اللہ سے مراد اسلام کی فتح، اس دنیا میں مخالفین کی تذلیل اور آگے چل کر سخت عذاب ہے۔ اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر پیش گوئی کر دی ہے کہ اس وقت تو کافر لوگ اہل ایمان کو تنگ کر رہے ہیں، ان پر عرصہ حیات

تنگ کمر رکھا ہے مگر ان کی فتح اور کفار کی شکست عنقریب واقع ہونے والی ہے۔ اسی غلبہ اسلام کے ساتھ اسلام کا عالمی پروگرام بھی منسلک ہے۔ یہ ایسا پروگرام ہے جو اسلام کے سوا کسی مذہب کے پاس نہیں ہے اور اسی پروگرام کے ذریعے پوری دنیا کی اصلاح مقصود ہے۔

نزول وحی

فرمایا سُبْحٰنَكَ پاك ہے اس کی ذات وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وہ اُن تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق اور معبودِ بدعت ہے اور اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ اُس کی برتری اسی بات سے ظاہر ہے کہ اُس نے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے اپنے فرشتوں کے ذریعے وحی نازل فرمائی، چونکہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے احکام حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ نے کفر، شرک اور معاصی سے بچنے کا پروگرام فرشتوں کے ذریعے ارسال کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے یُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ وہ ملائکہ کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اتارتا ہے۔ یہاں پر روح سے مراد وحی ہے جیسے قرآنِ پاک۔ خود قرآن کو بھی وحی کہا گیا ہے۔ اور ایک روح وہ بھی ہے جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے۔ اسی کے ذریعے انسان میں عقل و شعور پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان کے جسم سے روح خارج ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان کو روح کے ذریعے ظاہری حیات نصیب ہوتی ہے، اسی طرح کلامِ پاک اور وحی الہی کے ذریعے انسانوں کے دل زندہ ہوتے ہیں، اُن کے دلوں میں ایمان، توحید اور نیکی پیدا ہوتی ہے گویا وحی الہی انسان کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے۔ اس کی وساطت سے انسان کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور ابدی حیات نصیب ہوتی ہے دل میں پاکیزہ اخلاق و جذبات ابھرتے ہیں، انسان کا قلب اللہ کی



تجلیات کا مورد بنتا ہے، اور انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنی وحی سے کہ نازل فرماتا ہے حضرت  
جبریل امین اس اعلیٰ منصب پر فائز ہیں جن کے ساتھ فرشتوں کی ایک  
جماعت ہوتی ہے اور یہ وحی کس پر نازل ہوتی ہے؟ عَلٰی مَنْ  
يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ اپنے بندوں میں سے جس پر اللہ چاہتا ہے  
مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت کا انتخاب کسی شخص کی کوشش و محنت  
عبادت و ریاضت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ یہ انتخاب خود اللہ جل جلالہ کا  
اپنا ہوتا ہے۔ سورۃ النعام میں گزر چکا ہے: "اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ  
يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کی صلاحیتوں کو جانتا  
ہے اور پھر وہ حکمت اور مصلحت کے مطابق ان میں سے نبوت و  
رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ سورۃ حج میں بھی موجود ہے  
"اللَّهُ يَصْطَفِي مَنِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ"  
فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ ہی اپنے رسول منتخب فرماتا ہے۔  
گویا پیغام رسانی کے لیے فرشتوں کا انتخاب اور نبوت و رسالت کے  
لیے انسانوں کا انتخاب دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں  
اور وہی ان کا فیصلہ کرتا ہے۔ پیغام رسانی کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت  
آدم علیہ السلام سے شروع کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
پر ختم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری اور ابدی پروگرام قرآن پاک کی صورت  
میں آشکارا ہے۔ اب اگر اس کائنات کی مجموعی عمر دس لاکھ سال بھی ہو  
تو بھی کسی دوسرے پروگرام کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نیا نبی  
آئے گا۔ اب تا قیام قیامت یہی دین باقی رہے گا۔

فرمایا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے  
اور حکم دیتا ہے اَنْ اَنْذِرُوْا کہ لوگوں کو خبر کر دو، وَاَنْذَرَ اللّٰهَ  
دعوت  
توحید



اَلَا اَنَا كَهِمِیْرٌ سِوَا كُوْنِیْ مَعْبُوْدٌ نَحِیْثٌ ۚ اِنَّ كُوْنِیْ مِیْرِیْ عِبَادَتٍ مِّنْ شَرِکٍ  
 سِیْءٌ اَوْ رَنَدٌ تَوَحِّیْدٌ ۚ مِّنْ هِیْ خَالِقٍ اَوْ رَمَالِکٍ ۚ هُوَ ۚ مِّنْ هِیْ قَادِرٌ مُّطْلَقٌ ۚ  
 مَخْتَارٌ مُّطْلَقٌ اَوْ عَلِیْمٌ کَمَلٌ ۚ هُوَ ۚ تَمَامُ بَنِیْ نَوْحِ الْاِنْسَانِ لِیْ صُرُوْرِیَاتٍ کُوْنِیْ جَانِنٌ  
 وَاَلَا مِیْنٌ ۚ هُوَ ۚ نَفْعٌ لِّقَصَاکَ کَا مَالِکٍ مِیْنٌ ۚ هُوَ ۚ مِیْرٌ سِوَا اِنَّ کُوْنِیْ مُشْکَلٌ کَث  
 ۚ اَوْ رَنَدٌ حَاجِتٌ ۚ رَوَا اَوْ رَنَدٌ بَکْرٌ یُّبْنِیْ لَیْ وَاَلَا ۚ هَمْدٌ دَانَ ۚ هَمْدٌ مِیْنٌ اَوْ رَمْدٌ لَّوَانٌ  
 ۚ بَکْرٌ مِیْرٌ سِوَا کُوْنِیْ نَحِیْثٌ لِّهَذَا فَاتَّقُوْنِ مَجْهَدٌ ۚ سِیْءٌ دُرْتِیْ رَمْدٌ ۚ اَلْکَرْمُ  
 نِیْ مِیْرٌ سِیْءٌ سَاخِطٌ کِیْ شَرِکٍ بِنَا یَا تُوْمِیْرِیْ کُرْفَتٌ ۚ سِیْءٌ نَحِیْثٌ ۚ سِیْءٌ  
 فَرَمَا یَا خَلَقَ السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ بِالْحَقِّ اُسُّنِیْ  
 آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کائنات کا پورا نظام کوئی  
 کھیل تماثلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے انہیں  
 مخلوق کی مصلحت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور پھر اس ساری تخلیق کا  
 نتیجہ بھی سامنے آنے والا ہے۔ لہذا اُس ذات سے ڈرجاؤ، اور وہ ذات  
 ایسی ہے تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اَنْ تَمَامُ چِیْزوں سے بلند و برتر ہے  
 جن کو وہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ بار بار یاد دہانی کرائی جا رہی  
 کہ وہی ذات اعلیٰ و ارفع ہے، اس کے مقابل کی کوئی چیز نہیں، لہذا اُس  
 کے ساتھ کسی کو شریک اور شفیع نہ بناؤ، کسی کو مشکل کے وقت میں مت  
 پکارو، حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اُسی سے چاہو۔ وہی ذات  
 بلند و برتر ہے، باقی ہر چیز بیچ ہے۔

تخلیق انسانی  
بطور دلیل

آسمان وزمین کا ذکر کہہ کے اللہ نے اپنی وحدانیت کی بیرونی نشانیاں  
 پیش کر دیں۔ اب انسان کو خود اس کے وجود کی اندرونی نشانیوں کی طرف  
 متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ  
 اللہ نے انسان کو قطرہ آب سے پیدا کیا۔ سورۃ النجمہ میں ہے کہ  
 ہم نے انسان کی نسل مِّنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ یعنی حقیر پانی سے چلائی۔



ایسا حقیر پانی کہ اگر کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو دھونا یا نہانا لازم ہو جاتا ہے  
یہ ایسی نجاست ہے جسے انسانی مزاج برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں  
مگر یہی حقیر مادہ انسانی تخلیق کا ذریعہ ہے۔

فرمایا کہ جب انسان اس حقیر مادہ سے پیدا ہو گیا فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ  
مُتَبَيِّنٌ تو اچانک کھلے طور پر جھگڑنے والا بن گیا۔ اب یہ توحید الہی  
کا انکار کرتا ہے اور شیطان کی پیروی میں شرکیہ امور کی ترجمانی کرتا پھر تاہے  
غیر اللہ کی نذر و نیاز کے حق میں باطل دلائل پیش کر کے جھگڑا کرتا ہے  
کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اپنی تخلیق سے اللہ کی وحدانیت کو سمجھنے  
کی بجائے شرک کے حق میں دلائل دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی  
بغاوت پر اُتر آتا ہے۔

یہ انداز کا مسئلہ بھی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی بیرونی اور  
اندرونی دو دلیلیں بیان کی ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش میں عجز کہہ کے بھی  
انسان معرفت الہی حاصل کر سکتا ہے اور خود اپنی تخلیق پر عجز کرے تو پھر بھی اللہ  
کی وحدانیت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہ تو عقلی دلائل ہیں، اس کے  
علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتب سماویہ نازل کر کے  
انسان کے لیے اپنی وحدانیت کے نقلی دلائل بھی دیا کر دیے ہیں۔ اللہ نے دنیا  
کے ہر خطے میں اپنے نبی بھیجے ہیں اور ہر ایک نبی نے یہی تعلیم دی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا  
أَنَا فَاعْبُدُونِ (الانبیاء) خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی لیے  
وہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میری توحید میں کسی کو شریک  
نہ بناؤ۔ انسان کی اپنی عقل تسلیم کر رہی ہے کہ یہ بات سچی ہے، لہذا اسے قبول  
کیے بغیر چارہ نہیں۔

النحل ۱۶

آیت ۵ تا ۹

ربما ۱۳

رسم دوم ۲

وَالْأَنْفُسَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ  
 وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ⑤ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ  
 تُرْجُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ  
 إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ⑦  
 إِنَّ رَبَّكُمْ لَرءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑧ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ  
 وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ⑨ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑩  
 وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايزٌ وَلَوْ شَاءَ  
 لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ⑪

ترجمہ :- اور موشی ، ان کو پیدا کیا ہے ۔ ان میں تمہارے

لے گرمی کا سامان ہے اور بہت سے فائدے ہیں ۔ اور ان

میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ⑤ اور تمہارے لیے ان

موشیوں میں خوبصورتی ہے جس وقت تم انہیں چراگاہوں

سے چرا کر پچھے پہر لاتے ہو ، اور جس وقت تم صبح ان

کو چرنے کے لیے لے جاتے ہو ⑥ اور اٹھاتے ہیں

وہ تمہارے بوجھ اُن شہروں تک کہ تم نہیں پہنچنے والے

تھے اُن تک مگر اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈال کر ۔

بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت شفقت کرنے والا

اور بہت مہربان ہے ⑧ اور گھوڑوں ، خجروں اور گدھوں



کو (اس نے پیدا کیا ہے) تاکہ اُن کی سواری کرو اور (تمہارے لیے) زینت ہو۔ اور وہ پیدا کرے وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے ۸ اور اللہ تک ہی پہنچتا ہے سیدھا راستہ، اور بعض راستے ان پر ٹیڑھے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو البتہ تم سب کو ہدایت دے ۹

سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں انذار کا مضمون بیان ہوا ہے۔ اللہ سے ڈرنے اور اس کی گرفت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اپنے انبیاء پر وحی نازل فرما کر لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہذا مجھ ہی سے ڈرو اور میری توحید کو مانو، خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے اور اُن دلائل کو بیان کیا ہے جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے اور خدا کی اطاعت اور شکر گزاری سبجلا سکتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کا ذکر بطور دلائل قدرت کے کیا۔ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہر قسم کے شرحوں سے بلند و برتر قرار دیا۔ اس کے بعد اللہ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا کہ اسے ہتھیر قطرہ آب سے پیدا کر کے کتنا کمال عطا کیا، مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی طرف عدم توجہی کی بنا پر اس کی توحید میں جھگڑا کرنے لگتا ہے اور شرکیہ عقائد اور باطل رسوم کے حق میں دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب اللہ نے موشیوں کا ذکر کر کے اپنی قدرت کے بعض دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا اور موشیوں کو پیدا کیا۔ ان موشیوں سے کون سے موشی مراد ہیں۔ اس کا ذکر سورۃ الانعام اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے

موشیوں کے فوائد

سورۃ الانعام میں ہے ”ثُمَّ لَنَزَكِيَنَّهُ اَزْوَاجًا“ یہ آٹھ جوڑے ہیں جو عام طور پر انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ ان کا دودھ، گوشت، کھال اور ہڈیاں استعمال میں لاتے ہیں اور یہ جانور اونٹ (ذراور مادہ) گلے بیل (ذراور مادہ) بھیڑ (ذراور مادہ) اور بکری (ذراور مادہ) ہیں۔ یہ مویشی طاقت میں انسان سے کہیں بڑھ کر ہیں مگر اللہ نے ان کے اذہان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ ایک تین سال کا بچہ بھی اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلے تو سو اونٹ اس کے پیچھے چل پڑے گا۔ بعض اوقات سی جانور خلاف معمول جب بگڑ جاتے ہیں تو تباہی مچا دیتے ہیں۔ اونٹ کے متعلق تو خاص طور پر مشہور ہے کہ وہ اپنے دشمن کو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بہر حال اللہ نے ان آٹھ قسم کے مویشیوں کا ذکر کیا ہے اور انسان کو یاد دلایا ہے کہ ان جانوروں کو اس کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی اس کی وحدانیت کی ایک دلیل ہے۔

ان جانوروں کے علاوہ بعض دوسرے جانور بھی ہیں جو انسان سے مانوس نہیں ہیں۔ ان میں جنگلی جانور، نیل گائے، ہرن، جنگلی گدھے وغیرہ بھی ہیں جو اگرچہ مفید ہیں مگر انہیں آسانی سے قابو نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے ایسے جانوروں کی قربانی جائز قرار نہیں دی۔ بلکہ قربانی کے لیے وہی آٹھ جوڑے مقرر کیے ہیں جو ہمیشہ انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور آسانی سے دستیاب ہیں۔

فرمایا اللہ نے مویشیوں کو پیدا کیا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی اون سے گرم لباس تیار ہوتے ہیں جو موسم سرما میں انسان کے لیے فائدہ ہوتے ہیں۔ انسانی لباس میں دھسہ، کوٹ، کبل، سویٹر وغیرہ اون سے تیار کیے جاتے ہیں جو کہ ان جانوروں سے حاصل

اول اور  
گوشت



ہوتی ہے۔ اسی طرح ان جانوروں کی کھال سے پوتین، موزے اور صدی وغیرہ بنتے ہیں، وہ انسانوں کے لیے گرمی پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ان جانوروں میں تمھارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ وَمَنَافِعُ اور ہسٹے فائدے ہیں۔ اس کے بعد ان جانوروں کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے وَمِنْهَا مَا کُلُّوْنَ ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ مذکورہ آٹھ قسم کے جانوروں کا گوشت انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس لیے شریعت میں انہی جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ جن میں کسی قسم کا جسمانی یا روحانی ضرر نہ ہو۔ مردار، خنزیر، نذر غیر اللہ، بلی کتے وغیرہ اور کچھ مار کر شکار کر پوائے پرندوں کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان میں جسمانی یا روحانی ضرر پایا جاتا ہے اور یہ انسان کے لیے غیر مفید ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے پاکیزہ اخلاق یعنی طہارت، اجبات، سماحت اور عدالت پر غذا کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قسم کے جانور کا گوشت کھایا جائے گا۔ انسانی اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ جن آٹھ جانوروں کا گوشت اللہ نے حلال قرار دیا ہے، وہ انسان کے پالتو جانور ہیں، اس لیے ان کا گوشت بھی انسانی مزاج کے مطابق ہے ان کی پیدائش کا بھی اللہ نے وسیع انتظام فرمایا اور ہر روز لاکھوں جانور ذبح ہو کر استعمال ہوتے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی شخص بھیرے کا گوشت کھائے گا تو اسی قسم کی بھپاڑ والی جھلک پیدا ہوگی۔ خنزیر، کتا، بلی وغیرہ کے گوشت سے اسی قسم کے اخلاق پیدا ہوں گے۔ بہر حال فرمایا کہ مولیثیوں میں انسان کے لیے یہ دو بڑے فائدے ہیں کہ ان کے ذریعے گرمی کا سامان مہیا ہوتا ہے اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔

دودھ کی  
نعمت

ان دو بڑے فوائد کے درمیان اللہ نے ایک اور چیز کا ذکر کیا ہے



وَمَنْ فَحَّجَ يَعْنِي اِنْ جَانُورُوں میں تمہارے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً سب سے اہم چیز ان جانوروں کا دودھ ہے جو بچپن سے لے کر آخر عمر تک انسانی غذا کا حصہ ہے۔ پھر دودھ سے حاصل ہونے والا دھی اور گھی بھی بہت بڑی مقدار میں انسانی استعمال میں آتا ہے۔ خاص طور پر بچوں اور بیماروں کے لیے یہ چیزیں انتہائی مفید ہیں، جنہیں اللہ نے ان جانوروں کے ذریعے ہم پہنچایا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایسی چیز جو بیک وقت کھانے اور مشروب کا کام دے، وہ دودھ کے علاوہ کوئی نہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے امت کو سکھلایا ہے کہ جب بھی کوئی نعمت استعمال کرو تو اس کا شکریہ ادا کرو اور دعا کرو کہ اے اللہ! اس سے بہتر عطا فرما۔ مگر جب دودھ جیسی عظیم نعمت استعمال کرو تو اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ کی دعا کرو یعنی اے اللہ! ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما۔ گویا دودھ سے بہتر چیز کی دعا نہیں کی گئی۔ دودھ کے علاوہ ان جانوروں کی چربی اور ہڈیاں بھی انسانی فائدے کی مختلف چیزوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ تو فرمایا ان جانوروں میں تمہارے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔

فَرَّيَا وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ ان میں تمہارے لیے خوبصورتی ہے حِينَ تَرْجُوْنَ جب کہ وہ جنگلوں سے چرکتے پھلے پھر گھر واپس آتے ہیں وَحِينَ تَسْرَحُوْنَ اور جس وقت صبح کے وقت چرنے کے لیے باہر جاتے ہیں مطلب یہ کہ مویشیوں کی آمدورفت بھی تمہارے لیے خوشنمائی کا باعث ہے یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے جانوروں کے چرنے کے لیے جانے اور پھر واپس آنے کا ذکر ہونا چاہیے۔ مگر اس آیت کریمہ میں پہلے واپس آنے اور بعد میں گھر سے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ایسا کیوں؟

خوبصورتی کا ذریعہ



اس ضمن میں امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ خوبصورت حالت کا پہلے ذکر کیا ہے اور نسبتاً کم خوشنمائی کا بعد میں۔ جس وقت جانور گھڑ سے چرنے کے لیے جنگل کی طرف نکلتے ہیں تو بے اوقات گویہ سے لمحہ ٹرے ہوئے اور کسی قدر بھوکے بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے زیادہ خوبصورت نظر نہیں آتے۔ البتہ جب جنگل سے چر چاک کر شام کو واپس آتے ہیں تو دین بھر پھرنے سے ان کی غلاظت وغیرہ بھی دور ہو چکی ہوتی ہے اور پیٹ بھی بھرے ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ خوشنما نظر آتے ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے زیادہ خوشنمائی کی حالت کو پہلے ذکر کیا ہے۔

جانوروں کے حقوق

اپنے جانوروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر انسان کا جی خوش ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے بشرطیکہ اس میں تکبر کا پہلو نہ ہو۔ خوبصورت جانور دیکھ کر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وہ ان پر غرور کرنے لگے گا تو یہ اس کے حق میں حرام ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کسی ناشکری پر محمول کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر ان جانوروں کے بھی بعض حقوق رکھے ہیں۔ فرضی حق میں زکوٰۃ ہے جو سال بھر میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہے بشرطیکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں اس کے علاوہ انسان پر ایک اخلاقی حق بھی عائد ہوتا ہے کہ اگر جانور دودھ دینے والا ہے تو اس میں سے غریبوں اور محتاجوں کو بھی حصہ دیا جائے۔ کوئی بیمار ہے کچھ ہے جسے دودھ کی ضرورت ہے تو اسے مایوس نہ کیا جائے اس طرح اگر کسی کے پاس گھوڑا ہے تو اس کا حق بھی ادا کرے۔ کسی ضرورت مند پروسی یا عزیز کو سواری کے لیے ضرورت ہے، تو انکار نہ کرے۔ یہ حق محض گھوڑے کی سواری تک محدود نہیں سواری کی کوئی قسم کار، موٹر سائیکل یا سائیکل کی سواری موجود ہے تو حاجتمند







حالت و حرمت دونوں قسم کی روایات کی موجودگی میں اس پر مکرر وہ کا حکم لگایا جاتا ہے۔ البتہ گھوڑے کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف حضور کے ارشاد مبارک سے ملتا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں اللہ نے بہتری لکھی ہوئی ہے۔ یہ جانور قیامت تک کار آمد رہیں گے۔ چنانچہ گھوڑا سفر میں سواری کا کام دیتا ہے اور جنگ کے دوران بھی بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ چھر بھی بڑا مفید جانور ہے۔ یہ گدھے اور گھوڑی کا مرکب ہوتا ہے۔ مگر اس کی نسل آگے نہیں چلتی۔ یہ بڑا طاقتور جانور ہے اور بار برداری میں بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ بار برداری اور سواری کے لیے گدھا بھی بڑا کار آمد جانور ہے، تاہم اس کی حماقت بڑی مشہور ہے۔ اس کا گوشت بھی حرام ہے کہ اس سے حماقت پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ سواری کے طور پر خود حضور علیہ السلام نے اسے استعمال کیا ہے۔ بہر حال یہ سارے جانور انسان کے خادم اور خدا کی قدرت کے نمونے ہیں۔

مستقبل کی  
سوریاں

اللہ تعالیٰ نے یہاں پہ ایک بڑا یا معنی جملہ یہ فرمایا ہے **وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** اور اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے یا پیدا کرے گا۔ وہ چیزیں بھی جو تم نہیں جانتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جملے سے وہ تمام سوریاں مراد ہیں جو نزدل قرآن کے زمانے میں اس کے اولین مخاطبین کی نظروں سے اوجھل تھیں، یا آئندہ قیامت تک معرض وجود میں آتی ہوں گی۔ اس وقت جانوروں سے کھینچی جانے والی، بجلی، پٹرول اور بھاپ سے چلنے والی اتنی سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں جن کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چھکڑا، ٹرک، موٹر گاڑی، ریل گاڑی، سائیکل، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز اور بحری جہاز کی بے شمار قسمیں انسانوں اور ان کے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی نظر آتی ہیں۔ تیز ترین سواریوں نے دنیا بھر کو سیکڑوں گز دور رکھ دیا ہے بلکہ اب تو کمرہ ارضی سے نکل کر انسان چاند پہنچ چکا ہے اور سرخ پہ پہنچنے کی کوشش



کہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں پیدا فرما کر مبنی نوع انسان پر بڑا احسان کیا ہے ورنہ انسانی زندگی میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی ہوتیں۔ اگرچہ ان تمام مثنیتی ذرائع کو ایجاد کرنے کا سہرا بظاہر خود انسان کے سر ہے مگر اس کے علاوہ خام مال کی بہم رسانی اور انسانی اعضاء قوی کی عطا کی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ فضا میں پرواز کا شوق ایک اندسی آدمی کے دل میں پیدا ہوا جس نے اپنے بازوؤں پر گدھ کے پر باندھ کر اڑنے کی کوشش کی مگر گھر گھر زخمی ہو گیا۔ اس کا جذبہ زندہ رہا، لوگ تجربا بات کہتے رہے حتیٰ کہ آٹھ سو سال کے تجربا بات کے بعد اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۴ء میں ہوائی جہاز کی پہلی پرواز کامیابی سے ممکن ہوئی۔ بہر حال اس دور میں بجلی، ڈیزل اور پٹرول سے چلنے والی بے شمار گاڑیاں منظر عام پر آچکی ہیں اور ایجادات کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بھی پیدا کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔

یہ تو مادی زندگی کی سواریوں کا تذکرہ تھا، حضور علیہ السلام نے اگلے جہان کی سواری کا تصور بھی دیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا، حضور! جنت میں ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے کیا انتظام ہو گا۔ آپ نے فرمایا، وہاں تمہیں سرخ یافت کا گھوڑا ملے گا جس کی رفتار اتنی تیز ہوگی کہ اس دنیا کی جدید تہ بن گاڑی اس کی گمراہ کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور پھر یہ ہے کہ وہاں پر کسی حادثے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ جنتی آدمی کروڑوں میلوں کا سفر آسانی سے بلا خوف و خطر کر سکے گا۔ فرمایا وہاں تمہیں ایسی سواری میسر ہوگی۔

آگے اللہ نے انسان کی روحانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے روحانی راستوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَلَىٰ  
اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ اور اللہ تک ہی پہنچتا ہے سیدھا راستہ۔ اللہ تعالیٰ

مستقیم اور  
منجھی راستے



کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلو گے تو یہ زندگی بھی خوشگوار گزرے گی اور آخرت کی کامیابی بھی یقینی ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھو! وَمِنْهَا جَائِرٌ ان میں بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں۔ اگر ان پر چل نکلے۔ کفر، شرک، بدعت، معصیت اور گمراہی کے راستے اختیار کر لیے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے مقام تک نہیں پہنچ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے راستے واضح کر دیے ہیں، اب یہ انسان کی اپنی صوابدید ہے "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ" وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ" (الکہف) کہ وہ ایمان کا راستہ قبول کرنا ہے یا کفر کا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدل سمجھ، کتبِ سماویہ، نبی اور مبلغ جیسے سارے وسائل مہیا کر دیے ہیں اب مستقیم یا منحرف راستہ اختیار کرنا اس کا اپنا کام ہے۔ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم سب کو زبردستی ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا۔ مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں یا ٹیڑھا اور پھر اس امتحان میں کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آخرت کی کامیابی صراطِ مستقیم کو اختیار کرنے پر منحصر ہے اور جو شخص دوسرا راستہ اختیار کرے گا، اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ⑩ يُنبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ⑫ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ⑬ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ؕ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاحِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْهُ فَضْلًا وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑭

ترجمہ: وہ وہی ذات ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی تمہارے لیے اسی میں تمہارے پینے کا سامان ہے اور اسی سے درخت لگتے ہیں جس



میں جانوروں کو چراتے ہو (۱۰) اگاتا ہے وہ تمہارے لیے کھیتی  
 اسی (پانی) کے ذریعے۔ اور زیتون (کے درخت) اور کھجوریں  
 اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بیشک اس میں نشانی ہے  
 ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۱۱) اور مسخر کیا  
 اس نے تمہارے لیے رات اور دین کو، اور سورج اور  
 چاند کو۔ اور ستارے بھی مسخر کیے ہوئے ہیں اُس کے حکم  
 سے بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے  
 لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (۱۲) اور جو چیزیں پھیلائی  
 ہیں اُس نے تمہارے لیے زمین میں اُن کا رنگ مختلف  
 ہے۔ بیشک اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے  
 جو نصیحت پکڑتے ہیں (۱۳) اور وہ وہی ذات ہے جس  
 نے مسخر کیا تمہارے لیے دریا کو تاکہ کھاؤ تم اس میں سے  
 تازہ گوشت، اور نکالو اس میں سے زلیور جس کو تم پینتے  
 ہو۔ اور تم دیکھو گے کشتیوں کو جو چلتی ہیں۔ اس میں  
 پانی کو چیرتی پھاڑتی، اور تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل  
 سے، اور تاکہ تم (اللہ کے احسانات کا) شکریہ ادا کرو (۱۴)

رابط آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کا ذکر کر کے اپنے انبیاء کو  
 حکم دیا اَنْ اَنْذِرُوْا اَنْهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْا یعنی لوگوں کو خبردار  
 کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا مجھ ہی سے ڈرو پھر اللہ تعالیٰ نے نشانات  
 قدرت کا ذکر کیا جن میں ہر نشانی اس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ ارض و سما  
 کی تخلیق، ہتھیر قطرہ آب سے انسان کی پیدائش، موشیوں سے حاصل ہونے والے  
 فوائد اور ان سے زینت کا سامان پیدا کرنے کا ذکر کر کے اللہ نے اپنی رافت اور

شفقت کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یہ پیش گوئی کر دی کہ سواری کے لیے ان جانوروں کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے گا، جسے تم اس وقت نہیں جانتے ان مادی لوازمات کے ساتھ ساتھ اللہ نے انسان کی روحانی اور اخروی زندگی کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ اُس نے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی کہ جس پر چل کر انسان اللہ کی رحمت کے مقابلے میں ہنچ سکیں گے۔ فرمایا اگر انسان بخور و فکر کرے تو یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی ضروریات سے متعلق بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي

پانی کی ضرورت

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً تَكْمُلُ اللَّهُ تَعَالَى کی ذات وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ یہ پانی بھی اللہ کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ سَمَاءٌ کا لفظ بادل پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سورۃ الحج میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بوجھل ہوائیں بھیجیں فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور بادلوں سے پانی برسایا۔ ہوائیں بوجھل بادلوں کو اٹھا کر لے جاتی ہیں اور پھر جہاں مشیت ایزدی ہوتی ہے، وہاں بارش برتی ہے۔ بہر حال السَّمَاءُ سے محض بادل بھی مراد نہیں بلکہ اس لفظ میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہے۔ بادل زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں چلتے ہیں۔ اور حکم الہی کے مطابق بارشیں برساتے ہیں۔

فرمایا، اس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا مِنْهُ شے اب جو تمہارے لیے بطور مشروب ہے انسانی زندگی کا انحصار بہت حد تک پانی پر ہے۔ میڈیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ انسانی جسم میں چلنے والے خون میں اسی فیصدی پانی اور بیس فیصدی غذائیت ہوتی ہے۔ انسان جو بھی خوراک کھاتا ہے وہ جگر میں پہنچ کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے



انسانی جسم میں جگر اتنی بڑی فیکٹری ہے کہ اس مادی دنیا میں اتنا بڑا کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ اس قدر قی فیکٹری میں اللہ کے لاکھوں کمروں فرشتے مصروف کار ہیں جو غذاؤں کو خون میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر اس خون کو قلب میں بھیج کر سارے جسم میں پھیلا دیتے ہیں اور اس طرح استعمال شدہ غذا جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔ جسم کا ہر عضو اس میں سے اپنی ضرورت کی غذا حاصل کر لیتا ہے اور غلیظ مادہ دوسرے راستے سے پھیپھڑے میں آجاتا، وہاں پر اسے تازہ ہوا (اکسیجن) میسر آتی ہے تو مادے کا بعض حصہ صاف ہو جاتا ہے، اور گندہ دھان باہر نکل جاتا ہے بہر حال پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں ہو سکتا، ہمارے شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد رنی اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں سفر کے دوران بعض ایسے مواقع بھی آئے کہ ایک لوٹا پانی سے سات سات آدمیوں نے وضو کیا، پانی کی قدر ان خطوں میں ہے۔ جہاں اس کی قلت ہے۔ ہمارے ہاں تو پانی کی فراوانی ہے اور قدر نہیں ہے۔ وضو اور غسل پر گھڑوں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ نلوں اور ٹیوب ویلوں نے پانی کی اتنی افراط کردی ہے کہ ہر روز کثیر مقدار میں پانی ضائع ہوتا ہے لوگ پانی استعمال کرنے کے بعد ٹوٹی کو بند کرنے کی تکلیف نہیں کرتے جس کی وجہ سے منوں اور ٹنوں وزنی پانی ضائع ہوتا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ پانی کو ضائع ہونے سے بچاؤ اِنْ کُنْتَ عَلٰی شَطِّ النَّہْرِ یعنی اگر حیرت منہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں بھی پانی کا اسراف درست نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اسی لیے اعضائے وضو کو تین دفعہ سے زیادہ بلا ضرورت دھونا اسراف میں داخل ہے جو شخص ایسا کرتا ہے فقہ صلی و تعالیٰ اس نے برائی اور تعدی کی۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی ہر کام انجام دے۔ اگر کوئی حصہ عضو خشک



رہ گیا ہو یا وضو کی تکمیل کا تیقن نہ ہو تو میتن سے زیادہ بار بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال پانی جیسی نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ تمہارے پینے کی چیز ہے۔

نباتات کے  
پانی

اللہ تعالیٰ نے پانی کا پہلا فائدہ تو یہ بتایا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے اور دیگر جانوروں کے لیے مشروب ہے، اور دوسرا فائدہ یہ کہ وَصَيَّغُ لَكُم مِّنْ شَجَرٍ فِيْهِ تَسِيْمُوْنَ اسی پانی سے درخت، پودے، گھاس بھونس اور جھڑی بوٹیاں بھی اگتی ہیں جن میں تم جانور چراتے ہو۔ جانور بھی انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوشت انسانی جسم کو بحیات (پر وٹمن) مہیا کرتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت جلد جبرو بدن بن جاتا ہے۔ تو جانوروں کا مدار حیات بھی اللہ نے پانی پر رکھا ہے پانی جانوروں کے لیے بطور مشروب بھی ضروری ہے اور ان کی خوراک کا دار و مدار بھی پانی پر ہے۔

فرمایا یٰٰدِیْتُ لَكُمْ بِذِیْ الزَّرْعِ اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے۔ پہلے پانی کا ذکر بطور انسانی مشروب کے کیا گیا تھا۔ اب اسے انسانی خوراک کا ذریعہ بھی بتلایا گیا ہے۔ کہ پانی کے ذریعے ہی کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہے، پھل پیدا ہوتے ہیں جو انسان کی خوراک بنتے ہیں وَالزَّيْتُوْنَ اور زیتون بھی پانی کے ذریعے ہی پیدا ہوتا ہے اس درخت کا پھل بھی کارآمد ہے اور اس کا تیل تو کثرت سے استعمال ہوتا ہے یٰٰصَوْرُ عَلَیْہِ السَّلَام نے بھی زیتون کی تعریف فرمائی ہے كُلُوا الزَّيْتِ وَادَّهِنُوا زیتون کو کھاؤ بھی اور اس کی مالش بھی کرو۔ انسانی بدن کی جلدی بیماریوں کے لیے زیتون کا تیل بڑا مفید ہے اس کے علاوہ یہ کھانا پکانے میں



گھٹی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے اسے بڑا بابرکت درخت بنایا ہے جس کے لیے اللہ کے نبیوں نے برکت کی دعائیں کی ہیں۔

وَالنَّخْلَ کھجور کا درخت بھی پانی کا سر ہون منت ہے۔ یہ درخت بڑی لمبی عمر پاتا ہے اور پھل بھی بہت زیادہ دیتا ہے۔ اس کا پھل جلدی خراب نہیں ہوتا، اس لیے اگلا پھل آنے تک سارا سال استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ریگستانی علاقوں میں کھجور کی بڑی افادیت ہے جہاں یہ پھل خوراک کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بڑی غذائیت ہے اور بطور تفریح تو یہ پھل بہر حال استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وَالْأَعْنَابُ انگور کی پیداوار بھی پانی ہی پر منحصر ہے یہ بھی بڑا عمدہ پھل ہے۔ اس سے مشروب، مربہ اور کئی قسم کی چیزیں تیار کر کے دیر تک محفوظ رکھی جاسکتی ہیں۔ الغرض! فرمایا وَ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ اللہ نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا کیے ہیں جو انسان کھاتے ہیں۔ ان میں بڑی غذائیت اور توانائی ہوتی ہے بلکہ بعض پھل دیگر خوراک کو بھی مہضم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ تو اللہ نے یہ تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان سب کا دار و مدار پانی پر ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ دیکھو! ایک ہی پانی سے اللہ تعالیٰ بے شمار اقسام کا اناج، پھل اور دوسری نباتات پیدا کرتا ہے۔ یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسری ہستی کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ایک ہی پانی سے پیدا ہونے والے پھلوں کے رنگ، شکلیں خوشبو اور ذائقے کس قدر مختلف ہیں۔ کیا یہ کسی مادے کی طاقت ہے یا نیچر کے مطابق

خود بخود ہو رہا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ سے چل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اکثر لوگ ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں، روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں مگر کبھی سوچا تک نہیں کہ آخر یہ سب کچھ کون کر رہا ہے۔

شمس و قمر  
کی ضیا پاشی

آگے بعض دوسرے انعامات کا ذکر ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا ہے یعنی تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند کو بھی۔ یہ چار چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو ہر وقت واسطہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو انسانوں اور جانوروں کے لیے آرام کا ذریعہ بنایا ہے جب کہ دن کے وقت لوگ کام کرتے ہیں اور روزی کھاتے ہیں۔ جانور، پرندے اور چمڑے بھی دن بھر اپنی روزی کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور رات کو آرام کرتے ہیں۔ پورے نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے دن رات کا تغیر و تبدل اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ سورج تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ ان کے لیے گرمی مہیا کرتا ہے جس سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں اور جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ اسی طرح چاند کی مدہمی روشنی رات کے اندھیروں میں بہت حد تک کام آتی ہے۔ یہی مدہم روشنی پھلوں میں رس پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور سمندروں میں مد و جزر پیدا ہوتے ہیں۔

فَرَمَا فِي النَّجْمِ مَسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِہٖ بنا رہے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں اور سیاروں کا وسیع نظام پیدا کر کے ان سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے سائنسدانوں نے



تجربات کے ذریعے بعض ستاروں اور سیاروں کی حرکات و سکنات کا پتہ چلا یا ہے اور مزید تجربات ہو رہے ہیں۔ تاہم عام مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ستارے ایک چال سے ایک خاص منزل کی طرف واں دواں کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ سمندری اور صحرائی سفر کے دوران انہی ستاروں سے منزل کی طرف راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ بیشک  
 ہمیں نشانات ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں  
 جو لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، ان کے لیے تمام مذکورہ نشانات  
 کچھ مفید نہیں ہو سکتے۔ لوگ ان پر سے صبح و شام گزر جاتے ہیں مگر ان  
 سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے کہ کافر لوگ  
 الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ایسے ہیں جو گونگے  
 اور بہرے ہیں اور کچھ عقل نہیں رکھتے۔ اگر عقل کو صحیح طریقے پر استعمال کرتے  
 تو کفر اور شرک میں کیوں مبتلا ہوئے۔ ان کی بے عقلی کا یہی ثبوت کافی ہے  
 کہ اللہ کی قدرت کی کوئی نشانی انہیں نظر نہیں آتی۔

مزید ارشاد ہوتا ہے وَمَا ذَرَاكَ لَكُمْ فِيْ الْمَرْصِیْنَ  
 مُخْتَلِفًا اَلْوَانُ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں جو چیزیں  
 پھیلانی ہیں، اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ انسانوں کو دیکھ لیں مختلف  
 خطوں کے لوگوں کے رنگ، وضع قطع اور قد کاٹھ مختلف ہیں۔ پھل  
 ہر قسم کے پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کی شکلیں، رنگ، ذائقہ اور بو مختلف  
 ہے۔ اللہ نے پھولوں کی بے شمار قسمیں پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کا رنگ اور  
 بو جدا جدا ہے۔ اناج اور سبزیاں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں اور ایک دوسرے  
 سے مختلف ہیں۔ یہ ساری چیزیں شاہکار قدرت ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ



لَا يَكْفُرُ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ إِنَّ سَبَّ جَنُودٍ فِي بَعْضِ نِشَانِيَا هِيَ - مگر  
ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں - غافل انسان ان چیزوں سے  
کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے، جب کہ صاحب عقل و دانش انہی نشانات  
قدرت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

مچھلی بطور  
تازہ گوشت

فَرَمَا وَهُوَ الَّذِي سَكَّنَ الْبَحْرَ أَوْرُوهُ وَهِيَ ذَاتُ هَيْبَةٍ  
نے تمہارے لیے سمندروں اور دریاؤں کو مسخر کیا لَتَأْكُلُوا مِنْهُ  
لَحْمًا طَرِيًّا تَاكُمُ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔ دریاؤں اور  
سمندروں کے کنارے بعض خطوں کی معیشت کا انحصار مچھلی کے شکار  
پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خاطر پانی میں تازہ گوشت پیدا کر دیا ہے  
جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس طرح گویا اللہ نے سمندروں کو  
بھی انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے کہ وہ اس کی خوراک کے لیے  
مچھلی پیدا کریں۔ مچھلی کا گوشت بھی اللہ نے عجیب نعمت پیدا کی ہے  
جس کا ذائقہ دوسرے گوشت سے مختلف ہے مگر اس میں بھی انسانی حیات  
کے لیے بہت سے پروٹین پائے جاتے ہیں۔ اس کا تیل بڑی مفید چیز ہے  
جو اکثر دوائیوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی چربی اور کانٹے بھی بڑی مفید  
چیزیں ہیں۔ بہر حال مچھلی انسان کی عسارت اور توانائی کے لیے ایک بہت  
بڑا ذریعہ ہے جسے اللہ نے اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے

فقہی مسائل  
متعلقہ مچھلی

چونکہ مچھلی کا گوشت عام جانوروں کے گوشت سے قدرے  
مختلف ہے، اس لیے اس سے متعلقہ مسائل میں بھی فقہائے کرام  
کا اختلاف رہا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ میں گوشت  
نہیں کھاؤں گا اور پھر وہ مچھلی کا گوشت کھا لیتا ہے تو امام سفیان ثوریؒ  
فرماتے ہیں کہ اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ مچھلی کا گوشت بھی  
گوشت ہی ہے جسے اللہ نے لَحْمًا طَرِيًّا یعنی تازہ گوشت فرمایا ہے



البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عرف عام میں مچھلی کا اطلاق گوشت پر نہیں ہوتا اس لیے مچھلی کا گوشت کھانے سے اُس شخص کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ وہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے خادم کو گوشت لانے کا حکم دے اور وہ مچھلی لے آئے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ عرف عام کے مطابق گوشت سے مراد بھیڑ بکری یا کالے اونٹ کا گوشت مراد لیا جاتا، اور مچھلی کا گوشت مطلوب ہو تو اُسے مچھلی کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں مزید یقین پیدا کرنے کے لیے امام صاحبؒ نے ایک آدمی کو امام سفیان ثوریؒ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں بباط پر نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر وہ زمین پر نماز ادا کرے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اُس شخص نے بباط یعنی دری، قالین یا چٹائی وغیرہ پر نماز نہ پڑھنے کی قسم اٹھائی ہے، نہ کہ خالی زمین پر۔ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ نے سورۃ نوح میں زمین کو بھی بباط فرمایا ہے وَجَعَلَ الْأَرْضَ رِيسًا طَّا اُس نے تمہارے لیے زمین کو بباط بنایا ہے۔ اگر عرف عام میں بباط کو زمین پر قیاس نہیں کیا جاتا تو مچھلی کو گوشت پر کیسے محمول کیا جائیگا؟ بہر حال اگرچہ مچھلی کا گوشت بھی گوشت ہی ہوتا ہے تاہم اسے جانور کے گوشت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی ایک مثال اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا۔ اب اُس شخص کے مرنے کے بعد اگر قسم اٹھانے والے شخص نے اس کو مخاطب کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عرف عام میں اس کلام کو کلام ہی نہیں کہا جاتا جو کسی کے ساتھ اُس کے مرنے کے بعد کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اُس کی زندگی میں اس سے کلام کرتا،



تو قسم ٹوٹ جاتی۔ اسی طرح ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ مجھے بازار سے سری لائے۔ تو اگر مامور سرخی یا چڑیا کی سری لے آئیگا تو وہ قابل قبول نہ ہوگی۔ بلکہ عرف عام کے مطابق بھیس بکری یا گائے بھیس کی سری کو ہی سری پر محمول کیا جاتا ہے۔

سمندروں کے  
دیگر فوائد

فرمایا دریاؤں اور سمندروں کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ انسانوں کے لئے نازہ گوشت مہیا کرتے ہیں، اور دوسرا یہ ہے وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حَلِیۡةً تَلْبَسُوۡنَهَا تاکہ تم ان میں سے پہننے کے لیے زیورات نکالو۔ یہاں زیورات سے مراد مونگے اور موتی ہیں۔ جنہیں عورتوں کے علاوہ مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ البتہ معدنیات کے طور پر زمین اور پہاڑوں سے نکلنے والا سونا اور چاندی مرد کے لیے حلال نہیں ہے۔ بہر حال سمندروں سے نکلنے والے زیورات پہنے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا وَتَرَى الْفُلَکَ مَوَاجِحَ فِیۡہِ اے مخاطب! تم ان کشتیوں کو بھی دیکھتے ہو جو پانی کو چسپرتی ہوئی چلتی ہیں۔ آج کی دنیا میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں سے لے کر تیل سے چلنے والی کشتیاں، سیٹم اور بڑے بڑے بحری جہاز سمندر کی سطح پر دوڑتے نظر آتے ہیں، جو انسان کی بڑی خدمت بجالاتے ہیں مسافروں کی نقل و حرکت کے علاوہ لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک منتقل ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے سمندروں اور دریاؤں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَلِتَبْتَغُوا مِنْ رِّزْقِہٖ تاکہ تم اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو۔ فضل سے مراد رزقِ حلال ہے جو بحری جہاز کے دور دراز کے سفر کے ذریعے تلاش کیا جاتا ہے۔ ایک مومن رزقِ حلال حاصل کرنے کا پابند ہے کیونکہ



رزقِ حرام سے تو عبادت بھی نامقبول ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل میں عبادت  
 بھی داخل ہے کہ حج و عمرہ کے لیے، دوست احباب اور عزیزوں  
 سے ملاقات کے لیے بھی سفر اختیار کیا جاتا ہے وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ  
 اور تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اتنی  
 نعمتیں عطا کی ہیں۔ یہ سب اللہ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جو آگے  
 بھی ذکر کئے جائیں گے۔

النحل ۱۶

آیت ۱۵ تا ۲۱

ربما ۱۳

درس چہارم ۴

وَالَّتِي فِي الْأَرْضِ رَوَّاسِي أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَانْهَارًا  
 وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ①۵ وَعَلَّمْتَ ط وَبِالنَّجْمِ  
 هُمْ يَهْتَدُونَ ①۶ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا  
 يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ①۷ وَإِنْ تَعُدُّوا  
 نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ  
 رَّحِيمٌ ①۸ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلِنُونَ ①۹  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ  
 شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ②۰ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ  
 وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ أَيَّاءُ يُبْعَثُونَ ②۱

ترجمہ :- اور رکھ دیے اُس نے زمین میں بوجھل  
 پہاڑ تاکہ زمین تمہارے ساتھ مضطرب نہ ہو۔ اور (اس نے  
 چلا دیں) نہریں، اور (بنا دیے) راستے تاکہ تم راہ پاؤ ①۵  
 اور کئی علامتیں (اُس نے رکھ دیں) اور ستاروں کے  
 ذریعے بھی یہ لوگ راہ پاتے ہیں ①۶ بھلا وہ ذات جو  
 پیدا کرتی ہے اُس کی طرح ہو گی جو نہیں پیدا کر سکتا۔  
 کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ①۷ اور اگر تم شمار کرو اللہ  
 کی نعمتوں کو تو نہیں شمار کر سکتے ان کو۔ بیشک اللہ تعالیٰ



البستہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ①۸ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو ①۹ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسروں کو، وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز بھی، اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ②۰ وہ مردہ ہیں، زندہ رہنے والے نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے ②۱

ربط آیت

سورۃ ہذا کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرما کر انہیں انذار کا حکم دیا اور فرمایا "أَذِذُوا اللَّهَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا" لوگوں کو ڈرا دو اور خبردار کر دو میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت بیان فرمائے اور مخلوق کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا جن میں ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ دلائل قدرت میں سے ارض و آسمان کی پیدائش، انسان کی قطرہ آب سے تخلیق، جانوروں کی پیدائش اور ان کے فوائد بارش کا نزول، باغات اور نباتات کی تخلیق، ہیل و نہار اور شمس و قمر کی تسخیر، تاروں کی تسخیر، سمندروں سے حاصل ہونے والے موتی اور تازہ گوشت اور پھر ان میں ہونے والی جہاز رانی اور ان کے ذریعے انسانوں کو ملنے والی سہولتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

دین کا توازن

دلائل قدرت اور انعامات الہی ہی کے سلسلے میں اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ "وَالْقُلُوبِ فِي الْأَرْضِ رَوَّاسٍ" اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیے۔ عربی زبان میں عام طور پر پہاڑ کے لیے جبل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور پختہ اور جھمبے ہونے پہاڑ کے لیے راسیہ کا لفظ آتا ہے جس کی جمع بیاں پر رواسی آیا ہے۔ زمین کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ بوجھل پہاڑ اس لیے رکھ دیے ہیں۔

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ تا کہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے۔ اگر زمین مضطرب ہو جائے یعنی ڈولنے لگے تو انسانی زندگی کس قدر تلخ ہو جائے۔ جب کبھی چند سیکنڈ کے لیے زلزلے کے جھٹکے آتے ہیں تو انسان کس قدر پریشان ہو جاتے ہیں اور پوری زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ تو فرمایا ان بوجھل پہاڑوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے پوری زمین مضطرب رہتی تو پوری نوع انسانی کے لیے زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس نے زمین میں بڑے بڑے بوجھل پہاڑ نصب کر دیے ہیں تاکہ زمین پر سکون ہے اور لوگوں کی زندگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

پہاڑوں کے اس بنیادی فائدے کے علاوہ اللہ نے ان میں اور بھی بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ پہاڑوں میں موجود دیے شمار قسم کی معدنیات نمک، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، تیل، چشمے، فلک بوس درخت اور لاتعداد جڑی بوٹیاں ایسی چیزیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتی ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے باشندے ان چیزوں سے محروم ہتے اور خود انسانی زندگی مضطرب ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی خاطر ان پہاڑوں میں ہزاروں قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسانی زندگی میں توازن پیدا فرمادیا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَ اَنْهَارًا

اس نے تمہارے لیے نہریں، دریا یا سمندر پیدا کر دیے۔ سمندروں اور ان کے فوائد کا ذکر گذشتہ درس میں بھی ہو چکا ہے۔ وہاں پر سَحَوْرَ الْبَحْرِ فرما کر اللہ نے ان میں چلنے والی کشتیوں کا ذکر کیا تھا اور یہاں پر اَنْهَارًا کا لفظ آیا ہے اور مطلب وہی نہریں، دریا یا سمندر ہیں جو انسانی خدمت پر مامور ہیں۔ اس آیت کریمہ میں انہار کا ذکر آبی راستوں کی حیثیت سے کیا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں وَسُبُلًا

سمندری  
اور زمینی  
راستے



اور اللہ نے راستے بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اس سے مراد زمینی راستے ہیں جن پر چل کر لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ یہ راستے ہموار زمین میں بھی ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی جن کے ذریعے نقل و حمل ہوتی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اُس نے تمہارے لیے سہریں اور راستے بنائے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ یعنی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

اللہ نے فرمایا وَعَلَّمْتَ اِن رَاسْتوں پر اللہ تعالیٰ نے کئی نشانیاں بھی رکھ دیں تاکہ مسافر اپنی منزل کا تعین کر سکیں۔ متمدن دنیا میں تو اب بڑی بڑی شاہراہیں ہیں اور ان پر جگہ جگہ میلوں کے نشان ت ہیں جن سے مسافر راہنمائی حاصل کرتے ہیں تاکہ ہم مدد رنی طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور عام نشیب و فراز کی صورت میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنی منزل کا تعین کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ستاروں کے ذریعے بھی لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں اندھیری راتوں میں جب لوق و دق صحرا کا سفر ہو یا سمندر کا تو پرانے زمانے میں لوگ ستاروں کی مدد سے ہی سمت معلوم کر کے راستوں کا تعین کرتے تھے۔ اب تو سائنسی ترقی کی وجہ سے بہت سی آلات ایجاد ہو چکے ہیں اور سمندری یا ہوائی سفر میں منزل کے تعین میں کوئی دقت پیش نہیں آتی مگر پرانے زمانے میں ستارے ہی راستہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور اپنے احسان کے کیا ہے۔

ان نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے ان پر اپنی وحدانیت کی دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان نعمتوں کو پانے کے بعد ذرا یہ تو بہاؤ آف کَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ بھلا پیدا کرنے والی ذات اُس کی مانند ہوگی جو کچھ پیدا نہیں کرتا۔ ایک طرف خالق ہے

جس نے خود انسان کو قطرہ آب سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس کی مصلحت کے لیے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور دوسری طرف تم ایک ایسی سہتی کو معبود بنائے ہو جو ایک پتہ اور ایک قطرہ آب پیدا نہیں کر سکتی، اس کا اپنا وجود ذاتی نہیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہے تو کیا خالق اور مخلوق برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے تو پھر تم خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو کیسے الہ مانتے ہو۔ کتنے افسوس کا مقام ہے اَفَلَا تَذَكَّرُونَ کیا تم ان تمام تر دلائل سے نصیحت نہیں لکھو گے، تم غور و فکر کر کے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچتے کہ خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود میں کتنا فرق ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی یاد کردہ نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے، کہ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا اگر تم انہیں شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اللہ کی ہر نعمت کا شکر ادا کر سکو۔ فرمایا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تم پر کرم فرماتا، ان نعمتوں کو سدب نہیں کرتا کیونکہ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ یہ اُس کی رافت و رحمت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کے علاوہ نافرمانوں، مشرکوں اور کافروں کو بھی روزی دے رہا ہے۔ اس کی لاتعداد نعمتوں سے وہ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔

فرمایا یاد رکھو! وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ وہ جانتا ہے جس چیز کو تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اُس کی نگاہوں سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی احوال سے واقف ہے بلکہ تمہاری نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے، اُسے علم ہے کہ کون سا انسان اس کی عطا کردہ نعمتوں سے کس قدر مستفید ہو رہا ہے، کون شخص اپنے قلب اور اعضا و جوارح سے اس کا شکر یہ ادا



کہتا ہے اور کون ناشکر گزاروں میں شامل ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون  
 شخص ایمان لا کر اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے اور کون ہے جو کفر  
 اور شرک میں مبتلا رہتا ہے۔ اس دنیا میں تو وہ بلا لحاظ اطاعت و نافرمانی  
 سب کو اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے جب  
 محاسبے کی منزل آئیگی اور پھر ہر ایک کو اُس کی کارگزاری کی بنا پر سزا یا جزا  
 بھگتنا ہوگی۔

شرک کی  
 تردید

دلائل توحید بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا ہے  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ جُلُودًا بَشَرًا مِّمَّنْ خَلَقْنَا  
 میں اللہ کے سوا دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یا اُن کی عبادت  
 کرتے ہیں، فرمایا، لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ  
 کرتے وہ مَخْلُوقُونَ بلکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں مطلب  
 یہ کہ جن کی زندگی خود مستعار ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، وہ اپنی  
 ذات کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اُن کو معبود کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ  
 مضمون سورۃ رعد میں بھی گزر چکا ہے۔ اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا  
 ہے، کیا انہوں نے اس لیے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ انہوں نے  
 بھی خدا تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کوئی تخلیق کی ہے۔ پھر خود ہی اپنے پیغمبر کو  
 خطاب کرتے ہوئے فرمایا قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ  
 هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے  
 اور وہ اکیلا بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ غرضیکہ ارض و سما کی تمام چیزیں  
 اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین، آسمان، شجر، حجر، جنت اور دوزخ سب  
 مخلوق ہیں، اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو ان سب کا خالق ہے۔ مگر ان کی  
 کی پستی کی انتہا ہے کہ وہ انسانوں کے علاوہ گائے کے گوبر، بندر، بلی،  
 پتھر۔ اعضائے تناسل تک کی پوجا کر رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کائنات



کی ہر چیز مخلوق ہے اور جو خود مخلوق ہے، وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے  
لہذا عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو  
ہر چیز کی خالق ہے۔

فرمایا یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں اَمْوَاتٌ غَيْرُ  
اَحْيَاءِ وہ تو مردہ ہیں، زندہ ہونے والے نہیں۔ امام بیضاویؒ۔ مولانا شاہ  
اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر مفسرین نے  
اموات کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے  
ہیں۔ وہ تین لحاظ سے مردہ ہیں۔ یا تو وہ دوائاً مردہ ہیں یعنی لکڑی، پھتیر یا  
مٹی کے بت ہیں جو مستقلاً مردہ ہیں اور ان میں زندگی کے کبھی کوئی آثار نہیں  
پائے گئے۔ یا وہ فی الحال اموات ہیں یعنی وہ انسان ہیں جو وفات پا چکے  
ہیں اور لوگ ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے  
ہیں اور ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ اور یہ دو صورتیں نہ بھی ہوں تو تیسری  
صورت یہ ہے ہر چیز انجام کے لحاظ سے مردہ ہے کہ اُسے بہر حال  
موت کا مہر چھننا ہے۔ "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى  
وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" (الرحمن) یہاں کی ہر چیز فنا  
ہونے والی ہے اور باقی رہنے والی صرف رب ذوالجلال کی ذات ہے  
بہر حال فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز مردہ ہے۔ اور زندہ رہنے والی نہیں۔ مگر  
کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اشرف المخلوقات، ہو کہ مردہ چیزوں  
کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض بد بخت تو ایسے ہیں جو جنوں اور شیطانوں کی  
عبادت کرتے ہیں۔ شیاطین تو کجا ملا اعلیٰ کے فرشتے بھی فنا ہونے والے  
ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاء بھی اس دنیا سے جا چکے  
ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے وقت پر اس منزل سے گزرنا ہے، تو  
فرمایا کہ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا اور ان سے حاجات طلب کرنا کتنی پستی کی بات



ہے۔ انسان خود انسانوں کے آگے سر بسجود ہو رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا ہے، اولیاء اللہ کو مشکل کشا سمجھا جا رہا ہے، مافوق الاسباب ان کو پکارا جا رہا ہے، حالانکہ ان کی اپنی زندگی بھی مستعار ہے، ذاتی نہیں، وہ خدا کے عاجز بندے ہیں اور ان پر موت طاری ہو چکی ہے۔ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا کہاں کا انصاف ہے فرمایا جن کی یہ پوجا کر رہے ہیں ان کی حالت یہ ہے وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يَبْعَثُونَ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے یہ تو خدا کے غرورِ جل ہی کے علم میں ہے بعث بعد الموت کب ہوگی۔ ان میں سے بعض ایسی ہستیاں ہیں جنہیں دوبارہ جی اٹھنے کا بالکل تصور اور شعور ہی نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو پتھر اور مٹی کے بت ہیں جو نہ کبھی زندہ تھے اور نہ وہ دوبارہ زندہ ہونگے۔ البتہ دنیا میں بعض انسان ایسے بھی گزرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی معرفت سے بیگانہ ہے، ان کو دوبارہ زندگی کا کوئی تصور ہی نہ تھا مگر لوگ ان کی بھی پوجا کرتے رہے۔ البتہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور اس کے اطاعت گزار بندوں کو قیامت اور دوبارہ بعث کا شعور ہے۔ فرشتوں کو بھی معلوم ہے مگر بعث کے وقت سے کوئی بھی باخبر نہیں ہے۔ یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے کہ کب قیامت برپا ہوگی اور وہ کب سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو فرمایا اللہ کے سوا ہر چیز اموات ہے جنہیں بعث بعد الموت کا بھی شعور نہیں ہے۔

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
 بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ②۲  
 لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ  
 إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ②۳ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ  
 مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ②۴  
 لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 وَمِمَّنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ  
 عِلْمٍ ②۵

ترجمہ :- تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے  
 پس وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر، ان کے  
 دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ②۲  
 ضرور بر ضرور (یہ بات برحق ہے) بیشک اللہ تعالیٰ  
 جانتا ہے جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو  
 ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) نہیں پسند کرتا تکبر  
 کرنے والوں کو ②۳ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا  
 پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے، تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے  
 قصے کہانیاں ہیں ②۴ (اس کا نتیجہ یہ ہو گا) کہ اٹھائیں یہ  
 لوگ اپنے بوجھوں کو پورے پورے قیامت کے دن، اور





یہی اللہ تمہارا رب ہے جس کی یہ صفات ہیں ”لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ“ اُس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ“ وہی ہر چیز کا خالق ہے، لہذا اسی کی عبادت کرو ”وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ“ اور ہر چیز کا کارساز بھی وہی ہے۔

غرضیکہ سمجھنا یہ مقصود ہے کہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو رب ہو، خالق ہو، علیم کل اور مختار مطلق ہو۔ اگر یہ صفات اللہ کے سوا کسی دوسری ذات میں ناپید ہیں تو عبادت کے لائق بھی اُس کے سوا کوئی نہیں مخلوق میں سے کوئی بھی کسی کا کام نہیں بنا سکتا، نہ کسی کی فریادری کر کے اُس کی حاجت روائی کر سکتا ہے کیونکہ نافع اور ضار صرف وحدہ لا شریک ذات ہی ہے۔ اس کے باوجود ایسی ہستیوں کو پکارنا اور ان سے دادری چاہنا جن کا کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ کتنی حماقت کی بات ہے۔ غرضیکہ ہر قسم کی عبادت قولی، فعلی یا اعتقادی سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کوئی کسی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنائے گا وہ مشرک ٹھہرے گا اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔

امام بریضا دی فرماتے ہیں کہ لفظ ”الہ“ لفظ ”اللہ“ کی اصل ہے فرماتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے الہ کا اطلاق ہر معبود پر کیا جاسکتا ہے مگر شرائع الہیہ، کتب سماویہ اور انبیاء کی تعلیمات میں یہ لفظ صرف معبود برحق کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ذات پر نہیں ہو سکتا۔

لفظ ”الہ“  
کی تحقیق

بعض فرماتے ہیں کہ الہ کا اشتقاق (ROOT روٹ) الوہیت سے ہے جس کا معنی عبادت ہے۔ تو اس لحاظ سے الہ وہی ذات ہوگی جس کی عبادت کی جاسکے اور وہ ذات صرف خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ الہ کا مادہ اشتقاق الہ ہے جس کا معنی



حیرانگی ہے۔ چونکہ تمام عقول اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران ہو جاتی ہیں اس لیے اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مادہ وَلَہ ہے جس کا معنی سکون پکڑنا ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں اَلِهَتْ اِلَیْ فُلَانٍ یعنی میں نے فلاں کی طرف سکون پکڑا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ۲۰ ارحام قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ سکون پکڑتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اِلَہ کا معنی گنہگار جانا اور اِلَہ کا معنی پناہ دینا ہوتا ہے۔ انسان گنہگار کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہی ان کو پناہ دیتا ہے، لہذا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جب اونٹ کا بچہ اپنی ماں پر بہت زیادہ فریفتہ ہوتا ہے تو عربی محاورہ میں کہتے ہیں اَلَدَ الْفَقِیْلُ بِأُمِّہ۔ چونکہ بندے اپنی مشکلات اور شوائب میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُنسی پر فریفتہ ہوئے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لہا کا لفظ حجاب کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے بلند و برتر ہے اس کے سامنے پردے پڑے ہوئے ہیں اور کوئی شخص اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس لحاظ سے بھی یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر صادق آتا ہے۔

فرمایا تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے قُلُوبُهُمْ مُّكْرَرَةٌ ان کے دل انکار کرنے والے ہیں وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی الوہیت کو ماننا اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے صرف اُسی کی عبادت کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو فکر آخرت رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ فکر آخرت ہی کے منہمک ہیں، وقوع قیامت اور جزائے عمل پر ان کا یقین ہی



نہیں ہے، وہ خدا تعالیٰ کو الہ کیسے مانیں گے اور اس کی عبادت کیونکر کریں گے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرنے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

تکبر کی  
بیماری

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک فکر آخرت کا انکار اور دوسری تکبر کی بیماری۔ فرمایا جب خدا کا نبی یا اس کا مہتمم والا اللہ تعالیٰ کی الوہیت بیان کرتا ہے تو یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کو تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ اکثر لوگ تکبر ہی کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہتے ہیں حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر تکبر کی مذمت بیان فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا، حضور! اگر کوئی شخص اچھا لباس پہنتا ہے اور اچھی سواری استعمال کرتا ہے تو کیا یہ تکبر میں شامل ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ یہ تو جمال ہے اللہ و جمیل و یحییٰ الجمال یعنی اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے البتہ تکبر کی تعریف یہ ہے بظرا الحق و غمط الناس کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کی حقیر کی جائے۔ کسی کو اس کی غربت کی وجہ سے یا اس کے خاندان کی وجہ سے یا جسمانی کمزوری کی بنا پر حقیر جاننا تکبر میں شامل ہے کسی معمولی آدمی کی سچی بات کو ٹھکرا دینا بھی تکبر کی نشانی ہے دنیا میں اکثر مشرکین نے اللہ کے نبیوں کی معمولی حیثیت کے پیش نظر ہی ان کا انکار کیا۔ کہتے تھے کہ تو تو ہمارے جیسا کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا انسان ہے، تیرے پاس نوکر چاکر اور کوٹھی اور باغات نہیں ہیں، تو ہمیں کیسے تبلیغ کرتا ہے۔ کوئی بڑا آدمی ہم سے بات کرتا تو ہم توجہ بھی دیتے مگر تجھ جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کی بات کو کیسے تسلیم کر لیں۔ وہ لوگ اسی تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اور یہ بیماری اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ آج بھی کوئی جاگیردار کسی مزارع کی بات سننے کے







متعلق دریافت کیا جاتا ہے۔ قَالُوا اسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ مشرک اور جاہل لوگ ہمیشہ یہی بات کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے تعلیمافز اور سائنسدان یہودی اور عیسائی بھی قرآن حکیم کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں تکبر بھرا ہوا ہے اور وہ اسلام کو ایک رسمی مذہب خیال کرتے ہیں۔ دنیا کی ناپائیدار اور حقیر تعلیم چل کر کے اپنے آپ کو بڑا صاحب کمال سمجھتے ہیں اور قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کو اللہ کا کلام اور اس کا آخری نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ بھی اللہ کے پاک کلام کو قصے کہانیوں پر محمول کرتے ہیں۔ بعض مشرک کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں، آؤ ہم تمہیں رستم و اسفندیار کے کازلمے سناتے ہیں۔ جو محمد کی کہانیوں سے بڑھ کر دلچسپ ہیں۔ بہر حال وہ لوگ قرآن پاک اور وحی الہی کا انکار کرتے تھے اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

دوسرا بوجھ

فَرَمَا اِسْ اِنْكَارَ كَا نَتِيْجَةِ يَهُوْكَ اَلِيْحُ حِمْلُوْا اَوْ زَارْهُمْ كَا مِلْكَ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ تاکہ اٹھائیں یہ لوگ اپنا بوجھ پورا پورا قیامت کے دن جب محاسبے کا وقت آئے گا تو مسخرین پر ان کے گناہوں کا پورا پورا بوجھ لا دیا جائے گا۔ وہ نہ صرف اپنی کارستانی کا بوجھ اٹھائیں گے، بلکہ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ كُذِّبُوْهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ  
 بلکہ ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا بلا تحقیق۔ اس طرح گویا ان پر دوسرا بوجھ یعنی عذاب ڈالا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو امام یا پیشوا برائی کا کوئی راستہ مقرر کر دے، اس کو اپنے گناہ کا بدلہ بھی ملے گا اور ان تمام لوگوں کے گناہ میں سے بھی حصہ ملے گا جو اس باطل راستے پر چلنے لگے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اس دنیا میں ہونے والے ہر قتل ناحق کا ایک گناہ آدم علیہ السلام



کے اُس بیٹے کے نام اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے، جس نے سب سے پہلے قتلِ ناحق کی بنیاد رکھی۔ نبی کے متعلق بھی یہی اصول ہے۔ ہر نبی کے نبی کی نیکی کا ایک اجر نبی کا راستہ بنانے والے کو بھی ملے گا۔ چونکہ دنیا میں نبی کا راستہ انبیاء کرام نے ایجاد کیا، لہذا یہاں پر ہونے والی ہر نیکی کا ایک ایک اجر امت کے نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے لہذا انبیاء علیہم السلام کے اجر و ثواب کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس آخری امت میں نبی کے موجب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ قیامت تک ہونے والے کار خیر میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

فرمایا، ان لوگوں نے بلا سوچے سمجھے قرآن پاک کا انکار کر دیا ہے حالانکہ خود قرآن انہیں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے: "أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا" (محمد)۔ یہ لوگ قرآن میں تدبیر کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں سورۃ ص میں ہے کہ ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے "لِيَذَكَّرُوا بِالْآيَاتِ" تاکہ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں جن لوگوں نے اس کلام کو سمجھنے کی کوشش کی انہیں پتہ چل گیا کہ پوری دنیا کی تاریکیوں میں روشنی کا یہی ایک منار ہے مگر انہوں نے انکار کر کے دھڑلہ بوجھ اٹھا لیا ہے۔ فرمایا اَلَا خَيْرٌ مِّنْ سَاءَ مَا يَزِدُّونَ بہٖ اَلْبُحْبُوحَ ہے جس کو یہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ اس کا احساس جزائے عمل کی منزل کے وقت ہو گا کہ انہوں نے کتنا بُرا بوجھ اٹھایا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا اللّٰهُ ہیں اس سے محفوظ رکھے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ  
 بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ  
 السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ  
 حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (۲۶) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ  
 وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ  
 فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ  
 الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۲۷) الَّذِينَ  
 تَتَوَفَّيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا  
 السَّلَماً مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى  
 إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۲۸)  
 فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ  
 مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ (۲۹)

ترجمہ :- تحقیق چالبازی کی اُن لوگوں نے جو تم

سے پہلے گزرے ہیں پس اللہ نے قصد کیا ان کی

عمارت کا ، پس اس کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا ۔ پس گر پڑی

اُن پر چھت اُپر سے ۔ اور لایا اللہ تعالیٰ اُن کے پاس

عذاب جہاں سے اُن کو خبر بھی نہ تھی (۲۶) پھر قیامت



والے دن اللہ ان کو رسوا کریگا اور کہے گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ بیشک رسوائی آج کے دن اور برائی کفر کرنے والوں پر ہے (۲۷) وہ کہ جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ پس وہ ظاہر کرتے ہیں اس وقت اطاعت کو، اور کہتے ہیں کہ نہیں تھے ہم برائی کرتے۔ کیوں نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کام کرتے تھے (۲۸) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے ہو گے تم ان میں۔ پس بہت برا ٹھکانا ہے تجھ کو کرنے والوں کا (۲۹)

اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر غیروں کو الہ ماننے والوں کی تردید فرمائی۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ خالق، رب، علیم کل، قادر مطلق، نافع اور ضار اُس کے سوا کوئی نہیں، لہذا عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ معبود برحق وہی اکیلا ہے اور اس بات میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ نے منکرین توحید کے باطل عقیدے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ایک تو انہیں آخرت کے محاسبے کا یقین نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ تکبر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کفر، شرک اور نافرمانی پر مصر ہیں۔ جب ان کے سامنے اللہ کا کلام یا رسولوں کی بات پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ وہ اپنے تکبر کی بناء پر اللہ کے نبیوں کی بات کو معمولی سمجھ کر ٹھکراتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ قیامت والے دن وہ دوسرا بوجھ اٹھائیں گے۔ انہیں اپنے گناہوں کا بار بھی اٹھانا ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں کا بھی جن کو انہوں

نے گمراہ کیا، فرمایا، یہ بہت برا بوجھ ہوگا جو وہ اٹھائیں گے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے منکرینِ قرآن اور نبی اور اسلام کے مخالفین خصوصاً مشرکینِ مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی سمجھایا ہے کہ جس طرح آج تم مخالفت کر رہے ہو اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی تو وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو کر جہنم رسید ہوئے، اسی طرح اگر تم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ کے دین اور پیغمبرِ خدا کی مخالفت ترک نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

مشرکینِ مکہ نے دینِ اسلام کے خلاف بڑی سازشیں کیں اور نبی آخر الزمان کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کیں جن کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ہوا ہے حضور علیہ السلام کے خلاف باطل پراپیگنڈا مشرکینِ مکہ کا ایک اہم ہتھیار تھا، کبھی شاعر کہتے، کبھی کاہن کا لقب دیتے، کبھی آپ کو ساحر کا خطاب دیتے اور کبھی نعوذ باللہ منہ منہ قرار دیتے تاکہ لوگ آپ کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس کے علاوہ مسٹھی بھر مسلمانوں پر تشدد بھی کیا جاتا۔ طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی، ذمہ داریوں پر پریشان کیا جاتا تاکہ وہ اسلام کا دامن چھوڑ دیں۔ باہر سے آنے والوں کو راستے میں ہی روک دیتے اور انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہونے دیتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور شعیب علیہ السلام کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ نے اس قسم کا انتظام کر رکھا تھا کہ لوگ حضور علیہ السلام کی بات نہ سن سکیں۔ وہ جانتے تھے کہ جسے ایک دفعہ آپ کی صحبت حاصل ہوگئی، وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ گذشتہ سورۃ الحجر کے آخری حصے



میں لفظ محضین کی تشریح میں عرض کیا گیا تھا کہ ان بد بختوں نے علاقے تقیم کر رکھے تھے کہ فلاں راستے سے ہم روکو اور فلاں درے پر ہم بھیڑیں گے۔ تاکہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ دو صحابیوں کا ذکر آتا ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے ملنے کی کوشش کی تو انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ مکے پہنچ کر انہوں نے کسی معمولی حیثیت کے آدمی سے حضور علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو وہیں پٹانی شروع ہو گئی۔ حضرت عمرو ابن عبسہ کی روایت میں آتا ہے کہ جس زمانے میں وہ مکہ پہنچے تو اس وقت حُجْرَاءُ عَلَیْہِ قَوْمُہٗ آپ کی قوم آپ کے سخت مخالف تھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ تم اپنے اسلام کا برملا اظہار نہ کرو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ پھر جب تمہیں خبر پہنچے کہ اللہ نے اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمادیا ہے تو ہمارے پاس آ جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے علاقے میں واپس چلے گئے۔ پھر جب اہل اسلام حضور علیہ السلام کی معیت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ کے قدم جم گئے اور کفار مکہ کو بدر کے میدان میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، تو وہ لوگ مدینے پہنچ کر اپنے مسلمان بھائیوں میں شامل ہو گئے۔ بہر حال یہاں پر اسی بات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ پرانے مشرکوں نے بھی بڑی بڑی تدابیر اختیار کیں اور آج کے مشرک بھی اُنہی کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں، اللہ کی توحید کو مٹانا چاہتے ہیں اور نبی کے مشن کو ناکام بنانے پر کمر بستہ ہیں مگر تم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مشن پر قائم رہو، ان کی رسوائی کا وقت آنے والا ہے۔

غزوہ بدر اور  
غزوہ بنی النضیر  
کی  
کارگزاری

ارشاد ہوتا ہے قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
بیشک چال بازی کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے خدا کے دین کے خلاف بڑی سازشیں کی، غلط پراپیگنڈا کیا، راستوں



میں بیٹھے حتیٰ کہ جنگ و جدل تک۔ نوبت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں غرور اور فرعون کی مثالیں بیان فرمائیں کہ انہوں نے اللہ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے خلاف کیسی کیسی تدبیریں کیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام خدا کا نام لیتے تو غرور و کہتا کہ تمہارے خدا کا مقابلہ میں کروں گا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا مینار تیار کیا جائے جس پر چڑھ کر میں ابراہیم علیہ السلام کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ بائبل کی تفسیری روایات، عبد اللہ بن عباسؓ اور وہبؓ کی روایات ہیں آتے ہیں کہ غرور نے اس مقصد کے لیے ۵۰۰ فٹ بلند مینار تعمیر کرایا تھا۔ مگر اُس کے اوپر چڑھ کر مقابلہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تیز آندھی بھیجی کہ مینار کی چوٹی تو ٹوٹ کر دور پانی میں جا گری اور باقی حصہ منہدم ہونے پر ہزاروں آدمی اس کے نیچے آکر کھلے گئے۔ بعض کے دماغ خراب ہو گئے اور بعض کی زبان ہی بدل گئی، وہ زبان سے کتنا کچھ جانتے، مگر ادا کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ فرعون نے بھی اپنے وزیر سے کہا تھا کہ میرے لیے ایک بہت بلند و بالا مینار تعمیر کراؤ تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکوں۔ یہ سب پہلے لوگوں کی چالیں تھیں جو انہوں نے اللہ کے سچے دین کے خلاف اختیار کیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ بھی کام کر رہی تھی۔ جب منکرین خدا اور رسول نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں تو فرمایا فَآتَىٰ اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ کہ اللہ نے ان کی بنیادوں کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْهُ فَوْقَهُمْ اور اوپر سے ان پر ان کی چھتیں ہی گر پڑیں، اور ان کی تمام تدبیریں نہ کام ہو گئیں۔ یہ دراصل مکے والوں کو نمٹیل کے طور پر بات سمجھاٹی جا رہی ہے کہ پرانی اقوام میں سے بھی جس کسی نے سرکشی کی اور خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اللہ نے ان کی جڑ بنیاد کو ہی اکھاڑ کر ان کو نیست و نابود کر دیا۔ اور پھر وَأَنهَضَهُمْ



الْعَذَابِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ اِنْ پراسی جگہ سے خدا کا عذاب آیا جس کا انہیں وحس و گمان بھی نہیں تھا۔ لہذا اگر تم بھی پرانے مشرکین کی روش پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے چند سالوں میں مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، مکہ فتح ہو گیا اور وہاں سے مشرکین کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

مسئل  
سازشیں

خدا کے دین کے خلاف سازشیں ابتداء سے ہی ہوتی رہی ہیں پہلے زمانے کے لوگ بھی تدبیریں اختیار کرتے رہے اور پھر نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین نے بھی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگایا۔ اور اس کے بعد بھی ہر دور میں اسلام کے خلاف بڑے بڑے منصوبے بنتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی یہودی، عیسائی، ہندو اور اشتراکی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہزاروں سکیمیں بنا رہے ہیں، کہیں سکولوں اور کالجوں کے ذریعے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہیں ہسپتالوں کی آڑ میں اسلام مخالف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے انسانیت کے نام نہاد خیر خواہ یہ لوگ دراصل دین اسلام پر شب خون مارنے ہیں۔ مفت لٹریچر تقسیم کر کے لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ امیرکیب ارسلان (متوفی ۱۹۴۰ء) بڑے مجاہد آدمی تھے ترکی کے ہسپتالوں کے اسچارج اور دین کے شیدائی تھے، وہ لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے یہودیوں اور عیسائیوں نے قرآن پاک اور پیغمبر اسلام کے خلاف چھ لافھ کتا ہیں شائع کی ہیں کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے بیگانہ ہو جائیں۔ کہیں یہ سازش مستشرقین کے ذریعے پروان چڑھائی جا رہی ہے۔ مشرقی علوم کے نام نہاد مغربی لوگ قرآن پاک اور دین اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات جاری کر کے لوگوں کو دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرضیکہ کبھی مخالفت کر کے اور کبھی موافق بن کر ہر طریقے سے دین کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کی



کوشش کرتے ہیں۔ خاص طور پر انگریز تو اس حد تک منصوبہ بندی کر چکے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے منقطع نہیں ہوتا یہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے بھی بدلا کر دیا کہ جب تک مسلمانوں کی عقیدت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ہے، ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہر دو گروہ اپنے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اُدھر مسلمان ہیں جو ان سازشوں سے بے خبر سوئے ہوئے ہیں۔ انہیں اس وقت پتہ چلتا ہے جب یہود و نصاریٰ کی کوئی تدبیر کامیابی کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے مارے جاتے ہیں۔

باطل فرقوں میں مرزائیوں اور رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی دین حق کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی زور میں ہم ایک صدی سے آئے ہوئے ہیں۔ اب تو قانونی طور پر ان کی حیثیت کمزور ہو چکی ہے۔ وگرنہ اقتدار پر قابض اکثر لوگ انہی کی طرف داری کرتے آئے ہیں۔ ان کا لٹریچر اب تک پھیلا یا جا رہا ہے اور وہ دنیا بھر میں اپنے باطل دین کے لیے سرگرم ہیں۔ اُدھر رافضیوں نے بھی اپنی پراپیگنڈا مہم تیز کر رکھی ہے گویا رافضیت ہی اصل اسلام ہے۔ ایرانی انقلاب کے بعد خمینیوں کی حمایت میں بڑا لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے وہ اپنے آپ کو اسلام کے نمائندہ کے طور پر دنیا میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ رافضی ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ دشمنانِ دین کو پہلے بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ان کی عمارتوں کو جھڑو بنیاد سے اکھاڑ دیا گیا۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے مخالفینِ خدا و رسول کی طرف سے حقوڑے عرصہ کے لیے شور و شر ہونا ہے، بعض لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے ہیں، مگر ان کی سازش جلد ہی منظر عام پر آ جاتی ہے اور ان کی تمام یکمیں جھاگ کی طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اپنی ذاتی خصوصیت اور حقانیت کی بنا پر قائم ہے اور تا قیام قیامت



قائم رہے گا۔

ظالموں کی  
رسوائی

فرمایا دشمنانِ دین کا دنیا میں تو یہ حال ہوا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
يُخْزِيهِمْ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا  
اس دنیا میں مشرکین شرک کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تے  
ہیں مگر قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ وَيَقُولُ  
أَيُّكُمْ شَرٌّ لِّكَأَيِّ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاكِقُونَ فِيهِمْ  
بتاؤ آج میرے وہ شرک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دنیا میں جھگڑا  
کیا کرتے تھے۔ میرے نبیوں کی بات نہیں مانتے تھے اور شرکیوں کی  
حمایت کیا کرتے تھے۔ أَبْأَنْ كُوْبِلَاؤُنَا کہ تمہاری مدد کریں۔

اس وقت قَالَ الَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ اہل علم کہیں  
گے۔ جن کو اللہ نے دنیا میں علم کی روشنی عطا فرمائی اور وہ کفر شرک  
سے بیزار رہے، وہ کہیں گے إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّقُوءَ  
عَلَى الْكَافِرِينَ۔ بیشک آج کے دن کی رسوائی اور برائی یعنی عذاب  
کفر کرنے والوں پر ہے۔ انہوں نے دنیا میں اللہ کی توحید کا انکار کیا، خدا  
کے شرک پھیلانے، اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی، وہ دنیا میں بھی  
ناکام ہوئے اور آج قیامت کے دن بھی ان کے مقدر میں رسوائی اور  
ذلت ہے۔

فرمایا ان کافروں کی حالت یہ ہے الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ  
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤیْۤ اَنْفُسِهِمْ کہ اللہ کے فرشتوں نے  
ان کو اس حالت میں موت دی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے لگے تھے  
کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں جس کا ارتکاب کفر کے وہ خود  
اپنے نفسوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حضور علیہ السلام دعائیں کہتے تھے  
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْحَيٰوةِ وَمِنْ شَرِّ الْمَمٰٓةِ

اے اللہ! میں بری زندگی اور بری موت سے پناہ مانگتا ہوں۔ بری زندگی یہ ہے کہ انسان عمر بھر بدعتیہ کی میں مبتلا رہے اور بری موت یہ ہے کہ اسی بدعتیہ کی پر خاتمہ ہو۔ ایسا شخص توحید خداوندی سے خالی گیا۔ لہذا اس سے بری موت کون سی ہو سکتی ہے۔ ؟

فرمایا، یہ لوگ دنیا میں اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے۔ انہوں نے کفر اور شرک کا راستہ پکڑا، حالانکہ اللہ کا فرمان ہے "إِنَّ الشُّرُكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" (لقمان) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ نیز فرمایا "وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (البقرہ) اور کافر وہی ہیں ظلم کرنے والے۔ تو فرمایا کہ دنیا میں تو یہ کفر و شرک میں مبتلا رہے مگر قیامت کے دن اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کریں گے "فَالْقُوا السَّلَامَ" اُس وقت اپنی اطاعت اور کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے "مَا كُنَّا نَعْمَلُ صِحًّا سَوْءٌ هُمْ تَوَدُّنَا فِي دُنْيَا فِي بَرَاءِي كَا" اے کتاب، نہیں کیا کرتے تھے۔ اُس وقت اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر اللہ فرمائے گا، تم جھوٹ بولتے ہو کہ بلی "إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ لِّمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ علیم کل ہے اور تمہاری ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تم دنیا میں کفر اور شرک پر بصد رہے، لہذا آج تمہارا انکار کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ جب وہ زبان سے انکار کرے گا تو زمین، انسان کے جوارح اور دوسری چیزیں اس کے خلاف گواہی دیں گی۔ خطہ ارضی، پہاڑ، درخت بول کر کہیں گے کہ اس شخص نے فلاں مقام پر فلاں گناہ کیا۔ ہاتھ اور پاؤں گواہ بن جائیں گے اور اس کی کوئی بات نہیں چل سکیگی۔



جہنم میں  
داخل

پھر ارشاد ہوگا فَادْخُلُوا ابْوَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے دروازوں  
میں داخل ہو جاؤ۔ اب تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں خَلِدَ فِيْهَا  
فیہا تمہیں اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ پھلی سورقہ میں  
گزر چکا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر گریٹ سے منقسم جہنم  
کے مطابق داخل ہوں گے۔ فرمایا فَلْيَسْ مَثْوًى الْمُتَكِبِّينَ  
تکبر کرنے والوں کا یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ انہوں نے غرور و تکبر کی  
وجہ سے انبیاء کی بات کو تسلیم نہ کیا، خدا کی وحدانیت کو ستمولی چیز سمجھ کر  
ٹھکرا دیا، تو فرمایا کہ تمہارے تکبر کی سزا یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس جہنم  
کا ایندھن بن جاؤ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ  
 قَالُوا خَيْرٌ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ  
 الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ  
 دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۳۰) جَنَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا  
 كَأَنَّهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا  
 مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۳۱)  
 الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ  
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَعْمَلُونَ ۝ (۳۲) هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ  
 الْمَلَائِكَةُ أَوْيَأْتِي أَمْرٌ رِيبٌ ۚ كَذَلِكَ فَعَلَ  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ  
 وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (۳۳) فَاصْبِرْ لَهُمْ  
 سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا  
 بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ (۳۴)

ترجمہ :- اور کہا گیا ان لوگوں سے جو بچتے ہیں  
 کہ کیا چیز اتاری ہے تمہارے پروردگار نے، تو انہوں نے



کہا کہ (جو کچھ بھی اُس نے اُتارا ہے) وہ سراسر خیر ہی ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے بھلائی کی اس دُنیا میں، بھلائی ہی ہے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور بہت اچھا گھر ہے اُن لوگوں کا جو متقی ہیں (۳۰) وہ باغات ہیں سہنے کے لیے داخل ہوں گے وہ ان میں۔ بہتی ہیں ان کے سامنے نہریں اُن کے لیے ہو گا ان (باغوں) میں جو وہ چاہیں گے۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو (۳۱) وہ کہ جب وفات دیتے ہیں اُن کو فرشتے (اس حال میں کہ وہ) پاک ہوتے ہیں، اور (فرشتے) کہتے ہیں۔ سلام ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اس کے بدلے میں جو کام تم کیا کرتے تھے (۳۲) یہ (نافرمان لوگ) نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے یا پہنچ آئے ان کے پاس تیرے پروردگار کا خاص حکم۔ اسی طریقے سے کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (۳۳) پس پہنچیں اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے کی تھیں، اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے (۳۴)

پہلے اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا حال بیان کیا کہ جب اُن سے قرآن پاک سے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر کیا چیز اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصے کہانیاں ہیں وہ نہ صرف وحی الہی کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا انجام بیان فرمایا کہ قیامت

کے دن یہ لوگ نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بار بھی ان پر ہوگا جن کو انہوں نے دنیا میں گمراہ کیا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیا میں اسلام کے خلاف بڑی منصوبہ بندی کی، بڑی سکیس بنائیں، چال بازیاں کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر اللہ نے ان کو دنیا میں بھی سزا دی اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب لازمی ہے فرمایا یہ لوگ مرتے دم تک کفر شرک پر اڑے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اسی حالت میں ان کی جان قبض کرتے ہیں۔ پھر اس وقت یہ توحید کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس وقت کا اقرار کچھ مفید نہیں ہوتا اور فرشتے انہیں جہنم کی وعید سنا دیتے ہیں۔ فرمایا نکبر کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

متقین سے  
سوال جواب

نافرمانوں کا حال اور انجام بیان کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ جہاں مشرکین کا ذکر آتا ہے تو ساتھ متقین کا بیان بھی ہوتا ہے، اور جہاں فجار کا حال بیان کیا جاتا ہے تو ساتھ امرا کا ذکر بھی ہوتا ہے، اور اس طرح ترہیب اور ترعیب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اب یہاں پر بوقت موت اہل ایمان کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا اور کہا جاتا ہے ان لوگوں سے جو ڈرتے ہیں۔ اتقی کی تفسیر میں رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے بچے۔ پھر ہر باطل عقیدے سے پرہیز کرے۔ پھر کبار سے اور پھر تدریج صغائر سے بھی بچ جائے۔ متقین کی یہی نشانیاں ہیں۔ گویا تقویٰ کی پہلی سیڑھی کفر اور شرک سے پرہیز ہے۔ جو شخص ان سے نہیں بچتا، وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ جب بچنے اور ڈرنے والوں سے کہا گیا کہ اذّا



اَنْذَلَ رَبُّكُمْ کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اتاری سے قالوا  
خَيْرًا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا نازل کردہ کلام تو سرسرخ اور عیس  
برکت ہے، اور یہ بے پایاں رحمت کا حامل ہے۔

حضرت اسماءؓ کی والدہ ام امینؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گود لیا تھا پھر وہ آپؐ  
ایمان بھی لے آئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت تک وہ کافی عمر رسیدہ ہو چکی تھیں  
حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ ملاقات کے لیے ام امینؓ کے  
پاس گئے تو وہ رونے لگیں۔ انہوں نے سمجھا کہ ام امینؓ حضور علیہ السلام  
کی جدائی کی وجہ سے رو رہی ہیں یا شاید آپؐ کے بعد انہیں کوئی تکلیف  
پہنچی ہے۔ پھر جب انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگیں  
کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ کے نبی اس وقت بڑے آرام و راحت میں ہیں  
مجھے آپؐ کی طرف سے کوئی تشویش نہیں، بلکہ رونے کی وجہ یہ ہے  
کہ جب نبی علیہ السلام ہم میں موجود تھے تو وحی الہی کا سلسلہ بھی جاری تھا جو کہ  
اب منقطع ہو چکا ہے اور ہم اس کی برکات سے محروم ہو گئے ہیں۔  
اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی ابدیدہ ہو گئے کہ واقعی اللہ  
کی جانب سے جو چیز اپنے نبی پر نازل ہوتی تھی وہ سرسرخ و برکت تھی۔ اور  
اب ہم اس خیر و برکت سے محروم ہو چکے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی جو سرسرخ ہے اور اس سے  
مقصود یہ ہے کہ لوگ اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کریں اور اچھی  
اچھی باتیں سیکھیں۔ انسان وحی الہی کے ہر وقت محتاج ہیں، اسی لیے تو ہر  
نماز کی ہر رکعت میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی درخواست  
کرتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتی ہے  
اور ان کی بہتری کے سامان پیدا کرتی ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! لِلَّذِينَ احْسَنُوا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا



حَسَنَةً جَن لَّوْكَوْنَ نَے اِس دُنیا میں اچھا کام کیا، یقیناً اُن کے لیے بھلائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اچھے کام کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا۔ جو دنیا میں نیک کام کرتے ہیں، انہیں نیکی کی مزید توفیق ملتی ہے اور انہیں روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا دنیا میں بھی انہیں نیکی کا بدلہ نیکی کی صورت میں ملتا ہے وَكَذَٰلِكَ الْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ اور آخرت کا گھر تو بہت بہتر ہے وَلَكُمْ دَارُ الْمُتَّقِينَ اور متقیوں کے لیے آخرت کا گھر تو بہت ہی خوب ہے۔ ”وَفِيهَا مَا تَشْتَهُيهِ الْإِنْفُسُ“ وہاں ان کے نفسوں کی پسندیدہ ہر چیز ہوگی۔ اور وہ گھر کونسا ہے؟ فرمایا جَنَّتْ عَدْنٌ يَّدْخُلُونَهَا وہ رہائش کے باغات ہیں جن میں متقی لوگ داخل ہوں گے۔ عام باغات تو محض جنگل کی طرح ہوتے ہیں جن میں پھول بوٹے اور درخت ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنے کی سہولت موجود ہو، مگر رہائشی باغات میں رہائش کی تمام سہولتیں موجود ہوتی ہیں اور انہیں زیادہ قرینے سے سجایا جاتا ہے تاکہ وہاں رہنے والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ تو فرمایا متقیوں کے لیے بہتر گھر رہائشی باغات ہیں ہوں گے جَعْرَىٰ مَدَنٌ تَحْتَهَا الْآفَنُ جَن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ آسائش کی ہر چیز موجود ہوگی، بلکہ لَهْفٌ مَّرْفِيْہَا مَا يَشَاءُ صَوْنٌ وہاں پر جہانی اور روحانی راحت کی ہر وہ چیز ہوگی، جو وہ چاہیں گے۔ اُن کا ہر پسندیدہ سامان وہاں موجود ہوگا، اور یہ چیز ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوگی۔ بلکہ فرمایا كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ اللہ تعالیٰ عام تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ جو بھی کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے ایسے ہی انعامات عطا فرمائے گا۔

فرمایا یہ اُن لوگوں کے لیے انعامات ہیں الَّذِيْنَ تَتَوَفَّيْہُمُ الْمَلَائِكَةُ کہ جب فرشتے ان کی جانبیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت



وہ طیبین پاک صاف ہوتے ہیں۔ یعنی زندگی کے آخری لمحات میں وہ کفر، شرک، نفاق اور بدعتیہ کی سے پاک ہوتے ہیں نجاست تو شرک میں ہے، اللہ نے خود فرمایا ہے "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (التوبة) مشرک تو ناپاک ہیں اور یہ ناپاکی باطن کی ناپاکی ہے ان بد بختوں کی روح، دل اور دماغ پلید ہے۔ سورۃ حج میں فرمایا ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ" بت پرستی کی گندگی سے بچو۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے دین کے طہارت کے اصول میں عقیدے کی طہارت کو اولیت حاصل ہے۔ اگر روح پاک نہیں تو جسم ہزار بار دھونے اور خوشبو لگانے سے بھی پاک نہیں ہوگا۔ بات واضح ہے کہ کتا اور خنزیر ناپاک ہیں، ان کو کتنی بار بھی صابن کے ساتھ نہلاؤ، یہ پاک نہیں ہوں گے۔ مشرک کی نجاست بھی ایسی ہی ہے تو متقی بننے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے دل و دماغ ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو، اور جسے باطنی طہارت حاصل ہوگئی، اس کے متعلق فرمایا "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى" (الاعلیٰ) جس نے تزکیہ حاصل کر لیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا تزکیہ کفر، شرک اور بدعتیہ کی کا تزکیہ ہے اسی پلیدی کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرک نجس ہیں "فَلَا يَفْتَرِكُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ كَعَدَ عَلَيْهِمْ هَذَا" (التوبة) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں سڑک کے بعد کسی مشرک کو حج بیت اللہ کی اجازت نہ تھی۔ بہر حال شرک ایک گندگی ہے۔ جس سے انسان کا باطن پلید ہوتا ہے۔

تو فرمایا کہ جب متقی لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے یَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ فرشتے انہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو اور ساتھ یہ خوشخبری بھی دیتے ہیں اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

جنت میں داخلہ



جنت میں داخل ہو جاؤ، اُن اعمال کی وجہ سے جو تم انجام دیتے رہے۔ اعمال سے اگر اعمالِ قلوب مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایمان کا وہ راستہ ہے جو متقیوں نے اختیار کیا۔ دوسرے مقام پر ہے یُحْصِدِ لَهُمْ رِجْهَمَ بِإِيمَانِهِمْ (رویس) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کے ایمان کی وجہ سے جنت کے گھر تک پہنچا دیگا۔ اور اگر اعمال سے مراد اعضا و جوارح کے اعمال ہیں تو یہ جنت میں داخلے کا ظاہری سبب ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ انسان کے ظاہری اعمال اس کی کامیابی کا حقیقی سبب نہیں ہیں بلکہ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ اعمال انجام دینے کے بعد اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا آئی الْأَعْمَالُ أَفْضَلُ حَضْرَت! ربِّ أَفْضَلُ عَمَلٍ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا إِلَّا إِيمَانُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، ظاہر ہے کہ یہ قلب کا عمل ہے۔ اور تصدیقِ قلب کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ لہذا جنت میں داخلے کا اولین ذریعہ نورِ ایمان ہے۔

عذاب کا انتظار

آگے پھر نافرمانوں کے متعلق فرمایا هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ کہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے۔ مطلب یہ ہے کہ نافرمان لوگ اپنے کفر، شرک، نفاق، بدعتیہ کی اور مخالفتِ قرآن و رسول کا اظہار کر کے فرشتوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ اور فرشتوں کی آمد کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے پردے اٹھ جائیں اور فرشتے اللہ کا عذاب لے کر پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ وقت آجائے گا تو پھر ان نافرمانوں کو مزید ہمت نہیں ملے گی اور وہ عذابِ الہی کا شکار ہو جائیں گے فرمایا ان کو یا تو فرشتوں کا انتظار ہے أَوْ يَأْتِيَهُمْ رِجْهَمُ يَأْتِيهِمْ اس بات کا انتظار ہے کہ تیرے رب کا مخصوص حکم آجائے اور اس سے عذاب ہی



مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرائے میں منکرین خدا و رسول کو وعید سنائی ہے کہ اللہ کے پیغمبر آچکے ہیں، کتابیں آچکی ہیں۔ ہدایت کے سارے سامان آچکے ہیں۔ اور اگر اب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر اس کے سوا باقی کیا رہ گیا ہے کہ ان پر عذاب الہی نازل ہو اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

فَرَمَاكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَنْ  
 پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بھی کفر اور شرک پر اصرار کرتے تھے  
رُسُوْلُوْنَ سَے مَٹا کر تے تھے، کتاب الہی کو قصے کہانیاں بناتے تھے  
 اور آج کے یہ مشرک بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ وَنَرٰ  
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اَنْ لَّوْكَوْنَ بِرَاللّٰهِ زِيَادَتِيْ نِهَيْسَ كِي مَحْتٰی ۔  
وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ بلکہ انہوں نے خود  
 اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کفر اور شرک سے بڑھ  
 کر کوئی ظلم نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی اپنے  
 آپ کو مستحق عذاب بنا لیا۔

فَرَمَا فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمَلُوْا پس پہنچیں اُن کو  
 وہ برائیوں جو انہوں نے کی تھیں یعنی اُن کو اپنے اعمال ہی کی سزا ملی۔ وَقَدْ  
حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور گھیر لیا  
 اُن کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ مٹا کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ عذاب الہی  
 کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ اپنے بلیوں سے کہتے تھے کہ لے آؤ۔ وہ  
 عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو، ہم جنت اور دوزخ کو کچھ نہیں  
 جانتے۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ تو فرمایا جس عذاب الہی کا  
 وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ لوگ اسی عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس  
 دنیا میں بھی سزا کے مستحق ٹھہرے، اور آگے آخرت کا عذاب بھی ان

کے لیے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں میں سے منکرین اور  
 متقین کے حالات بیان کمر کے ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے، اور  
 مشرکین مکہ اور بعد میں آنے والوں کو بات سمجھائی ہے کہ کہیں تم بھی  
 منکرین کے نقش قدم پر نہ چل نکلتا، وگرنہ تمہارا بھی حشر وہی ہوگا، جو ان  
 کا ہوا۔



وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا  
 مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا  
 وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ  
 فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى  
 الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ③۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ  
 أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا  
 الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ  
 مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ③۶

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا ، اگر  
 چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ عبادت کرتے ہم اُس کے سوا کسی چیز  
 کی اور نہ ہمارے باپ دادا ۔ اور نہ ہم حرام ٹھراتے کسی چیز  
 کو اس کے حکم کے سوا ۔ اسی طرح کیا اُن لوگوں نے جو اُن  
 سے پہلے گزرے ہیں ۔ پس نہیں ہے رسولوں کے ذمے  
 مگر کھول کر پہنچا دینا ③۵ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر  
 امت میں رسول (اور حکم دیا) کہ عبادت کرو اللہ کی ، اور بچو  
 طاغوت سے پس بعض اُن لوگوں میں سے وہ تھے جن کو

اللہ نے ہدایت دی اور بعض اُن میں سے وہ تھے جن پر گمراہی نہایت  
 ہوئی۔ پس چلو زمین میں اور دیکھو کیسے انجام ہوا اُن لوگوں کا جو  
 جھٹلانے والے تھے (۳۶)

رابطہ آیت

ابتداءً سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے وحی الہی کا ذکر کیا، پھر اپنی وحدانیت کا تذکرہ  
 کیا "إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ" اور اس کے دلائل بیان فرمائے۔ اس کے بعد اُن لوگوں  
 کی دو بڑی بیماریوں کا ذکر کیا جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے۔ ایک تو وہ آخرت  
 کے منکر ہیں اور دوسرے تکبر کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور متقیوں کے انجام  
 سے آگاہ فرمایا۔ شرک کی تردید اس سورۃ کا خاص موضوع ہے جو گذشتہ آیات میں بھی بیان  
 ہوا ہے، اس درس میں بھی آرہا ہے اور آگے مثالوں کے ذریعے بھی اس مسئلہ کی  
 وضاحت کی جائے گی۔ بہر حال آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے حق میں  
 مشرکین کی ایک نہایت ہی بھونڈی دلیل کارڈ فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی ضد اور  
 ہٹ دھرمی کا ذکر بھی کیا ہے۔

شرک پرانی  
 بیماری ہے

شرک ایک ایسی بیماری ہے جو تمام پُرانی قوموں میں راسخ رہی ہے۔ حضرت  
 نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اللہ کے ہر نبی کی قوم میں شرک پایا گیا اور ہر  
 نبی نے سب سے پہلے اسی بیماری کی طرف توجہ فرمائی۔ اور قوم سے یہ منسوب فرمایا  
 "يَقُومُوا عِبَادُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ" (ہود) اے میری قوم کے  
 لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے سٹی اور  
 پتھر کے جتنے معبود بنا رکھے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ نہ یہ کچھ دے سکتے ہیں اور  
 نہ چھین سکتے ہیں، ان کی پوجا کر کے تم اپنے لیے تباہی کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ یہ تو  
 خدا تعالیٰ کی کھلی بغاوت اور سرکشی ہے۔ مختلف اقوام میں اور بھی مختلف بیماریاں تھیں،  
 کسی میں تکبر کی بیماری تھی، کوئی ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے، کسی قوم میں معاملات کی  
 خرابی تھی۔ کسی میں ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا اور کوئی قوم حد درجے کی بد اخلاقی میں مبتلا تھی۔ تاہم



تمام اقوام میں شرک ایک ایسی بیماری تھی جو سب کی قدر مشترک تھی۔ اس لیے اللہ کے نبیوں نے سب سے پہلے اسی بیماری کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

اس بیماری کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھی اللہ کے نبیوں نے اس بیماری کا قلع قمع کرنا چاہا تو مشرکین نے اس کے حق میں دلائل دینے شروع کر دیے اور برحق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آج کے درس میں اللہ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا اور کہا شرک کرنے والوں نے۔

یعنی جب اللہ کے نبیوں نے شرک سے منع کیا تو کہنے لگے لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ اَكْبَرُ اللہ چاہتا تو

ہم نہ عبادت کرتے اللہ کے سوا کسی کی وَاَبَاؤُنَا اور نہ ہی ہمارے

باب دادا ایسا کام کرتے۔ وَلَا حَرَمٌ مِّنْ دُونِهِ۔ اس کے حکم کے سوا یہ ہے

وہ دلیل جو مشرکین شرک کے حق میں پیش کرتے تھے۔ گویا اپنے شرکیہ افعال کو خدا تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ منسلک کر کے خود بری الذمہ ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ شرکیہ کام پسند نہ ہوتے تو وہ فوراً ہمیں روک دیتا، ہماری زبانوں کو بند کر دیتا یا ہمارے ہاتھ پاؤں کی طاقت کو ہی سلب کر لیتا تاکہ ہم ایسا کام نہ کر سکتے۔ اگر اس نے ہمیں ان کاموں سے نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان امور پر راضی ہے، لہذا ہم انہیں انجام دینے میں حق بجانب ہیں۔ یہ تو بالکل ویسی بات ہے کہ کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کا اعتراف کرنے اور توبہ کرنے کی بجائے اسے تھدیر پر ڈال دیتا ہے کہ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا، لہذا ہو گیا، اس میں میرا کیا قصور ہے؟

مشرکین کی  
دلیل

حالت و صرمت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ مشرکین نے بعض چیزیں



از خود اپنے آپ حرام ٹھہرا رکھی تھیں حالانکہ اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ انہوں نے بعض جانوروں کو بکیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا نام دے کر عام لوگوں کے لیے اُن کا گوشت حرام قرار دے لیا تھا۔ چنانچہ جس مادہ کا دودھ نذر کے طور پر وقت کر دیتے اُسے کوئی عام مرد وزن نہیں پی سکتا تھا بلکہ وہ صرف گدی نشینوں کے لیے حلال ہوتا تھا۔ اس طرح جس اونٹ یا بیل کو معبودانِ باطلہ کی نذر کر دیتے تھے، نہ اُس پر سواری کرتے تھے اور نہ کسی دیگر کام میں لاتے تھے۔ اسی طرح جو جانور مقررہ تعداد میں بچے دے دیتا تھا اُسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس کا دودھ پیتے نہ گوشت کھاتے اور نہ سواری کے لیے استعمال کرتے۔ انہوں نے بعض چیزیں عورتوں پر اور بعض مردوں پر حرام کر رکھی تھیں۔ اس کا جواز بھی وہ بھی پیش کرتے تھے کہ اگر اللہ کی <sup>بیعت</sup> ہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روکا، لہذا ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔

سورۃ النعام میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تمام اقسام پر بھت کی ہے اور اُن کی تردید فرمائی ہے۔ یہ مضمون اسی قسم کی آیت میں وہاں بھی بیان ہو چکا ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِن شَيْءٍ فَرِيًّا مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤ و اجداد شرک کا ارتکاب نہ کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پہلے لوگوں نے بھی اسی قسم کی بیوردہ دلیل پیش کی تھی کہ انہیں ہماری سزا کا سزا چھنا پڑا۔ فرمایا، اس حرمت کی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اُنکل چکوتیں کر رہے ہیں۔ یہ تو حرمت کی بات تھی، ایک زمانہ ایسا بھی گزر رہا ہے



جب مشرکین بیت اللہ شریف کا بڑھنہ طواف کرتے تھے اور اس کے لیے بھی انہوں نے خدا کی مشیت کو بہانہ بنا رکھا تھا، مگر اللہ نے فرمایا کہ وہ کبھی بے حیائی اور برائی کا حکم نہیں دیتا۔ تم تو شیطان کا اتباع کر کے اس فعل کو خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

بہر حال شرک کے از نکاب اور حلت و حرمت کے معاملہ میں مشرکوں نے نہایت ہی بیودہ دلیل پیش کی جس کا اللہ نے رد فرمایا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اجمالی طور پر ذکر کیا ہے، آگے عام قانون کی صورت میں بھی حلت و حرمت کا مسئلہ آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس باطل دلیل کے جواب میں فرمایا کَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، گویا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ آپ مشرکین کے قبیح افعال سے گھبرائیں نہیں۔ اس قسم کے واقعات آپ کے ساتھ ہی پیش نہیں آئے ہیں بلکہ پہلی اقوام بھی اسی طرح کہہ تی اور کہتی رہی ہیں، وہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ بڑا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ روک دیتا، لہذا ہم جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ یہ کتنی نادانی کی بات ہے۔ بھلا یہ تو سوچو کہ ہر فرقے کے نزدیک بعض کام بڑے ہیں جن سے وہ انکار نہیں کر سکتے، مگر لوگ انہیں انجام دے رہے ہیں۔ اگر مشرکین کے فلسفے کو تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں کوئی بھی برائی نہیں رہتی کیونکہ ہر برائی انجام دی جا رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ مانتا ہے اور روکتا نہیں۔ لہذا ہر بڑے سے بڑے کام میں بھی مشیت الہی شامل ہے معلوم ہوا کہ بڑا کام بہر حال بڑا ہے اور خدا تعالیٰ کے جبراً نہ روکنے سے کوئی برائی اچھائی میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی سے جبراً کوئی کام نہیں کراتا

کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اسی سورۃ کے پہلے رکوع  
 میں گمراہ چکا ہے کہ اللہ تک تو سیدھا راستہ ہی پہنچتا ہے۔ مگر کچھ ٹیڑھے  
 راستے بھی موجود ہیں "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ"  
 اور اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو سیدھی راہ پر لگا دیتا، مگر وہ کسی کو مجبور نہیں  
 کرتا۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا، عقل، شعور اور قوی عطا کر کے کچھ اختیار  
 بھی دیے ہیں جن کو بروئے کار لا کر انسان اچھے یا بُرے اعمال انجام دیتا  
 ہے۔ اگرچہ خالق سب کا خدا تعالیٰ ہے مگر کاسب خود انسان ہے  
 اُسے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اچھے یا بُرے کام کرنے کی اجازت  
 ہے۔ سورۃ النہض میں ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ آپ  
 کہہ دیں، حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے "فَمَنْ شَاءَ  
 فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ" اب یہ تمہاری مرضی ہے  
 جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ یہ اُس  
 کی اپنی صوابدید پر ہے، اُس پر جبر نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کوئی جو لٹا  
 راستہ اختیار کر لے گا، اُسی کے مطابق جزا یا سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ نے  
 صاف بتلادیا اَنَا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ہم نے ظالموں کے لیے  
 جہنم بھی تیار کر رکھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کسی کو اچھا یا بُرا نہیں  
 کرتا، نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر غلط راستے پر جانے سے روکتا ہے۔ فَضَلَتِ  
 اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الزوم) اللہ نے ہر انسان  
 کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اِنَّ الْأَمْكَانَةَ نَزَلْتُ فِيْ  
 حَبْرٍ وَشَلُوبِ الرِّجَالِ اللہ تعالیٰ نے امانت یعنی صلاحیت  
 اور استعداد ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے، کسی کو اس سے محروم  
 نہیں رکھا۔ اس امانت کی تفصیل دنیا میں آکر کتاب و سنت سے  
 معلوم کی جاسکتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس صلاحیت سے فائدہ



اٹھانے کی بجائے اسے خراب کر لیتا ہے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں سخت بُرا نکلے گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ مشرکین کی یہ دلیل ناقابل قبول ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک کا ارتکاب نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شرک کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور نہ ہی انہیں جبراً اس سے روکا ہے انہوں نے اللہ کے عطا کردہ اختیارات کو بڑے کار لاتے ہوئے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ جہنم کا راستہ ہے اور اپنے شرک کی پاداش میں مشرک لوگ وہیں پہنچیں گے۔

رہسہدلوں کی  
ذمہ داری

جہاں تک التشرکے رسولوں کی ذمہ داری ہے، فرمایا فہکَلْ  
عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ان کا کام کھول کر بیان کر  
دینا ہے۔ رسولوں کا کام کسی کو جبراً منوانا نہیں۔ اگر لوگ رسول کی بات نہ  
سمجھنے کی کوشش نہ کریں یا اُس کی مخالفت پر اتر آئیں تو یہ اُن کا عناد  
ہوگا اور مشرکین اسی بیماری میں مبتلا ہے ہیں۔ التشرک نے اپنے رسول بھیج کر  
اور کتا ہیں نازل فرما کر برائی سے روکنے کے سامان بہم پہنچا دیے ہیں۔  
اگر اب بھی کوئی کفر اور شرک سے باز نہیں آتا بلکہ اس بات کا انتظار  
کر رکھا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دے، تو یہ اُس کی خام خیالی  
ہے۔ اُسے اس کا رد کر دگی کا بھگتان کرنا ہوگا۔

اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا  
ہم نے ہر امت میں اور قوم میں اپنا رسول بھیجا جس نے ہمارا پیغام اپنی امت  
میں پہنچایا۔ اور وہ پیغام یہ تھا آتِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا  
الطَّاغُوتِ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو اور طاغوت سے بچ  
جاؤ۔ اللہ نے کفر و شرک سے روکنے کا یہی تو سامان پیدا کیا کہ اللہ کے  
ہر نبی نے اسی بات کی دعوت دی کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی  
ذات ہے، کفر اور شرک مہلک بیماری ہے۔ اس سے بچ جاؤ۔ اگر



اب بھی کوئی شخص اس سے اجتناب نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے، اللہ کے بھی کام پہنچا دینا ہے۔ کسی کو مجبور کرنا نہیں۔ تو گویا اللہ نے قانون اور شریعت کے ذریعے لوگوں کو شرک سے منع کیا ہے کسی کی قوت سلب کردہ کے اُسے مجبور نہیں کیا۔

طاغوت  
کیا ہے؟

طاغوت طغیان کے مادے سے ہے جس کا معنی سرکش اور بغاوت ہوتا ہے۔ یہ لفظ شیطان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بت کیلئے بھی۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا جن باطل قوتوں کی پرستش کی جائے وہ طاغوت ہیں۔ مشہور مؤرخ ابن ہشام نے اپنی ”سیرت“ میں طاغوت کی تعریف یہ کی ہے **كُلُّ مَا أَصْلَعَتْ الْحَقُّ فَهُوَ طَاغُوتٌ** جو چیز بھی حق کے راستے سے گمراہ کرے وہ طاغوت ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی طاغوت کا ترجمہ ”ہڑبھنگا“ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہڑبھنگا اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلا سند سرداری کا ناحق دعویٰ کرے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو حقیر لفظوں سے یاد کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو مہین کہا۔ حق کو ٹھکرانے والے طاغوت کی فہرست میں آتے ہیں، ہر ظالم خواہ وہ فرعون ہو، نمرود ہو، چنگیز ہو یا ملا کو سب طاغوت ہیں۔ اکثر و بیشتر ملوک طاغوت ہیں مارشل لا کا قانون بھی طاغوتی قانون ہے۔ غرضیکہ حق سے گمراہ کرنے والا کوئی انسان ہو، بت ہو یا شیطان ہو، طاغوت کی تعریف میں آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کو پس پشت ڈال کر من مانی کرنے والی ہر شخصیت طاغوت ہے تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ طاغوتوں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر ملوک آج تک من مانی کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے حق و باطل میں تمیز کرنے کی بجائے اپنی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ قوم اور ملک کی دولت لہو و لعب اور عیاشی و فحاشی پر خرچ کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے خدا کے قانون کے



اجرا اور مخلوق خدا کے فائدے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور یہ فلک بوس عمارتیں بنانے میں مصروف ہیں۔ قوم کو تعلیم اور خوراک کی ضرورت ہے مگر یہ قوم کا پیسہ اپنی عیاشیوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ گمراہی عام ہے، برہنگی کی وبا پھیل رہی ہے، لہو و لعب سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ سب طاغوتی کام ہیں جو انجام دیے جا رہے ہیں۔ ہاں ہماری تاریخ میں بعض اچھے لوگوں کا نام بھی محفوظ ہے مگر یہ خال خال لوگ ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور مخلوق کی بھلائی کا جذبہ موجزن تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔ یہاں بغیر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ، سلطان محمودؒ، ناصر الدین التمشؒ اور ٹیکو شہیدؒ جیسی ہستیاں ہوئی ہیں۔ جن کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاہم باقی کلام طاغوتی کی فہرست میں ہی آتے ہیں۔ کوئی بڑا طاغوت ہے اور کوئی چھوٹا اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ پس ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی۔ جن میں انصاف اور حق طلبی تھی اور جو خدا اور عباد سے پاک تھے، ان کو ہدایت نصیب ہو گئی وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ اور ان میں سے بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ حق طلبی اور انصاف سے عاری، صدی اور غدا کی لوگ گمراہی میں غرق ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (البقرہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ ان پر کفر کے زنگ چڑھ چکے ہیں۔ جیسے سورۃ المطففین میں موجود ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی اور وہ جہنم کا شکار بنے۔

ہدایت  
اور  
گمراہی

فرمایا فَبَدِّوْا فِی الْمَرْضٰی پس زمین پر چل پھر کر دو۔ ہو تمہیں بہت  
 سی چیز نظر آئیں گی۔ تاریخ کے اوراق اور اجڑی بستیوں کے کھنڈرات عبرت  
 کا سامان پیش کر رہے ہیں آپ کو جگہ جگہ ایسے کھنڈے نظر آئیں گے کہ یہاں  
 فلاں قوم آباد تھی مگر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے اُس کے غضب کا شکار  
 ہو گئی۔ عاد یوں اور ثمود یوں کی بستیاں، الہی بستی والوں کے نشانات  
 آشوری، مصری، کلدانی اور بابلی تہذیبوں کے نشانات آپ کو دعوت دے  
 رہے ہیں کہ آکر دیکھو فَاَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ اور دیکھو  
 کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں اور  
 یہ سب لقمہ اجل بن گئے۔



اِنْ تَحَرَّصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ۝ (۳۷) وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۳۸) لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝ (۳۹) إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَا أَن نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (۴۰)

۵۱۱

ترجمہ :- اگر آپ بہت خواہش کریں اِن کی ہدایت کی، پس بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اُن کو جن کو گمراہ کرتا ہے۔ اور نہیں اُن کے لیے کوئی مددگار (۳۷) اور قسمیں اٹھائیں انہوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ نہیں اٹھائے گا اللہ اُن کو جو مرچکے ہیں۔ کیوں نہیں؟ وعدہ ہے اُس کا سچا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۳۸) (اٹھائے گا اُن کو) تاکہ ظاہر کر دے اُن کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک وہ جھوٹے تھے (۳۹) بیشک ہماری بات کسی چیز کے بارے میں، جب

ہم ارادہ کرتے ہیں اس کا تو کہتے ہیں اس کو ہو  
جاؤ، پس وہ ہو جاتی ہے (۴۰)

رابط آیات

مشرکین نے اپنے کفر اور شرک کے جواز میں یہ دلیل قائم کی تھی کہ اگر یہ بڑے  
افعال ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے روکتا کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس  
بیہودہ خیال کا رد فرمایا کہ اللہ کسی کا ہاتھ پکڑے کہ اس کو بُرائی سے نہیں روکتا  
نہ اس سے بُرائی کرنے کی طاقت ہی سلب کر لیتا ہے بلکہ اس نے بُرائی کی  
رکاوٹ کے لیے ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ اس نے ہر امت میں اپنے  
رسول بھیجے جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا  
الطَّاغُوتَ عِبَادَتِ صِرَافِ اللّٰهِ کی کرو، اور طاغوت کی پرستش سے  
بچ جاؤ، گویا اللہ تعالیٰ نے قانون کے ذریعے لوگوں کو شرک سے روک دیا  
اس کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ بعض کو تو ہدایت نصیب  
ہو گئی، انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا اور طاغوت کی پرستش  
سے بچ گئے۔ البتہ جس گروہ نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور کفر و شرک  
پر اڑے رہے، اُن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ذرا زمین میں  
چل پھر کر مشاہدہ کرو، جگہ جگہ اجڑی بتیوں کے کھنڈرات اور تاریخ کے  
اوراق بتائیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کفر و شرک  
کو ترک نہ کیا۔ اُن کا کیا حشر ہوا۔ ان لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب آیا، ان  
کی بتیاں تباہ و برباد ہو گئیں اور اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ وہ اس دنیا  
میں بھی ناکام ہوئے اور آخرت میں بھی وہ نامرد ہی رہیں گے۔

ہدایت  
محرومی

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے ماننے  
والوں کو تسلی دی ہے کہ اگر آج آپ کے مخالفین بھی ضد اور عناد کا مظاہرہ  
کرتے ہوئے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، آپ کو تکالیف پہنچا  
رہے ہیں، حق بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو آپ گھبراہٹیں نہیں۔



ارشاد ہوتا ہے اِنَّ تَحْرِصُ عَلٰی هٰذَا هُمْ اَکْثَرُ  
 آپ بہت طمع کریں اس بات کا کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں، اللہ  
 کے دین کو قبول کر لیں، تو یاد رکھیں فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ  
 یُّضِلُّ تَوْبَتُکَ اللّٰہُ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا جس کو گمراہ کرتا ہے۔ آپ  
 کتنی بھی تمنا کریں کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں مگر جنہیں اللہ نے اُن کی ضد  
 عناد اور مہرٹ دھرمی کی بنیاد پر گمراہ کر دیا ہے۔ وہ راہ راست پر نہیں آ  
 سکتے، لہذا آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور للہج  
 ہو مگر جو کہ اخلاقی بیماری ہے اور یہ چیز ایک مومن آدمی میں پیدا نہیں  
 ہو سکتی چہ جائیکہ یہ چیز اللہ کے نبی کی طرف منسوب کی جائے تو یہاں یہ  
 حرص کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اس مقام پر حرص سے مراد خواہش اور تمنا ہے  
 جو اپنی قوم کی ہدایت کے لیے نبی کے دل میں پیدا ہوتی تھی۔

اللہ کے تمام نبیوں کا یہی حال رہا ہے۔ اپنی قوم کو کفر اور شرک میں  
 غرق دیکھ کر انہیں سخت کوفت ہوتی تھی اور وہ ہر طریقے سے لوگوں کو  
 اس بیماری سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ پھر پوری کوشش کے باوجود  
 جب قوم نہیں ماننے لگتی تھی تو خود ان سے علیحدگی کا اعلان فرما دیتے تھے۔  
 سورۃ الممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں۔ جب آپ  
 اور آپ کے سچے بھائی نے رات کو قوم سے بالکل مایوس ہو گئے۔ "اِذْ  
 قَالُوا لِقَوْمِہُمْ تُوِیْطِیْ قَوْمٌ سَے کہنے لگے "اِنَّا بَیْءُکُمْ وَارِثُکُمْ  
 وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہم تم سے اور تمہارے  
 معبودانِ باطلہ سے متنفر ہیں۔" کَفَرْنَا بِکُمْ ہم تمہارے منکر ہیں۔  
 وَبَدَا بَیِّنَاتٌ وَبَیِّنَاتٌ کُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ  
 اَبَدًا ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی دیوار حائل ہو چکی  
 ہے "حَتّٰی تُوْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ" یہاں تک کہ تم اللہ وحدہ



لاشربک پر ایمان لے آؤ۔ انبیاء علیہم السلام کی تمام تر خواہش اور تمنا کے باوجود کہ سارے لوگ ایمان لے آئیں، اللہ نے سورۃ یوسف میں فرمایا ہے ”وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ“ آپ کتنی بھی خواہش کریں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ہدایت سے محروم ہی رہیں گے۔ آگے اللہ نے اس محرومی کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے ”فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ان کو جن کو گمراہ کر دیتا ہے، اور گمراہ اُسی کو کہتا ہے جو صندی اور عنادی ہوتا۔ اس بات کو اللہ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بیان فرمایا کہ جو شخص ظلم اور فسق پر اڑا رہتا ہے۔ اُس کے دل میں تعصب اور عناد راسخ ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی خراب کر بیٹھتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے دل میں ہدایت کے لیے طلب پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ضرور راہِ راست واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ”وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ“ (النحل) بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ گمراہ نہیں کرتا بلکہ اُن کی اپنی نفرت، ہٹ دھرمی، تعصب اور تکبر انہیں ہدایت سے محروم رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مثال دیکھ لیں ان بد بختوں کو آج تک پتہ نہیں چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں وہ اپنی ضد پر اڑے بیٹھے ہیں اور حضور علیہ السلام کی رسالت سے شدید ترین عداوت رکھتے ہیں۔ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں مگر اپنے آپ پر حق پرستی کا لیل لگا رکھا ہے، کہتے ہیں کہ ہم آسمانی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کو ماننے والے ہیں مگر نہ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم





مقصود تک پہنچا دینا نبی کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت علیؑ کا باب البوطالب جب بستر مرگ پر پڑا تھا تو حضور علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہو رہا تھا کہ آپ کا چچا ایمان سے خالی جا رہا ہے آپ نے ہر چیز کو شش کی کہ وہ مرنے سے قبل کلمہ توحید پڑھ لے مگر اس وقت بھی اس کا تکرار اس کے اڑے آیا اور کہنے لگا کہ اگر اس وقت میں نے کلمہ پڑھ لیا تو لوگ کیا کہیں گے کہ مرتے وقت اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ گیا۔ لہذا میں اپنے بڑوں کے دین پر ہی مروں گا حضور علیہ السلام کی اس انتہائی خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ نَبِي! آپ کسی کو اپنی خواہش پر ہدایت نہیں دے سکتے، ہدایت تو اُسے ملتی ہے جسے اللہ منزل مقصود تک پہنچانا چاہے۔ ”وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ“ (القصص) اور یہ اُسی کے علم میں ہے کہ ہدایت کی استعداد رکھنے والے کون ہیں تو آیت زیر درس میں حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ نبی مومن، یا مبلغ کا کام تو پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ وہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ کسی کے انجام کے متعلق اُن سے نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ اللہ خود ان سے پٹ لے گا اور خود پوچھ لے گا کہ اُس نے صحیح راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ ہاں اگر اللہ کا نبی یا دوسرا مبلغ دین کو پہنچانے میں کوشش نہیں کرے گا تو پھر ذمہ دار ہوگا اور ماخوذ ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ حرص قابل توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور لالچ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز ہمارے پاس آجائے اور ہم زیادہ صاحب مال و آسائش بن جائیں، خواہ دوسرے حق دار اس سے محروم ہی رہ جائیں، ان معافی میں بخل

اچھی اور  
بری حرص



کی طرح حرص بھی نہایت ہی قبیح چیز ہے، تاہم اس مقام پر حرص کا لفظ ان معانی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس سے مراد خواہش اور تمنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خواہش معیوب نہیں اور اگر یہ نیکی کے کام کے لیے ہو تو اچھی چیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مسجد نبوی میں نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی۔ جب حضور علیہ السلام رکوع میں تھے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا اور پھر اسی حالت میں گھسٹتا ہوا جماعت کے ساتھ مل گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا رکوع جماعت سے نہ رہ جائے۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا اِنَّكَ اللّٰهُ حَرَصًا فَلَا تَعُدُّ اللّٰهُ تَعَالٰی اس حرص کو زیادہ کرے، مگر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا، پہلے صف میں شریک ہو جاؤ، پھر تکبیر کہو اور پھر رکوع میں جاؤ۔ جماعت کے ساتھ جتنا حصہ مل جائے شامل ہو جاؤ اور باقی نماز بعد میں ادا کر لو۔ شریعت نے دو رکعت نماز میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی طبعی چال سے چل کر آؤ، اور جتنا حصہ ملے حاصل کر لو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ لوگوں کی ہدایت کے لیے کتنی بھی تمنا کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارا ہونے والوں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔

بعث بعد الموت کا انکار

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے تعصب کی ایک مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ اللہ کے نام کی سخت قسمیں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَمُوتُ کہ جو مر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ کہتے ہیں یہ مسلمانوں کے ڈھکوسلے ہیں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور حساب کتاب ہوگا، یہ سب جھوٹا ہے۔ اس کی شان نزول میں امام ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان نے کسی مشرک سے قرض لینا تھا، وہ اس کے ہاں



پہنچا تو باتوں باتوں میں قیامت کا ذکر بھی آگیا، اس پر شرک قسمیں اٹھا کھمے کہتے لگا کر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان سرکہ مٹی ہو جائے اور پھر دوبارہ زندہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ اللہ نے ایسے ہی لوگوں کی تردید میں فرمایا سبکی کیوں نہیں۔ یہ حریف ایجاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ ضرور مرنے کے بعد اٹھائے گا وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَعَدُ ہے اسکا سچا مگر بات یہ ہے وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ کہ اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں جسکی وجہ بحث بعد الموت کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جب تک انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہ ہو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی ہر حکومت مجرموں کو سزا دیتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ملک میں اندھیر نگری مچ جائے اور جس کی لالچھی اس کی بھینس والا معاملہ ہو جائے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بعض لوگ جرم کا ارتکاب کرنے کے باوجود کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو کسی انفرادی ملک یا حکومت کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر پوری کائنات پر تمام عارضی حکومتوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک حکومت بھی ہے۔ دنیا کی کسی حکومت کا مجرم لامحالہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کا مجرم ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس دنیا کی کسی حکومت یا کسی عدالت کی آنکھوں میں دھول ڈال کر، یا سفارش اور رشوت کی بنا پر سزا سے بچ سکتا ہے، مگر اللہ احکم الحاکمین کی عدالت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ ایک دین آنے والا ہے جس دین اس کا بھی میزانِ عدل قاعم ہوگا، اور اس عدالت میں کسی جرم کی پردہ پوشی نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے تو اللہ نے اس دین کا نام یوم الدین رکھا ہے اس دن ہر ایک کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ نہ کوئی نیکی کو نیکو لا محروم رہے گا اور نہ کوئی مجرم بچ سکے گا اس دین ہر ایک کی پوری پوری دوسری ہوگی اور ہر ایک کو اسکا حق دلایا جائیگا، لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک



ایا دین مقرر کرے جب سب کو اپنے دربار میں حاضر کر کے ہر ایک کے ساتھ انصاف کرے۔ تو اس کام کو پاریہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بعث بعد الموت ضروری ہے، جس کا اللہ نے وعدہ بھی کر رکھا ہے۔

قیامت  
کی ضرورت

فرمایا وقوع قیامت اور بعث بعد الموت اس لیے بھی ضروری ہے  
لَيَبْدِئَنَّ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ نَاكِهِ الْمُرْتَعَاةُ  
لوگوں کے سامنے وہ بات ظاہر کر دے جس میں وہ اختلاف کرنے لگے۔  
وہ لوگ اسی بات میں اختلاف کرتے تھے اور قسمیں اٹھا کر کہتے تھے  
کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، اللہ کا نبی سچ نہیں کہتا اور ہمارے معبود  
بالکل برحق ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے متنازعہ مسائل کو حل کرنے اور ٹھیک  
ٹھیک فیصلہ کرنے کے لیے وقوع قیامت ضروری ہے۔ پھر فرمایا  
قیامت کا آنا اس لیے بھی ضروری ہے وَلَيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
نَاكِهِ كَافِرِجَانِ لَيْسَ، اَنْ يَرَوْا صَاحِبَهُ اَتَهُمْ كَالْفُلِّ كَذِبِينَ  
کہ وہ جھوٹے تھے۔ قیامت برپا کر کے اللہ تعالیٰ عملی طور پر ثابت کر  
دیگا کہ کافر جھوٹے ہیں جو قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ اس مضمون کو  
سورۃ التغابن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کافر لوگ گمان کرتے ہیں  
کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے  
اپنے پیغمبر کو فرمایا قُلْ بَلٰی وَرَجَّۃُۢنَّ اَبۡیۡہٗمۡ دِیۡنِہٖمۡ رَبِّہٖمۡ  
کی قسم کتبعتن تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے ثُمَّ لَتُنَبَّۡیُنَّ  
بِکَاۡعَمَلِہٖمۡ تم پھر تمہاری بتلادیا جائے گا جو عمل تم کرتے تھے۔  
اُس وقت ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائیگا وگرنہ عقل کی بات یہ ہے  
کہ انصاف کا ایک دین ہونا چاہیے جب ہر ایک کو پورا پورا انصاف ملے  
بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ النان  
مجھے جھٹلاتا ہے اور گالی دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ بات ہرگز



مناسب نہیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ کہ گالی دنیا یوں ہے کہ وہ کہتا ہے "قَالُوا  
 اخْتَذَ اللَّهُ وَلَدًا" (الکہف) یعنی اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ  
 کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ مجازی، وہ تو کہتا ہے اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ  
 کہ میں یگانہ اور بے نیاز ہوں، میری نہ بیوی ہے اور نہ بچے۔ جہاں تک  
 عقل کا تعلق ہے، یہ بھی دوبارہ اٹھائے جانے کو تسلیم کرتی ہے یہ کیسے  
 ہو سکتا ہے کہ انسان کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو آسان ہو مگر دوسری دفعہ پیدا  
 کرنا مشکل ہو جائے۔ عقلی انداز سے دیکھا جائے تو پہلی پیدائش زیادہ مشکل  
 تھی جب کہ نہ کوئی مادہ تھا، نہ نمونہ اور نہ آلہ۔ جب ایک دفعہ تخلیق معرض وجود  
 میں آگئی تو اب اس کا اعادہ کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات  
 اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا اس طرح ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ دوبارہ نہیں اٹھایگا  
 حالانکہ میرا یہ بکا وعدہ ہے کہ سب کو دوبارہ اٹھاؤں گا اور پھر حساب کتاب  
 کی منزل بھی آئے گی۔

خدا کا اٹل  
فیصلہ

فرمایا اِنَّمَا قَوْلُكَ لَشَيْءٍ بِشَيْءٍ کسی چیز کے متعلق ہماری  
 بات بالکل فیصلہ کن اور اٹل ہوتی ہے۔ اِذَا آوَدْتُنَا جِبْ، ہم  
 کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں نہ کسی وقت کی ضرورت ہوتی  
 ہے اور نہ مانے اور آلے کی، بلکہ جب بھی ہماری مشیت ہوتی ہے  
 اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ تو ہم اس چیز کو کہتے ہیں، ہو جاؤ گھنیکون  
 پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ ہم کسی بھی کام کو کر گزرنے پر قادر ہیں اور  
 ایسا کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی جس طرح ہم ہر  
 چیز کو کر گزرنے پر قادر ہیں، اسی طرح قیامت برپا کرنے  
 اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہیں، ہمیں کسی قسم کی  
 رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے قیامت  
 بھی برپا کرے گا اور لوگوں کو زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا بھی



کرنے گا۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ  
 زندہ نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان پر ہر چیز ظاہر کرے گا، اور پھر  
 ان کا جھوٹ کھل جائے گا۔

---

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ مَّبَعْدِ مَا ظَلَمُوا  
 لَنَبُوِّنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَا جَزَاءُ الْآخِرَةِ  
 أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا  
 وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ  
 قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسْئَلُوا أَهْلَ  
 الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾  
 بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۖ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ  
 لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے واسطے  
 بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، البتہ ہم ضرور ان کو ٹھکانا دیں گے  
 دنیا میں اچھا۔ اور البتہ آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ  
 جانیں ﴿۴۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر  
 بھروسہ کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے  
 مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے تھے ان کی طرف، پس پوچھو یاد  
 رکھنے والے لوگوں سے اگر تم نہیں جانتے ﴿۴۳﴾ (ہم نے بھیجا  
 ان کو) کھلی نشانیوں اور صحیفوں کے ساتھ۔ اور اتارا آپ  
 کی طرف ذکر تاکہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے لیے وہ



چیز جو اتاری گئی ہے ان کی طرف، اور تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں (۴۲)

ربطِ آیات

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس باطل عقیدے کا رد فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے یعنی وہ ہمیں زبردستی شرک سے روک دیتا، اور اگر نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی پسند کا کام کر رہے ہیں۔ پھر اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجئے کا ذکر کیا، جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت کی پرستش سے اجتناب کریں۔ اس کے بعد اللہ نے نافرمانوں کے انجام کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کتنا عبرتناک انجام ہوا۔

پھر گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بیان فرمایا اور آپ کو خطاب کیا کہ آپ کی شدید خواہش کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی لوگ ہیں جو قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ نہ قیامت آئے گی اور نہ مرنے دوبارہ زندہ ہوں گے، حالانکہ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل برحق ہے۔ قیامت والے دن کافر جان لیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر بھی کیا کہ وہ جب چاہے کسی چیز کو ہو جانے کا حکم دے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر کر کے ان کے اجرِ عظیم کی بات کی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جن اہل ایمان نے ابتدائی دور میں تکالیف اٹھائی تھیں اور پھر ہجرت کی تھی، اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ دنیا میں ان کو اچھا ٹھکانا اور آخرت میں بہتر اجر و ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ وَهُوَ لَوْ**  
جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی، یعنی انہوں نے اپنا گھر بار اور

ہاجرین  
کی حوصلہ افزائی

ہر چیز کسی مالی مفاد یا دیگر مقصد کے حصول کے لیے نہیں بلکہ دین پر عمل درآمد کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے چھوڑی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کرنا مسلمانوں پر فرض تھا۔ اس دور میں مکہ کے اندر اہل ایمان پر مصائب کے پہاڑ توڑے جاسے تھے۔ اپنے دینی شعائر پر کھلے عام عمل درآمد کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لہذا ان حالات میں ان کا مکہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں نے دیر تہہ ہجرت کی، ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ حبشہ کی طرف یکے بعد دیگرے دو جماعتیں گئیں، ایک چھوٹی ٹہتی اور ایک بڑی۔ پھر جب خود حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہنچ گئے تو حبشہ جانے والے لوگ بھی مدینہ آ گئے۔ بعض لوگ کم و بیش چودہ سال تک حبشہ میں مقیم رہے اور جب مدینہ میں مسلمانوں کے پاؤں جم گئے، بدر، احد اور احزاب کے واقعات ہو چکے بلکہ بعض تو خیبر کی لڑائی کے موقع پر حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے۔

ہجرت کے  
وسیع  
معانی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دیکھو! ظاہری ہجرت تو یہ ہے کہ اتان اپنا وطن، گھر بار، کاروبار چھوڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے مگر ہجرت کا ایک باطنی پہلو بھی ہے۔ فرمایا الْمُسْلِمُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دو کلمے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی تعریف بھی فرمائی۔ فرمایا ایمان کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر کی تصدیق کرے۔ اور حقیقی مومن وہ ہے مَنْ آمَنَ بِوَاثِقَةٍ جَارَةٍ جو اپنے پروردگار کو امن و امان میں رکھتا ہے



اور اُسے تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح جہاد کا باطنی معنی یہ بیان کیا وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد حقیقت میں وہ ہے جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا۔ وہ اپنے نفس پر اس طرح کنٹرول کرتا ہے کہ اس پر شیطان کے وساوس اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ بہر حال حضور نے ہاجر کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی کہ جو شخص اللہ کی ممنوعہ چیزوں کے قریب نہیں جاتا، وہی حقیقی ہاجر ہے۔

ہجرت کی  
اقام اور  
مسائل

مفسرین کرام نے ہجرت کی بہت سی اقسام بتائی ہیں۔ پہلی قسم اپنے ایمان اور جان و مال کی حفاظت سے متعلق ہے اور اس کی آگے چھ قسمیں ہیں۔ مثلاً انسان کسی ایسے دار الحکفر میں رہتا ہے۔ جہاں دینی فرائض ادا کرنے پر پابندی ہو تو ایسی صورت میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے تاکہ وہ دارالاسلام میں پہنچ کر اپنے دینی فرائض کی کما حقہ ادائیگی کر سکے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دارالبدعت سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی جگہ مقیم ہے جہاں اہل بدعت کا غلبہ ہے یا صحابہ کو سب و شتم کیا جاتا ہے تو ایک سچے مومن کے لیے وہاں رہنا درست نہیں بلکہ وہاں سے نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ طلب رزق حلال بھی فرائض میں داخل ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی مقام پر رزق حلال میسر آنے کی کوئی صورت نہیں تو اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے۔ جہاں سے حلال رزق میسر آسکتا ہو۔ بعض اوقات جسمانی اذیت سے بچاؤ کے لیے بھی ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے۔ کفار ان کے جانی دشمن بن چکے تھے، لہذا انہیں کہنا پڑا ”اِخْرِجْهُمْ مِّنْهَا جَرًّا اِلٰی دَرِيٍّ“ (العنکبوت) کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوا کہ فرعونؒ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں ”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ“ (التقصص) تو آپ

وحشت کی حالت میں وہاں سے نکل گئے۔

بعض اوقات آب و ہوا کی ناموافقیت کی وجہ سے امراض لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ترک وطن جائز ہوتا ہے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بعض لوگوں کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہونے لگے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو فلاں دیہات میں چلے جانا چاہیئے، جہاں کی آب و ہوا ان کے لیے نسبتاً بہتر ہے اور وہاں انہیں اونٹوں کا دودھ بھی میسر ہو گا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چوری، ڈاکے وغیرہ کا مستقل خطرہ ہو اور حفاظت مال کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ تو ایسی جگہ سے دارالامن کی طرف ہجرت کر جانا جائز ہے۔

یہ تو حفاظتی نقطہ نظر سے ہجرت کی اقامت تھیں، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات طلب اور جستجو کے لیے بھی ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے "فَسَبِّحُوْا فِيْ الْاَرْضِ فَانظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ" (المحل) زمین میں چل پھر کر آثار قدیمہ کو دیکھو اور غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تو اس حکم کی تعمیل میں عبرت حاصل کرنے کے لیے نکلنا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح انسان حج اور عمرے کے لیے نکلتا ہے، یہ فرض اور واجب ہیں داخل ہے جہاد کے لیے ترک وطن فرض ہے۔ بعض اوقات یہ واجب ہوتا ہے اور بعض اوقات مستحب۔ تبلیغ بھی جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہ سفر بھی حالات کے مطابق کبھی فرض عین، کبھی فرض کفایہ، کبھی واجب اور کبھی مستحب ہوتا ہے۔ اسی طرح تجارت کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ سورۃ بقرہ میں "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ" تم پر کوئی



گناہ نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ بعض اوقات حصول علم کے لیے ہجرت کرنا فرض عین ہوتا ہے اور بعض اوقات فرض کفایہ۔ علاوہ ازیں متبرک مقامات منجملہ بیت اللہ شریف، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا کہ وہاں پر عبادت کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، یہ بھی ہجرت میں داخل ہے پھر سرحدوں کی حفاظت یعنی رباط کے لیے ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ یہ بھی بعض اوقات فرض عین اور بعض اوقات فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دوست احباب یا عزیز واقارب کی ملاقات کے لیے وطن چھوڑ کر جانا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔

مہاجرین  
کے لیے  
احبت

فرمایا جنہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی مَنْ تَبِعَ مَا ظَلَمُوا بعد اس کے ان پر ظلم کیا گیا۔ تو ایسے لوگوں کا صلہ یہ ہوگا كَبُورُ نَفْسِهِمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً کہ انہیں ہم دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔ چنانچہ جب مسلمان بے حد تکالیف برداشت کرنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اچھا ٹھکانا عطا کیا۔ اور قلیل عرصہ میں انہیں ہر چیز عطا کر دی، حکومت بھی دی، مال و دولت سے بھی نوازا، مکانات اور کاروبار عطا کیے، عزت بخشی، حتیٰ کہ مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا اور اس طرح مہاجرین کے نقصان اور ان کی جسمانی اور ذہنی تکالیف کا ازالہ ہو گیا۔

فرمایا، یہ تو دنیا میں عطا کیا، وَلَا جُرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت بڑا ہے جو آگے چل کر حاصل ہوگا اور جس کے مقابلے میں پوری دنیا کا ساز و سامان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بہر حال فرمایا کہ ہجرت کی تکالیف برداشت کرنے والوں کو اللہ اچھا بدلہ عطا فرمائے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اس کی تکالیف و مصائب کا ازالہ اس دنیا میں ضرور ہی کر دیا جائے۔ اس بات میں شک نہیں کہ ہجرت کے بعد

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجموعی حیثیت سے بہت کچھ دیار مگر ایسے مسلمان بھی تھے جو ہجرت کے بعد بے سر و سامانی کی حالت میں ہی اس دُنیا سے جلدی رخصت ہو گئے اور انہوں نے خوشحالی کا دور نہ دیکھا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد جو لوگ لمبی مدت تک زندہ رہے انہوں نے بڑے فائدے اٹھائے مگر بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کے غلے کا پورا پھل نہ کھا سکے اور جلدی ہی اللہ کے پیارے ہو گئے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے کہ جن کا پھل دنیا میں بھی پک چکا تھا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اسی لیے مہاجرین کے متعلق حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئیں تو وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی موت کا وقت وہیں آجائے اور ان کی ہجرت نامکمل رہ جائے۔ ایک صحابی قیام مکہ کے دوران اونٹنی سے گھر کر ہلاک ہو گیا، تو حضور علیہ السلام نے بڑے افسوس کا اظہار کیا، اور دعا کی کہ اے اللہ! میرے جن صحابہ نے ہجرت کی ہے، ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو جائے۔ مکہ کی سر زمین میں فوت ہو کر دفن ہونا اگرچہ نیت کے اعتبار سے نہ بھی ہو، مگر پھر بھی ان کے اجر و ثواب میں کمی کا امکان تو ہے۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

إِنَّ شَانَ الْهَاجِرَةِ كَبِيْرٌ هِجْرَتُكَ مَعَالِمٌ بَہْتٌ بَہْتٌ لَہٗ۔ جس کسی نے جتنی زیادہ مکالیف برداشت کیں، اس کے لیے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ہے۔ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ہجرت کے بعد کسی مہاجر کی موت دینے کی بجائے مکہ میں ہو۔ فرمایا آخرت کا اجر تو بہت زیادہ ہے لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو۔

فرمایا، یہ اجر مہاجرین کے لیے ہے الَّذِينَ صَبَرُوا



جنہوں نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور زبان پر صرف شکایت نہ لائے۔ حضرت صہیبؓ ہجرت مکر کے مدینہ جانا چاہتے تھے مگر کافران کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور انہیں مکہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ پھر آپ نے کافروں سے سود بازی کی اور اپنا سارے کا سارا اثاثہ ان کے سپرد کر کے بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ صہیبؓ نے سب کچھ لٹا کر بھی بڑا نفع کما یا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ صہیبؓ وہ شخص ہے **لَوْ كُمْ يَخِيفُ اللَّهُ لَكُمْ يَعْصِ** یعنی اگر اسے اللہ کا خوف نہ بھی ہوتا، تب بھی وہ نافرمانی نہ کرتا، حضرت صہیبؓ اتنے پاکیزہ دل انسان تھے۔ بہر حال مہاجرین نے کفار کے ہاتھوں بڑے دکھ سے بعض کے بچے رکھ لیے گئے اور بعض کی بیویوں کو روک لیا گیا، مگر اسلام کے ان شیدائیوں نے ہر قسم کی مالی، جسمانی اور ذہنی تکالیف برداشت کیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے ہجرت کی اور پھر ان تکالیف پر صبر کیا۔ فرمایا **وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** انہوں نے صبر و سماجی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی کیا۔ اگر اللہ پر بھروسہ نہ ہوتا تو اتنی تکالیف کیسے برداشت کر سکتے۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی قدر دانی کی اور انعامات سے نوازا۔

گزشتہ رکوع میں گنہگار چکے **وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا** یعنی ہم نے ہر امت میں ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو ہماری توحید کی دعوت دے۔ اب آج کی اگلی آیت میں رسول کی ایک خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول صرف مرد ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے کسی عورت کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے **وَمَا**

رسول مرد ہوتے ہیں





تقلید کی  
ضرورت

اس حصہ آیت سے مفسرین نے یہ بات بھی اخذ کی ہے کہ اس آخری امرت میں مسائل دینیہ سے ناواقف لوگوں کو اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان سے مسئلہ پوچھ کر اُس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ تقلید اسی بات کا نام ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کر کے عمل پیرا ہوں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ اہل علم پر مکمل اعتماد کر کے ان کی بات کو بلا دلیل تسلیم کر لیا جائے۔ جو چیزیں قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور ہیں ان پر تو من و عن عمل کرنا ہی ضروری ہے اور وہاں کسی تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ جن مسائل کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت موجود نہ ہو، ان کو معلوم کرنا ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ وہ تو مجتہد حضرات ہی کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے غیر معمولی استعداد اور صلاحیت عطا فرمائی ہے اسی طرح بعض چیزوں میں تعارض پایا جاتا ہے اور اُس کو دور کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ یہ بھی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔ غرضیکہ ایسے مسائل میں کسی مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہی تقلید کہلاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے اس قسم کی تقلید وجوب کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وہ خود ایسے مسائل کے حل کی استعداد نہیں رکھتے، اور بعض اوقات بڑے بڑے صاحب علم لوگ بھی بعض مسائل کے حل کرنے میں عاجز آجاتے ہیں۔ وہ کسی تعارض کو دور نہیں کر سکتے یا کسی مسئلے میں استنباط سے عاجز آجاتے ہیں۔ مثلاً امام رازی، امام غزالی، امام شاہ ولی اللہ وغیرہم قرآن و سنت کو بخوبی جاننے کے باوجود فروعات میں آئمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ کہتے تھے کہ ہم بھی قرآن و سنت کو جانتے ہیں مگر جو کچھ ائمہ سلف جانتے تھے، ہماری رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ اجتہاد کر سکتے تھے، ہماری وہ طاقت نہیں۔ چنانچہ یہ بزرگ بھی ائمہ سلف پر اعتماد کرتے تھے۔ امام شاہ ولی اللہ

حنفی مسلک رکھتے تھے۔ جب کہ امام رازیؒ اور امام غزالیؒ شافعی تھے اسی طرح امام ابن تیمیہؒ حافظ الحدیث ہونے کے باوجود امام احمد کے مقلد تھے۔ غرضیکہ یہ تقلید بری نہیں ہے بلکہ جس اندھی تقلید کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے، وہ منشر کا نہ تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے خلاف ہو اور مقلد بن محض آباؤ اجداد کی رسم کے طور پر اسے سینے سے لگائے ہوئے ہوں اور اس کے مقابلے میں صریح حکم بھی ٹھکرا دیں۔ ایسی تقلید حرام ہے۔

فقہی اختلاف  
کی حیثیت

اس وقت جو فقہی اختلاف حنفی، مالکی، شافعی، ظاہری وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ فرقہ داریت کی زمر میں آتے ہیں۔ یہ تو محض فہم و دلیل کی بات ہوتی ہے جسے مناظر مہتمم کے لوگ خواہ مخواہ طول دیکر ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ فروعی اختلاف کی مثال حرمت سود کے متعلق دی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سود کی حرمت، قرآن پاک سے ثابت ہے مگر حضور علیہ السلام نے اس ضمن میں صرف چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی کوئی چیز سود میں آتی ہے یا نہیں۔ پھر ائمہ کرام اس بات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ سود کی حرمت مذکورہ چھ چیزوں کی ذات تک محدود ہے یا یہ حرمت ان میں موجود کسی علت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اب اگر وجہ حرمت علت ہے تو اس کی تلاش کی جائیگی۔ اب علت کی جستجو میں چاروں آئمہ کا آپس میں اختلاف ہے، کسی نے کسی چیز کو علت قرار دیا ہے اور کسی نے کسی چیز کو، مگر سود کی حرمت کے متعلق سارے متفق ہیں اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ سود کیوں حرام ہے اور ایسا اختلاف ہرگز معیوب نہیں۔ اس معاملہ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج نہیں بونا چاہیے۔ کوئی



شخص اپنے مسئلہ کو بیشک ترجیح دے مگر دوسرے کو غلط نہ کہے اور نہ ہمارے دور کی طرح پہلے مناظرہ بازی اور پھر فتویٰ بازی کرے۔ جب کسی معاملہ میں اجتہاد کیا جائے گا تو وہاں اختلاف کا پیدا ہونا فطری بات ہے، تاہم عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک امام کا اتباع کر لیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بیماری کی حالت میں کوئی مریض شہر کے مختلف ڈاکٹروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیتا ہے کہ وہ اس کا بہتر طور پر علاج کر سکتا ہے۔ اگرچہ شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر اسباب کی دنیا میں طبیعت کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ اب اگر کوئی مریض ایک ڈاکٹر پر قناعت کرنے کی بجائے وقفہ وقفہ سے مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرائے گا۔ تو اس سے مرض پر منفی اثرات پڑنے کا بھی خطرہ ہوگا، لہذا مریض کو کسی ایک ڈاکٹر پر ہی اکتفا کرنا بہتر ہوگا۔ بالکل ہی حال تنقید کا ہے کہ کسی ایک امام کے انتخاب پر قانع ہو جائے اور پھر فروعیات میں اس کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے۔

فرمایا، ہم نے آپ سے پہلے بھی سردوں کو رسول بنا کر پھسجا بِالْبَيِّنَاتِ کھلی نشانیوں کے ساتھ یعنی ہم نے ان رسولوں کو احکام اور معجزات عطا فرمائے وَالَّذِينَ اور عیجفے یعنی چھوٹی کتابیں بھی عطا فرمائیں۔ صحیفہ چھوٹی کتاب کو کہا جاتا ہے تاہم اللہ نے چار بڑی کتابیں بھی اپنے منتخب رسولوں کو عطا کیں اور پھر سب کے آخر میں وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ اے نبی آخر الزمان ! آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا۔ ذکر کا معنی نصیحت ہے اور یہ قرآن پاک کا ایک نام بھی ہے۔ ظاہر ہے قرآن پاک سے بڑھ کر کون سی نصیحت ہو سکتی ہے تو فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک کو نازل فرمایا لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ چیز بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ نبی کی زبان سے قرآن پاک کی

تبیین و تشریح بھی ضروری ہے۔

تشریح  
بذریعہ سنت

اس امرتِ آخر الزمان کے لیے قرآنِ کریم کو اساسی قانون کی حیثیت حاصل ہے جب کہ سنت اس کی تبیین ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان اور اس کے عمل سے جس چیز کو ظاہر کیا ہے، وہ سنت ہے بعض گمراہ فرقے نبی کو محض ڈاکے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے کہ نبی اللہ کا پیغام پہنچا کر پھر لا تعلق ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ قرآن کی تشریح و تبیین بھی نبی کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ”پس صحیح حدیث شرح ہے قرآن کی“ امام شافعیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح حدیث قرآن کی شرح ہیں، البتہ غلط اور موضوع احادیث ناقابلِ عمل ہیں جنہیں محدثین عظام نے چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرا مسلک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تشریح کے لیے میں رب سے پہلے قرآن کو دیکھتا ہوں کیونکہ بعض چیزوں کی تشریح خود قرآن پاک کرتا ہے۔ اگر ایک مقام پر کسی بات میں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل مل جاتی ہے۔ اگر کوئی چیز قرآن پاک سے نہ ملے تو پھر میں سنتِ ثابتہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہاں سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہاں بھی کوئی چیز ثابت نہ ہو تو پھر صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھتا ہوں کیونکہ قرآن کے اولین متعلمین اور عاملین علیہ یہی لوگ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، تو میں اس کو اختیار کر لیتا ہوں اور اگر ان میں اختلاف ہو تو پھر میں از خود ترجیح دیتا ہوں، اور زیادہ راجح چیز کو اپنا لیتا ہوں۔ یہ تین چیزیں مسلم الاصول ہیں۔ صحابہؓ کے بعد ہم کسی کی پروا نہیں کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں کہ اسی میں خیریت ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بھی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں: **فَالسُّنَّةُ تَفْسِيرُ الْقُرْآنِ وَتَبَيِّنُهُ** یعنی سنت ہی قرآن کی تفسیر کرتی ہے اور اس کو



بیان کرتی ہے۔ جو لوگ سنت کا انکار کرتے ہیں، وہ قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ ان کا انکار سنت محض اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ قرآن پاک کی من مانی تفسیر کر سکیں۔ چنانچہ پروینہ کہتا ہے کہ جو نماز ہم ادا کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو۔ اس کے مطابق جب پروینیوں کی حکومت قائم ہوگی اور پھر وہ نماز کا طریقہ وضع کریں گے تو اس کے مطابق نماز درست ہوگی۔ ہماری موجودہ نماز بیکار محض ہے (نحوذ باللہ) حالانکہ تمام سلف و صالحین ائمہ کرام، بزرگان دین، محدثین، مفسرین وغیرہم اسی نماز پر اتفاق کرتے اور پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ نماز اسلام کے فرض الرجبہ میں سے اہم فرض ہے جس کے ارکان میں کسی کو اختلاف نہیں مگر منکرین سنت کے نزدیک یہ نماز ایک رسم سے زیادہ کچھ نہیں۔

فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک نازل فرما کر آپ کو تشریح کا حکم بھی دے دیا ہے۔ اب یہ لوگوں کا فرض ہے وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ کہ اس کلام الہی میں غور و فکر کریں کہ جن احکام الہی کی اللہ کے نبی نے تفصیل بیان کر دی ہے، اس پر کس طریقے سے عمل کرنا ہے قرآن میں غور و فکر کی دعوت خود قرآن پاک نے متعدد مقامات پر دی ہے، اب یہ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر کس حد تک عمل درآمد کرتے ہیں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ  
 بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ  
 لَا يَشْعُرُونَ ۚ (۴۵) أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي  
 فَنَائِهِمْ بِمُعْجِزِينَ ۚ (۴۶) أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى  
 تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۚ (۴۷) أَوَلَمْ  
 يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُوا  
 ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ  
 وَهُمْ ذَاخِرُونَ ۚ (۴۸) وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
 وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ  
 لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۚ (۴۹) يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ  
 ذَرْعًا وَإِنْ يَأْمُرُوكَ فَلَا كَافٍ مِنْهُ إِلَّا أُولَئِكَ  
 الَّذِينَ هُمْ يُرْسِلُونَ ۚ (۵۰)

ترجمہ :- کیا نہ ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کمانی ہیں برائی

کہ اللہ تعالیٰ دھنا دے ان کو زمین میں ۔ یا آئے ان کے پاس

عذاب جہاں سے ان کو پتہ بھی نہ ہو (۴۵) یا پکڑ لے ان کو

چلنے پھرنے میں ۔ پس نہیں وہ عاجز کرنے والے (۴۶) یا پکڑ

ان کو خوف کے بعد پس بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت

نرمی کرنے والا اور مہربان ہے (۴۷) کیا ان لوگوں نے نہیں



دیکھا کہ اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں اُن کا سایہ ڈھلتا ہے  
(مائل ہوتا ہے) دائیں طرف اور بائیں طرف سجدہ کرتے ہوئے  
اللہ کے سامنے، اور وہ عاجز ہوتے ہیں (۴۸) اور اللہ ہی  
کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو  
زمین میں ہیں جاندار اور فرشتے، اور وہ تکبر نہیں کرتے (۴۹)  
خوف کھاتے ہیں اپنے پروردگار کا اوپر سے، اور کرتے  
ہیں وہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے (۵۰)

ربط آیات

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا اور پھر گزشتہ  
درس میں اُن مومن مہاجرین کی حوصلہ افزائی فرمائی جن پر بڑے مظالم ڈھائے گئے مگر  
انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر کے دامن کو نہ چھوڑا۔  
اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا میسر آئے گا اور آخرت کا اجر تو  
بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسالت کے سابقہ بیان کے تسلسل  
میں فرمایا کہ ہر قوم میں مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اگر منکرین توحید و رسالت کو اس  
بارے میں کوئی شک و تردید ہے تو وہ تاریخی واقعات کو یاد رکھنے والوں سے  
تصدیق کر لیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اللہ نے اپنے رسولوں کو  
کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے دے کر بھیجا، اور پھر آخر میں حضور علیہ السلام پر ذکر  
یعنی قرآن نازل فرمایا۔ آپ کو اس بات کا پابند کیا کہ آپ اس قرآن پاک کی تشریح  
و تبیین کا کام بھی انجام دیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فریضہ بطریق  
احسن انجام دیا۔ اور یہی ”سنت“ ہے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو بھی  
حکم دیا کہ وہ اس قرآن پاک میں غور و فکر کریں تاکہ صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں۔

منکرین کیلئے  
سخت وعید

اب آج کے درس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین و شران و  
ورسالت کو اُن کی ریشہ دوانیوں پر سخت تنبیہ فرمائی ہے اور بعض سزاؤں کا ذکر

کر کے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا الشَّيْءَ کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں۔ أَمِنَ کا معنی امن میں ہو جانا، نڈر یا بے خوف ہو جانا ہے۔ فرمایا جو لوگ براہیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انبیاء کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اللہ کے پروگرام کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، اُس کی توحید کی مخالفت کرتے ہیں، انبیاء کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اور اہل ایمان کو ان کے دین سے روکنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ اللہ کے عذاب سے بالکل بے خوف ہو چکے ہیں؟ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وہ مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں یہ لوگ گرفتار ہو سکتے ہیں۔

فرمایا اللہ کے عذاب کی پہلی صورت یہ ہے أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے۔ ان لوگوں کو کچھ احساس نہیں کہ خدا کی پیدا کردہ جس زمین پر یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں اور کاروبار کرتے ہیں اللہ چاہے تو اسی زمین میں ان کو غرق کر دے، اس قسم کی مثال دنیا میں پہلے ہی قائم ہو چکی ہے جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو مع اس کے مال و دولت اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا۔ اس قسم کے واقعات ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نہایت غرور و تکبر کی حالت میں پل پر سے گزر رہا تھا، اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی اور وہ متکبرانہ چال سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں اُسے زمین کے اندر دھنسا دیا۔ یہ شخص تب سے زمین میں دھنسا چلا جا رہا ہے اور اس کا قدم اُس وقت کہیں ٹکے گا جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ نے اس کے تکبر کی اتنی سخت سزا دی۔ ۱۹۴۹ء میں اخبارات میں پڑھا تھا کہ مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی ایک بستی میں بچے سکول میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران سارا سکول زمین کے اندر دھنس گیا۔

۱۱  
زمین میں  
دھنس جانا



۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا، زمین میں بڑی بڑی دراڑیں  
 پڑ گئی تھیں اور اس حادثے میں تین لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ ابھی  
 پندرہ بیس سال کا عرصہ گزرا ساحلی کنارے پر آباد بارہ ہزار کی آبادی بدلتہ کا  
 یہ پر فضا شہر پورے کا پورا تباہ ہو گیا تھا۔ ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ کوئی چیز  
 باقی نہ بچی۔

(۳۱)  
 بیرونی ذرائع  
 سے عذاب

اللہ نے عذاب کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْتِيهِمُ  
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ یا ان پر ایسی جگہ سے  
 عذاب لے آئے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہو۔ بعض اقوام کو ایسے ذرائع  
 سے بھی سزا ملتی رہی ہے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ مثال کے  
 طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں مکے والوں پر میدان بدر میں جو آفت آئی، وہ  
 اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ مکے سے سامان ضرب حرب  
 سے لبس ایک ہزار فوج لے کر نکلے تھے، کھانے پینے اور رنگ و سرود  
 کے تمام سامان موجود تھے، وہ ایک ہی جست میں مسلمانوں کو ختم کر دینا  
 چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مٹھی بھر  
 بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ ستر  
 مارے گئے جن میں بڑے بڑے امہ کفر تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ اسی  
 لیے اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے  
 پاس ایسی جگہ سے عذاب لے آئے جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو۔

(۳۱)  
 چلتے پھرتے  
 گرفت

سزا کی تیسری شکل اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْخُذْهُمْ  
فِي تَفَكُّبِهِمْ یا ان کو چلتے پھرتے کے وقت ہی پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ  
 قادر مطلق ہے، وہ جب چاہے اپنی مخلوق کی گرفت کر لے۔ کوئی آسمانی  
 آفت نازل ہو جائے، حادثہ پیش آجائے یا کوئی طوفان باد و باران آجائے  
 اور یہ چشم زدن میں ماخوذ ہو جائیں ایسے لوگوں کو اپنی فکر کرنی چاہیے کہ

خدا تعالیٰ ان کی گرفتِ اُن کے بستر پر بھی کر سکتا ہے اور چلتے پھرتے، کاروبار کرتے، جشن مناتے یا لہو و لعب میں مصروف ہونے کی صورت میں بھی وہ گرفت کرنے پر قادر ہے، لہذا انہیں اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں وہ اللہ کی گرفت کو ٹال نہیں سکیں گے۔

چوتھی صورت عذاب کی یہ بیان فرمائی أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَالِي تَخَوُّفٍ یا انہیں خوف دلانے کے بعد پکڑ لے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دوسری قوم یا فرد کو مبتلائے بلا دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے اور پھر آخر میں خود خوف زدگان کی باری بھی آجاتی ہے اور وہ بھی عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۴)  
عذاب بعد  
از خوف

اکثر مفسرین "تخوف" کا معنی خوف دلانا ہی کرتے ہیں مگر حضرت عمرؓ کو اس لفظ کے صحیح معانی کے تعین میں تردد تھا۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، لوگو! مجھے بتلاؤ کہ تخوف کا کیا معنی ہے؟ بعض نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اس کا معنی تنقص یعنی کسی چیز کو کم کر دینا یا گھٹا دینا ہے۔ آپ نے فرمایا، کیا تم اس کا ثبوت عربوں کے کسی کلام سے پیش کر سکتے ہو۔ تو ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہاں قبیلہ ہذیل کے عمر ربیعہ شاعر البوہسیر نے یہ شعر کہا ہے۔

تَخَوُّفٌ رَحِلُ مِنْهَا تَامِكًا قَرَحًا  
كَمَا تَخَوُّفٌ عُوْدًا تَبْعَةُ السَّفَنِ

کجاوے نے اس اونٹنی کے مضبوط کوہان کو اس طرح گھٹا دیا ہے جس طرح کمان کی لکڑی کو ریتی گھٹا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دورانِ سفر بھول پیاس کی وجہ سے بار برداری کا جالور کمزور ہو جاتا ہے۔ اونٹ



کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دس دس بیس بیس دن تک بھوک پیاس کی شدت برداشت کر سکتا ہے۔ جب، اونٹ کی خوردہ غذا ختم ہو جاتی ہے تو اس کے جسم کی چربی پھیل پھیل کر غذا بنتی رہتی ہے جسکی وجہ سے اس کی کوہان کمزور ہو کر کم ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس شعر میں تحوف کو گھٹانے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

زمانہ جاہلیت  
کے اشعار

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا عَلَیْکُمْ لَیْلُ یَوَاقِیْہِمْ تَمَّیْنِے دیوان کو لازم کچھ طو۔ لوگوں نے دریافت کیا، حضرت! ہمارا دیوان کونسا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں، ان کو سیکھا کرو، اور پڑھا کرو فَإِنْ فِیْہِ تَفْسِیْرٌ لِّکِتَابِکُمْ وَمَعَانِیْ کَلَامِکُمْ کہ اس سے تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی سمجھ میں آتے ہیں۔ چنانچہ عربی شعر کا قدیم کلام اب بھی درسوں میں پڑھا جاتا ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، تفسیر معارف القرآن لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار پڑھنا جائز ہے اگرچہ ان میں بد اخلاقی، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد کا ذکر ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ کلام الہی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ قرآن پاک اس وقت کی ترقی یافتہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا بعض عربی الفاظ کے معانی سمجھنے میں بھی دقت آتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی لفظ کا مادہ کیا ہے اور عربی محاورے میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے اور پھر اس کا معنی کیا بنتا ہے، چنانچہ اس پر علمائے کرام اور مفسرین نے کتابیں لکھی ہیں۔

فرمایا، یاد رکھو اَفَاتٌ رَّبَّکُمْ لَکُمْ وَفَتْ رَحِیْمٌ بِشَکِّمَہَا پروردگار بڑا نرم اور مہربان ہے۔ اس کی شفقت کا تقاضا ہے کہ وہ بعض اوقات مجرموں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور امہال و تدریج سے کام لیتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے اِنَّ قَبْطِشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ

(البروج) بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ جب وہ کسی کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ یہ اللہ نے منافقین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ انہیں اس بات سے خوف کھانا چاہیے کہ کسی نہ کسی صورت میں ان پر خدا تعالیٰ کی گرفت نہ آجائے۔

آگے پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور معبودیت کی طرف توجہ دلائی ہے أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ كَمَا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیزیں پیدا کی ہیں يَتَفَتَّوْنَ ظِلُّهُ عَرْشَ الْعَرْشِ وَالشَّمَاكِلِ مُسْجِدًا لِلَّهِ ان کے سائے ڈھل جاتے ہیں دائیں اور بائیں طرف اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے۔ وَهُمْ ذُرِّيَّتُكَ اور وہ عاجز ہوتے ہیں۔

سائے کا  
سجدہ

ہم روزمرہ زندگی میں پہاڑوں، درختوں، ٹیلوں اور عمارات کے سایوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ دن کے پہلے حصے میں تمام چیزوں کے سائے گھٹتے رہتے ہیں۔ دوپہر کو ایک خاص بج پر پہنچ کر رک جاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت جب سورج سر پر آتا ہے تو ہر چیز کا سایہ ٹھہر جاتا ہے۔ اور جب دن ڈھلتا ہے تو سایہ جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ جاتا ہے۔ ان سایوں کی سجدہ ریزی بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی پہلے قیام کرتا ہے، پھر رکوع میں جاتا ہے اور پھر سجدہ میں گہر پڑتا ہے اسی طرح ہر ایستادہ چیز پہاڑ، درخت، عمارت وغیرہ اپنے سایوں کے ذریعے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ سایہ کسی ملک میں کسی موسم میں دائیں طرف جھکتا ہے اور کہیں بائیں طرف۔

ہماری آخری شریعت میں اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ روا نہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی۔ عبادت کا سجدہ تو قطعی حرام



اور کفر سے خواہ وہ کسی کے سامنے بھی کیا جائے۔ البتہ سجدہ تعظیمی جو بادشاہوں یا دیگر بڑے لوگوں کے سامنے کیا جائے، وہ حرام ہے مگر کفر نہیں ہوتا۔

ہر چیز  
سجدہ ریز  
ہے

اس کے بعد اختیاری اور غیر اختیاری دونوں قسم کے سجدے کے متعلق فرمایا وَلِلّٰهِ كِسْفٌ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ زمین میں مِنْ ذٰلِكَ چلنے پھرنے والے جاندار ہیں، اور آسمان پر وَالْمَلَائِكَةُ فرشتے ہیں۔ البتہ انسانوں کے متعلق دو کمر مقام پر فرمایا ہے کہ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ اپنے اختیار اور رضا و رغبت سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے جب کہ دوسرا نافرمانوں اور کافروں کا گروہ ہے جو تکبر کرتا ہے اور سجدہ نہیں کرتا۔ باقی تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے سامنے منقاد ہیں۔ وہ سب عاجزی کرنے والی ہیں۔ جانور، پرند، بیمار وغیرہ سب اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وَقُلْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ اور وہ تکبر نہیں کرتے بلکہ عاجزی کرتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ مغرور لوگوں کے لیے زمین پر سر رکھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے غرور کا سر نیچا ہوتا ہے اور انہیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ انسان کی بڑائی اپنے پروردگار کے سامنے تواضع، اجابت اور خضوع و خضوع کے اظہار میں ہی ہے۔ ملائکہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فرشتوں کی وجہ سے اَطَلَتِ السَّمٰوٰتُ آسمان چہرہ پر آتا ہے۔ جس طرح نیا کجاوہ جانور پر رکھا جائے تو وہ چہرہ پر آتا ہے، اسی طرح آسمان بھی چہرہ پر آتا ہے کیونکہ آسمان پر ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو یا کسی دوسری عبادت میں مصروف نہ ہو۔ تو فرمایا کہ نہ تو جانور تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی فرشتے بلکہ وہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فرشتوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا يَخَافُونَ رَبَّهُمْ وہ اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں مِنْ فَوْقِهِمْ اپنے اوپر سے کہ کہیں خدا تعالیٰ کی گرفت نہ آجائے وَكَيْفَ عَلَوْنَ مَا يُؤْمَرُونَ اور کہتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ فرشتے اللہ کے حکم سے سر مو سترابی نہیں کرتے۔ اسی طرح جائز اور دوسری چیزیں بھی اپنے طبعی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ صرف انسان اور جنات ہیں جو مکلف مخلوق ہیں، انہی میں سے بعض لوگ تکبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل سے گریز کرتے ہیں۔

سجدہ کی مختلف قسمیں ہیں جیسے سجدہ عبادت (نماز) سجدہ شکر اور سجدہ تلاوت ہے۔ سجدہ تلاوت وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس آیت کے اختتام پر بھی پڑھنے اور سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں پہنچ کر سجدہ کرنا لازم آتا ہے۔ اگر کوئی آیت سجدہ پڑھتے یا سنتے وقت سجدہ کرنے کی حالت میں ہے یعنی با وضو ہے تو فوراً سجدہ کرے، وگرنہ طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ کرے کیونکہ طہارت سجدہ کے لیے شرط ہے۔



النحل ۱۶

آیت ۵۱ تا ۵۶

ربما ۱۴

درس دوازدہم ۱۲

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا  
هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِنِّي آتِي فَارْهَبُونِ ۚ (۵۱) وَلَهُ مَا فِي  
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصْبِرْ ۖ أَفَغَيْرَ  
اللَّهِ تَتَّقُونَ ۚ (۵۲) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ  
اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْرُونَ ۚ (۵۳)  
ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ  
بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۚ (۵۴) لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ  
فَتَمْتَعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ (۵۵) وَيَجْعَلُونَ لِمَا  
لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۚ تَاللَّهِ لَتَسْلَنَّ  
عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ۚ (۵۶)

ترجمہ :- اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ بناؤ دو معبود ۔ بیشک

وہ ایک ہی معبود ہے ۔ پس خاص مجھ سے ہی ڈرو (۵۱)

اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین

میں ، اور اُسی کے لیے ہے اطاعت دائی ۔ کیا تم اللہ

کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو (۵۲) اور جو کچھ تمہارے

پاس نعمت ہے ۔ پس وہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ پھر

جب تم کو پہنچتی ہے تکلیف تو اُسی کے سامنے چلا تے

ہو (۵۳) پھر جب وہ دُور کر دیتا ہے تم سے تکلیف کو  
 تو اچانک ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک  
 کرنے والا ہوتا ہے (۵۴) تاکہ (نتیجہ یہ ہو) یہ ناشکری کریں  
 اس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے۔ پس فائدہ  
 اٹھاؤ، پس عنقریب تم جان لو گے (۵۵) اور پھڑپھڑاتے ہیں یہ  
 لوگ اس کے لیے کہ جس کو نہیں جانتے، حصہ ۱۰ اُس میں سے  
 جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے۔ اللہ کی قسم تم سے ضرور  
 سوال کیا جائے گا ان باتوں کے بارے میں جو تم افتراء کیا  
 کرتے تھے (۵۶)

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء کا ذکر فرما کر مشرکین کے  
 اعتراضات کا مکت جواب دیا۔ ہر نبی نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی "اِن  
 اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ" یعنی صرف اللہ کی عبادت کرو اور  
 طاغوت کی پرستش سے بچ جاؤ۔ پھر اللہ نے مختلف طریقوں سے توحید کے  
 دلائل سمجھائے۔ اور آخر میں فرمایا کہ کائنات میں خدا کی پیدا کردہ تمام چیزیں جو جسم کھتی  
 ہیں۔ اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتی ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایستادہ چیز  
 کے سامنے زمین پر سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا آسمانوں کی ہر مخلوق خواہ وہ فرشتے ہوں یا جانور  
 سب اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف صرف  
 انسانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو اکر دکھاتا ہے اور اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے  
 گریز کرتا ہے۔ اب آج کی آیات میں بھی اللہ نے توحید پر مضبوطی سے جھمکنے کی  
 تلقین کی ہے۔ اور شرک کی بعض صورتوں کا رد فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا الْاٰهٰلِيْنَ اٰنۡسٰیۡنَ  
 اللہ نے فرمایا دو معبود مت بناؤ۔ جملہ مشرکین میں سے مجوسیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے

عقیدہ  
 اثنیت



جو دو معبودوں کا قائل ہے۔ اس باطل عقیدہ کا ذکر سورۃ النعام کی ابتدا میں بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ یہ لوگ کہتے ہیں کہ روشنی یا نیکی کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جبکہ تاریکی یا برائی کا پیدا کنندہ دوسرا خدا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہاں پر اس باطل عقیدے کا رد فرمایا تھا کہ اندھیروں اور روشنی کا خالق خدا ہے واحد ہے۔ نہ کوئی یزدان ہے اور نہ اہرمن بلکہ اللہ ہی واحد لا شریک ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اب آج کے درس میں بھی اسی قسم کے شرک کی تہ دید فرمائی ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ یہاں پر اِلٰہَیْنِ کا معنی دو معبود ہیں اور آگے پھر اِثْنِیْنِ کی تاکید بھی فرمادی ہے کہ اللہ کی وحدانیت کے مقابلے میں اثنیت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے اِنَّمَا هُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وہ تو ایک ہی معبودِ برحق ہے اور اسی نے فرمایا فَاِیَّایَ قَارِعُونَ کہ صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ میرے علاوہ نہ کوئی نفع نقصان کا مالک ہے اور نہ کوئی کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے اور باقی ساری اس کی مخلوق ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کو اللہ کے درجے پر پہنچا دینا تو بغاوت اور سخت ظلم ہے۔ غرضیکہ اس آیت کریمہ میں اللہ نے دو خداؤں والے عقیدہ کی تہ دید فرمائی ہے۔

عقیدہ  
ثلیث

عقیدہ اثنیت کے علاوہ عقیدہ ثلیث والے اس وقت اربوں کی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں۔ عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ جس کی تردید سورۃ مائدہ میں آچھی ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ تحقیق ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں تیسرا ہے۔ یہ لوگ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا مانتے ہیں۔ باپ سے مراد اللہ تعالیٰ، بیٹے سے مراد مسیح علیہ السلام اور روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ایک عقیدے کے لحاظ سے باپ، بیٹا اور



مریم تین خدا بنتے ہیں مگر اللہ نے وہاں پر اس عقیدے کی سختی سے نفی فرمائی  
ہندوؤں میں آریہ سماجی مسلمانوں کے عقیدہ توحید سے کسی قدر متاثر ہوئے  
اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سنانن دھرمی تو غلط ہیں جو کہ وڑوں معبودوں کو مانتے  
ہیں کیونکہ یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہے، مگر وہ خود بھی تثلیث ہیں اگرچہ چھپس  
گئے۔ عیسائیوں کی طرح انہوں نے بھی تین خدا بنائے ایک پر ماتا (خدا) دوسرا  
روح اور تیسرا مادہ۔ انہوں نے ان تینوں کو قدیم تسلیم کیا۔ بخاری شریف کی  
روایت میں آتا ہے **كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ**  
یعنی ابتدا میں صرف خدا تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کے ساتھ دوسری کوئی  
چیز نہیں تھی، نہ روح تھی اور نہ مادہ۔ یہ مخلوق ہے جسے خدا نے اپنی صفت  
اور تجلی سے ظاہر کیا۔ اُس وقت نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ جن اور نہ انسان۔ صرف  
اللہ کی ذات اور اُس کے ساتھ اس کی صفات تھیں، اس کے علاوہ کوئی  
چیز نہیں تھی، تو آریہ سماجیوں نے روح اور مادہ کو قدیم کیسے تسلیم کر لیا۔ ہندوؤں  
کے لاکھوں کہ وڑوں معبودوں کا انکار کرنے کے باوجود بھی یہ لوگ عقیدہ تثلیث  
کی بناء پر مشرک کے مشرک ہی ہے۔

کہ وڑوں  
معبود

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہندوؤں کی ایک کثیر آبادی لاکھوں اور کہ وڑوں  
دیوتاؤں کو مانتی ہے۔ پرانے مصریوں میں بھی شرک کی بیشمار قسمیں رائج تھیں۔  
حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کی مشرکوں  
نے پوجانہ کی ہو۔ گوہر کے پجاری آج بھی موجود ہیں جو اسے پوئے سمجھ کر اس  
کی پوجا کرتے ہیں۔ ناگ پچھی والے سانپ کی پرستش کرتے ہیں۔ بلی کو  
معبود مانتے والے مشرک بھی دنیا میں موجود ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے تو  
بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے پجاری بابلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
دور کے کلدانی بھی تھے۔ پھر حقیر کے دیوتاؤں کو ماننے والوں کی بھی  
کمی نہیں۔ حتیٰ کہ شولنگ کے پجاری بھی ہیں جو آلہ تناسل کو پوجتے ہیں۔



یہ شرک کی مختلف قسمیں ہیں، جبکہ اللہ نے فرمایا کہ معبود تو صرف ایک اللہ ہے۔ خالق صرف وہ ہے، باقی سب مخلوق ہے۔ وہی قادر مطلق، علیم کل، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے۔ فرمایا جب وہ ایک ہی خدا ہے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شرک یا نہ بناؤ اور خالص اُسی سے ڈرو۔

دائمی اطاعت

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُسی اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ ہر چیز خالق (سید النش کے لحاظ سے) ملک (ملکیت کے لحاظ سے) اور تصرف (تصرف کے لحاظ سے) اُسی مالک الملک کی ہے۔ ہر شے کا خالق، مالک اور مدبہ وہی ہے۔ سورۃ آلہ سجده میں ہے يُذَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ الْحَاقِ الْاَرْضِ خطیرۃ القدس کی بندگیوں سے لے کر زمین تک اور تحت الشریٰ تک تدبیر کرنے والا وہی ہے۔ وہ کلی اختیار کا مالک ہے، اس کا کوئی نائب نہیں جو کسی کی حاجت روائی کرتا ہو وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اور اُسی کے لیے ہے دائمی اطاعت و اصب کا معنی دائم اور لازم ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الصافات میں شیاطین کے متعلق فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ یعنی ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ دائمی اطاعت بھی اُسی وعدہ لا شرک کی ہے۔ ملائکہ ہوں یا ارض و سما کی تمام چیزیں، انکو یہی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ عقل کے دائرے میں رہ کر انسانوں میں سے بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (الحج) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر منرا ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ توحید کو تسلیم کرنے کے باوجود شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا اَفَفِيْنِ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ جن کو تم نے خدا کا شرک



بنا رکھا ہے۔ اُن سے خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ حالانکہ نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ نہ اُن کے پاس تصرف ہے اور نہ وہ سب چیزوں کا علم ہی رکھتے ہیں۔ مجبلاً اُن سے تم کیوں خوف کھاتے ہو؟

فرمایا وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ تَهَارُ بِهَا جُوهَرٌ  
نعمت ہے فَمِنْ اللَّهِ وَهُوَ اللَّهُ هِيَ کی طرف سے ہے۔ نعمت حسی  
ہو یا معنوی، مادی ہو یا روحانی، ظاہری ہو یا باطنی، سب اُسی کی طرف سے ہے  
سورۃ لقمان میں ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے  
آسمان و زمین کی ہر چیز مسخر کر دی ہے "وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ  
ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تم پر کامل بنایا ہے  
اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر لاتعداد نعمتیں رکھی ہیں مگر انسان کسی ایک نعمت  
کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بیرونی انعامات کا بھی کوئی شمار نہیں اللہ  
نے انسان کو وجود دیا۔ صحت، تندرستی اور عمر دی، اولاد، زمین و مکان، تجارت،  
سرکاری، عزت، اقتدار اور سوسائٹی میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔ یہ سب کچھ منجانب اللہ  
ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کا کوئی حصہ نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے  
پاس موجود ہر نعمت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔

فرمایا ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ مِمَّ حَبِ تَمَّيْنٰ كُوْنِي تَكْلِيْفٌ  
پہنچتی ہے فَاَلَيْهِ تَجَرُّوْنَ تو تم اُسی کے سامنے چلا تے  
ہو، اور رو کر دعائیں کرتے ہو۔ جب مریض کے سر ہانے کھڑے سارے  
ڈاکٹر عاجز آجاتے ہیں۔ کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو پھر لامحالہ انسان خدا تعالیٰ  
ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مولا کریم! ظاہری اسباب تو ختم ہو چکے ہیں  
اب تو ہی شفا دے سکتا ہے۔ مگر دیکھو! ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ  
عَنكُمْ حِيْنَ وَقَّتْ خَدَاتَعَالٰی قَم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اِذَا فَرَّقَ  
مِّنْكُمْ بَرِيْئًا مِّمَّنْ يُشْرِكُوْنَ تو اچانک تم میں سے ایک

العلماء  
الطبيب

مصیبت  
میں رجوع  
الٰہی اللہ



گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کر کے لگتا ہے۔ جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو پھر وہی غیر اللہ کی نذر و نیاز شروع ہو جاتی ہے اور انسان اپنی خیالات میں گم ہو جاتا ہے جن میں تکلیف آنے سے پہلے ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف آئی ہی نہیں، اس نے خدا تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں اور نہ اسے خدا نے کسی مصیبت سے رٹائی دی ہے۔ مطلب یہ کہ مطلب نکل جانے کے بعد لوگ پھر وہی شرکیہ رسوم ادا کرنے لگتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احسانات کو بھول جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ کہ جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس کی نافرمانی ہوگی۔ اللہ نے عقل، صحت، علم، مال و دولت سب کچھ دیا مگر اس کا نتیجہ نافرمانی کی صورت میں تو نہیں نکلتا چاہیے تھا۔ انسان کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے تمام نعمتیں عطا کیں۔ پھر تکلیف کو دور کیا مگر انسان نے پھر اسی کے ساتھ شرک کرکھڑا کر اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ فرمایا فَتَحْتَبِعُوا ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ مگر کب تک؟ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔

شرکاء کا حصہ

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ وَيَحْبِلُونَ لِئَمَّا لَا يَعْلَمُونَ نصیباً ممّا رزقناهم ہماری دی ہوئی رزق میں سے ایسی چیزوں کے لیے حصہ بھڑاتے ہیں جن کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں نہ کوئی تحقیق ہے، نہ سند ہے اور نہ دلیل مگر مختلف اشیاء میں سے اُن کے نام کا حصہ ضرور نکالتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ النعام میں بھی بیان ہو چکا ہے وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَتْ الْأَرْضُ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا کہ انہوں نے کھیتی کی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا تقدر کر رکھا ہے فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَّائِنَا اور پھر بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے



شرکاد کا ہے۔ اس طرح وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے اُن کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ گائے بھینس کا دودھ تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر شرک لوگ اسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں کے نام پر دیتے ہیں۔ بکرا یا دنبہ بھی خدا تعالیٰ کا پیہ اکرمہ ہے۔ وہ داتا صاحب کی نیاز کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے یہ تو اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غیر اللہ کا حصہ نکلنے والی بات ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے مشرکانہ عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے۔

نذر غیر اللہ

نذر غیر اللہ کی کئی مثالیں روزمرہ مشاہدے میں آتی ہیں۔ ایک دفعہ ہوائی اڈے سے تانگے پر سوار ہوئے۔ ایک پہلوان صاحب نے ایک موٹا تازہ دنبہ بھی تانگے میں سوار کرایا۔ گوہر الزوالہ کی طرف آتے ہوئے میں نے پوچھا کہ قربانی کا موسم تو نہیں ہے، پھر یہ دنبہ کہاں لے جا رہے ہو، کہنے لگے یہ داتا صاحب کی نیاز ہے۔ میں نے کہا، اللہ کے بندے! اللہ کی نیاز کہو۔ کہنے لگے، اللہ کیا اور داتا کیا، ایک ہی بات ہے۔ بعض لوگ شرک میں اتنے پختہ ہوتے ہیں۔ مسعود سالار غازی کے نام کی گائے تو ہندوستان میں مشہور ہے۔ شیخ سدھو کا بکرا بھی دیا جاتا ہے۔ دہلی وائے بی بی کی صحنک دیتے ہیں۔ ایک بڑے کھلے برتن میں کھانا رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے صرف عورتیں ہی کھائیں گی، مرد نہیں کھا سکتے، اور عورتوں میں بھی دو خصمی عورت (دوسرے نکاح والی) نہیں کھا سکتی۔ امام جعفر کے کوندے بھی تیار کیے جاتے ہیں جنہیں صرف چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے اس قسم کی نذر غیر اللہ مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے دی جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خود ہی اسے مشکل بنا دیا جاتا ہے حیدر آباد دکن کے ایک بزرگ نے جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ اُن کی قبر پر لوگ درخواستیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے خود وہاں درخواستوں کا اتنا انبار دیکھا کہ جس سے پورا شکر بھر جائے۔ شاید لوگ



سمجھتے ہیں کہ اُس بزرگ نے وہاں کلک مقرر کر رکھے ہیں جو لوگوں کی درخواستیں ان کے پاس پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگ قبر پر قرآن خوانی کرتے ہیں کہ بزرگ خوش ہو کہ ہمارا مقصد پورا کر دے گا۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے، ان پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ وہاں کی خاک کو منہ اور آنکھوں پر ملا جاتا ہے، کوئی قبر کو چوم رہا ہے۔ کوئی وہاں ناک رگڑ رہا ہے اور کوئی اس پر سر رکھے ہوئے ہے بعض لوگ قبروں سے پتھر، کنکر وغیرہ اٹھا کر لے جاتے ہیں کہ ان سے شفا پائی جاتی ہے۔ صوبہ سرحد میں قبروں پر جھنڈے لہرانے کا عام رواج ہے جن پر بڑی مقدار میں کپڑا لگایا جاتا ہے حالانکہ یہی کپڑا کسی غریب کے تن ڈھانپنے کے کام آسکتا ہے۔ یہ سب خدا کی عطا کردہ چیزوں میں سے غیروں کا حصہ مقرر کرنے کی مثالیں ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ مشرک لوگ یہ سب شرکیہ باتیں کرتے ہیں۔ مگر انہیں یہ بھی علم نہیں کہ یہ رسم کیوں ادا کی جاتی ہے اور اس کا موجب کون ہے۔ مگر یاد رکھو! تَاللّٰہُ اللّٰہ کی قسم۔ اللہ نے خود اپنی قسم اٹھا کر فرمایا ہے لَتَسْئَلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَحُونَ کہ جو کچھ تم افشاء کرتے ہو، اس کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا۔ قیامت والے دن تمہیں جواب دینا ہو گا کہ یہ شرکیہ رسم تم نے کہاں سے نکالی اور تمہارے پاس اس کی کیا دلیل تھی۔ کیا کسی اہم نے یا بزرگ نے کہا تھا کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی نیاز دیا کرو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی ساری کاروائیاں افشاء کے زمرے میں آتی ہیں اور انہیں ایصالِ ثواب یا صدقہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو غیروں کی نیازی ہے جنہیں نافع اور ضار سمجھ کر دی جاتی ہے فوٹ شراکان کے لیے صدقہ خیرات اور استغفار کہنا تو جائز ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ثواب مرنے والوں کو پہنچائے اور یہ ملتِ ابراہیمی کا مسلمہ اصول ہے۔ مگر نذر و نیاز کی مروجہ شکلیں مشرک ہیں

لازمی باز  
پس

یاد بحث۔ ایسی چیزوں کے حق میں شریعت کا حکم موجود نہیں۔ فرمایا اس  
 بارے میں قیامت کے دن تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔

---



وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَدَنَ سُبْحَنَهُ وَلَهُمْ مَا  
 يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ  
 وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ  
 مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ  
 يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾  
 لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلَّهِ  
 الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

۶۰ تا ۵۹

ترجمہ :- اور ٹھہرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں، پاک  
 ہے اس کی ذات، اور اپنے لیے وہ کچھ جو وہ چاہتے ہیں ﴿۵۷﴾  
 اور جب خوشخبری دی جائے اُن میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا  
 ہے اُس کا چہرہ سیاہ اور وہ غم میں بھرا ہوا ہوتا ہے ﴿۵۸﴾  
 چھپتا ہے قوم سے اس بری خبر کی وجہ سے (اور خیال  
 کرتا ہے کہ) روک رکھے اس کو ذلت پر، یا داب دے اس  
 کو مٹی میں - سنو! بُرا ہے وہ جو یہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾  
 اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، یہ بری مثال  
 ہے اور اللہ کی مثال بلند ہے، اور وہ زبردست اور حکمت  
 کا مالک ہے ﴿۶۰﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دو خدا ماننے والے مجوسیوں یاثنوی فرقے ربط آیات

والے مشرکوں کا رد فرمایا۔ پھر مطلق شرک کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی کہ وہ اپنی کمائی میں سے غیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا نعمتیں تو ساری کی ساری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تو اس میں سے دوسروں کا حصہ نکالنے کا کیا مطلب؟ تکلیف تو اللہ تعالیٰ دور کرتا ہے مگر نذر و نیاز اختیار کی دی جاتی ہے۔ فرمایا یہ لوگ اس چند روزہ زندگی سے فائدہ اٹھالیں، آگے چل کر انہیں پتہ چل جائے گا۔ جو یہ افتراء کیا کرتے تھے اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی ایک اور قسم کا رد فرمایا ہے فرمایا وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ اور مٹھراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں۔ پھر ان کو دیویاں مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور حاجت لے کر اور مشکل کشا مانتے ہیں۔ دیویوں کا تصور عربوں کے علاوہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا تھا۔ مثلاً ہندوؤں میں کلکتے والی کالی دیوی مشہور ہے جس کے نام پر کلکتہ میں مندر بھی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر انانوں، خاص طور پر چھوٹے بچوں کو کالی دیوی کی بھینٹ (قربانی) چڑھایا جاتا ہے تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ لوگوں پر قہر کا باعث نہ بنے۔ اسی طرح یونانی زہرہ ستارے کو دیوی مانتے تھے، اور اس کے نام پر مندر بھی بنا رکھا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔

بِعْتَابِ زُفَرٍ قَادُورَتَانِ

ذِي الْخَنَازِيرِ وَذِي لِسَتِي الْهَوَلِ

یعنی زہرہ دیوی کی دہلیز پر قسمت کی دو شیشیاں رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک بوتل میں خیر ہے اور دوسری میں شر ہے۔ گویا یہ دیوی خیر و شر کی مالک ہے۔ پرانے آشوریوں میں بھی اس قسم کا تصور پایا جاتا تھا۔ عرب کے بعض قبائل بنو خزاعہ وغیرہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور کہتے تھے، کہ بخنیاں (مادہ جن) ان کی مائیں ہیں۔ اسی باطل عقیدے کے متعلق اللہ نے سورۃ الصفات میں فرمایا ہے وَجَعَلُوا لِحَبِيئِهِ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ

خدا کے  
لیے بیٹیاں



نَسَبًا اِنَّ بَدَنَجَتُوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قائم کر رکھی ہے۔ گویا جنات خدا تعالیٰ کے کسراں ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔

فرمایا، دیکھو! یہ کتنا باطل عقیدہ ہے۔ حقیقت میں مُسَبَّبَاتُ خدا تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرنا نہایت ہی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان رفیع کے بالکل خلاف ہے کہ اس کی کوئی بیوی اور اولاد ہو۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیوں کا تصور رکھتے ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ اور اپنے لیے وہ کچھ چاہتے ہیں جو انہیں پسند ہے۔ یعنی خدا کی بیٹیوں کے مقابلے میں اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں جو کہ لیے بھی عقل کے خلاف ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے "آپچہ بد خود نہ پسندی بد دیگر نہ پسندی" یعنی جو چیز خود پسند نہیں کرتے، وہ دوسروں کے لیے کیسے گوارا کرتے ہو؟

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بعض عرب قبائل کے اس غم و غصہ کا ذکر کیا ہے جس کا اظہار وہ اپنی بیٹی کی پیدائش پر کیا کرتے تھے۔ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى اَوْ رَجَبٍ اَنَّهُمْ بِبُیْطِیْ کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ یعنی کسی شخص کے گھر بیٹی پیدا ہوتی اور اس بات کی اطلاع اُسے دورانِ مجلس دی جاتی، تو پھر اُس کی حالت یہ ہوتی ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا۔ یہ خبر اس پڑ بھلی بن کر گرتی کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے وَهُوَ كَظِیْمٍ اور وہ غم سے نڈھال ہو جاتا۔ اللہ نے فرمایا کہ بیٹی کی پیدائش پر ان مشرکین کی یہ حالت ہو جاتی ہے مگر انہی بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں ذرا شرم نہیں کھاتے۔ اور پھر وہ اپنی اس بدنامی کے منہ عموماً دلخ کو دھونے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ فرمایا يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ پھر وہ اس بُری خبر کی وجہ سے

پڑ بھلی بن کر گرتی ہے

قوم سے چھپتا پھرتا ہے، کسی کو اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتا کہ لوگ کہیں گے اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے اس شرم کے بارے میں وہ اپنی بستی اور گھر بار بھی چھوڑ بیٹھتے۔ چنانچہ امام جاحظ نے ”البيان والتبيين“ میں ایک عورت کے چند اشعار لکھے ہیں۔ جن میں اسی قبیلہ صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ بچی کی پیدائش پر جب اس کا خاوند گھر بار ہی چھوڑ بیٹھتا ہے، تو وہ اسے اس طرح خطاب کرتی ہے۔

مَا لَاقِبُ هَمْزَةٍ لَا يَأْتِيكَ  
يَبِيتُ فِي بَيْتِ الَّتِي تَلِينَا  
اے ابوہمزہ! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ہمارے پاس نہیں  
آتا بلکہ پڑوسیوں کے گھر میں رہتا ہے۔  
عَضْبَاتِ إِلَّا نِلْدَ الْبَنِينَا  
تَاللّٰهِ مَا ذَاكَ بِأَيْدِيكَ  
تو اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بچے نہیں جنٹیں  
حالانکہ خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے  
نَحْنُ كَزَرْعٍ لِّمَا  
فَدُ زَرْعُوا فِيْنَا  
ہم عورتیں تو کھیتی کی مثال ہیں کہ جیسا بیج پڑتا  
ہے ویسی ہی پیداوار ہوتی ہے۔

وہ بد نصیب جو بیٹی کی پیدائش پر پریشان ہو جاتا ہے، اس سے  
گلو خلاصی کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتا ہے۔ اپنے دل میں سوچتا  
ہے اَيُّ مَسْكَةٍ عَلَيَّ هُوَ؟ کیا میں ذلت برداشت  
کرتے ہوئے بیٹی کو روک رکھوں اَمْ يَكْدُسُهُ فِي الْقُرَابِ  
یا بیٹی میں داب دوں۔ وہ بے وقوف لوگ بیٹی کو اس لیے باعثِ ذلت

بیٹی سے  
گلو خلاصی



سمجھتے تھے کہ بڑی ہوگی تو اس کی شادی ہوگی اور پھر لوگ کہیں گے کہ یہ فلاں کا داماد ہے وہ یہ نہیں سوچنا کہ وہ بھی تو کسی عورت ہی کا جنا ہوا ہے اگر عورت نہ ہوتی تو اس کی اپنی پیدائش کب ممکن ہوتی۔ وہ لوگ محض خود خستہ جاہلانہ غیرت کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے فرمایا اَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ دیکھو یہ کتنا بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ بہر حال سارے عرب بچیوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ چند قبائل بنو خزاعہ، بنی کنانہ، بنو تمیم تھے جو عام طور پر بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب بچی چھٹے سال میں پہنچتی تو اس کو خوب نہلا دیتے اور نئے کپڑے پہنا کر باہر جنگل میں لے جاتے اور پھر اس مقصد کے لیے پہلے سے کھودے گئے گڑھے میں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دیتے بعض بد بخت پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیتے یا کسی پہاڑی سے نیچے گرا دیتے بہر حال نو مولود بچیوں کا یہ قتل عربوں میں رائج تھا۔ اس کی شگینی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ التکویر میں کیا ہے وَإِذَا لَمْ يَمُوءْ دَمٌ سِئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ "قیامت والے دن زندہ درگور ہونے والی بچی سے پوچھا جائے گا بتا، تجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ ان بے نصیبوں کو اس وقت پتہ چلے گا۔ جب انہیں اس ظلم کا ازالہ کرنا پڑے گا۔

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت قیسؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، بہت پریشان رہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میں جاہلیت کے دور میں آٹھ بچیوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ میں کتنے بڑے ظلم کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام پہلے سے کئے گئے گناہوں کو مہدم کر دیتا ہے۔ اب تمہارے گناہوں کا کام یہ ہے کہ تمہیں

سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو۔ نیز ہر زندہ درگور کردہ بچی کے عوض ایک غلام آزاد کرو۔ اس شخص نے عرض کیا، حضور! میرے پاس غلام نہیں ہیں جو آزاد کر سکوں، البتہ میرے پاس جانور ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر بچی کے بدلے ایک اونٹ ہدیہ کرو، شاید کہ بارگاہِ رب العزت میں کچھ کفارہ بن جائے۔ تاہم عام قانون یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کردہ گناہوں پر گرفت نہیں ہوگی۔

امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جب سے اسلام لایا ہوں۔ سخت پریشانی میں مبتلا ہوں حتیٰ کہ راتوں کی نیند بھی اچاٹ ہو گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں میرے ہاں بچی پیدا ہوتی جس کا میں نے بہت بُرا منایا، تاہم میں نے اُس کو زندہ رہنے دیا۔ پھر جب وہ چھٹے سال میں داخل ہوئی تو میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے ہلاؤ، اچھے کپڑے پہناؤ۔ سرمہ لگاؤ اور خوب زینت کا سامان کرو۔ پھر جب وہ تیار ہو گئی تو میں نے کمر جنگل کی طرف چل دیا۔ میں اسے ایک گہرے گڑھے پر لے گیا جو میں نے اس مقصد کے لیے پہلے ہی کھود رکھا تھا۔ میں نے بچی سے کہا کہ ذرا اس کنوئیں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جو بچی اُس نے ادھر توجہ کی میں نے پیچھے سے دھکائے کر اُسے کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ بڑی چیخی چلائی اور ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی، مگر میں نے اوپر سے مٹی ڈال کر اُسے زندہ گاڑھ دیا۔ مجھے یہ حرکت بہت پریشان کر رہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں کے متعلق اب سوائے استغفار کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا، یا پھر صدقہ خیرات کرو۔ غلام آزاد کرو یا جانوروں کی ہدیہ پیش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور ہو۔

حضرت علیؑ کے زمانہ میں عرب کے دو مشہور شاعر فرزدق اور جریر





بچپوں کے نکاح میں جہیز کا مسئلہ دردمسربنا ہوا ہے۔ والدین جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بچپوں کا نکاح نہیں کر سکتے اور اسی انتظار میں بچپوں کو روک لیا جاتا ہے۔ بعض والدین بچپوں کو خالی ہاتھ رخصت کرنے میں اپنی انا کاٹلہ بنا لیتے ہیں اور اب بعض لڑکے والے لمبے چوڑے جہیز کا مطالبہ کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے کتنی ہی لڑکیوں کی عمر برباد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے تاکہ بچے بچپوں کے نکاح سنت کے مطابق سادگی سے انجام پائیں اور لوگوں کو جہیز کی لعنت سے نجات حاصل ہو جائے۔

عورت کو ذلیل اور حقیر سمجھنا سخت جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے جنسی تفریق پیدا کر دی ہے کسی کو مرد بنایا ہے اور کسی کو عورت۔ کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو محض عورت ہونے کی بنا پر حقیر سمجھے۔ کسی کو لڑکا دے یا لڑکی، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تاہم عورت نصف انسانیت ہے۔ متمدن دنیا میں عورت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مرد کی۔ اگر مرد کو اللہ نے عورت پر فوقیت عطا فرمائی ہے تو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ عورت کو ذلیل سمجھے۔ اللہ نے عورت کے لیے بھی خاص احکام مقرر فرمائے ہیں اور اس کو خاص فرائض سونپے ہیں۔ قانون کی نظر میں وہ بھی مرد کی طرح باعزت ہے۔ اس کو بھی آرام و راحت کی ضرورت ہے جس طرح مرد کو۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے عورت اور مرد دونوں کی ضرورت ہے، لہذا بچی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوش ہونا چاہیے جس طرح بچے کی ولادت پر۔

عورت نصف  
انسانیت ہے

فرمایا، لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ  
جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری مثال ہے جو وہ حقیر و ذلیل



کام کرتے ہیں وَاللّٰهُ الْمَشْكُلُ الْاَعْلٰی اور اللہ ہی کی مثال بلند و برتر ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، نہ اُس کی بیوی ہے نہ بچے، وہ غنی، صمد اور بے نیاز ہے وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وہ کمال قدرت اور حکمت کا مالک ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیئے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں محض انا باطل عقیدہ ہے۔ ان آیات میں اللہ نے مشرکوں کا ذہنی پس منظر بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا  
 مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ  
 مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ  
 سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا  
 يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ أَنَّ  
 لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۚ لَا جُرْمَ إِنَّ لَهُمُ السَّارَ  
 وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ  
 أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ  
 فَهُوَ وَلِيُّهُمْ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾  
 وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ  
 الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ  
 يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَأَ  
 بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً  
 لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ :- اور اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرتا لوگوں سے اُن کے  
 ظلم کی وجہ تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے



والا - لیکن اللہ مہلت دیتا ہے ان کو مقررہ وقت تک۔  
 پس جب آجائیکا اُن کا مقررہ وقت تو نہیں پیچھے ہوں گے  
 ایک گھڑی بھر (اس سے) اور نہ آگے (۶۱) اور بھڑکتے ہیں  
 یہ لوگ اللہ کے لیے وہ چیز جس کو یہ خود ناپسند سمجھتے  
 ہیں۔ اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے  
 لیے بھلائی ہے۔ ضرور بر ضرور بیشک ان کے لیے (نورخ)  
 کی آگ ہے۔ اور وہ آگے بڑھائے گئے ہیں (۶۲) اللہ کی  
 قسم بیشک ہم نے بھیجا امتوں کی طرف آپ سے پہلے  
 رسولوں کو۔ پس مژین کیا اُن کے لیے شیطان نے اُن  
 کے (غلط) اعمال کو۔ پس وہی آج کے دن اُن کا رفیق  
 ہے۔ اور اِلے لوگوں کے لیے عذاب الیم ہے (۶۳)  
 اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس لیے  
 تاکہ آپ بیان کریں ان کے لیے وہ چیز جس میں وہ  
 اختلاف کرتے ہیں۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے  
 اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۶۴) اور اللہ  
 کی ذات وہ ہے جس نے اتارا آسمان کی طرف سے  
 پانی۔ پس زندہ کیا اُس کے ساتھ زمین کو اس کے خشک  
 ہونے کے بعد۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے  
 اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں (۶۵)

ربطِ آیات

گزشتہ رکوع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید بیان فرمائے اور دو  
 ٹوک الفاظ میں فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ بلکہ معبود بحق تو صرف ایک ہی ہے پھر اللہ  
 نے مشرکوں کی مختلف کارگزاریوں کا ذکر فرمایا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ





اور کفر کے متعلق بھی فرمایا **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ** (البقرہ) کافر ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ تو گویا اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرنا چاہے تو ادنیٰ سے ادنیٰ یا بڑے سے بڑے گناہ پر کر سکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روئے زمین پر نہ کوئی انسان نظر آئے اور نہ چرند، پتہ بند اور کیڑے مکوڑے، اللہ سب کو ہی ملیا میٹ کر دے مگر یہ چیز اس کے قانون اہمال و تدریج کے خلاف ہے وہ لباً اوقات دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے۔ **سَنَسُودْ رُجُومَ مِثْنِ حَيْثُ لَا يَكْفُرُونَ** (القلم) وہ ایسے ذرائع سے مہلت دیتا ہے جو لوگوں کے دھم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور پھر جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ کا فیصلہ آ جاتا ہے۔ جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے کسی شخص نے اس بات کا ذکر کیا کہ ظالم آدمی صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ ظلم کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ فرمایا **إِنَّ الْخَبَاثَةَ يَمُوتُ هَذَا مِنْكَ الظُّلْمُ** یعنی جنگلی مرغ (سرخاب) ظلم کی وجہ سے اپنے گھونسلے میں لاغر ہو کر مر جاتا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ کیڑا اپنی بل میں ظلم کی وجہ سے مر جاتا ہے، گویا ظلم کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے۔ بخاری، مسلم اور مؤطا امام مالکؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی ظالم، فاسق اور مجرم آدمی سر جاتا ہے تو جانور، درخت حتیٰ کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے کہ وہ ظالم کی نحوست سے چھوڑ گئی۔ ظلم بہر حال برا ہے خواہ وہ عقیدے میں کفر و شرک کی شکل میں ہو یا اعمال میں جو روح خدا کی صورت میں۔

مقررہ وقت  
تک مہلت

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ظالموں کا مواخذہ کرتا تو فوراً پکڑ لیتا مگر اس کا قانون یہ ہے **وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى**



بلکہ وہ لوگوں کو مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد، ہر قوم، ہر سنی اور ہر ملک کے لیے اپنی حکمت کے مطابق ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ پھر جب مہلت گزرنے کے بعد مقررہ وقت آجاتا ہے لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ تو پھر وہ ایک گھڑی بھر بھی نہ اس وقت سے پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے بلکہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ کا حکم آجاتا ہے اور وہ لوگ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا عام قانون ہے کہ وہ مہلت دینا رہتا ہے مگر بعض اوقات وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جلدی بھی گرفت کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کی مثالیں کسی کو دخل کی مجال نہیں۔

فرمایا، دیکھو! ان لوگوں کی حالت یہ ہے۔ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكُونُ هَوًىٰ اور ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز جس کو خود ناپسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے لیے تو بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ خود تو اپنی ملکیت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہراتے ہیں اپنے حق میں ذرا بھر بھی کوتاہی یا استخفاف کو پسند نہیں کرتے مگر اللہ کے فرشتوں اور بندوں کی گستاخی کرتے ہیں اور خود رب العزت کی بارگاہ میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فرمایا ان تمام زیادتیوں کے باوجود وَقَصِفُ السُّدُورُ الْكُذِبُ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں۔ أَنَّهُنَّ الْحُسْنَىٰ کہ محض انہی کا ہو گا۔ اپنی تمام تر خدایوں، ناقربانیوں اور کفر و شرک کے باوجود ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جلالی انہی کا حق ہے جو ضرور انہیں حاصل ہو گا۔ مشرک لوگ تو صاف کہتے تھے کہ اول تو قیامت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت واقع ہو گئی تو وہاں پر

برائی سے  
جھلائی کی  
توقع



بھی ہیں ہی کامیابی حاصل ہوگی، ہماری کسی سہولت میں کمی نہیں آئے گی۔ فرمایا یہ لوگ کیسی جھوٹی بات کر رہے ہیں۔ عقیدے کی ہر نجاست میں ملوث ہیں اور اعمال میں ہر بدکرداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں مگر توقع اچھائی کی کر رہے ہیں۔

دوزخ کی آگ

فرمایا حقیقت یہ ہے لَا جَزَمَ اَنْتَ لَهُمُ النَّارَ اِنْ كَيْلَے تَوْصِرُورٌ بِصُرُورٍ دُوزَخِ كِي اَگ ہے۔ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ اور بیشک وہ آگے بڑھائے گئے ہیں۔ یعنی دوزخ کی آگ پر پیش کئے گئے ہیں۔ یہاں پر مَفْرَطُونَ را کی زیر کے ساتھ مفعول کا صیغہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ آگے بڑھائے گئے ہیں۔ اور اگر مَفْرَطُونَ را کی زیر کے ساتھ ہو تو یہ فاعل کا صیغہ بنتا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ یہ لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ یہ لوگ، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ فرط کا معنی فراموش کر دینا بھی ہوتا ہے۔ اگر ان معافی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ناہنجاروں کو دوزخ میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔ فرط کا معنی پیش رو بھی آتا ہے۔ جیسے حضور کا فرمان ہے اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا، یعنی میں تم سے پہلے وہاں موجود ہوں گا۔ قبرستان میں جا کر کی جانے والی دعا جو حضور علیہ السلام نے سکھائی ہے، اس میں یہ الفاظ آتے ہیں اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ تَمَّ هَارِے پَش رُو هُوَ اِنَّا بِكُمْ لَاحِقُونَ اور ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی ہماری غلطیاں معاف فرمائے۔ بہر حال فرمایا کہ یہ لوگ عجلائی کی توقع رکھتے ہیں جب کہ یہ دوزخیوں کے پیش رو ہوں گے یا انہیں دوزخ کی طرف آگے بڑھایا جائے گا۔

ترجمہ اعلیٰ

آگے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمایا ہے قَالَ اللّٰهُ لَقَدْ اَرْسَلْنَا



الْحَاقُّ اُمُّ سِرٍّ قَبْلَكَ الْمُرِّ الْقِسْمُ، بیشک ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو مختلف قوموں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے لوگوں کو انداز رکھ کر قَزَیْن لَہُمْ الشَّیْطَانُ اَعْمَالُہُمْ شَیْطَانُ نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا۔ تمام انبیاء کے دور میں یہی کچھ ہوا کہ شیطان نے کفر، شرک، بدعت اور معاصی والے اعمال کو بصورت کر کے دکھائے، اُن کی خوبیاں بیان کیں اور کہا کہ ایسا کرنے میں ہی عزت اور اجر و ثواب ہے، تو لوگ شیطان کے پیچھے لگ گئے اور خدا کے احکام کی نافرمانی کرتے رہے اللہ نے فرمایا فَہُوَ وَلِیُّہُمْ الْیَوْمَ اور آج بھی شیطان ہی اُن کا دوست، رفیق اور ساتھی ہے اور وہ انہیں ہر بُرے چیز میں گمراہ کر کے دکھا رہا ہے۔ آج بھی لوگ اُسی کے جال میں پھنس کر رسولوں کی بات کا انکار کر رہے ہیں اور رسوماتِ باطلہ پر کار بند ہیں۔

فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہے وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کہ آخرت میں اُن کے لیے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ اللہ نے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں اور اب انہیں عذر پیش کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سب کچھ سمجھا دیا، مگر یہ خود عذاب کے مستحق بن رہے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَہُمْ الَّذِی اَخْتَلَفُوا فِیْہِ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس لیے تاکہ آپ کھول کر بیان کر دیں وہ چیز جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت اور معاد میں اختلاف کرتے ہیں، آپ کی بات کو تسلیم نہیں کرتے لہذا آپ انہیں اچھی طرح سمجھا دیں نبی کے یہ فرائض میں داخل ہے کہ وہ کتاب الہی کی مراد کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے تاکہ کسی کوئی اشتباہ باقی نہ رہے مختلف

بتدین کتاب  
کافر لیبہ



قسم کے حوادث، مہجریات اور حالات انسان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے بعض کامدار انسانی عقل پر رکھا ہے اور بعض چیزوں کو اہل علم کے سپرد کیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح وضاحت کر دیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی سب سے زیادہ علم عطا کرتا ہے اس لیے یہ ان کے فرض منصبی میں داخل ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ اللہ نے سورۃ ہود کی ابتداء میں فرمایا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی آیات کو محکم کیا گیا ہے "ثُمَّ فَصَّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَرْكِيْمٍ خَبِيْرٍ" پھر خدا نے حکیم و خیر کی طرف سے وضاحت ہے۔ قرآن پاک میں اساسی تعلیم ہے۔ اللہ نے تمام مطلوبہ اصول مہیا کر دیے ہیں جن کی توضیح اللہ کا نبی اپنے قول اور عمل کے ذریعے کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ عقیدے میں اختلاف نہ کرنے ہوں یا اعمال میں، ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔

اسی وضاحت کے ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ لوگ! میری بات کو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو "كُلُّكُمْ رُكُوعٌ عَلٰی كَوْمِ نَعْمَةٍ" (یونس) پھر تمہارے معاملے میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہنی چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو تو ان کی قوم نے صاف صاف کہہ دیا "قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ" (ہود) اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، حالانکہ اللہ کے نبی نے ہر چیز کی وضاحت کر دی تھی اور وہ لوگ محض اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کی بات کو قبول نہیں کرتے تھے قرآن پاک سے متعلق نبی آخر الزمان کی تمام تعلیم و تشریح آپ کی سنت اور احادیث کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ بعض کھراہ فرقی چمڑا لوی اور پرہیزی وغیرہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے قرآن میں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ان سے

کوئی پوچھے کہ جس تبیین کا ذکر اللہ نے بار بار کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے قرآن پاک کے الفاظ کی تشریح حضور علیہ السلام کی سنت میں ہے۔ تمام صحیح احادیث قرآن پاک کی تشریح ہیں۔ پوری امت کے سلف سے لیکر خلف تک اس پر عمل کرتے آئے ہیں لوگوں میں کوتاہیاں ضرور پیدا ہوئی ہیں مگر وہ سنت تو محفوظ ہے جس پر اللہ کا نبی، خلفائے راشدین اور آپ کے متبعین چلتے آئے ہیں۔ یہی سنت ہے اور اس کے بغیر قرآن کی تبیین ممکن نہیں۔

ہدایت اور  
رحمت

فرمایا کہ آپ پر نازل کردہ کتاب فَہْدٰی سِرِّ ہِدٰیۃ ہے۔ ہدایت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے جس موڑ پر بھی راہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ کی کتاب اس کے لیے راہنمائی بہم پہنچاتی ہے۔ البتہ اس ہدایت اور راہنمائی کو تلاش کرنا خود انسان کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیم ہی حاصل نہیں کرے گا اور اس میں عُذْرٌ وَّ فَحْرٌ ہی نہیں کرے گا تو اس کو ہدایت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے ہَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰی ہم نے بنیات اور ہدایت دو چیزوں کو اتارا ہے بنیات وہ چیزیں ہیں جو بالکل واضح ہیں اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں اور ہدایت ایسی چیز ہے جو استناد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی سورۃ صافات میں بھی ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلًا بِالْهُدٰی اللہ کی ذات وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو یہ ہدایت اللہ کے رسول یا اس کے متبعین اور مبلغین سے لیکھنا پڑتی ہے۔ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ تب جا کر ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا ایک تو ہم نے ہدایت نازل فرمائی اور دوسری چیز وَرَحْمَۃٌ رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اس کی نازل





زمین کے مختلف خطوں میں پانی کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں کوئی خطہ ارغنی پانی کو اچھی طرح جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہاں خوب پیدوار ہو جاتی ہے اور کسی جگہ سے پانی گزر جاتا ہے۔ وہ زمین پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہذا پیدوار بھی نہیں دیتی، ہدایت کا سلسلہ بھی ایسا ہی ہے یہ انسان کے قلب پر پڑتی ہے۔ پھر جو قلوب اس کے طالب ہوتے ہیں اور اس کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اس سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ اور بعض سخت دلوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ لہذا وہ اسی طرح محروم رہتے ہیں جس طرح کوئی چٹان پانی کے اثرات کو قبول نہیں کرتی اور وہ ادھر ادھر بہ جاتا ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ بَشِك

اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سننے میں۔ جو لوگ بات کو سن کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اللہ اُن کی روحانی اور مادی دونوں ضروریات پوری فرماتا ہے۔ اور جو لوگ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، انہیں نہ ہدایت نصیب ہوتی ہے اور نہ اللہ کی رحمت۔



ربما ۱۳

درس پانزدہم ۱۵

الزحل ۱۶

آیت ۶۶ تا ۶۷

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ  
 مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ  
 لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّرْبِ ۖ ۞ (۶۶) وَمِنْ ثَمَرِ  
 النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا  
 حَسَنًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۞ (۶۷)

ترجمہ :- اور بیشک تمہارے لیے موشیوں میں البتہ  
 عبرت ہے ۔ پلاتے ہیں تم کو اس سے جو اُن کے  
 پیٹ میں ہے ۔ گوبر اور خون کے درمیان ہے دودھ  
 خالص ، خوشگوار پینے والوں کے لیے (۶۶) اور کھجوروں کے  
 پھلوں اور انگور سے بناتے ہو تم نشہ اور اچھی روزی ۔  
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو  
 عقل سے کام لیتے ہیں (۶۷)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل عقائد کا رد فرمایا  
 اور اُن کے بُرے انجام کا ذکر کیا ۔ رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ رسول کی امت  
 کے بُرے اعمال کو شیطان نے انہیں مژین کر کے دکھایا وہ اپنے شرکیہ عقائد  
 اور باطل رسومات پر ہی جمے رہے اور رسولوں کی بات کو نہ مانا ۔ پھر آخری دور میں  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ اس کی  
 اچھی طرح وضاحت کریں اور وہ تمام چیزیں واضح ہو جائیں جن میں لوگ اختلاف

ربط آیات

کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے مگر اہل ایمان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ کتاب نازل فرما کر انسان کی روحانی زندگی کا سامان کر دیا اور آسمان کی طرف سے بارش برسا کر ان کی مادی زندگی کا بندوبست کر دیا۔ فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو کان لگا کر سنتے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے موشیوں اور بعض مچھلیوں کا ذکر کمرے کے ان کے فوائد کو بیان کیا ہے اور یہ بات سمجھانی ہے کہ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ کے دلائل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّئَلَّ تُفَكِّرُوا فِي مَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ بِهِ شِرْكٌ۔ موشیوں میں سامانِ عبرت ہے بہمیتہ الانعام کا ذکر سورۃ النعام میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان سے مراد آٹھ قسم کے وہ نر اور مادہ جوڑے مراد ہیں جو انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسان کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے چنانچہ انسان انکی ہڈیاں گوشت، دودھ، کھال اور اون استعمال کرتے ہیں۔ یہ آٹھ جوڑے، اونٹ (نر اور مادہ)، گائے بھینس (نر اور مادہ)، بھینس (نر اور مادہ)، بکری (نر اور مادہ) ہیں۔ اگرچہ یہ طاقت میں انسان سے بہت زیادہ ہیں مگر اللہ نے ان کی سرشت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان کا حکم مانیں اور اس کی خدمت کریں۔ پھر بھی جب کسی جانور کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا انسان بلاوجہ تنگ کرتے ہیں تو وہ انہیں ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس سلسلہ میں اونٹ کی دشمنی تو ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ بہر حال فرمایا ان موشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ عبرت کا معنی ہوتا ہے کسی معلوم چیز سے کسی نامعلوم چیز کو دریافت کرنا یعنی مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کو دیکھ کر مشاہدہ میں نہ آنے والی چیزوں پر

موشیوں  
میں سامان  
عبرت



یقین کرنا۔ مذکورہ مولشی میں نظر آ رہے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور اس کی توحید کو سمجھنا ہی عبرت ہے۔

دودھ کی  
نعمت

آگے اللہ تعالیٰ نے دودھ کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہِمْ پلاتے ہیں تم کو اس چیز  
سے جو ان مولشیوں کے پیٹ میں ہے۔ یہاں پر مِّنْ تبعضیہ ہے  
یعنی بعض جانوروں میں سے پلاتے ہیں، سب کا ضروری نہیں۔ اور کیا  
پلاتے ہیں؟ لَبَنًا خَالِصًا خالص اور صاف ستھرا دودھ جب  
یہ مولشی کے محضوں سے برآمد ہوتا ہے تو بالکل خالص ہوتا ہے اس میں  
کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اور بالکل پاکیزہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم  
کی نجاست نہیں ہوتی۔ اللہ نے تو اس دودھ کو خالص اور پاکیزہ بنایا ہے  
جب یہ انسانوں کے ہاتھوں میں آتا ہے تو یہ خالص نہیں رہتا بلکہ اس  
میں پانی یا دوسری چیزوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے اور اس کی پاکیزگی میں  
بھی فرق آتا ہے کہ بعض اوقات اس میں ظاہری یا باطنی نجاست شامل  
ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے دونا پاک چیزوں مِّنْ بُکَیْنِ  
فَرْثٍ وَدَمٍ یعنی گوبر اور خون کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔ جانور کے  
پیٹ میں ایک طرف گوبر کا ذخیرہ ہے جو خوراک کا فضلہ، بدبودار اور کھنس  
ہے اور دوسری طرف خون ہے جو بجائے خود عرام اور زاپاک ہے۔ مگر  
انہی کے درمیان میں سے اللہ تعالیٰ نے دودھ جیسی نہایت ہی خالص اور  
صاف ستھری چیز کو پیدا فرمایا ہے تاکہ انسان اس کی لذت اور غذاہیت  
سے مستفید ہوں۔

فرمایا یہ دودھ نہ صرف خالص اور پاکیزہ ہے بلکہ سَائِفًا غَاشِقًا  
بھی ہے۔ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور یہ آسانی سے حلق میں بھی اتر جاتا  
ہے یعنی اس کے استعمال کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ یہ لفظ

سورۃ ابراہیم میں آچکا ہے۔ جہاں دوزخیوں کو پیر پلا پانی دیے جانے کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا وَلَا يَكْفُرُ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمُ سَيِّئَاتِكُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَ عَنِ الْمَكَرَرِ ۙ اس قدر بدبودار اور کڑوا ہو گا۔ مگر یہاں پر دودھ کے متعلق فرمایا کہ یہ خوشگوار ہے جو آسانی کے ساتھ حلق سے اُتار لجا سکتا اور ایک بہت بڑی نعمت ہے لِلشَّرِبِ ۚ پینے والوں کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ، حکمتِ بالغہ، اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ فرمایا ان موشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی ربوبیت کا کس طریقے سے اظہار فرمایا ہے۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ بُطْقُوْا نہ غور طلب ہے اور اس میں مفسرین کرام نے بحث کی ہے۔ اس میں ہ کی ضمیر انعام یعنی جانوروں کی طرف لڑتی ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے مگر یہاں پر ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ اس ضمن میں لغت کے امام کہتے ہیں کہ اگرچہ لفظ انعام جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مگر لفظ تو بہر حال مفرد ہی ہے، جیسے بعض حضرات لفظ اخلاق کو بھی مفرد شمار کرتے ہیں اگرچہ اس کا معنی جمع والا ہے۔ اسی طرح اخبار عام لفظ ہے۔ اگرچہ یہ خبر کی جمع ہے مگر یہ استعمال واحد ہوتا ہے اور اس کی جمع اخبارات آتی ہے۔ لہذا لفظ مفرد ہونے کی بناء پر انعام کی ضمیر بھی واحد ہی لائی گئی ہے۔ امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ہ کی ضمیر انعام کی طرف نہیں بلکہ یہ محذوف لفظ مذکور کی طرف راجع ہے جو کہ واضح طور پر مفرد لفظ ہے۔ اس لحاظ سے بھی ضمیر کا مفرد آنا درست ہے۔ پہلے سے مذکور چیز بھی انعام ہی، اور وہ بھی مفرد لفظ ہے۔ ضمیر کے مفرد آنے میں کوئی اشکال نہیں۔ پہلے سورۃ مؤمن میں انعام ہی سے متعلق مؤنث اور مفرد ضمیر ہا بھی لائی گئی ہے۔ لَتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكْلُوْنَ۔



دودھ ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص کو اللہ دودھ عطا فرمائے اسے یوں دعا کرنی چاہیے۔  
 اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ اے اللہ! اس نعمت میں مزید اضافہ فرما  
 اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری نعمت حاصل ہو تو کہنا چاہیے اَللّٰهُمَّ اطْعَمْنَا  
 خَيْرًا مِنْهُ اے اللہ! ہمیں اس سے بہتر نعمت عطا کر، مگر دودھ  
 چونکہ بہترین نعمت ہے، اس لیے اس میں اضافہ کی درخواست کی جاتی ہے  
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ اکل و شرب کی تمام اشیاء میں سے  
 دودھ ہی ایک ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کے کام آتی ہے  
 یہ ایک بہترین اور لذیذ مشروب بھی ہے اور غذا ایت کے اعتبار سے  
 بہترین غذا بھی ہے۔ اللہ نے دودھ میں غذا ایت کے تمام احبزا  
 نمکیات، لحمیات، پانی، چربی، روغن شامل کر دیے ہیں جو انسان کی جسمانی  
 ساخت اور توانائی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی لیے دو سال تک بچہ صرف  
 دودھ پر گزارا کرتا ہے۔ دودھ کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیز نہ بھی ملے  
 تو یہی اس کی نشوونما کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت  
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد موجود ہے کہ دودھ سے بہتر کوئی  
 نعمت نہیں ہے لہذا اس میں اضافہ کی دعا کی گئی ہے۔ پھر یہ ہے  
 کہ دودھ جنت کی نعمتوں میں بھی سرفہرست ہے۔ جہاں اللہ نے پانی  
 شہد، شراب طور کی نروں کا ذکر کیا ہے، وہاں دودھ کی نروں کا تذکرہ  
 بھی موجود ہے۔

دودھ کی طہارت کے متعلق فقہائے کرام بحث کرتے ہیں۔  
 امام ابو یوسف حصاص نے بھی "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ اللہ نے دودھ  
 کو اس قدر قوی طہارت عطا کی ہے کہ مردہ جانور کے محضوں میں موجود دودھ  
 بھی پاک ہی ہوگا اگرچہ مرنے کے بعد جانور خود ناپاک ہو چکا ہے بزرگان دین

میں ابو طالب مکیؑ فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کو بھی دودھ پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح دودھ میں گوبر یا خون کی ملاوٹ سے دودھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسانی اعمال میں ریا اور ہوس کی ملاوٹ ہوگئی تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔ ریاکاری بھی اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اور بدعات بھی اعمال کے قاطع ہیں۔ لہذا انسان کے اعمال کو ان دو چیزوں سے پاک ہونا چاہیے۔

دودھ کا  
کارخانہ

دودھ کی فراہمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جانور کے جسم میں عجیب و غریب کارخانہ قائم کر رکھا ہے۔ جانور کی خوردہ غذا اس کے معدے میں جاتی ہے۔ پھر اس غذا کے تمام لطیف اجزاء باریک باریک رگوں کے ذریعے کھینچ کر جگر میں آجاتے ہیں۔ جگر ان کو خون میں تبدیل کرتا ہے جو کہ پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ چونکہ اس خون میں انسانی ساخت کے تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اس لیے یہ خون جس جس ساخت میں پہنچتا ہے وہ اپنی مطلوبہ غذا حاصل کر لیتا ہے اور باقی دوسری ساختوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق جب خون جانور کے مٹھنوں کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اس سے دودھ پیدا کرنے والے اجزاء حاصل کر کے انہیں دودھ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے جسم میں بہت بڑی فیکٹری لگا رکھی ہے۔ جہاں اللہ کے لاکھوں فرشتے کام کر رہے ہیں اور ہر جاندار کی ضروریات کی چیزیں تیار کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے دودھ کو اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ رنگت، ذائقے اور غذائیت کے لحاظ سے بہترین چیز ہے اور انسانوں کے لیے عبرت کا سامان بھی ہے۔

دودھ کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کارآمد پھلوں کا ذکر فرمایا ہے اور انہیں اپنی قدرت تامہ اور وحدانیت کی دلیل

مشروب  
اور اچھی  
روزی



کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمِمَّنْ ثَمَرَاتُ الْخَيْلِ  
وَالْأَعْنَابِ کھجوروں کے پھل اور انگوروں سے تَتَّخِذُونَ مِنْهُ  
سکرانے والی چیز بناتے ہو وَرِزْقًا حَسَنًا اور اچھی روزی  
بھی تیار کرتے ہو۔ کھجور اور انگور ایسی چیزیں ہیں جن سے شراب بھی بن سکتی ہے  
اور اچار، مربے، چینی اور غذائیت کی دوسری چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں یہاں  
پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی حرام چیز کا ذکر کیسے  
فرمایا ہے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے۔  
جب کہ ابھی شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ  
نے اس مقام پر شراب کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ اس کو رِزْقًا حَسَنًا  
(حلال اور پاکیزہ روزی) سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ  
اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لیے کھجور اور انگور پیدا فرمادیے ہیں۔ اب تم اپنی صلوٰۃ  
کے مطابق خواہ ناپسندیدہ نشہ آور چیز شراب تیار کر لو یا اسے مشروب اور  
سر کے کی صورت میں حلال طور پر استعمال کر لو۔

اس بات میں کلام نہیں کہ حرمت شراب کے سلسلے میں جن مراحل  
سے گزرنے کے بعد قطعی حرمت کا حکم آیا، ان میں یہ آیت ہلکا مرحلہ ہے  
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لطیف پیرایہ میں اس کی ناپسندیدگی کا ذکر  
کر دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں سورۃ بقرہ کی آیت  
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوا الخمر والمیسر نازل ہوئی۔ لوگ  
حضور علیہ السلام سے اس کی حرمت و علت کے متعلق دریافت کرتے  
تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ شراب اور جوئے میں نقصانات بھی ہیں اور فوائد  
بھی مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اس  
طرح گویا شراب کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ پھر تیسرا مرحلہ  
وہ آیا جب شراب کے نشے میں مجبور ایک صحابی نے امامت کرائی تو



قرآن پاک غلط پڑھ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ  
وَإِنْ تُمْسِكُوا (النساء) یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب  
نہ جاؤ۔ لوگ پھر بھی لگا رہے بگاڑے شراب استعمال کرتے رہے اور بالآخر  
چوتھے مرحلے میں جا کر حرمت کا قطعی حکم آگیا اِنَّهَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ  
وَالْاَنصَابُ وَالْاَزْوَاجُ رَجُسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ  
فَاَجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ (المائدہ) بہر حال اس وقت  
ہم شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لیے اللہ نے یہاں پر بطور احسان یاد  
دلا یا ہے کہ اس نے تمہارے لیے کھجور اور انگور پیدا کیے جس سے تم شراب  
بھی کشید کرتے ہو اور طیب روزی کے طور پر بھی مستفید ہوتے ہیں۔

لفظ "سکر"  
کی تحقیق

امام ابو عبیدہ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر "سکر" سے مراد  
نشے والی چیز نہیں بلکہ "خوراک" مراد ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ  
خوراک یا غذا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وہ اس کی مثال بیان کرتے  
ہیں کہ کسی نے کہا ہے جَعَلْتَ اَعْرَاضَ الْكِرَامِ سَكْرًا لِّنَفْسِ  
شَرَفَاكِي عَزَّتُوں کو خوراک بنا لیا ہے کشتی شاعر نے بھی کہا ہے لَعْدَةً  
مِّنْ اَعْرَاضِنَا مُسَدِّحَلَقٌ خوشگوار ہو غری کے لیے کہ اس  
نے تمہاری آبروؤں کو کھا لیا ہے یعنی ہماری غیبت کر کے ہماری عزتوں کو  
کھا لیا ہے۔ خدا کرے کہ اُس سے بچ جائیں هَنِيئًا مَّرِيئًا غِيٌّ دَارِين  
مخاکر ہیں بالکل خوشگوار ہو اور بد مضمی نہ ہو۔ تو گو یا سکر کا معنی خوراک بھی ہوتا ہے  
اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ کے استاد امام شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی  
زیارت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سکر سے مراد پینے کی چیز ہے نہ کہ نشہ آور  
چیز۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حبشی زبان میں سر کے کو  
سکر کہا جاتا ہے جو کہ حلال چیز ہے۔ بہر حال مفسرین کہہ رہے ہیں کہ سکر کا معنی خوراک  
بھی کیا ہے اور محض مشروب بھی اور سر کہ بھی۔ اگر معافی کو پیش نظر رکھا جائے



تو نشہ آچیز والا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ شراب ہماری شریعت میں ہر حال  
حرام ہے اور اس کا کشید کرنا۔ بیچنا، خریدنا اور پینا پلانا سب حرام ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ بیشک

اس میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ شراب کو خامر العقل  
اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ شرابی آدمی تو اس کے  
نشتے میں ہی محمور رہیگا، البتہ جو اس کے قریب نہیں جاتا، اس کی عقل و  
خبر قائم ہے گی اور وہی اس نشانی سے مستفید ہو سکے گا۔ ایسا شخص اللہ  
کی قدرت تمامہ کو خوب سمجھ جائے گا اور پھر اسے وعدانیت خداوندی اور  
معاد پر یقین آجائے گا۔ بہر حال مذکورہ اشیاء قدرت الہی کے منونے ہیں  
جو روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور ہم ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي  
 مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾  
 ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي  
 سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ  
 مُّخْتَلَفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي  
 ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ :- اور وحی کی تیرے پروردگار نے شہد کی  
 مکھیوں کی طرف کہ بناؤ پہاڑوں میں گھر اور درختوں پر  
 اور ان جگہوں پر جو چھپر باندھتے ہیں لوگ ﴿۶۸﴾ پھر کھاؤ  
 ہر قسم کے پھل ، اور چلو اپنے راستوں پر ہمارے ہونے  
 نکلتا ہے ان کے پیٹوں سے ایک مشروب جس کی  
 رنگت مختلف ہوتی ہے ۔ اس میں شفا ہے لوگوں کے  
 لیے ۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے  
 لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۶۹﴾

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے  
 متعلق دلائل بیان فرمائے ۔ ان میں سے پہلے آسمان سے پانی نازل کرنے کا  
 ذکر ہوا ۔ پھر موشیوں ، انگوروں اور کھجوروں کا تذکرہ ہوا ۔ ان کے فوائد بیان کر کے  
 اللہ نے انہیں بطور دلیل ذکر کیا کہ ان چیزوں میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ

ربط آیت



کی وحدانیت، اُس کی قدرت اور حکمت کو سمجھ سکتے ہیں۔ اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیسا کمال رکھا ہے جو انسان کے لیے نہایت لذیذ اور مشغی مشروب دیا کرتی ہیں اس سورۃ کا نام سورۃ النحل اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر ہے۔

مکھیوں کی  
طرف وحی

ارشاد ہوتا ہے وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ اور وحی کی آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس وحی سے مراد ربانیت اور نبوت والی وحی نہیں ہے کیونکہ وہ تو انبیاء اور رسولوں کے ساتھ مختص ہے البتہ اس وحی سے الہام مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ الہام عام ہے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو ہو سکتا ہے۔ اس الہام کی نوعیت بالکل وہی ہے جس قسم کا الہام اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کیا تھا۔ وہاں بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں "وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ" اُمِّ مُوسَىٰ (القصص) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا یعنی اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس بچے کی جان کی خاطر اُسے صندوق میں بند کر کے پانی میں بہا دیں۔ ظاہر ہے کہ اُم موسیٰ بنی تو نہیں تھیں، لہذا اُن کی وحی کی نوعیت بھی الہام والی تھی۔ الہام کے ذریعے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی چیز دل میں ڈال دیتا ہے اور بعض اوقات کوئی فرشتہ انسانی صورت میں شکل ہو کر آتا ہے اور کوئی بات کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کا الہام اسی نوعیت کا تھا "فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" (مریم) ہم نے اُس کی طرف فرشتہ بھیجا جو اُس کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن گیا۔ الہام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی غیبی آواز (طہائف) کے ذریعے کوئی اشارہ مل جائے۔ تاہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں یا ایسے ہی دوسرے جانوروں کے الہام کی صورت یہ ہے کہ اُن کے ہاں خارجی دنیا سے کوئی



فرشتہ نہیں آتا اور نہ ہی وہ اتنے عقل و شعور کے مالک ہوتے ہیں کہ بوقت ضرورت ان کے ذہن میں کوئی چیز ڈال دی جائے بلکہ ان کی طرف وحی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں کوئی چیز ڈال دی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کو صورتِ نوعیہ کے اعتبار سے کوئی بات سمجھا دیتا ہے۔ تو گویا شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات ڈال دی ہے جس کا ذکر اگلے جملے میں آرہا ہے۔

مکھیوں کا  
چھتہ

وہ بات یہ ہے اِنَّ اَتَّخِذِي مِنْ الْجِبَالِ بُيُوتًا کہ تم پہاڑوں میں اپنا گھر یعنی چھتہ بنا لو۔ میں سے مراد یہ ہے کہ ہر پہاڑ کی ہر غار میں نہیں بلکہ بعض پہاڑوں میں اپنا چھتہ قائم کر لو۔ یہی چھتہ شہد کی مکھیوں کا گھر ہے جہاں وہ شہد کا ذخیرہ جمع کرتی ہیں جس میں سے خود بھی کھاتی ہیں اور بچوں کو بھی کھلاتی ہیں۔ یہ گویا شہد کا ڈپو ہوتا ہے۔ پھر جب قرب و جوار کے لوگوں کو کسی ایسے چھتے کا علم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں سے سیڑیوں نہیں بلکہ منوں کے حساب سے شہد برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا پہاڑوں میں اپنا گھر بنا لو وَمِنْ الشَّجَرِ یا مناسب درختوں پر چھتہ لگا لو۔ بعض بڑے بڑے درختوں پر مکھیاں چھتہ بنا کر شہد اکٹھا کرتی ہیں۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق جہاں مناسب سمجھتی ہیں، کسی اونچی یا نیچی شاخ پر گھر بنا لیتی ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا وَمِمَّا يُخْرِشُونَ اور لوگوں کے تعمیر کردہ چھپروں میں چھتہ لگا لو۔ چھپرے سے مراد لکڑی کا وہ فریم ہے جو انگوڑ وغیرہ کی بیل چڑھانے کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی دیگر ضرورت کے لیے بھی عارضی طور پر چھپر تعمیر کیا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں ان جگہوں پر بھی اپنے چھتے بنا لیتی ہیں۔ الغرض! اللہ نے شہد کی مکھیوں کی فطرت میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ وہ پہاڑوں میں





قسم کا شہد بھی اُن کے پٹوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اور پھر یہ شہد محض تفریح طبع کا سامان نہیں بلکہ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اللہ نے اس میں لوگوں کے لیے شفا بھی رکھی ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِالشَّقَائِكِ الْعَسَلِ وَالْقُرْآنِ یعنی شفا والی دو چیزوں کو لازم کر دو، ایک شہد ہے اور دوسری قرآن پاک سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے وَذُنُوزِلُّ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ہم نے قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے جس میں مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم باطنی بیماریوں یعنی سینے کے تمام روگوں کفر، شرک، نفاق، بدعتیہ کی اور بد اخلاقی کی شفا ہے جب کہ شہد میں اللہ نے ظاہری امراض کی شفا رکھی ہے۔ شہد چونکہ گرم تاثیر رکھتا ہے اس لیے یہ امراض بارہ یعنی بنی بیماریوں میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ زہر کا ترياق (ANTISEPTIC انٹی بائیوٹک) بھی ہے یونانی طب میں معجونوں اور گولیوں کی افادیت کو مادہ عام رکھنے کے لیے شہد میں تیار کیا جاتا ہے جب کہ نئی میڈیکل سائنس میں اس کام کے لیے سپرین کا استعمال ہوتا ہے۔ تاہم مفسرین فرماتے ہیں کہ شہد میں ہر بیماری کے لیے شفا نہیں بلکہ یہ شفا و نکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کئی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں، عَلَيْكُمْ بِالسَّنَا وَالسَّنَوَاتِ یعنی سنا اور سنوت کو لازم کر دو۔ سنا ایک قسم کی جڑی بوٹی ہے جس میں اللہ نے کئی بیماریوں کی شفا رکھی ہے اور سنوت سو یا یا شہد کو کہتے ہیں فرمایا اس میں شفا ہے لیکن موت کی شفا کسی چیز میں نہیں، وہ اپنے وقت پر آکر رہے گی۔

ایک صحیح حدیث میں یہ واقعہ بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام



کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کے اسہال کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، اس کو شہد پلاؤ۔ اس شخص نے جا کر ایسا ہی کیا مگر مرض بڑھ گیا۔ وہ پھر حاضر ہوا تو آپ نے دوبارہ فرمایا کہ اُسے شہد پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے اسہال میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب حضور علیہ السلام کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے تیسری مرتبہ شہد پلانے کے لیے کہا مگر پھر بھی افاقہ نہ ہوا۔ جب وہ شخص چوتھی مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ کا فرمان سچا ہے کہ شہد میں شفا ہے، مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ بہر حال جب مریض کو چوتھی مرتبہ شہد پلایا گیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ جب تک گندہ مادہ پیٹ میں موجود رہا۔ وہ نکلتا رہا، اور جب ختم ہو گیا تو مریض کے اسہال بند ہو گئے۔ اللہ نے شہد میں اس قسم کے مادے رکھے ہیں۔

حضرت علیؑ کے قول میں یوں بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے بیماری کی شکایت کی تو فرمایا کہ کسی برتن میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھو۔ پھر اس کو بارش کے پانی سے صاف کرو۔ اس کے بعد اپنی بیوی کے حق میں سے ایک درہم لو۔ جب وہ اپنی خوشی خاطر سے لے لے تو اس درہم سے شہد خریدو پھر وہ شہد بارش کے مذکورہ پانی میں ملا کر پی لو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اللہ نے بارش کے پانی کو مَاءً طَهُورًا یعنی پاکیزہ پانی فرمایا ہے اور شہد کے متعلق کہا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، تو حضرت علیؑ نے ان دونوں چیزوں کے مرکب کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔

شہد کی پیداوار کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کے مشروب کی صورت میں نکلتی ہے۔ باقی یہ بات کہ شہد کی پیداوار کیسے ہوتی ہے۔ اس میں سائنسدانوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ لعاب کی شکل میں مکھی کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے۔ وہ بھی اپنے لعاب کے ذریعے ریشم پیدا کرتا ہے

شہد کی  
پیداوار

وہ اپنے منہ سے نکلنے والا مادہ اپنے گمہر لیٹا رہتا ہے اور اس طرح ریشم کے لمبے تار کی ایک ڈوری سی بن جاتی ہے جسے بعد میں الگ کر کے ریشم حاصل کر لیا جاتا ہے اور اس سے نفیس ترین لباس تیار کیا جاتا ہے اسی طرح مکھی کے منہ سے نکلنے والے لعاب سے شہد کی صورت میں بہترین مشروب حاصل ہوتا ہے۔ البتہ بعض فرما تے ہیں کہ شہد مکھی کے منہ کا لعاب نہیں بلکہ اس کا فضلہ ہوتا ہے۔ افلاطون کا شاگرد اور سکندر کا استاد ارسطو یونان کا بہت بڑا حکیم گنہرا ہے اس کا زمانہ حضرت علیہ السلام سے تین سو سال قبل کا ہے اس نے ایک دفعہ تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ شہد مکھی کا لعاب ہے یا فضلہ۔ اس نے شیشے کا ایک بہت بڑا بکس بنوایا اور اس میں مکھیوں کا چھتہ لگا کر مکھیوں کو شیشے کے صندوق میں بند کر دیا تاکہ وہ مکھیوں کو شہد کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مکھیوں نے شہد پیدا کرنے سے پہلے شیشے کے اس صندوق کی ساری دیواروں پر موم لگا دی تاکہ باہر سے کچھ نظر نہ آسکے اور اس کے بعد انہوں نے شہد کی پیداوار شروع کی، اور اس طرح ارسطو اپنی تحقیق مکمل نہ کر سکا۔

شہد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ یہ اپنے چھتے میں عجیب و غریب قسم کے چھوٹے چھوٹے شش گوشہ گھومندے یا خانے بناتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انجینئر بھی ٹھیک ٹھیک شش گوشہ شکل جیومیٹری جس کے بغیر نہیں بنا سکتا مگر مکھی کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ باریک باریک دیواروں پر چھپکونے والا ایسا گھومند بنا جاتی ہے کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بہر حال شہد ایک پاکیزہ اور مرغوب چیز ہے جو انسانوں کی غذا اور دوائی میں استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحِبًّا الْحُلَاةِ وَالْعَسَلِ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔



مکھیوں کی  
فضیلت

شہد کی مکھی اگرچہ ایک چھوٹا سا جانور ہے مگر اللہ نے اس میں بڑی افادیت رکھی ہے۔ اللہ نے اسے زہر ملا ڈنگ عطا کیا ہے۔ جس کے ذریعے وہ دشمن سے اپنی حفاظت کرتی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی ایک چھوٹی سی چیز ہے مگر اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لیے اس کے ذریعے لذیذ ترین چیز پیدا فرمائی ہے۔ اس سے مولانا یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے رَبِّ اغْثِرْ اشْعَثْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَيَّ اللّٰهُ لَا اَبْسَہُ یعنی عمار آلود بالوں والے کتنے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں حانت نہیں ہونے دیتا یعنی ان کی قسم پوری ہو جاتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے موزی جانور سانپ، کچھو، مکھی وغیرہ دوزخ میں جائیں گے سوائے شہد کی مکھی کے کہ یہ دوزخ میں نہیں جائیگی کیونکہ یہ لوگوں کے لیے نہایت ہی مفید شہد تیار کرتی ہے اس چھوٹی سی مخلوق میں اللہ تعالیٰ نے تنظیم کا وہ مادہ رکھا ہے جو انسانوں کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو یعسوب کہا جاتا ہے جو عام مکھیوں سے قد و کاٹھ میں بڑا ہوتا ہے ان مکھیوں میں اتنا نظم و ضبط (DISCIPLINE ڈسپلن) ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کے حکم کی ذرہ بھر بھی خلاف ورزی نہیں کرتی۔ یہ فوج کی طرح منظم ہوتی ہیں اور ان کا بادشاہ جہاں جانے کا حکم دے وہاں پہنچ کر خوراک حاصل کرتی ہیں اور جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ اللہ نے ان کے لیے راستوں کو آسان بنا دیا ہے، یہ دور و نزدیک جہاں بھی جائیں اپنے ڈپو پر واپس آ جاتی ہیں۔ اس مکھی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ گندگی پر نہیں بیٹھتی۔ اگر کوئی مکھی کسی دوسری مکھی کو گندگی پر بیٹھی دیکھ لے تو فوراً بادشاہ کے پاس شکایت ہو جاتی ہے اس کا باقاعدہ کیس پیش ہوتا ہے، گواہی ہوتی ہے اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرم کو سزا ملے موت تک ہو جاتی ہے۔ بادشاہ

مکھیوں کی  
تنظیم

کی طرف سے اشارہ پا کر دوسری مکھیاں مجرمہ کو پکڑ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں۔  
 آخر میں اللہ نے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ  
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔  
 سوچنے کی بات ہے کہ ایک معمولی مکھی سے اللہ نے کتنی عمدہ چیز پیدا فرمائی  
 ہے۔ ان مکھیوں میں کتنی تنظیم اور فرمانبرداری کا کتنا جذبہ موجود ہے۔ وہ مقررہ اصولوں  
 کی کس قدر پابندی کرتی ہیں۔ صرف پاک چیزیں کھاتی ہیں اور گندگی کے قریب  
 بھی نہیں جاتیں۔ وہ اپنا گھر و مذاکمال حکمت کے ساتھ بناتی ہیں جو صنّاعی کا  
 بہترین شاہکار ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں بنی نوع انسان کو دعوت  
 غور و فکر دیتی ہیں اور انہیں بھی قوانین کی پابندی کا درس دیتی ہیں۔ اگر انسان مکھیوں  
 کی طرح اپنے اصولوں پر قائم ہو جائیں تو اُن کی معاشرتی زندگی میں کبھی بگاڑ پیدا  
 نہ ہو۔ اس وقت انسان جس ظلم، زیادتی، اسراف، عوام کاری، بدکاری، عیاشی  
 اور فحاشی میں مبتلا ہیں، اُس سے نکل جائیں اور انہیں آرام و سکون کی زندگی میسر  
 آجائے۔ بہر حال شہد کی مکھیوں کے ہر فعل میں انسان کے لیے عبرت کا سامان  
 ہے۔ جو شخص غور و فکر کرے گا وہ اللہ کی قدرت کو سمجھ جائے گا اور اُس کی وحدانیت  
 پر ایمان لے آئے گا۔



وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّكُمْ فَوْ وَ مِنْكُمْ مَنْ  
يُّرَدُّ اِلَىٰ اَرْضِ الْعُمْرِ لَكُمْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ  
عِلْمٍ شَيْئًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

۵۹۳

ترجمہ :- اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے تم  
کو۔ پھر وہ وفات دیتا ہے تم کو۔ اور تم میں سے بعض  
وہ ہیں کہ جن کو لوٹایا جاتا ہے رزق کی طرف تاکہ نہ  
جانے وہ علم کے بعد کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب  
کچھ جاننے والا، اور قدرت نامہ کا مالک ہے ﴿۷۰﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے پہلے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا۔ اس کے بعد اپنی قدرت  
کی چند مثالیں بیان کیں جو اُس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہیں۔ سجدہ اُن کے آسمان کی  
طرف سے پانی کا نزول اور اس کے ذریعے مختلف چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہے  
پھر موشیوں سے دودھ اور پھلوں سے پاکیزہ روزی کا ذکر ہوا۔ شہد کی مکھیوں کے  
ذریعے نہایت مفید اور مرغوب شہد کا بیان ہوا جس میں اللہ نے بہت سی بیماریوں  
کے لیے شفا رکھی ہے۔ فرمایا یہ اُس کی قدرت کے بیرونی دلائل ہیں۔ اور یہ کن  
لوگوں کے لیے سفید ہیں؟ فرمایا "لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ" غور و فکر کرنے والوں کے  
لیے، "لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ" عقل سے کام لینے والوں کے لیے، "لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ"  
یقین رکھنے والوں کے لیے، اور "لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ" کان لگا کر سننے  
والوں کے لیے۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر معنی حالات کو موضوع

عطا کی، پھر ضعف اور بڑھاپے کی حالت طاری کر دی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے بڑھاپے کی عمر سے پناہ مانگی ہے جس کے الفاظ اس طرح آتے ہیں۔ **اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ الْبُخْلِ وَالْكَسْلِ وَمِنْ سُوءِ الْعُمْرِ وَمِنْ اَرْذَلِ الْعُمْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ** اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں بخل اور سستی سے، بڑھی عمر اور رذیل عمر سے، مسیح دجال کے فتنہ سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے۔

ارذل العمر

فرمایا انسانی زندگی کا دوسرا اور بہترین دور چالیس سے ساٹھ تک کا ہے اور اس کے بعد تیسرا دور بڑھاپے کا ہوتا ہے جو کہ پچھتر سال کی عمر تک چلتا ہے پھر جو کوئی اس عمر کو پہنچ جائے اس کا ارذل العمر شروع ہو جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دور انسی سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی حصہ زندگی کے متعلق اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے **وَمِنْ اَرْذَلِ الْعُمْرِ** اور تم میں سے بعض وہ ہیں جن کو رذیل عمر کی طرف لوٹا جاتا ہے۔ اس عمر کو پہنچ کر انسان کے قویٰ مضحمل ہو جاتے ہیں اور وہ کوئی کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر سکتا۔ اُس کے اعضاء میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی معدہ خراب اور کبھی پیشاب کی تکلیف، کبھی آنسوؤں میں تکلیف اور کبھی دانٹوں میں خرابی۔ سماعت اور بینائی تو اکثر جواب دے دیتی ہے اور انسان بیکار محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارذل العمر سے خدا کی پناہ مانگی ہے۔ اصل کام کاج اور عبادت الہی کے لیے درمیانہ عرصہ حیات ہی بہترین ہے، حضور علیہ السلام نے سات آدمیوں کے متعلق بشارت سنائی کہ ان کو عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی ان میں وہ نوجوان بھی شامل ہے جس نے جوانی کی عمر عبادت میں گزاری۔



بچپن گزار کر جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے، پھر اس پر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کو زیادہ موقع نہیں ملتا اور وہ ابتدائی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے کی عمر میں موت سے ہلکا رہتے ہیں اور پھر بعض اس سے بھی آگے طبعی مدد پوری کر کے فوت ہوتے ہیں۔ اطباء کہتے ہیں کہ حیوانی ساخت کے اعتبار سے انسان کی طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے اللہ نے انسان کے جسم کی مشینری کیلئے عرصہ کے لیے کارآمد بنایا ہے بشرطیکہ اس کے قوی میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔ حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی عمر عطا فرمائی: پہلے زمانے میں لوگوں کی اوسط عمر زیادہ تھی مگر اب شاذ و نادر ہی کوئی لمبی عمر پاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے اَعْمَارُ أُمَّتِي مَبْكَيْنِ سِتِّينَ رَاحٍ سَبْعِينَ وَقَلَّ مَنٌ يَجُوزُ ذَلِكَ یعنی میری امت کے لوگوں کی عمریں عموماً ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ علماء اور محققین کہتے ہیں کہ ابتداء سے لے کر پینتیس برس تک کی عمر کا ایک مرحلہ ہوتا ہے اس عرصہ میں انسان کے قوائے ظاہر اور باطنہ مکمل ہوتے ہیں اور ان میں کوئی منفی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ پھر چالیس سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک دوسرا دور ہوتا ہے۔ یہ درمیانہ عرصہ حیات ہے جو کہ انسان کا قیمتی سرمایہ ہے۔ بچپن میں قوی نہ مکمل ہوتے ہیں اور انسان میں ناچختگی ہوتی ہے، اسی لیے بچہ مشکل بھی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ درمیانی عرصہ ہی بہترین عرصہ ہوتا ہے جس میں انسان دین اور دنیا کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے۔ اگر اس عرصہ زندگی کو انسان اچھے کاموں میں استعمال کرے تو وہ ترقی کرتا ہے اور بھرپور زندگی گزارتا ہے۔ انسان کی ابتدائی زندگی کو بھی اللہ نے صنعت پر محمول کیا ہے۔ جیسے فرمایا "اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً" (الروم) اللہ کی ذات رمی ہے جس نے انسان کو کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر اس کے بعد قوت



سخن بنایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر ہی غور کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے سورۃ الذریت میں موجود ہے ”وَفِيَّ الْفَنِيِّكُمْ أَفَلَا تَبْصُرُونَ“ خود تمہارے نفسوں کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

زندگی اور موت

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق انسانی کا ذکر کیا ہے **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ** اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ یعنی انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اللہ نے اُسے تخلیق کی نعمت عطا کی ہے اور وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا کہ یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ”قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا“ (الطلاق) اُس نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی فرمایا ”مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى“ (الاحقاف) آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا۔ تو کائنات کا پورا نظام ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح قوموں کے لیے بھی اللہ نے مختلف اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ ایک وقت میں انہیں عروج حاصل ہوتا ہے تو دوسرے وقت میں اُن پر زوال آجاتا ہے۔ اسی طرح ہر متنفس کے لیے وقت مقرر ہے۔ اُس کی زندگی ایک خاص مدت تک کارآمد رہتی ہے اور پھر انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے **ثُمَّ يَتَوَقَّعُكُمْ** پھر وہ تم پر موت طاری کر دیتا ہے۔ جب تک اُس کو منظور ہوتا ہے، انسان کو زندہ رکھتا ہے اُسے زندگی کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے اور پھر موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

زندگی کا عروج و زوال

انسانی زندگی میں کسی عروج و زوال آتے ہیں۔ انسان پیدا ہوتا ہے،



پیرانہ سالی کے اس دور کو ہر آدمی محسوس کرتا ہے، تاہم جب ایک شاعر اس مرحلے سے گزرتا ہے تو اس کے احساسات اشعار کی صورت میں اُس کی زبان پر آجاتے ہیں جگر مراد آبادی بے صغیر کا معروف شاعر ہے جسے فوت ہوئے ابھی بیس سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اُس نے اپنے شعر میں کہا ہے۔

زندگی و خراباقتی در عہد شباب اولیٰ

یعنی خواہ زندگی ہو یا خراباقتی، یہ جوانی کی عمر میں ہی ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ بڑھاپے میں انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔

قدیم شعرا میں مومن خان مومن بھی صفت اول کا شاعر تھا، سنی مسلمان، سید احمد شہید بریلوی کامرید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شاگرد تھا۔ وہ کہتا ہے

عہد شباب ہے زندگانی کا مزا

پیری میں کہاں ہے وہ نوجوانی کا مزا

یہ بھی کئی دن میں فنا ہوگا

باقی ہے جو باتوں میں کہانی کا مزا

جگر مراد آبادی کا یہ شعر بھی ملاحظہ کریں۔

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی

کہنے کی بات ہے کہ جئے جارہوں میں

صوفی شعرا میں عراقی بڑے مشہور ہیں۔ انہوں نے بھی اس دور کا بڑے لطیف انداز میں ذکر کیا ہے۔

افسوس کہ ایام جوانی بگڑ شست

سرمایہ عیش جاودانی بگڑ شست

خفتم بہ کنار جوئے چن درال

کز جوئے من آب زندگانی بگڑ شست

افسوس جوانی کا زمانہ گزر گیا، حقیقت میں صبح زمانہ عیش وہی تھا۔ میں ندی کے

کنارے اٹنا سو یا کہ میری اپنی زندگی کی ندی کا پانی بھی ختم ہو گیا۔  
عربی شعراء میں سے ابو کبیر ندی اپنی بیٹی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے

أَرْهَيْرُ هَلْ مِنْ شَيْبَةٍ مِّنْ مَّعَالٍ  
أَمْ لَا سَبِيلَ الْحِ الشَّبَابِ الْأَوَّلِ

اے بیٹی زہیر کیا بڑھاپے سے بدلنے کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟  
کیا اس جوانی کے زمانے کی طرف پلٹنے والی کوئی بات ہو سکتی ہے؟

أَمْ لَا سَبِيلَ الْحِ الشَّبَابِ وَذِكْرُهُ  
أَشْهَى الْحِ مِنَ الرَّحِيقِ السُّسُلِ

یعنی مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو اس کا ذکر بھی شراب

مصفا سے زیادہ پیارا ہے۔

سَمِيتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ لَّعِشُ  
ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَاكَ يَسْأَلُ

میں اسی زندگی سے دیگر ہو گیا ہوں۔ تیرا باپ نہ ہے جو آدمی اسی سال کی  
عمر تک پہنچتا ہے، وہ یقیناً زندگی سے دیگر ہوتا ہے۔

رَأَيْتُ الْمَنَايَا خَبَطَ عَشَوَاءُ مَنْ لَّصِبُ  
لَمَتُّهُ وَمَنْ تَخَطَّى لِعَمَرٍ فَنَهَرُ

میں نے موتوں کو ایسا دیکھا ہے جیسے اندھی اونٹنی ٹامک ٹوٹیاں مارتی ہے  
جس کو مل گئی اُس کو فنا کہہ دیا، اور جس سے خطا کر گئی اس کو عمر دے دی جاتی ہے  
وہ ہرم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہرم صنف اور انحطاط کی عمر کو کہا جاتا ہے۔  
کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلَّغَتْهَا  
قَدْ أَحْوَجَتْ سَمِعِي إِلَى تَرْجَانِ

تحقیق خدا تجھے اسی سال کی عمر تک پہنچائے، اُس نے مجھے تو ترجان کی طرف



محتاج کر دیا ہے یعنی میرے قومی استقدر محل ہو چکے ہیں کہ اب میں ترجمان کے بغیر کسی سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ نہ خود کسی کی بات سن سکتا ہوں اور نہ دوسرے کو اپنی بات سناسکتا ہوں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ پچاس سال کے بعد انسان کی زندگی ایسی ہوتی ہے گویا کہ وہ غلط راستے **WRONG SIDE** راگ سائڈ پر جا رہا ہو وہ ہر وقت حادثات کے خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔

گئے از دست و گئے از دل گئے ز پامانم  
بسرعت می روی اے عمر می ترسم کہ او مانم  
مطلب یہ کہ کبھی ہاتھ میں تکلیف ہو گئی، کبھی دل اور کبھی پاؤں میں خرابی پیدا ہو گئی۔ عمر تیزی سے گزر رہی ہے اور پھر الیا ہو گا کہ ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور وہ نکل جائے گی۔

”البيان والقبين“ وائے نے بشار ابن برد کا شعر نقل کیا ہے

وَالشَّيْءُ شَيْنٌ لِّمَنْ أَرْسَى بِسَاحَتِهِ

لِللَّهِ دُرُّ السَّوَادِ لِمَا فِي الْحَاوِي

بڑھا پاؤ تو ایک عجیب ہے جس کے صحن میں اتر جائے۔ حقیقت میں زندگی کا بہترین دور وہی ہوتا ہے۔ جب بال کالے ہوتے ہیں۔ سعدی صفا نے کہا ہے، بلکہ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ شباب کو بچپن سے غنیمت سمجھو کہ یہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ کہنا ہے شباب میں ہی کہ لو۔ اس کو غنیمت سمجھو کہ یہ دور بھی ختم ہو جائے گا۔

خیرے کن اے فلاں غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ بے آید فلاں نہ ماند

نیکی کا کام کر لو اور زندگی کے ان لمحات کو غنیمت سمجھو۔ ایک دن آواز آئے گی کہ فلاں آدمی اس دنیا میں نہیں رہا۔

اسی طرح عمران ابن حطان کا شعر ہے

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَنَعِيَّ لِبُؤْسٍ جَدِيدٍ

حَسْبُ اللَّيْبِ بِهَذَا السَّيِّبِ مِنْ نَّاعِيٍّ

جو کچھ عمل کرنا ہے کہہ لو کیونکہ ایک دفعہ آواز اٹھے گی کہ فلاں آدمی مر گیا، اور اگر تم کسی ڈرانے والے کو تلاش کر رہے ہو۔ تو یہ بالوں کی سفیدی کافی ڈرانے والی ہے یہی موت کی خبر دیتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ قیامت کے دن چار چیزوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور جب تک کوئی ان کا جواب نہیں دے گا، اسے قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ وہ چیزیں ہیں انسان کا عالم شباب، اس کی عمر، مال اور علم۔

حافظ کی  
کمزوری

بہر حال زندگی کا درمیانہ عرصہ ہی بہترین عرصہ ہے جس میں انسان کمال حاصل کر سکتا ہے۔ علم و ہنر سیکھ سکتا ہے اور عبادت و ریاضت کر سکتا ہے ملکی دفاع کے لیے اسی عمر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر محنت طلب کام اسی عمر کے حصہ میں کیا جاسکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ذرا غور کرو کہ تمہیں پیدا کیا پھر موت طاری ہوتی ہے۔ اور درمیان میں ارذل العمر کا دور بھی آتا ہے جبکہ انسان کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔ لَئِكَ لَا يَعْلَمُ كَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا کہ علم ہونے کے باوجود کچھ نہیں جانتا۔ حافظ ضراب ہو جاتا ہے۔ شباب کے عالم میں جو کچھ یاد تھا۔ وہ بھول چکا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ عالم ہونے کے باوجود بے علم ہو گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس امت میں کامل لوگ پیدا ہونے کے بعد پھر ناقص لوگ پیدا ہونے لگیں گے واللہ اعلم۔ بظاہر ہی حال نظر آتا ہے قرون اولیٰ کے لوگوں کے حالات پڑھئے اور پھر اس زمانے کے ساتھ مقابلہ کیجئے۔

انفرادیت اور اجتماعیت، اخلاقیات اور عبادات ہر لحاظ سے روبرو تنزل ہیں البتہ شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کے



ساتھ تعلق رکھے گا، اس کی درس و تدریس میں مصروف رہے گا، اللہ تعالیٰ  
 اس نسیان کے مذکورہ عارضہ سے محفوظ رکھے گا۔ قرآن پاک کی برکت سے  
 اُس کی یادداشت قائم رہے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ بِشَيْءٍ  
 خدا تعالیٰ کی ذات سب کچھ جاننے والی اور قدرتِ تامہ کی مالک ہے  
 تمام تغیرات اور تصرفات اُسی کے اختیار اور قدرت میں ہیں۔

---

النحل ۱۶

آیت ۱ تا ۴۴

ربما ۱۳

درس ہشتر دہم ۱۸

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ  
 وَمَا الَّذِينَ فَضَّلُوا بَرَاءْدَىٰ رِزْقِهِمْ عَلَىٰ  
 مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ  
 اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۱﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ  
 أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ  
 وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ أَفَبِالْبَاطِلِ  
 يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۲﴾ وَ  
 يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ  
 رِزْقًا مِنْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا  
 يَسْتَطِيعُونَ ﴿۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ  
 إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴﴾

ترجمہ :- اور اللہ نے فضیلت بخشی ہے تم میں سے

بعض کو بعض پر روزی کے معاملے میں ۔ پس نہیں ہیں

وہ لوگ جن کو فضیلت بخشی گئی ہے ، لوٹانے والے اپنی

روزی کو ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ

تاکہ وہ اس میں برابر ہو جائیں ۔ تو کیا اللہ کی نعمت کا یہ

انکار کرتے ہیں ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے ہیں



تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے تمہارے جوڑے ، اور  
 بنائے ہیں تمہارے لیے تمہارے جوڑوں میں سے بیٹے اور  
 پوتے ، اور روزی بخشی ہے تمہیں پاک چیزوں سے کیا یہ  
 لوگ باطل پر یقین رکھتے اور اللہ کی نعمت کے ساتھ انکار  
 کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ، اللہ  
 کے سوا ان چیزوں کی کہ نہیں مالک ان کے لیے روزی  
 کے آسمانوں سے اور زمین سے کسی چیز کے بھی ، اور نہ  
 وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿۴۳﴾ پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ  
 کے لیے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۴۴﴾

ربط آیات

اللہ نے اپنی قدرت کی وہ نشانیاں بیان کیں جو اُس نے انسان کے  
 نذر اور بیرونی دنیا میں پیدا فرمائی ہیں۔ پھر اسی مضمون کو شرک کی تردید میں بطور دلیل  
 پیش کیا۔ گذشتہ آیات میں بھی اللہ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کیا تھا اور آج کی  
 آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ نے مشرکین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُس  
 کے انعامات کی ناقدری کرتے ہیں حالانکہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ انسان  
 کو چاہیے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت کرے  
 اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا ہے وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ  
 عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے فضیلت بخشی  
 ہے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے معاملہ میں۔ اللہ نے تمام مخلوق کے لیے  
 روزی کے یکساں دروازے کٹا دیے ہیں کیے بلکہ بعض کو زیادہ روزی دی ہے اور  
 بعض کو کم۔ اس کمی بیشی کی حکمت اور مصلحت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو  
 خود روزی رسال ہے اور یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ دوسری جگہ تصریح

رزق میں  
 تفاوت

موجود ہے وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَمْثَالِ  
 وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ (الشوری) اگر اللہ تعالیٰ  
 سب لوگوں کے لیے روزی کے یکساں دروازے کٹا دے تو وہ زمین  
 میں بغاوت کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق روزی نازل فرماتا  
 ہے۔ کسی کو زیادہ مال دے دیا اور کسی کو کم۔ کسی کو لقمہ بنا دیا اور کسی کو ماتحت۔  
 حدیث شریف میں آدم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
 اُن کی اولاد کی تمام روحوں کو متمثل کر کے اُن کے سامنے پیش کیا تو ان میں  
 تفاوت نظر آتا تھا۔ آدم علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا،  
 پروردگار! لَوْلَا سَوَّيْتُ بَيْنَ عِبَادِكَ تَوْنِي لِنَفْسِي بَنَدُوں کے  
 درمیان برابر کیوں نہیں رکھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں سب کو  
 یکساں کر دیتا تو کوئی شخص میرا شکریہ ادا نہ کرتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان  
 کے ذہنی قوی اور جسمانی، ظاہری اور باطنی طاقتیں ایک جیسی نہیں رکھیں، اس  
 لیے اُن کے علم و عمل میں بھی فرق ہے اور پھر اُن کی روزی کا سلسلہ بھی کم و بیش  
 رکھا ہے۔ کوئی امیر اور امیر تر ہے اور اسی طرح کوئی غریب اور غریب تر ہے  
 حدیث میں آتا ہے کہ جب اپنے سے زیادہ نعمت والے کا خیال آئے تو اس  
 کی طرف نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کم تر کی طرف دیکھو اَلَا تَزِدُّوْا حِمْلَهُ اللّٰهُ  
 مَا كَمْ اَللّٰهُ كِي عَطَاكُمْ دَہ نعمت کو حقیر نہ سمجھو۔ اللہ نے تمہیں بھی بہت سے  
 لوگوں پر فضیلت دی، تم مال اور اولاد میں اُن سے بہتر ہو، گویا تم سے کمتر  
 لوگ بھی موجود ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور خدا کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو اللہ  
 نے انسانوں کے درمیان جو تفاوت رکھا ہے وہ بالکل فطری ہے جس طرح  
 استعداد اور محنت میں فرق ہے، اسی طرح روزی بھی برابر نہیں  
 یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے روزی زیادہ بخشی ہے اس  
 کے ذمے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہم سورۃ الروم میں پڑھتے ہیں فَاب



ہے۔ پھر اگلی آیت میں اللہ نے اسی چیز کو شرک کے خلاف دلیل بنایا ہے کہ ان کو اپنے ہم جنس انسانوں کو بھی اپنے برابر آتا نہیں دیکھ سکتے۔ چہ جائیکہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر شریک ٹھہرایا جائے۔

فرمایا اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر دانی کرو۔ اُس نے یہ حکم نہیں دیا کہ تم اپنا سارا مال تقسیم کر کے اپنے سے کم تر لوگوں کے برابر ہو جاؤ بلکہ فرمایا ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق ادا کرو اور بیشک اپنا تفاوت قائم رکھو، یہ تم پر اللہ کا انعام ہے نظام سرمایہ داری میں یہی قباحت ہے کہ وہ مالی حقوق ادا نہیں کرتے جسکی وجہ سے انسانی سوسائٹی مصائب کا شکار ہو رہی ہے غریب اور کمزور لوگ مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مذہب بیزاری اور اشتراکیت کی طرف رغبت اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر شخص کو اُس کا جائز حق مل جائے تو اُسے بغاوت کرنیکی کیا ضرورت ہے؟ آج حالت یہ ہے کہ غریب لوگ زمین اور مکان سے محروم ہیں، ان کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، ان کے لیے حفظانِ صحت کا کوئی انتظام نہیں، انہیں روزگار کی ضرورت ہے وہ بھی عزت نفس چاہتے ہیں مگر جب وہ ان چیزوں سے محروم ہوتے ہیں تو کبھی اشتراکیت کے سائے میں پناہ تلاش کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں دین کا اصول تو یہ ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر بھی دوسروں کو اپنے دین میں داخل کر نیکی کوشش کرو مگر یہاں اپنے بھی دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ساری مصیبت حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ہے تمام سوسائٹی بکڑ چکی ہے۔ کمزوروں کو سہارا دینے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ اشتراکی مساوات بالکل غیر فطری ہے جب کہ حقیقی مساوات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی نوعی اور شخصی بقا کا انتظام کر کے انسان پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ  
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہاری ہی



کھیتی باڑی، صنعت و حرفت اور طرح طرح کے کاروبار ہوتے ہیں، یہ سب روزی کے ذریعے ہیں۔ حلال رزق میں حرام کی ملاوٹ نہ کرو، اور بھیس عیاشی، فحاشی، اسراف، بخلنگ سازی کی بجائے معاشرے کے کمزور لوگوں کا سہارا بنو۔ اللہ نے انسان کو مکلف بنایا ہے۔ اس پر پابندیاں عاید کی ہیں۔ اگر اپنے تمام معاملات دائرہ قانون کے اندر رہ کر نہ پٹاؤ گے تو کامیاب ہو جاؤ گے، حظیرۃ القدس کے نمبر بن جاؤ گے۔

فطری اور  
غیر فطری  
مساوات

اللہ نے فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے زیادہ روزی دی ہے۔ مال و زر کی فراوانی ہے۔ ان کا معاملہ ایسا ہے فَمَا الَّذِيكَ فَضَّلُوا پس وہ لوگ جن کو دوسروں پر فضیلت دی گئی ہے بِرِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ وہ نہیں چاہتے کہ اپنا مال اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں تاکہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی نہیں چاہتا کہ اُس کے غریب خدام بھی اس کے برابر حیثیت کے مالدار ہو جائیں۔ کوئی کارخانہ دار اپنے مزدور کو اپنا ہم پلہ نہیں دیکھنا چاہتا، کوئی زمیندار اور جاگیردار اپنے مزارع کو اپنے برابر بیٹھا نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی حاکم برداشت کرتا ہے کہ اس کے سارے ماتحت اُس کی حیثیت میں برابر ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس ایک جیسے ہو جائیں تو ایک دوسرے کے کام کون کرے گا اور دنیا کا نظام کیسے چل سکے گا۔؟ گویا اس طرح کی تقسیم غیر فطری ہوگی۔ اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہر شخص کی استعداد، قوت اور علم میں تفاوت رکھا ہے تاکہ بنی نوع انسان ایک دوسرے کے کام آسکیں۔ فرمایا جِبَّ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تفاوت قائم کر کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اُس کی مہربانی سے اُسے نعمت حاصل ہو گئی۔



ذَا الْقَرَبِ حَقُّهُ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ قرابتہ اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو پھر یہ حقوق بھی پورے کرو، ورنہ ماخوذ ہو گئے۔ مال میں مختلف قسم کے حقوق ہیں، کوئی فرض، کوئی واجب اور کوئی نفل۔ اگر کسی مالدار کے اقربا محتاج ہیں تو اس کے ذمے واجب ہے کہ وہ ان کی اعانت کرے، تاکہ وہ بھوکے نہ رہیں عام انسانی سوسائٹی کا بھی یہی قانون ہے۔ اگر دولت مند نادار کی مدد نہیں کرے گا تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہوگا۔ بہر حال جو صاحب حیثیت ہے اس کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے اور اسے اپنے مال کا حساب دینا ہوگا کہ اس نے یہ مال کہاں سے کھایا اور کہاں خرچ کیا؟

مختلف نظام  
مال  
معیشت

آجکل غیر فطری مساوات کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ کہ سب برابر ہیں۔ اس معاملہ میں اشتراکی ممالک پیش پیش ہیں۔ حالانکہ تفاوت کو مٹانا غیر فطری بات ہے۔ گزشتہ پچاس سال کے تجربہ سے اشتراکی نظام کو بھی ناکام ثابت کر دیا ہے وہاں بھی تشدد کے سوا کچھ نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت بھی ایک لعنت سے کم نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی تعلیم سے دوری کی وجہ سے ہو رہا ہے اللہ نے مال کے حصول اور خرچ دونوں کے لیے قانون مقرر کیے ہیں۔ حلال و حرام کا امتیاز روار کھا اور کسب اور خرچ پر بعض پابندیاں عاید کی ہیں۔ کسی کو من مانے طریقے سے کمائی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ فرمایا

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ اللہ سے ڈرو اور حلال روزی تلاش کرو۔ فرمایا۔ اَطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَائِلِ الْأَرْضِ زمین کے کونے کونے میں جہاں بھی ممکن ہو روزی تلاش کرو۔ زمین کے ایک کونے سے دوسرے سرے تک، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندر میں رزق حلال کی تلاش کے لیے نکل جاؤ۔ زمین اور پہاڑوں سے معدنیات نکلتی ہیں دریاؤں اور سمندروں سے مچھلی کا شکار اور قیمتی موتی حاصل ہوتے ہیں۔ زمین کے اوپر



جنس سے تمہاری بیویاں بنائی ہیں وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ  
 بَنِيْنَ وَحَفَكَۃً اور پھر ان بیویوں میں سے تمہارے بیٹے اور پوتے  
 پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی بقا کا یہ انتظام فرمادیا ہے کہ مردوں  
 اور عورتوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں اور پھر ان میں سے ان کی اولادوں کو پیدا  
 کیا ہے۔ اس طرح نسل انسانی قیامت تک چلتی رہے گی۔ حنفد کا معنی خادم،  
 غلام یا سہرا ل والے بھی ہوتا ہے۔ تاہم عام مفسرین نے اس کا معنی پوتے  
 کیا ہے کہ نسل انسانی کی بقا کی یہی صورت ہے۔ ہر فرد فانی ہے اور اپنی مقررہ  
 عمر پوری کر کے مرجاتا ہے، تاہم اگر اس کی اولاد ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میں  
 نہیں ہوں گا تو اس دنیا میں میری اولاد تو موجود ہوگی۔ اس کی تلسی کے لیے یہی  
 بات کافی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔  
 نیک اولاد اپنے آباؤ اجداد کے لیے دعائیں بھی کرتی ہے اور یہ بھی اس کی بقا  
 کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اولاد کی خواہش کو بڑا نہیں کہا گیا، بلکہ  
 انبیاء علیہم السلام بھی نیک اولاد کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم  
 علیہ السلام نے کہا رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِيْنَ (الصَّافَات)  
 یا اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی خدا تعالیٰ  
 کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ۔  
 (الانبیاء) بہر حال نیک اولاد باپ و ماں کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔  
 یہ تو نوعی بقا کا سلسلہ تھا اب آگے فرمایا وَرَزَقَكُمْ مِنَ  
 الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاک چیزوں کی روزی عطا فرمائی۔ ہر انسان خوراک کا محتاج  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اناج اور پھل پیدا کر کے انسان کی شخصی بقا کا انتظام  
 بھی کر دیا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ خوراک  
 ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی اور حیوانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ حتیٰ کہ اللہ  
 کے پاک گرنی بھی اس سے متشقی نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ



حَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء) ہم نے انبیاء کے جسم  
ایسے نہیں بنائے کہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو۔ غرضیکہ ایک زمانے تک  
انسان کی شخصی بقا کا انحصار رزق پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ فرمایا جب  
اللہ نے انسان پر اتنے احسانات کیے ہیں أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ تو اس  
کے باوجود یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں وَبِئْسَ صَاحِبٌ اللَّهُ هُمْ يَكْفُرُونَ  
اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؛ کتنے افسوس کا مقام ہے  
فرمایا نسل انسانی کی شخصی اور نوعی بقا کا انتظام تو میں نے فرمایا ہے مگر ان لوگوں  
کی حالت یہ ہے وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ  
رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وہ اللہ کے سوا ان کی پوجا  
کرتے ہیں جو ان کے لیے زمین و آسمان سے کسی روزی کے مالک نہیں ہیں  
روزی رسالہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر یہ لوگ لات، منات، عزیٰ، جن، فرشتہ،  
حجر، شجر اور قبر کی پرستش کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی روزی کا سامان  
ہے اور نہ یہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتے ہیں اس کے باوجود  
یہ لوگ اپنی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، ما فوق الأسباب انہی کو  
پکارتے ہیں اور انہی کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا وَلَا يَسْتَضِيعُونَ  
ان کے پاس نہ اختیار ہے اور نہ طاقت، نہ یہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین  
میں روئیدگی پیدا کر سکتے ہیں کہ اناج، پھل اور سبزیاں پیدا ہوں۔ نہ ان کا زمین  
میں تصرف ہے اور فضا میں کوئی دخل ہے۔ یہ کسی چیز کے مالک بھی نہیں  
نافع اور ضار بھی نہیں تو پھر کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہرا کر  
ان کی عبادت کی جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا  
إِنَّ الذِّينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ  
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ (العنکبوت) اے لوگو!  
تم اللہ کے سوا جن دوسروں کی عبادت کرتے ہو ان کا رزق پر کوئی اختیار

شرک کی  
تہدید



نہیں ہے۔ لہذا اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو۔ تمام اسباب رزق اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں، لہذا ہمیشہ اُسی کی طرف رجوع کیا کرو۔ اُس نے اپنے اختیارات کسی مخلوق کو تقسیم نہیں کیے جب کہ مشرکین عرب کا دعویٰ یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض ہستیوں کو اختیارات تفویض کر کے انہیں اپنا شریک بنالیا ہے۔ چنانچہ وہ حج کے دوران تلبیہ میں کہتے تھے لَا شَرِيكَ لَكَ کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم) کہتے تھے اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس کے کہ جسے تو نے خود اختیارات دے کر اپنا شریک بنالیا ہے۔ بعض مشرک غیر اللہ کی عبادت کا یہ جواز پیش کرتے تھے کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی، چونکہ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، اس لیے اُن کی عبادت کے ساتھ مل کر ہماری عبادت بھی قبول ہو جاتی ہے بعض یہ بھی کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ذات بڑی بے بند و بالا ہے، ہماری دُعا تک رسائی نہیں ہو سکتی، لہذا ہم ان کے واسطے سے خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام باطل عقائد کی تردید فرمائی ہے۔

اللہ اور بندوں کے درمیان براہِ راست تعلق کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت کا نام تدلی ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر اُس میں روح الہی داخل کی جاتی ہے اور اس طرح ہر انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس پڑنے لگتا ہے اللہ اور بندے کے درمیان یہی براہِ راست تعلق ہے۔ زندگی میں تو انسان کو اس کا شعور نہیں ہوتا، مگر جب انسان مر جاتا ہے، اس کی روح اور جسم سے باہر نکل آتا ہے تو اُس وقت تجلی اعظم کی شمش انسان کو عالم بالا کی طرف کھینچتی ہے جب کہ اُس کے بُرے اعمال اُسے نیچے کی طرف کھینچتے ہیں۔ اور پھر انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اُس وقت انسان کو خدا تعالیٰ

اللہ سے  
براہِ راست  
تعلق



کے ساتھ براہِ راست تعلق کا احساس ہوتا ہے۔

غرضیکہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم ہے ،  
اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور ارادے سے جو چاہے کرتا ہے ، وہاں کسی واسطے کی  
ضرورت نہیں ہے بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
بعض کام فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے ، لہذا براہِ راست تعلق تو ثابت  
نہ ہوا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے کوئی اختیار نہیں  
دیا بلکہ وہ تو اس کے حکم سے ہر کام کرتے ہیں کیونکہ وہ مامور من اللہ ہوتے  
ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے ”وَيَفْعَلُ لَوْنَ مَا يُؤْمَرُونَ“  
وہ تو وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہیں از خود کسی کی  
حاجت روائی اور مشکل کشائی ، بارش برسانے یا پھل اگانے کا کوئی اختیار  
نہیں۔ لہذا جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو مافوق الاسباب پکارے  
گا اور اس سے امید و البتہ کرے گا ، وہ مشرک بھڑے گا۔

فرمایا، تم ایسی مثالیں بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے کسی حاکم پر قیاس کرنے کے  
کہتے ہو کہ جس طرح بادشاہ تک اس کے وزیر، منشی یا مصاحب کے بغیر رسائی نہیں  
ہوتی، اسی طرح اللہ تک بھی اس کے مقرب کے بغیر پہنچ ممکن نہیں، تو یہ  
تمہاری خام خیالی ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ اللہ کے لیے ایسی  
مثالیں مت بیان کرو۔ کیونکہ اُس کا فرمان تو ہے ”أَمَّا الْمُجِيبُ  
الْمُضْطَرِّ إِذَا دَعَاهُ وَبِكَ كُشِفَتِ السُّوءُ“ (النمل) مصیبت زدہ  
کی پکار کو کون سنتا ہے اور اُس کی تکلیف کو کون رفع کرتا ہے؟ وَاللّٰهُ  
مَعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ نہیں بلکہ وہی براہِ راست  
پکار کو سنتا ہے۔ اور تکلیف کو رفع بھی وہی کرتا ہے، کوئی نبی، ولی جن  
فرشتہ اللہ کے درمیان واسطہ نہیں ہے، نہ اُس نے کسی کو کوئی اختیار دے  
رکھا ہے۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے لیے ایسی مشرکانہ مثالیں مت

بیان کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہر چیز  
 کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، لہذا اس کی حکمت میں دخل اندازی  
 کی کوشش مت کرو۔



ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى  
 شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّْا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ  
 مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ  
 مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ  
 عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُ  
 لَأَيَّاتٍ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ  
 بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۶﴾

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے ۔ ایک  
 غلام کی جو مملوک ہے اور نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر ۔  
 اور وہ شخص جسے ہم نے روزی دی ہے اپنی طرف سے  
 اچھی روزی ، پس وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے پوشیدہ  
 بھی اور ظاہر بھی ۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں ؟ سب تعریفیں  
 اللہ کے لیے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو نہیں  
 جانتے ﴿۴۵﴾ اور اللہ نے بیان کی مثال دو شخصوں کی ایک  
 ان میں سے گونگا ہے جو نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر  
 اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر ۔ جدھر بھی وہ اُس کو متوجہ کرتا

ہے، وہ نہیں لانا بہتری کی بات۔ کیا برابر ہے وہ اور وہ  
 شخص جو حکم دیتا ہے عدل کا اور وہ سیدھے راستے  
 پر ہے (۷۶)

رابطہ آیت

گزشتہ آیات میں شرک اور مشرکین کا رد فرمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ  
 نے غلط مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے  
 بادشاہوں پر قیاس کر کے مخلوق کی صفات اللہ میں ثابت کرنا نہایت  
 ہی بری بات ہے۔ اللہ نے اس بات کی سختی سے تردید فرمائی کہ عام  
 آدمی کی اٹل تک رسائی نہیں ہے اور اُسے کسی وسیلہ کی ضرورت ہے  
 بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق براہِ راست اس کے بندے سے ہے اللہ  
 نے اپنے لیے اس قسم کی مثالیں بیان کرنے سے منع فرمادیا۔ اب آج کی آیات  
 بھی شرک کی تردید میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود دو مثالیں بیان کر کے اپنی  
 وحدانیت کا مسئلہ واضح فرمایا ہے۔ پہلی مثال ایک آزاد اور ایک غلام شخص  
 کی ہے جب کہ دوسری مثال دو ایسے شخصوں کی ہے کہ ان میں سے ایک  
 بہرہ ہے جو بالکل نیک ہے جب کہ دوسرا آدمی عدل و انصاف کا دلہا ہے  
 اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ ان دو مثالوں کو اللہ نے مشرک اور مؤحد کے تقابل میں  
 بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لِلَّهِ  
 نے مثال بیان فرمائی ہے ایک غلام کی جو کسی دو شخص کی ملکیت ہے۔  
 گزشتہ درس میں مشرکین کی غلط مثالوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب اللہ نے خود اعلیٰ  
 درجے کی مثال بیان کی ہے کہ ایک غلام اور آزاد شخص کی مثال مشرک اور مؤحد  
 کی ہے۔ ضرب کے مختلف معانی آتے ہیں۔ یعنی مازنا سفر کرنا اور بیان  
 کرنا۔ تو یہاں پر یہ لفظ بیان کرنے کے معانی میں آیا ہے۔ عَبْدٌ كَالْفُطْرِ  
 انبیاء، فرشتوں اور اچھے لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے بلکہ سورۃ بنی اسرائیل میں

غلام اور  
 آزاد کی  
 مثال



اس لفظ کا اطلاق نافرمان اور مغرور لوگوں پر بھی کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے ”بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا اُولٰٓئِیْنَ بِاَسْبَاطٍ دِیْدٍ“ ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے مسلط کر دیے، تاہم عہد کا عام فہم معنی غلام ہونا ہے۔ یہاں پر عہد کے ساتھ مملوک کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی ایسا غلام جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہو۔ آزاد آدمی کسی شخص کا مملوک نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ ہی کا مملوک ہوتا ہے جس نے اُسے پیدا کیا اور وہی اُس کا حقیقی مالک ہے۔ مملوک اپنے مجازی مالک کے تصرف میں ہوتا ہے اُس سے خدمت لے یا اُسے فروخت کر دے۔ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ ایسا شخص خود اپنا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ یہاں پر یقیناً اس کا معنی جسمانی طاقت نہیں کیونکہ یہ طاقت تو غلام اور آزاد میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے لہذا یہاں یقیناً اس سے مراد اختیار یا قدرت رکھنا ہے کہ غلام آدمی کا اپنا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ہر فعل اس کے آقا کی منشا و پرہیز و قبول ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ غلام اپنی کھائی کا بھی مالک نہیں ہوتا بلکہ اُس کی آمدنی مالک کی آمدنی تصور ہوتی ہے اور وہی اس کا متصرف ہوتا ہے۔ ایک غلام آدمی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کر سکتا اور نہ وہ نکاح کر سکتا ہے اگر کوئی مالک اپنی لونڈی کو خود نکاح کی اجازت دے دے تو پھر اس کے اختیارات اس حد تک کم ہو جاتے ہیں کہ وہ اس سے خدمت تو لے سکتا ہے مگر قصداً سے ثبوت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا حق وہ لونڈی کے خاوند کو دے چکا ہے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جائے تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اُس کی عبادت بھی مقبول نہیں جب تک وہ اپنے مالک کے پاس واپس نہ آجائے۔

بہر حال فرمایا کہ ایک شخص ہے جو کسی دوسرے کا غلام ہے اور وہ







لذیذ اور خوشگوار چیز بناتے ہو۔ تاہم یہاں پر رزقِ حسن سے وہ پاک روزی مراد ہے جس کے استعمال سے اچھے اخلاق پیدا ہوں عبادت کی قبولیت بھی حلال روزی پر موقوف ہے۔ صدقہ و خیرات بھی وہی مقبول ہوگا جو حلال مال سے کیا جائے گا۔ خود اپنی ذات پر پاک روزی استعمال کر لیا تو اس کا اچھا اثر ہوگا۔ تمام پاکیزہ اخلاق پاکیزہ روزی سے پیدا ہوتے ہیں اور حرام روزی سے خبیث اخلاق جنم لیتے ہیں جو انسان کے لیے باعثِ وبال ہوں گے اور اُسے خدا کے غضب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

باطنی اور  
ظاہری  
خرچ

اس آیت کریمہ میں مذکور انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ خرچ کے ظاہری اور باطنی دونوں طریقے درست ہیں اور ان کا انحصار حالات و واقعات پر ہوتا ہے۔ اگر دوسرے کو ترغیب دلانا مقصود ہو تو ظاہری طور پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات پوشیدہ خرچ کرنا احسن ہوتا ہے کیونکہ اس میں ریاکاری کا شبہ نہیں رہتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ایک مومن آدمی دائیں ہاتھ سے اس قدر پوشیدہ خرچ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ کیا خرچ کیا ہے پوشیدہ خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ کا عنصر غالب ہوتا ہے اور ظاہر خرچ کرنے میں انسانی سوسائٹی کا لحاظ ہوتا ہے۔ بہر حال اپنے اپنے مقام پر خرچ کے دونوں طریقے درست ہیں۔

گو ننگا غلام  
اور عادل آزاد

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک گونگے غلام اور ایک عادل آزاد شخص کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَرْبِ الْكَلْبَ مِثْلَ رَجُلٍ اور اللہ نے مثال بیان کی دو آدمیوں کی۔ أَحَدُهُمَا أَبْكَمٌ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا حتیٰ کہ وہ اپنے دل کی بات بھی دوسرے نہیں کہہ سکتا۔ اس قدر ناکارہ اور بے سود ہونے کی بناء پر وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ وہ اپنے صاحب پر



بوجھ بن چکا اسکا مالک اس سے کوئی خدمت تو لے نہیں سکتا بلکہ اس کی طرف نقصان کا  
 خطرہ ہوتا ہے۔ اَيْنَمَا يُوْجِّهْهُ لَا يَأْتِ بَخِيْرٍ اُس کا آقا جس کام  
 کی طرف بھی ایسے غلام کو متوجہ کرتا ہے، وہ کوئی بہتر چیز نہیں لاتا یعنی کچھ کام  
 نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے ضراب کر کے آتا ہے اور مالک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے  
 فرمایا اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے وَمَنْ يَّامُرْ  
بِالْعَدْلِ جُوْعَدَلٍ وَالْصَّافِ كَالْحَمِّ دیتا ہے۔ وہ آزاد ہے۔ با اختیار،  
 خود بھی عامل بالعدل ہے اور دوسروں کو بھی عدل کی وصیت کرتا ہے  
 فرمایا هَلْ يَسْتَوِي هُوَ كَمَا يَلِ الشَّخْصِ اس کے برابر ہے جو غلام بھی ہے  
 اور گونگا بھی، اور کوئی قدرت بھی نہیں رکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں  
 آدمی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بعینہ کوئی بت یا استھان، جن یا فرشتہ،  
 یا کوئی انسان جسے کچھ اختیار حاصل نہیں، وہ اللہ مالک الملک، با اختیار، نافع اور  
 صار، قادر مطلق اور متصرف کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اللہ کے برابر  
 مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟  
 ان کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو؟ مافوق الاسباب ان کو کیوں پکارتے  
 ہو؟ اپنی حاجات ان کے سامنے کیوں پیش کرتے ہو؟ اگر دو اشخاص کی  
 مثال سمجھ آ سکتی ہے تو پھر خالق اور مخلوق کا تفاوت بھی فہم میں آنا چاہیے  
 اور ہر ایک کو اس کے مرتبے کے برابر حیثیت دینی چاہیے نہ تو خدا تعالیٰ کی  
 صفاتِ مختصہ کو انسانوں یا دیگر مخلوق میں ثابت کرنا چاہیے اور نہ انسانوں  
 کی صفاتِ اللہ کی طرف منسوب کرنی چاہییں۔

غلامی کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ انسانی سوسائٹی میں سزرا کے طور پر

راج ہوئی۔ جنگ کے دوران دشمن کے جو لوگ گرفتار ہوتے تھے ان میں سے



سردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنا لیا جاتا۔ غلامی کی یہ لعنت انیسویں صدی میں آکر دنیا سے ختم ہوئی ہے۔ مثینی دور سے پہلے ہر چھوٹا بڑا کام افرادی قوت سے لیا جاتا تھا اور اس کا سستا ترین ذریعہ غلام تھے جو مالک کی بلا معاوضہ خدمت کرتے تھے۔ مثینی دور میں اکثر کام مشینوں کے ذریعے ہونے لگے اور اس طرح افرادی خدمت کے کام میں کمی واقع ہو گئی۔ اور غلامی کا رواج بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں اگرچہ غلامی کو کلیتاً ختم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے برداشت کیا گیا اور غلاموں کے حقوق بھی ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مختلف حیلوں بہانوں سے غلامی کا رواج ختم کرنے کی ترغیب دی گئی۔ غلامی کو غیر فطری قرار دیا گیا۔ اور مختلف جہانم کے کفار سے کے طور پر غلام کی آزادی کا حکم دیا گیا۔ ان کو مکاتب بنانے کی ترغیب دی گئی اور اس طرح غلامی کے خاتمے کی بنیاد دین اسلام نے رکھ دی۔ اُس زمانے میں غلاموں سے سخت ترین کام لینے کے علاوہ ان سے سخت بدسلوکی بھی کی جاتی تھی، حتیٰ کہ بعض لوگ محض تفریح طبع کے لیے غلاموں کو سر عام قتل کر دیتے تھے اور اس طرح غلاموں کو انسانیت سے قریب بھی جگہ نہیں دیتے تھے۔

غلاموں کے  
حسن سلوک

اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے ایک موقع پر ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو پرٹ رہے تھے۔ حضور علیہ السلامؐ کا گزر ہوا تو فرمایا اللہ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْ هَذَا یعنی جو قدرت تم کو اس وقت اس غلام پر حاصل ہے، اس سے زیادہ اللہ کو تم پر قدرت حاصل ہے۔ آپؐ کی اس تنبیہ پر ابو مسعودؓ نے غلام کی پٹائی بند کر دی اور پھر اُسے بالکل آزاد کر دیا۔ ایک اور شخص نے اپنے غلام کو تھپڑ مار دیا، حضور علیہ السلامؐ سخت ناراض ہوئے تو اس شخص نے فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ علیہ السلامؐ



نے فرمایا کہ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ کی لپیٹ تم پر پڑتی۔ فرمایا اللہ نے کسی وجہ سے کہ غلام تمہارے ماتحت کر دیے ہیں، آخر یہ بھی انسان ہیں، تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ جو خود کھلتے ہو۔ ان کو بھی کھلایا کرو، اور جو خود پسنتے ہو، ان کو بھی پہناؤ۔ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر ان کے سپرد کوئی مشکل کام لگاؤ، تو پھر ان کے ساتھ تعاون بھی کرو۔ کام میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ بہر حال اسلام نے غلامی کو صرف برداشت کیا، کیونکہ یہ بین الاقوامی رواج تھا۔ انسان فطری طور پر آزاد ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر غلاموں کو آزاد کر دیں تو اس میں اسلام کا کیا نقصان ہوگا، بلکہ اسلام تو اس لعنت کو ختم کرنا چاہتا ہے، اور اس کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔

قومی غلامی

اشخصی غلامی تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکی ہے، البتہ قومی غلامی کا جو اثراتے نظر نہیں آتا۔ معاشی اور فوجی لحاظ سے مضبوط اقوام کی طرف سے کمزور قوموں کو غلام بنائے رکھنے کی مثالیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ انگریزوں نے دو سو سال تک دنیا کی مختلف اقوام کو غلام بنائے رکھا، طاقتور ملک ہمیشہ کمزوروں کو غلام سمجھتے ہیں اور ان پر فوجی دباؤ کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی طور پر خوشحال ملک اپنے مالی مسائل کی بنیاد پر بد حال لوگوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا امریکہ اور روس کی معاشی غلامی کا شکار ہے۔ غریب ممالک کی تمام اقتصادی پالیسیاں امریکہ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور وہ اس قدر بے بس ہوتے ہیں کہ امریکہ کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔ ایسے ملک اپنی تہذیب بھی کھو بیٹھتے ہیں اور تہذیبی لحاظ سے بھی امریکہ کے غلام ہو جاتے ہیں۔ ان کا لباس وضع قطع، طور و اطوار حتیٰ کہ ان کی سوچ بھی اسی غلامی کا شکار ہو جاتی ہے جو کسی قوم کے لیے انتہائی بد قسمتی کی بات ہے۔ اسی بات کو ڈاکٹر اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں کہا تھا۔



غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر  
انگریز نے ہم پر جس قسم کی غلامی مسلط کی، اس کے نتیجے میں ہمارے لوگوں کے  
خیالات بہت ہی گھٹیا ہو گئے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی پالیسی تہذیب اور  
عمل نہیں رہا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقاؤں کی طرف ہی دیکھتے رہتے ہیں کہ ان  
کی خوشنودی کیسے حاصل ہو۔

خلاصہ کلام

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آزادی اور غلامی کا مسئلہ مثال کے ذریعے سمجھا دیا  
ہے۔ ایک طرف ایک غلام اور گونا گواہر آدمی ہے جو کچھ اختیار نہیں رکھتا  
ہر کام غراب کر کے آتا ہے اور اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ دوسری طرف  
ایک آزاد ہے جو خود مختار ہے، خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے، اور  
اسی کا حکم بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
کہ سیدھے راستے پر بھی یہی شخص ہے۔ پھر جہلا ایک غلام اور آزاد شخص کیسے  
برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی حال ایک مشرک اور موحد کا ہے مشرک آدمی کسی قبر  
پر جائے گا، کوئی رسم اختیار کرے گا۔ اپنا دین خراب کرے گا۔ جہاں جائے  
گا، خرابی ہی لے کر آئے گا۔ اس کے برخلاف موحد آدمی اپنے ایمان پر مضبوط  
رہے گا۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا طلبگار ہوگا، اس کے  
بنائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگا۔ تو فرمایا مشرک اور موحد بھی برابر نہیں  
ہو سکتے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۷۹ تا ۷۸

ربما ۱۴

درس بستم ۲۰

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ  
 اِلَّا كَلِمَةٍ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ  
 شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنٍ  
 اُمّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمْ  
 السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۰﴾  
 اَلَمْ يَرَوْا اِلَآءَ الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ  
 مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ  
 لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں پوشیدہ چیزیں  
 آسمانوں اور زمین کی ۔ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر  
 جیسا کہ ایک نگاہ کا پلٹنا یا اس سے بھی زیادہ قریب  
 بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۷۹﴾ اور  
 اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے  
 تم نہیں جانتے تھے کچھ بھی ۔ اور بنائے اس نے تمہارے  
 لیے کان ، آنکھیں اور دل ، تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۰﴾ کیا ان  
 لوگوں نے نہیں دیکھا پرندوں کی طرف جو مسخر کیے ہوئے  
 ہیں آسمان کی فضا میں ۔ نہیں روکتا ان کو اللہ کے سوا



کوئی بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۹﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اللہ نے شرک کی تردید میں بعض دلائل اور مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص غلام بھی ہے اور گونگا بھی۔ وہ بالکل نکما ہے، جو بھی کام اس کے سپرد کیا جائے وہ کوئی اچھا نتیجہ پیش نہیں کرتا اور اس طرح اپنے آقا پر ابو حبیہ بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف ایک آزاد اور مومن آدمی ہے اور خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ کے بتائے ہوئے اصرار پر مستقیم رہے تو اللہ نے ان دو شخصوں کا حال بیان کر کے فرمایا کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی مثال ایک مشرک اور موحد کی ہے۔ جس طرح مذکورہ دو شخص برابر نہیں، اسی طرح مشرک اور توحید پرست برابر نہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے مومن اور مشرک میں تفاوت دراصل ہر آدمی کی استعداد اور عمل میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ بظاہر تو سارے انسان برابر نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو اعضائے ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے، مگر ہر انسان کے ہر عضو کی استعداد مختلف ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ انسان ظاہری آنکھ سے دوسرے کے ظاہر کو تو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے دل کی کیفیت کو نہیں جان سکتا۔

استعداد  
عمل اور جزا

ننگاہ بانگاہ امیرہ دادی دل از دل جدا کر دی

اللہ نے آنکھوں کو آنکھوں کے ساتھ تو مشابہت دیدی ہے مگر دل کو دل سے جدا کر دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا حال معلوم نہیں کر سکتے غرضیکہ ہر انسان کی استعداد، عمل اور پھر اس سے اخذ ہونے والے نتیجے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی اپنے علم کے مطابق ہر شخص کو بدلہ دے گا۔ مخلوق میں سے کوئی ذات ایسی نہیں جو کسی کے تفصیلی حالات سے

واقف ہو۔ آج کی پہلی آیت کریمہ میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں۔ جو چیزیں بھی انسانوں جنوں اور فرشتوں سے پوشیدہ ہیں، ان کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پوری مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا دراصل ایسے مواقع پر غیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر انسانوں یا دوسری مخلوق کی نسبت سے کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں مخلوق سے پردہ غیب میں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی نگاہ میں ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے ”وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي السَّمٰوٰتِ“ تیرے پروردگار سے تو کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ تو عالم الغیب والشہادۃ کا یہی مطلب ہے کہ مخلوق کی نسبت سے جو چیزیں بھی ظاہر ہیں یا پوشیدہ، محسوسات میں سے ہیں غیر محسوسات میں سے، ہر چیز خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ سورۃ الملک میں اس بات کو درود کے انداز میں بیان کیا گیا ہے ”اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ“ کیا کائنات کو وہی نہیں جانے لگا جس نے اُسے پیدا کیا، حالانکہ وہ لطیف (باریک بین) بھی ہے اور ہر چیز کی خبر بھی رکھتا ہے۔

عالم الغیب والشہادۃ ہونا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ محضہ میں سے ہے اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی میں یہ صفت تسلیم کرے گا تو وہ مشرک بن جائے گا۔ جس طرح اللہ کے سوا قادر مطلق کوئی نہیں، اسی طرح اس کے سوا عالم الغیب بھی کوئی نہیں۔ ہر انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس



کی روح اور اُس کے لطائف ہیں، اُس کا نفسِ ناطقہ ہے۔ اِن ظاہری اور باطنی قوی کی استعداد کو بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ ہر شخص کے عمل سے بھی وہی واقف ہے۔ لہذا وہ اپنے اسی علم اور مخلوق کے عمل کی بناء پر ہر ایک کو بدلہ بھی عطا فرمادے گا۔

قیامت کی  
اچانک آمد

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ہی کے تسلسل میں یہ بھی فرمایا کہ وقوعِ قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ قِيَامَتِ كَالْمَعَالِ تَوَالِيَسَ كَمَا يَكُونُ فِي قَوْلِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ بات ہے، قیامت اس سے بھی پہلے برپا ہو جائیگی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے حضور علیہ السلام نے وقوعِ قیامت کے متعلق کئی ایک باتیں بتلائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، کسی نے کھانے کا لقمہ اٹھایا ہوگا اور ابھی وہ منہ تک نہیں بے جائیگا کہ قیامت کا بگل بج جائے گا۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے لَا تَأْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْثَةً یہ اچانک ہی تمہارے پاس آجائے گی۔ اس کے لیے اِلَّا اَحْبِلُ مُسْمًی کے الفاظ قرآن پاک میں بار بار آتے ہیں کہ وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور واقع ہو جائے گی اور پھر اس کے بعد جزائے عمل کا وقت آئے گا۔ یَوْمَ تَبْلُغُ السَّاعَةُ (الطارق) اس دن پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور محاسبے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ ہر انسان کو اپنی استعداد اور عمل کے مطابق بدلہ ملے گا جو کہ ہر ایک کے لیے عطا فرمایا ہوگا۔ آج کوئی نبی، ولی، جن، فرشتہ یا کوئی اور مقرب اس کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ یہی حال انسان کی انفرادی زندگی کا بھی ہے۔ اس کے وقت کا علم بھی کسی کے پاس نہیں اور یہ بھی اچانک آجاتی ہے۔ حادثات بھی پیش آجاتے ہیں۔ بیماری میں بھی صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے کہ جب وہ وقت مقررہ آجاتا ہے لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ



سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْتٌ" تو پھر ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا بلکہ عین وقت پر موت آجاتی ہے۔ ہر فرد کی موت قیامت صغریٰ کہلاتی ہے اور کائنات کی مجموعی موت کو قیامت کبریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ" جو شخص مر گیا، اس کی قیامت تو برپا ہو گئی کیونکہ وہ جزائے عمل کی منزل میں داخل ہو گیا۔ موت کے بعد قبر کی منزل ہے، عالم بزرخ ہے۔ پھر وقوع قیامت اور محاسبے کا پورا عمل واقع ہونے والا ہے۔ یہ ساری منزلیں آخرت کی منزل کی کڑیاں ہیں۔

قبر کی منزل

انفرادی موت کے بعد انسان کو سب سے پہلے قبر کی منزل آتی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ عقبیٰ کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے اور اس کا معاملہ نسبت خطرناک ہے۔ اگر قبر کی منزل آسان ہو گئی تو انشاء اللہ آگے کی منزلوں میں بھی آسانی ہوگی۔ اور یہیں مشکل پیش آگئی تو اگلی منزلیں مزید مشکل ہو جائیں گی۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ قبرستان میں پہنچ کر بہت روتے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تڑھو جاتی۔ دوستوں نے پوچھا، حضرت! آپ قبور کی زیارت پر بہت گریہ کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے یہی بات فرمائی کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے اگر یہ آسان ہو گئی تو اگلی منزلیں بھی آسان ہوتی جائیں گی، وگرنہ معاملہ بڑا مشکل ہے۔

انسان کے ذرائع علم

آگے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش اور پھر اس پر کیے گئے انعامات کا ذکر کر کے اسے شکریہ ادا کرنے کی تلقین کی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمُ اللّٰہ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، یعنی تمہیں پیدا کیا۔ اور اس وقت تمہاری حالت یہ تھی لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں



تھا۔ تم اس دُنیا میں بالکل اجنبی تھے مگر اللہ نے تمہارے لیے ذرائع علم پیدا کیے اور وہ اس طرح وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ کہ تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو کان عطا کیے ہیں تاکہ اگر کسی ایک میں خرابی واقع ہو جائے تو دوسرے سے کام چلایا جاسکے۔ کان اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان نہ کچھ سُن سکتا، نہ دیکھ سکتا اور نہ بول سکتا۔ ظاہر ہے کہ چھوٹا بچہ اپنے ماحول سے سُن کر ہی باتیں کرنا سیکھتا ہے۔ اگر وہ کوئی بات سنے گا نہیں تو اُسے بات کرنی کیسے آئے گی، اسی لیے جو بچے پیدائشی گونگے ہوتے ہیں وہ دراصل کانوں کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں حالانکہ اُن کی زبان بالکل ٹھیک ہوتی ہے۔ مگر وہ نہ سننے کی وجہ سے بات سیکھتے ہی نہیں، لہذا وہ گونگے بھی ہوتے ہیں بہرے بھی۔

اسی طرح آنکھیں بھی بہت بڑی نعمت ہیں۔ آنکھ کی قدر نابینا سے پوچھیے جس کے لیے سارا جہاں گھپ اندھیرا ہے۔ آنکھ نہیں تو کچھ بھی نہیں بیچارہ پڑھتے لکھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کی حقیقت کو نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس کی بناء پر اُسے اشیاء کا مکمل علم حاصل نہیں ہو سکتا پھر انسان کا دل اس کے جسم کا مرکز ہے۔ اس کے ساتھ دماغ شامل ہو کر ہر کام میں غور و فکر کرتا ہے۔ غور و فکر دماغ کے ذریعے ہوتا ہے اور عملی اقدام دل کی وساطت سے ہوتا ہے۔ غور و فکر کے معاملہ میں اللہ کے آخری پیغام قرآن پاک کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے تو سورۃ محمد میں اللہ نے فرمایا ہے أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ غرضیکہ انسان کا دل بھی اُس کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔



اللہ تعالیٰ نے ان تین اہم ترین چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا ذکر کر کے انسان کو یاد دلایا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم نے یہ نعمتیں عطا کر کے تمہیں علم کے ذرائع مہیا کر دیے کہ ان کو بروئے کار لا کر علم حبیبی عظیم نعمت حاصل کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اور میرا شکر ادا کرو۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کانوں سے قرآن پاک اور دین کی باتیں سنی جائیں، نہ کہ فحش گانے سماعت کیے جائیں آنکھوں سے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔ اچھی کتابیں پڑھی جائیں۔ شعار اللہ کی زیارت کی جائے، نہ کہ ٹیلیوژن پر فحش مناظر دیکھے جائیں۔ آنکھ کی حفاظت پر اللہ اور اس کے رسول نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ شرم و حیا کے نکلنے آنکھ کے ذریعے ہی پورے کے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا دل ہے جو نیکی پر بھی مائل ہو سکتا ہے اور برائی پر بھی۔ یہ مظلوم کی مدد کے لیے بھی کھڑا کر سکتا ہے اور کسی کی حق تلفی کے لیے بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت کو سمجھنا چاہیے۔ تو یہ تینوں نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں تاکہ اس کا شکر ادا کرو۔

بعض لوگ معاش کے مسئلہ کو بہانا بنا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہ ہم روزگار کے مسئلہ میں ہی الجھے رہتے ہیں۔ اس لیے ہم کوئی نیکی کا کام نہیں کر سکتے، عبادت اور ریاضت کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اور نہ ہماری علمی یا دماغی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ نے معاش کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جن کو اللہ نے فضا میں مسخر کیا ہے۔ وہ جدھر چاہتے ہیں اُڑتے پھرتے ہیں اور کبھی شغل انہیں گرا نہیں دیتی۔ البتہ جب وہ خود چاہتے ہیں تو زمین پر اتر جاتے ہیں۔ فرمایا مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ فضا میں

فلسفہ  
معاش



اللہ کے سوا انہیں تھلنے والا کون ہے۔ سورۃ الملک میں اِلَّا الرَّحْمٰنُ کے الفاظ آتے ہیں، یعنی انہیں کھلی فضاؤں میں تھلنے والا صرف رحمان ہی ہے۔ پرندے اپنے پروں کو پھیلاتے اور سیکڑتے ہوئے دور دور تک چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے اڑان کے راستے آسان کر دیے ہیں اور سینکڑوں میل کا سفر آسانی طے کر لیتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ پرندے صبح سویرے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں، اگر تم پرندوں جتنا توکل بھی کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ویسے ہی روزی پہنچاتا جس طرح ان پرندوں کو پہنچاتا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان پرندوں جیسا توکل بھی نہیں رکھتا۔ اگر انسان اللہ کے احکام کے مطابق اپنے فرائض کو بجالائے اور روزی کے جائز ذرائع استعمال کرے تو اللہ اُسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسباب رزق بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے، لہذا ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اسباب کی بجائے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا چاہیے کیونکہ وہ چاہے گا تو اسباب میں اثر پیدا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی یہ مثال بیان کر کے توحید خداوندی کا درس دیا ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ اس قسم کی مثالوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معاد پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان سے خالی ہیں ان کے لیے یہ مثالیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ نہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچانتے ہیں اور نہ اسکی اطاعت گزار بن کر رہتے ہیں، برخلاف اس کے جانور، پرندے، چرندے، کیڑے مکوڑے شجر و حجر سب اللہ کے اطاعت گزار ہیں اور اس کے حکم سے سر موڑا کھراں نہیں کرتے، مگر انسانوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کا نافرمان ہے،

بلکہ اکثریت ناشکر گزاروں کی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

---



وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ  
لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا  
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَابِهَا  
وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ①  
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ  
لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ  
تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ كَذٰلِكَ  
يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُونَ ②  
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ③  
يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ  
الْكَافِرُونَ ④

۱۱  
ع  
۱۲

ترجمہ :- اور اللہ نے بنائی ہے تمہارے لیے تمہارے  
گھروں میں سے سکونت کی جگہ ۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے  
موشیوں کی کھالوں سے گھر، جن کو تم ہلکا خیال کرتے ہو کوچ  
وے دن اور قیام وے دن ۔ اور اُن کی اُون ، پشم اور بالوں  
سے طرح طرح کا سامان اور فائدہ اٹھانے کی چیز ایک وقت  
تک ① اور اللہ نے اپنی تخلیق میں سے تمہارے لیے سایہ

بنایا ہے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں۔  
 اور اس نے تمہارے لیے قمیصیں بنائی ہیں جو بچاتی ہیں  
 تمہیں گرمی سے، اور قمیصیں جو بچاتی ہیں تمہیں لڑائی سے  
 اسی طرح اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر، تاکہ  
 تم فرمانبردار ہو جاؤ (۸۱) پس اگر روگردانی کی ان لوگوں نے  
 پس بیشک آپ پر کھول کر بیان کر دیا ہے (۸۲) پہنچتے  
 ہیں یہ اللہ کی نعمت کو، پھر انکار کرتے ہیں اس کا، اور  
 اکثر ان میں کفر کرنے والے (نافرمان) ہیں (۸۳)

یہ آیات

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور  
 جزائے عمل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا کہ انسانوں کے تمام مخفی حالات سے  
 صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے جو کائنات کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہے  
 قیامت کو بھی اپنے وقت پر وہی برپا کرے گا۔ انسان قیامت کے وقت کے  
 متعلق کچھ نہیں جانتے، اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ انسان کی انفرادی موت  
 بھی اچانک ہی واقع ہو جاتی ہے کوئی شخص اُس کے وقت اور مقام کو نہیں  
 جانتا۔ گویا قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ میں اس لحاظ سے مناسبت ہے۔  
 پھر اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا ذکر کیا۔ پہلے انسان  
 کے جسم میں موجود بڑی بڑی نعمتوں کو یاد دلایا۔ پھر پہنچوں کو ہوا میں تھامنے کا بیان ہوا  
 کہ یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا شاہکار ہے۔ فرمایا یہ ایمان والوں کے لیے نشانِ  
 قدرت ہیں جن میں غور کر کے وہ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمتِ باعتر کو  
 سمجھ سکتے ہیں۔

گھر، ذریعہ  
 سکون

اب آج کے درس میں بھی اللہ نے انسان پر کیے گئے بعض انعامات  
 کا ذکر کر کے انہیں اپنی قدرت اور وحدانیت کی دلیل بنایا ہے ارشاد ہوتا ہے



وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا اور اللہ نے تمہارے  
یہ تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا ہے سکنّا کے سکون اور سکون  
دونوں مادے ہیں۔ اگر یہ سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب ہے کہ ایسی جگہ  
جہاں تم سکونت یعنی رہائش اختیار کرتے ہو اور سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب  
ہوگا سکون یعنی آرام پکڑنے کی جگہ۔ سورۃ الانعام میں رات کے متعلق بھی فرمایا  
”جَعَلَ الْبُيُوتَ سَكَنًا“ اس نے تمہارے لیے رات کو آرام و سکون  
کا ذریعہ بنالیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام جائزہ روزی کی تلاش میں مشقت  
کے قہقہے ہار جاتے ہیں تو پھر انہیں اپنی تحلیل شدہ قوتوں کو بحال کرنے  
کے لیے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو انہیں رات کے سناٹے میں حاصل  
ہو جاتا ہے اور وہ اگلے دن کی مشقت کے لیے پھرتیار ہو جاتے ہیں۔  
عربی زبان میں کہتے ہیں کُلَّمَا عَلَا لَكَ وَاطْلُكُ جو چیز تمہارے  
اوپر سایہ افکن ہوتی ہے اُسے سماء کہتے ہیں اور اس کا اطلاق چھت پر بھی ہوتا  
ہے کہ یہ بھی انسان کے سروں سے اُپر ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کُلَّمَا  
اَقْلُكُ جو چیز تمہیں اٹھاتی ہے، وہ زمین ہے۔ اس پر قدم رکھ کر انسان  
چلتا پھرتا ہے، گویا زمین اُسے اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو چیز انسان کو  
ارد گرد سے پرے کی صورت میں گھیرتی ہے وہ حصار یعنی دیوار ہے  
یہ قینوں چیزیں یعنی زمین چھت اور دیواریں مل جائیں تو مکان معرض وجود میں  
آجاتا ہے، جس کا ذکر اللہ نے اس آیت کریمہ میں بطور احسان فرمایا ہے  
حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خوراک پانی، لباس اَوْ بَيْتًا یَسْكُنُوْهُ  
اور سکون پکڑنے کی جگہ مکان، انسان کی بنیادی ضروریات ہیں جو ہر انسان کو  
بلا لحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل حاصل ہونی چاہیئے۔ موجودہ زمانے میں  
ان میں دو مزید چیزیں شامل کر دی گئی ہیں یعنی تعلیم جس کے ذریعے انسان  
اپنے فرائض کو پہچان سکے اور صحت۔ ان چھ بنیادی ضروریات کو یونیسکو

انسان کی  
بنیادی  
ضروریات



(UNESCO) بھی تسلیم کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے طَلَبُ  
 الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ یعنی ہر مرد و زن  
 پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فرائض ادا کر سکے۔ چونکہ  
 فرائض کی ادائیگی صحت و تندرستی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ بھی بنیادی ضرورت  
 شمار کی گئی ہے۔ چنانچہ آج کی دنیا میں بھی کامیاب حکومت وہی تصور ہوتی ہے  
 جو اپنے باشندوں کو بنیادوں ضروریات مہیا کرے۔ ملک میں کوئی بھوکا پیاسا نہ  
 ہو۔ ہرنیک و بد کے لیے خوراک اور پانی لازمی ہے جس کے بغیر وہ زندہ  
 نہیں رہ سکتا۔ مکان اور لباس بھی ضروری ہے اگرچہ وہ ادنیٰ قسم کا ہی ہو۔ شادی  
 جوڑے کے لیے تو مکان کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں اسکی  
 تصریح ہے کہ اگر کوئی مکان کا بندوبست نہیں کر سکتا تو اس کی شادی بھی ممکن  
 نہیں۔ کم از کم اتنا مکان تو ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اہل و عیال سمیت  
 گزارہ کر سکے۔ بہر حال اس مقام پر اللہ نے مکان جیسی بنیادی ضرورت کا ذکر  
 کیا ہے۔ عام طور پر مکان مٹی گارے اور اینٹ پتھر کے ہوتے ہیں۔ تاہم یہ  
 خیموں کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم زمانے میں ہوتے تھے۔  
 اور جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، بہر حال گرمی، سردی اور بارش وغیرہ سے بچاؤ  
 کے لیے مکان ضروری ہے جسے اللہ نے یہاں پر الفام کے طور پر ذکر فرمایا ہے  
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لفظ "سَكَنًا" سے یہ بات بھی سمجھ  
 میں آتی ہے کہ گھر کا مقصد آرام حاصل کرنا ہے اور گھر وہی اچھا ہوگا جس میں  
 آکر انسان کو آرام و راحت حاصل ہو۔ اگر انسان کو گھر میں داخل ہو کر سکون  
 نصیب نہیں ہوتا تو اس کی عالیشان بلڈنگ بھی بیکار محض ہے جو کہ مکان  
 کے مقصد کو پورا نہیں کرتی۔ مندا احمد کی روایت میں آتا ہے کہ دنیاوی لحاظ  
 سے سعادت مند شخص وہ ہے جسے اچھا گھر، اچھی بیوی — اور  
 اچھی سواری میسر ہو۔ اگر یہ تینوں چیزیں ناموافق ہوں، یعنی مکان میں گرمی، سردی



اور بارش سے بچاؤ کا انتظام نہ ہو، بیوی مرضی کے خلاف ہو، اور سواری بھی تنگ کرتی ہو، تو ایسا شخص دنیاوی لحاظ سے شقی ہوگا۔ بہر حال مکان سکونت اور آرام کے لیے ہے اور انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔

چمڑے کے  
خیمے

نزولِ قرآن کے زمانے میں گھڑ کے طور پر چمڑے کے خیمے عام استعمال ہوتے تھے۔ اکثر لوگ خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں خوراک اور پانی میسر آیا وہاں خیمے لگا کر رہائش اختیار کر لی، یہ ذخیرہ ختم ہو گیا تو آگے چل کر عام مکان کا ذکر کرنے کے بعد آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے خاص طور پر خیموں کے گھروں کا ذکر فرمایا کہ اس کا تم پر یہ بھی احسان ہے وَجَعَلْ لَّكُمْ مِّنْ حُلُومِ الْأَفْكَامِ بُيُوتًا اُس نے تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے گھر بنائے۔ اور یہ ایسے گھر ہیں تَسْتَخْفُونَ بِهَا کہ تم انہیں ہلکا خیال کرتے ہو يَوْمَ ظَعْنِكُمْ سفر کے دن وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ اور اپنے قیام کے دن۔ ظاہر ہے کہ اینٹ پتھر کا مکان تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا، البتہ کپڑے، پلاسٹک یا کھال کا خیمہ تو آسانی سے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خیمے کا گھر تم دورانِ سفر بھی ہلکا خیال کرتے ہو، کہ آسانی جانور پر لاوا جاسکتا ہے اور دوسری جگہ آسانی سے قائم بھی کیا جاسکتا ہے گویا اقامت بھی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ سند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ہم چالیس آدمی ایک موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے اور آپ نے وہاں ایک خوشخبری بھی سنائی، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ گرم موسم میں سفر کے دوران افضل صدقہ ظِلُّ فَسْطَاطٍ یعنی سایہ مہیا کرنا ہے اور کسی نے غازیوں اور مجاہدین کے لیے خیمہ کا بندوبست کر دیا تو یہ اس کے لیے بہترین صدقہ ہوگا۔ پرانے زمانے میں خیموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ آج کے دور میں بھی فوجی قافل



کے دوران خیموں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات کے میدانوں میں خیموں میں ہی قیام کیا جاتا ہے اور ہمیشہ کیا جاتا ہے گا۔ ہر سال دنیا بھر میں خیمہ لستی کا یہ سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ جہاں تک خیموں کی ساخت کا تعلق ہے، اللہ نے فرمایا کہ چمڑے کے علاوہ وَمِنْ أَصْنَافِهَا یہ جانوروں کی اون سے بھی تیار ہوتے ہیں۔ بھیڑوں کی اون اس مقصد کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ وَإِذَا رَکَّاهُ جانوروں کی پشت سے بھی تیار ہوتے ہیں۔ اونٹوں کا پشت خیمے بنانے کے کام آتا ہے وَإِشْعَارُهَا اور ان کے بالوں سے بھی۔ بکری کے بال بھی خیمہ بنانے کے کام آتے ہیں۔ فرمایا أَتَاثُ ان سے تم طرح طرح کے سامان تیار کرتے ہو۔ پہننے، اوڑھنے اور بچھانے کے لیے کپڑے جانوروں کے بالوں اور اون وغیرہ سے ہی تیار ہوتے ہیں۔ وَمَتَاعًا حائین۔ ان چیزوں میں اللہ نے مدت مقررہ تک تمہارے لیے فائدے کا سامان رکھا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔

آگے اللہ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلًّا اللہ نے اپنی تخلیق کردہ اشیاء میں سے تمہارے لیے سایے بھی بنائے۔ دھوپ اور گرمی میں سایہ بہت بڑی نعمت ہے کہیں درختوں کا سایہ، کہیں پہاڑوں کا اور کہیں عمارت کا سایہ دیا فرمایا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اور جانور بڑی مشقت میں مبتلا ہوتے۔ خاص طور پر بادلوں کا سایہ تو بہت ہی خوشگوار ہوتا ہے صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ نے بادلوں کے سایہ کا خصوصی انتظام فرمایا تھا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دو لعنت والی چیزوں سے بچو ان میں سے ایک سایہ ہے اور دوسرا شارب عام۔ فرمایا ان دو جگہوں پر بول و براز کرنا باعث لعنت ہے کیونکہ سایہ لوگوں کے آرام کرنے کی جگہ ہے

سایہ کی  
نعمت



اور اگر وہاں گندگی ہوگی تو ان کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ اسی طرح عام راستے پر بھی گندگی ہوگی تو مسافروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، لہذا ان دو جگہوں پر بول و براز کر کے لعنت کے مستحق نہ بنو۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں سے سایہ بھی ایک نعمت ہے۔

”وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا“ اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے۔ غار بھی انسانوں کو بارش یا دھوپ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دشمن کا خوف ہو تو غاروں میں پناہ لی جاتی ہے۔ تو اللہ نے پہاڑوں کی غاروں کو بھی اپنی نشانی اور انسان کے لیے نعمت قرار دیا۔

آگے ایک اور نعمت کا تذکرہ فرمایا۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ اور تمہارے لیے قمیصیں بنائیں تَقِيَكُمْ مِنَ الْحَرِّ جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قمیص انسان کو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتی ہے مگر یہاں پر سردی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے اولین مخاطبین صحرائے عرب کے لوگ تھے، جہاں گرمی ہی پڑتی ہے۔ وہ لوگ سردی سے چنناں مانوس نہیں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف گرمی کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ نے ایسی قمیصیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں موشیوں کے تذکرہ میں دِفْءٌ کا ذکر کیا ہے کہ ان میں تمہارے لیے گرمائش کا سامان ہے۔ ظاہر ہے کہ سردی کے موسم میں کمبل، شال اور لباس کی ضرورت ہوتی ہے جو جانوروں کے پشم اور بالوں سے تیار ہوتے ہیں۔ چونکہ وہاں پر سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے، اس لیے یہاں پر صرف گرمی سے بچاؤ کا بیان آیا ہے۔

فرمایا، اس کے علاوہ وَسَرَابِيلَ تَقِيَكُمْ بِالْحَرِّ ہم نے ایسی قمیصیں بھی بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں بچاتی ہیں۔ اس قمیص سے

بچاؤ کی  
قمیصیں



مراد لو ہے کی زرہ بکتر ہے جو لوگ دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کے لیے پہنتے تھے۔ موجودہ زمانے میں بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں جو اپنے سواروں کو دشمن کی گولہ باری سے محفوظ رکھتی ہیں سر پر خود پہننے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ انسان کسی ممکنہ چوٹ سے بچ سکے خود حضور علیہ السلام نے زرہ کا استعمال کیا ہے، چنانچہ احد کے روز آپ نے اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس قسم کے حفاظتی اقدام عالم اسباب کا لازمی حصہ ہیں اور انہیں اختیار کرنا چاہیے اس کے باوجود تکلیف اور راحت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جنگ احد میں ان تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ فرمایا کَذَلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ اِسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ۔ مکان، لباس، خوراک، سایہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں اسی طرح بارش بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا احسان ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکریہ ادا کریں۔ اور اس کی فرمانبرداری کریں فَاِنْ تَوَلَّوْا اور پھر بھی اگر یہ لوگ رد گردانی کریں پوری طرح سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہ آئیں، تو اے پیغمبر علیہ السلام فَاِنْ مَّا عَلَيْنَاكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ آپ کے ذمے تو کھول کر بیان کر دینا ہے۔ حق و باطل کو واضح کر دینا ہے۔ اگر یہ آپ کی بات کو نہیں مانیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ خود ان سے منپٹ لیگا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تمام نعمتیں عطا کرنے والا فقط وحدہ لا شریک ہے۔ اس کے باوجود تم پر یہ کُر و نَهَا ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں یعنی ان کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں وَ اَكْثَرُهُمْ الْكَافِرُونَ کہ ان کی اکثریت کفر کرنے

الغالب  
الہی کا  
شکر یہ



والوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض تو حقیقی کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدت  
 ہی کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کے شرکیہ بنا رکھے ہیں اور  
 رسومات یا طہ پر ہی اڑے ہوئے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو حقیقی کافر تو نہیں  
 مگر انعاماتِ الہیہ کی ناشکری کر کے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔  
 اور یہ چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

---

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾  
وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَالْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَ يَذُنُ السَّكَنَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ :- اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت سے

گواہ - پھر نہیں اجازت دی جائے گی اُن لوگوں کو جنہوں نے

کفر کیا ، اور نہ اُن کو منانے کا موقع دیا جائے گا ﴿۸۴﴾ اور

جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے ، عذاب

کو ، پس نہیں تخفیف کی جائیگی اُن سے اور نہ اُن کو ڈھیل

دی جائے گی ﴿۸۵﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے

شرک کیا ہے اپنے شرکیوں کو تو کہیں گے ، اے ہمارے

پروردگار ! یہ ہیں ہمارے شرک جن کو ہم پکارتے



تھے تیرے سوا۔ پس ڈالیں گے وہ اُن کی طرف بات اور کہیں گے، بیشک تم البتہ جھوٹے ہو (۸۶) اور ڈالیں گے اس دن اللہ کے سامنے اطاعت اور گم ہو جائیں گی اُن سے وہ باتیں جن کو وہ افتراء کیا کرتے تھے (۸۷)

انسان کے  
خلاف گواہی

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کے رد میں بہت سے دلائل اور نشاناتِ قدرت بیان فرمائے اور مشرکوں کی ناشکری کا ذکر کیا۔ اب آج کے درس میں کفار و مشرکین کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے کہ جب محاسبے کی منزل آئیگی تو انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس میں تخفیف بھی نہیں ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا اور جس دن ہم ہر امت سے گواہ کھڑا کریں گے۔ اس مقام پر گواہ سے مراد اللہ کے نبی ہیں اور گواہی سے مراد تبلیغ رسالت کی گواہی ہے۔ ہر نبی اپنی امت کے متعلق اللہ کے حضور گواہی دے گا۔ کہ اُس نے اللہ کا پیغام اپنی امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر انہوں نے اُسے تسلیم نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت کتنا خوفناک منظر ہو گا۔ اگلی آیات میں یہ بھی آ رہا ہے وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ اور اے پیغمبر! آپ کو اس آخری امت پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ ہر شخص کے حق میں یا خلاف گواہی نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوگی بلکہ بعض دیگر چیزیں بھی گواہ کے طور پر پیش ہوں گی مثلاً کورائے کاتبین فرشتے گواہی دیں گے جو ہر شخص کا انفرادی ریکارڈ مرتب کر رہے ہیں۔ ہر شخص کی حفاظت پر مامور اللہ کے فرشتے بھی بندے کے حق میں یا اس کے خلاف شہادت دیں گے۔ اس کے علاوہ ہر شخص کے اپنے اعضاء و جوارح اس کے حق میں گواہ بن جائیں گے۔ سورہ یٰسین میں موجود ہے الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

اس دن ہم ان کے موہنوں کو سرسبز کر دیں گے اور ان کی کارکردگی کے متعلق ان کے ہاتھ اور پاؤں بول کر گواہی دیں گے۔

حدیث شریف میں شجر و حجر کی گواہی کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز کے لیے اذان یا اقامت کہتا ہے تو شیطان چھتیس میل تک دور بھاگ جاتا ہے اور اذان و اقامت کے اختتام پر پھر واپس آ جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص محض اللہ کی رضا کے لیے اذان کہتا ہے، اس کی آواز سننے والی ہر چیز قیامت کے روز اس کے حق میں اللہ کے حضور گواہی دیگی۔ اس میں شجر، حجر، عمارت، مینار، غرضیکہ ہر چیز کی گواہی آ جاتی ہے۔

کفہ کی  
بے بسی

بہر حال فرمایا کہ اللہ کے نبی تبلیغ رسالت کے متعلق قیامت کو گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَهُمْ كُفَرُوا نے والوں کو اجازت نہیں دی جائیگی کہ وہ کوئی حیل و حجت کر سکیں وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ ہی ان کے منانے کا موقع دیا جائیگا۔ یعنی ان کو اُس وقت توبہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنی سابقہ کارکردگی پر تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ اُس وقت عمل کا وقت ختم ہو کر عزائے عمل شروع ہو چکا ہوگا لہذا وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی بھی نہیں مانگ سکیں گے۔ اگر دنیا کی زندگی میں تائب ہو کر اللہ کو راضی کر لیتے، اُس کو منا لیتے تو عزائے عمل کے وقت مفید ہو سکتا تھا، مگر اس وقت وہ موقع گزر چکا ہوگا، اور کفار کوئی حیلہ بہانہ نہیں کر سکیں گے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہ ذکر ملتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ کے حضور عرض کریں گے کہ انہیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو وہ اس کی اطاعت بجالائیں گے مثلاً سورۃ النعام میں ہے کہ جب انہیں دوزخ پر پیش کیا جائے گا۔ قَالَ لَوْ لَا كُنْتُمْ نَرُودُ وَلَا نَكْذِبُ بِالْآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اُس وقت وہ کہیں گے کاش کہ ہمیں دنیا میں واپس



لوٹا دیا جائے تو ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور مومن بن جائیں گے۔ سورۃ السجدہ میں ہے کہ مجرم لوگ کہیں گے ”رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَسَمِعْنَا فَأَرْجِعْنَا لَعَلَّ صَالِحًا پَروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے تیرے عذاب کو دیکھ لیا۔ تیرے احکام کو سُن لیا، اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے، ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کو دوبارہ بھی موقع دے دیا جائے تو پھر بھی یہ غلط کام ہی کریں گے کیونکہ ان کی شست میں غلط بات ہی داخل ہو چکی ہے۔

فرمایا وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ جَبَّ ظَالِمٌ لُّوْگ عَذَابٌ کُوْدِکْھِیْن گے۔ فَلَا یُخَفِّفُ عَنْهُمْ تُو اَس میں تَخْفِیْف نہیں کی جائے گی۔ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اور نہ اُن کو ڈھیل دی جائیگی۔ یہاں پر عذاب کے مشاہدے کے لیے ظالم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ظالم ہے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین، اس کی توحید، قیامت، رسل، کتب اور ملائکہ کا انکار کرتا ہے وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے ”وَالْکَافِرُوْنَ هُمْ الظَّالِمُوْنَ“ (البقرہ) کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔ اور شرک کے متعلق فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے اور شرک بہت بڑا ظالم ہے، کفر و شرک کے بعد ظلم کی تعریف میں کبائر اور صغائر معاصی آتے ہیں۔ صغائر تو نیکی کرنے سے خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں مگر کبائر بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ تو فرمایا کہ ظالم لوگوں کو جب عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو پھر نہ تو اس میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں سر گئے، اُن پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور عام لوگوں کی لعنت ہوگی، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے ”لَا یُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ“ ان کے عذاب میں نہ تو تخفیف کی جائیگی اور



نہ انہیں ڈھیل دی جائیگی۔ دوسری جگہ ہے کہ یہ لوگ خود تمنا کریں گے کہ ایک دن کے لیے ہم سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے تاکہ ہم مقصوری دیر کے لیے سکون حاصل کر سکیں مگر اس وقت ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

شُرکاء کا انکار

فَرِیَآ وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوا شُرَکَآءَهُمْ اَوْ حَبِیْبٌ  
 مشرک لوگ اپنے شرکاء کو دیکھیں گے، قیامت کے دن اپنے باطل معبودوں  
 سے ملاقات ہوگی قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ اَشْرَکُ بَعْدَنَا تَوَكَّلْ عَلَیْهِمْ  
 ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شرک الٰہِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا  
 مِنْ دُوْنِکَ جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ وہ شرک جن کو  
 ہم مصیبت میں پکارتے تھے، جن کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے اور جن کی  
 ہم عبادت کرتے تھے۔ یہ ہے ہمارے وہ معبود۔ قَالُوا اِلَیْهِمْ  
 الْقَوْلُ تَوَاصَوْا مِنْ اَنْ یَّرِیَآتِ ذٰلِیْ جَائِے گی یعنی وہ معبودان جواب دیں گے  
 اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ کہ بیشک تم جھوٹے ہو۔ معبودیت سے انکار کرنے  
 والے ہر قسم کے معبود ہوں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں گزر چکا ہے کہ خود شیطان  
 بھی انکار کر دے گا۔ جب لوگ قیامت کے دن اُس کا گھیراؤ کریں گے کہ  
 تو دنیا میں ہمیں بہکا تا رہا، لہذا آج ہم سے عذاب دور کرنے کا کوئی بندوبست  
 کر تو وہ جواب دیگا وَمَا کَانَ لَیْ عَلَیْکُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ  
 اِلَّا اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاَسْتَجَبْتُ لَیْ (ابراہیم) میرا تم پر کوئی غلبہ  
 تو نہیں تھا یعنی میں نے تم سے کوئی بات زبردستی تو نہیں منوائی تھی۔ میں نے  
 تمہیں کفر، شرک اور بُرائی کی محض دعوت دی تھی جسے تم نے بلا سوچے سمجھے  
 قبول کر لیا۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو  
 تم اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہو۔

بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ماننے والے اور ان کی پوجا کرنے والے



دیوی دیوتاؤں کو معبود ماننے والے، اُن کی نیاز دینے والے اور عبادت کرنے والے جب اللہ کے حضور فرشتوں کو بطور معبود پیش کریں گے تو وہ بھی جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تو تجھے ہی کارساز سمجھتے ہیں، بھلا ہم انہیں کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہمیں اپنا معبود بنالو۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء، صلحا اور نیک لوگ انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہمیں اپنا معبود بنالو۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق سورۃ مادہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ درپست کریں گے کہ کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو، تو مسیح علیہ السلام عرض کریں گے، پروردگار! مجھے یہ کیسے حق پہنچتا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس کا تو نے مجھے حکم نہیں دیا۔ میں نے تو اُن سے ہی کہا "اِنَّ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّكُمْ" صرف اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے جو لوگ قبروں کے ساتھ شرکیہ معاملات کرتے ہیں، وہ قبروں والے بھی سزا کا اعلان کر دیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ اے شرک کرنے والو! اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ "تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔ ہم نے تمہیں اپنی پرستش کے لیے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ غرضیکہ سب انکار کر دیں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حاب کتاب کی منزل کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو آپس میں کھڑوں میل کے بعد کے باوجود وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور آپس میں مکالمہ بھی کریں گے چنانچہ سورۃ الصّٰفّٰت میں موجود ہے کہ ایک مومن آدمی کسی کافر واقفکار کو دیکھنا چاہے گا فَاَهِ اُفٍّ سَوَآءُ الْجَحِيْمِ "تو وہ اُسے جہنم میں پڑا پائیگا۔ پھر مومن اُس سے کہے گا کہ اگر میں بھی تیری بات پر چلتا تو آج تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔ اللہ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے کفر و شرک سے محفوظ

جنتی اور  
دوزخی کا  
مکالمہ

رکھا جس کی بنا پر میں آج راحت کے مقام میں ہوں اور تم تکلیف میں ہو۔ اسی طرح جب ملائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کی پرستش کو نوا لے اُن کو جنت میں دیکھیں گے تو کہیں گے، پروردگار! یہ ہیں ہمارے مجبور، مگر آگے سے جواب آئیگا "إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ" تم جھوٹے ہو۔ ہم نے تو تمہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے خود شیطان کا اتباع کیا اور آج اس کا بھگتان کر رہے ہو۔

جب کفار و مشرکین ہر طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو پھر خالص اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ وَالْقَوَّامُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّكِينُ آج کے دن اللہ کے سامنے اطاعت کی بات ڈالیں گے یعنی اس کی فرمانبرداری کا دم بھریں گے کہ اب ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں، مگر اس وقت اس جذبے کا اظہار کسی کام نہ آئے گا۔ عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔ اور پھر اس وقت وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ وہ سب باتیں اُن سے گم ہو جائیں گی جن کو وہ افتر کیا کرتے تھے۔ جو بھی شرکیہ یا کفریہ عقائد رکھتے تھے اور اُن پر عمل کرتے تھے یا جن شرکیہ رسومات کو عمر بھر سینے سے لگلے رکھا، وہ سب ختم ہو جائیں گی، کوئی چیز ان کی مدد کو نہیں پہنچے گی۔ اس وقت اطاعت کا اظہار "بعد از مرگ و اویلہ" کے مترادف ہوگا۔

بعد از  
مرگ  
واویلہ



الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ  
عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَ  
يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ  
أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا  
عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

ربما ۱۳

ترجمہ :- وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے  
اور روکا ہے اللہ کے راستے سے، ہم زیادہ کریں گے اُن  
کے لیے عذاب کے اُوپر عذاب، اس وجہ سے کہ وہ فساد  
کرتے تھے ﴿۸۸﴾ اور (اس وقت کو اپنے خیال میں لاؤ)  
جس دن ہم اٹھائیں گے ہر ایک امت سے گواہ اُن پر  
انہی میں سے، اور لائیں گے ہم آپ کو گواہ بنا کر ان  
لوگوں پر۔ اور اتاری ہے ہم نے آپ پر کتاب، جو کھول  
کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری  
ہے فرمانبرداروں کے لیے ﴿۸۹﴾

ربط آیات

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ نے عذاب کی وعید سنائی اور مشرکین و  
کفار کے متعلق فرمایا کہ جب وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے تو پھر نہ تو اس میں تخفیف  
ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائیگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ مشرک لوگ

اپنے معبودوں کو دیکھ کر اقرار کریں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے رہے مگر وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہمیں معبود مان کر ہماری عبادت کرنے لگو۔ یہ تو خود ہی من مانی کرتے رہے۔ فرمایا اس وقت ان کی تمام خود ساختہ کاروائیاں گم ہو کر رہ جائیں گی۔

اسلام کے  
راستے میں  
رکاوٹ

اسی عذاب کی وعید کے تسلسل میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ کفر، شرک، نفاق وغیرہ قرآن پاک کی اصطلاحات ہیں۔ کفر کا لغوی معنی لچھپانا یا انکار کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی بات کو چھپایا اور اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اصل میں یہی فعل فساد کی بنیاد بنتا ہے خود بھی اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا اور پھر دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ بنے سورۃ النعام میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ "تو خود بھی ایمان سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اسلام کے راستے سے روکنا صرف مشرکین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہر دور میں ایسا ہی ہونا رہا ہے۔ فرعون بھی روکتا تھا۔ قوم نوح اور قوم شعیب بھی اسی ڈگر پر چلتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے اسی طرح خطاب کیا تھا: وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ "وَتَبْغُوا نَهَا عِوَجًا" (الاعراف) ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص ایمان لاتا ہے تم اسے ٹراتے ہو اور راہِ خدا سے روکتے ہو اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔

دنیا کی کافر قومیں آج بھی لوگوں کو اسلام کے راستے سے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عیسائی مشنریاں اسی کام پر لگی ہوئی ہیں نہایت گہری سازش کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔



اس معاملہ میں برطانوی، روسی، فرانسیسی، جرمنی عیسائی سب اکٹھے ہیں۔ انگریزوں نے اپنے عروج کے دو سو سالوں میں اس معاملہ میں بڑی پیش رفت کی۔ انہوں نے پس ماندہ اقوام کو لالچ دے کر عیسائیت کی طرف راغب کیا۔ ان کے وزیر اعظم گلیڈسٹون نے اسمبلی میں قرآن کریم پڑھ کر کہا تھا کہ جب تک دنیا میں یہ کتاب موجود ہے، دنیا مذہب نہیں بن سکتی۔ ان کا اوّل و آخر مقصد قرآن پاک کو دنیا سے ختم کر کے دین اسلام سے لوگوں کا تعلق ختم کرنا ہے مگر اس عظیم کتاب کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے، اسی لیے پوری کوشش کے باوجود دنیا کی کوئی طاقت قرآن کریم کا ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں کر سکی۔ چہ جائیکہ اسے نابود کر دیا جاتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی عیاشی، فحاشی، عبرانی اور سنجائی کی قاطع ہی کتاب ہے۔ جب تک یہ ختم نہ ہو ان کی قبیح تہذیب پروان نہیں چڑھ سکتی۔ یہ اتنے گندے لوگ ہیں کہ مرد و زن کی مرضی سے کیے گئے زنا کو زنا ہی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک زنا صرف وہ ہے جو باجبر کیا جائے۔ لواطت ان کے ہاں کوئی جرم نہیں اور دنیا کی ہر برائی ان کے ہاں جدید فیشن میں داخل ہے۔

غرضیکہ کبھی خوشنما تہذیب کی آرٹیں لوگوں کو دین سے روکا جاتا ہے۔ کبھی پیسے کے لالچ کے ذریعے کبھی سکول اور ہسپتال قائم کر کے اور کبھی قرآن اور دین کے ہمدرد بن کر اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ روسی اور چینی تشدد کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کو سرعام عبادت سے روکتے ہیں ایسا پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام کے ملنے والے شک میں پڑ جائیں اور آہستہ آہستہ دین سے بیزار ہو جائیں۔ اُدھر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ تک پڑھنے کے لیے تیار نہیں اگر وہ ایسا کرتے تو غیر مسلم لیگوار کا جواب دے سکتے مگر انہیں تو اسلامی شاہسیر کی بجائے سیودی، عیسائی اور اشتر کی شاہسیر پر فخر ہے اور انہی کے گُن گاتے ہیں۔ یہ سارے جال مسلمانوں کو اپنے دین سے متنفر کرنے کے لیے پھیلانے جا رہے ہیں مگر مسلمان غفلت کی نیند سوئے



ہوئے ہیں اور کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں سچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں ہیں، ان کے پاس وسائل کی کمی نہیں، وہ بھی سکول، کالج اور ہسپتال قائم کر کے عیسائی مشنریوں کا دروازہ بند کر سکتے ہیں، وہ بھی پس ماندہ طبقوں کی دستگیری کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے

جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے جو مسلمانوں میں مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو اسلام کے خلاف سازش کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مجوسیوں، منافقوں اور یہودیوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں بڑی رخنہ اندازی کی۔ انہوں نے اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلام کو کمزور کیا، فرقہ بندی کی اور مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے جس قدر کمزور ہوگا، اُسی قدر مخالف قوتوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔ بہر حال غیر مسلم اقوام نے ہمیشہ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

فرمایا جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے

رُکاو زد نہوْهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ اِمْ بڑھائیں گے ان کے لیے عذاب پر عذاب بِمَا كَانُوا يُفْسِدُوْنَ اَس وجہ سے کہ وہ فساد

کرتے تھے۔ عذاب پر عذاب یعنی دوسرا عذاب اس لیے کہ انہوں نے خود بھی کفر کا راستہ اختیار کیا اور دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ ڈالی، لہذا ایک عذاب تو ان کے اپنے کفر کا ہوگا اور دوسرا لوگوں کے بہکانے

کا، اسلام کا بنیادی قانون تو یہی ہے کہ ہر مجرم کو اس کے گناہ کی ایک ہی سزا دی جائے مگر یہ لوگ چونکہ دوسروں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی ہیں لہذا دوسری سزا کے مستحق ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو کوئی اچھا

راستہ قائم کرتا ہے، اُس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا۔ اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کے برابر ایک ایک

مزید ثواب بھی اُسے حاصل ہوگا۔ اسی طرح بڑا راستہ قائم کرنے والا، معاصی

مقیدین  
کیئے سزا



اور بدعات کی راہ نکالنے والا اس کردہ جرم کا مجرم بھی ہوگا اور پھر اس بری رسم پر چلنے والے ہر شخص کے بدلے ایک ایک گناہ اس ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں بھی درج ہونا رہیگا۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کا اولین قتل ناحق کیا تھا۔ اب قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے ان میں ہر قتل کا ایک گناہ آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کے رجسٹر میں بھی درج ہوتا ہے گا جو اولین قتل ناحق کا مرتکب ہوا۔

غرضیکہ کفر، شرک، معاصی اور خدا کی شریعت کی خلاف ورزی زمین میں فساد ہے۔ ان امور سے زمین بگڑتی ہے، انسانی سوسائٹی میں خوف و ہراس اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ زمین کی اصلاح اطاعت سے ہوتی ہے اور اس کا بگاڑ معاصی سے ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

انبیاء کی گواہی

قیامت کے دن ہر فادی کے خلاف گواہ پیش کرنے کی بات گزشتہ درس میں بھی گزر چکی ہے۔ اگلی آیت میں اسے پھر دہرایا جا رہا ہے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَرَأْسُ وَقْتُ كُوَيَاذُكَرُ وَجِبَ قِيَامَتِ كِ دِنِ هِمُ هِرِ

امت پر خود انہی میں سے گواہ پیش کریں گے۔ ہر امت کا نبی اپنی امت کے خلاف گواہی دیگا کہ اس امت نے کس طرح اس کی بات کو ٹھکرایا اور تکالیف پہنچائیں۔ اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، انبیاء کی پوجا کرتے ہیں شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پھر اس گواہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ہر امت کے متعلق فیصلہ کریں گے۔ فرمایا یہ تو سابقہ امتوں کی بات ہے

اے پیغمبرِ آخر الزمان! وَجَدْتُكَ ابْتُ شَهِيدًا عَلٰی هَؤُلَاءِ وَ هِمُ اُچو

اس آخری امت کے لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے۔ آپ بھی اپنی امت کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کیا



جائیگا۔ اُس وقت کتنا خوفناک منظر ہوگا اور کتنی پریشانی کا عالم ہوگا جب محاسبہ کی منزل آئے گی اور اللہ کی بارگاہ میں گواہیاں پیش ہوں گی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی کا اتباع اختیار کرے تاکہ قیامت کے دن اس کی بہتر گواہی کا مستحق بن سکے۔

قرآن بطور  
تبیان

ارشاد ہوتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اور ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز کی بہت زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ ایک سطحی نظر میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر چھوٹی بڑی چیز کی وضاحت تو نہیں ہے، پھر تبیان سے کیا مراد ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی چیز کو کسی مقام پر اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہیں تفصیل موجود ہے۔ بعض مقامات پر نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل سے کسی حکم کی جزئیات سے آگاہ کر دیں گے۔ لہذا نبی کی وضاحت بھی قرآن پاک کی طرف سے ہی وضاحت سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں بالوضاحت موجود نہیں مگر اُس پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے تو وہ بھی منجانب اللہ ہی سمجھا جائے گا اور قرآن پاک کے تبیان ہی میں شمار ہوگا۔ سورۃ النساء میں موجود ہے کہ جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے باوجود مومنوں کے رستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اُسے اُدھر ہی پھیر دیں گے، جہدھر وہ جانا چاہتا ہے اور اُس کا ٹھکانا بالآخر جہنم ہوگا۔ یہاں غیثِ سبیلِ المؤمنین کا یہی مطلب ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں خصوصاً خیر القرون کے مسلمانوں کے متفقہ راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے، گویا اجماع امت کا فیصلہ بھی قرآن پاک کے تبیان ہی کا حصہ شمار ہوگا۔

زمانے کے ساتھ ساتھ نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل و عقد



کے لیے اللہ نے اجتہاد و استنباط کا اصول بھی بیان کیا ہے۔ جبکہ جگہ  
 ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ کے الفاظ آتے ہیں یعنی اے صاحب  
 عقل و بصیرت لوگو! قرآن پاک میں بیان کردہ اصولوں پر غور و فکر کر کے مسائل  
 کا استنباط کرو۔ کہیں فرمایا ”لَعَلَّكُمْ الْذِّیْنَ یَسْتَنْبِطُونَكَ مِنْهُمْ  
 (النساء) اگر کوئی مشکل پیش آئے گی تو اجتہاد و استنباط کرنے والے آپ کو  
 بتائیں گے، لہذا ان کی طرف رجوع کرو کہ یہ بھی تبیان میں داخل ہے۔ امام  
 ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ شریعت کے چار اصول ہیں یعنی کتاب اللہ  
 سنت رسول اللہؐ، اجماع صحابہ اور قیاس۔ اگر پہلی تین چیزوں سے مسئلہ  
 حل نہ ہو تو ائمہ مجتہدین کے قیاس کو دیکھ لو۔ ان میں پہلے دو اصول یعنی  
 قرآن اور سنت مثبت ہیں اور یہ کسی چیز کو ثابت کرنے میں۔ البتہ دوسرے  
 دو اصول یعنی اجماع اور قیاس مظهر ہیں۔ یہ کسی چیز کا قطعی ثبوت نہیں مگر یہ  
 کسی چیز کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ امام ابو بکر جصاصؒ، امام شافعیؒ، شاہ ولی اللہؒ  
 اور مولانا گنگوہیؒ امام ابن تیمیہؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ہر مسئلہ کی اصل بنیاد تو قرآن پاک  
 ہی ہے اور سنت بھی قرآن کی شرح ہی ہے۔ تاہم امام ابو بکر جصاصؒ یہ بھی  
 فرماتے ہیں کہ کائنات کے ہر مسئلہ کے بارے میں اللہ کا حکم موجود ہے۔  
 اس حکم کو یا تو خود اللہ کی کتاب نے واضح کیا ہوگا، یا اس کا بیان اللہ کے  
 نبی کی زبان سے ہوا ہوگا۔ یا مومنین کا اتفاق اس پر شاہد ہوگا، یا پھر ائمہ  
 مجتہدین اس دلیل کو واضح کریں گے جس پر اس مسئلہ کی بنیاد ہوگی۔ فرماتے  
 ہیں کہ قرآن پاک ہر مسئلہ کی جزئیات بیان نہیں کرنا بلکہ اس میں اصول و قوانین  
 موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر جزو کا حل پیش کیا جاسکتا ہے۔

ہدایت، رحمت  
 اور خوشخبری

فرمایا، اللہ کی یہ کتاب فہدٰی ہدایت ہے اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی  
 کرتی ہے۔ پھر جب لوگ اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں تو فرمایا یہی کتاب  
 ”وَرَحْمَةٌ“ باعثِ رحمت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال

ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کا کلام ”وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ“ بھی ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔ سورۃ یونس میں بھی موجود ہے کہ  
 ایمان والوں کو خوشخبری سنار کیجئے ”أَنَّ لَهُمْ قَدْ صَدَّقَ عَنْدَ  
 رَبِّهِمْ“ تمہارے پروردگار کے پاس تمہارا سچائی کا قدم پڑ رہا ہے، لہذا گھبرائو  
 نہیں، تم اچھے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ گے۔ اگر ایمان میں استقامت حاصل رہی  
 قرآن پر عمل کرتے رہے اور معاصی سے بچتے رہے، کفر شرک اور بدعات  
 سے پرہیز کیا تو تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے ہاں کامیاب  
 ہو جاؤ گے۔



إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايِ ذِي  
الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ⑨

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا  
اجان کرنے کا، اور قرابت داروں کو دینے کا۔ اور منع کرتا  
ہے بے حیائی سے، نامعقول باتوں سے اور سرکشی سے  
وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑ لو ⑨

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی گواہی کا ذکر کیا۔ قیامت کے  
دن انبیاء علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام  
اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ اور پھر آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی آخری امت  
پر بطور گواہ پیش ہوں گے۔ گزشتہ آیت میں اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے  
آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ نیز  
فرمایا کہ یہ کتاب فرمانبرداروں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے

گزشتہ درس میں ”تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ“ کا ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں  
ہر چیز کی اساسی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ آج کی آیت اس دعوے کی دلیل کا ایک عمدہ  
نمونہ ہے۔ اس مختصر سی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن  
میں سے تین مثبت ہیں اور تین منفی۔ کائنات میں کوئی اچھی یا بُری چیز ایسی نہیں ہے  
جو ان چھ چیزوں سے باہر ہو۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس آیت کے  
مستعلق فرماتے ہیں اَجْمَعُ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ یعنی یہ آیت قرآن کریم کی

جامع ترین آیت ہے۔ اگر انسان اسی ایک آیت پر عمل کرے تو اس کی صلاح کے لیے یہی آیت کافی ہے

اس آیت کی جامعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی حضرات صرف یہی آیت کمرہ میں سن کر ایمان لائے۔ حضرت عثمان ابن مظعونؓ ابتدائی دور میں ہی اسلام لے آئے۔ یہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی بھی ہیں، مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرامؓ میں سے سب سے پہلے فوت ہونے والے بھی آپ ہی ہیں۔ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں میں اسلام قبول کرنے سے بچھا تھا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ آپ پر خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے دو دفعہ اُوپر دیکھا، پھر نگاہ مبارک نیچے کی طرف کر لی۔ اس کے بعد آپ نے سلسلہ گفتگو پھر شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس کیفیت کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ دی جو اس خاص کیفیت کے دوران نازل ہوئی تھی۔ اتنی جامع کمالات آیت سن کر میں فوراً ایمان لے آیا۔

اکثم بن سنیٰؓ اپنی قوم کے سردار تھے حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے متعلق سنا تو دو آدمیوں کا ایک وفد حضور کی خدمت میں بھیجا تا کہ آپ کے حالات معلوم کیے جاسکیں۔ یہ دونوں بڑے سمجھدار آدمی تھے۔ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سوال کیا مَنْ اَنْتَ وَمَا اَنْتَ یعنی آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟ پہلے سوال (آپ کون ہیں) کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ یعنی میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ البتہ دوسرے سوال (آپ کیا ہیں) کے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُ ... (ایقینہ سن کر وفد بڑا متاثر ہوا اور انہوں نے واپس جا کر اکثم سے کہا کہ ہم نے اس شخص سے دو سوال کیے پہلے سوال کا



مقصود آپ کا نسب نامہ معلوم کرنا تھا کیونکہ عرب لوگ نسب پر بڑا فخر کرتے تھے، مگر آپ نے اس سوال پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ بلکہ مختصر جواب دیا کہ میں محمد ابن عبد اللہ ہوں۔ البتہ دوسرے سوال کا جواب آپ نے تفصیل کے ساتھ دیا اور یہ آیت بھی پڑھی۔ وفد نے سفارش کی کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں لہذا آپ کی دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ آیت متذکرہ کا مضمون سن کر اکثر کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام تمام عمدہ باتوں اور اعلیٰ اخلاق کا حکم اُتارتے ہیں اور تمام ذلیل اخلاق و اعمال سے روکتے ہیں۔ کہنے لگے، اے لوگو! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کے ماننے میں جلدی کرو **فَکُوْذُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ رَّعُوْ سَا وَلَا تَکُوْلُوْا اٰذْنًا** بآ اس معاملے میں سر یعنی سردار بن کر پہل کر دو اور پیچھے رہنے والے کچھلے نہ بنو۔ دین کی قبولیت میں جلدی کرنا بڑی سعادت کی بات ہے ابو سفیانؓ اپنے خاندان سمیت فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور دین کے زبردست حامی بن گئے۔ آپ نے اسلام کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے مگر افسوس کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں بڑی دیر کر دی۔

اسلام کا  
عالمی پروگرام

در حقیقت یہ آیت کریمہ اسلام کے عالمی پروگرام پر مشتمل ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے سے یہ آیت جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے بھی قرآن پاک کی بہت زیادہ خدمت کی ہے آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ حلاوطنی میں گزارا مگر قرآن پاک کو سینے سے لگائے رکھا اور جہاں بھی گئے قرآن پاک پڑھاتے رہے۔ تو آپ نے پینتالیس برس تک قرآن کی تعلیم دی اور سات ہزار علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ روس گئے تو کوہاں پر دیگر لوگوں کے علاوہ موسیٰ جبار اللہ بیٹے بڑے عالم نے آپ سے قرآن پڑھا۔ چار سال تک ترکی میں رہے، تو ارباب حکومت کو خبردار کیا کہ تم اتحاد کے سیلاب میں بہتے جا رہے ہو۔



اَو میں تمہیں قرآن پاک کی چالیس سورتوں کا ایسا خلاصہ بتاتا ہوں کہ اس کو آنے پر وگرم میں شامل کر لو گے تو بے دینی سے بچ جاؤ گے۔ مگر مصطفیٰ کمال نے آپ کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی ترقی سے آپ مکہ مکرمہ آگئے اور بارہ برس تک لوگوں کو قرآن پاک کی تفسیر پڑھاتے رہے۔ جب وطن واپس آئے تو فرمایا کہ بڑھاپے کی اس عمر میں کوئی شخص صرم شریف کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر میرے سینے میں قرآن کریم کا ایک پر وگرم ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ پر وگرم موت سے پہلے تمہیں بھی بتا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ سورۃ النحل کی یہ آیت "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ..." اسلام کا عالمی پر وگرم ہے مسلمانوں کا یہ فخر یہ پر وگرم ہے جو کسی دیگر قوم کے پاس نہیں ہے۔ اس کو لے کر آگے بڑھو تو فلاح و کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ خود مسلمان اس پر وگرم کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور اس کی بجائے عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں کا پر وگرم اپنانے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ مشرقی لوگ اب مغربی ممالک کے پر وگرم کے مطالعہ کے لیے جاتے ہیں ان کے مشیر یہاں آتے ہیں تو اپنے پر وگرم کی روشنی میں یہاں کے لیے سکیمیں بناتے ہیں جنہیں ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ ہم غیر مسلم اقوام کی شاگردی اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اختیار کے پر وگرم پر عمل کر کے ہی ترقی یافتہ بن سکتے ہیں۔ ہم نے وہ عالمی پر وگرم ترک کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے پر اللہ نے پہلے بھی اقوام عالم میں سر بلند کیا تھا اور آئندہ کے لیے بھی ہماری عزت و وقار کا دار و مدار اسی پر وگرم پر ہے۔

اس پر وگرم کے پہلے حصے میں تین مثبت چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔  
 ۱۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ یہ پہلی چیز ہے  
 حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ایک بزرگ محمد بن کعب قرظیؓ سے کہا کہ بھائی  
 ذرا عدل و انصاف کی تعریف تو کرو کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ نے سب

تین مثبت  
 چیزیں  
 عدل



سے پہلا حکم عدل کا دیا ہے، کہنے لگے، آپ نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے، تاہم  
 مَن لَوْ اَعْدَلَ كَمَا مَفْهُومٌ يَهْ كُنْ لَصَفِيْرًا يَبَا يَعْنِي چھوٹے شخص کے لیے  
 باپ کی طرح شفیق اور رحمدل بن جاؤ۔ اور بڑے شخص کے لیے بیٹے کی مانند  
 مؤدب ہو جاؤ، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے مَن لَّمْ يُؤَقِّرْ كِبٰرَنَا وَلَمْ  
 يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا یعنی جو بڑے کا ادب اور چھوٹے پر رحم  
 نہیں کرتا، وہ ہماری پارٹی کا آدمی نہیں ہے۔ فرمایا جو تمہارے برابر ہو، اُسے  
 بھائی کی مانند سمجھو کیونکہ اَلْمَرْءُ اَكْثَرُ لِرَاْحِمِيْهِ۔ عربی لوگ کہتے ہیں کہ ان کے  
 کو بھائیوں کے ساتھ اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کے جتنے بھائی ہوں  
 گے، اتنے ہی اُس کے بازو ہوں گے اور اُسے قوت حاصل ہوگی۔ روح المعانی نے  
 کہتے ہیں وَكَذٰلِكَ لِلنِّسَاءِ اور عورتوں کے حق میں بھی ایسے ہی بن جاؤ۔ ان کو  
 بھی نظر انداز نہ کرو۔ ان کے حق میں بھی شفقت و مہربانی کا اظہار کرو۔ محمد بن کعب  
 قرظی نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت! کسی مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دو حتیٰ کہ  
 کسی کے حق میں ایک کوڑا بھی زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا یہ سب چیزیں عدل و  
 انصاف میں داخل ہیں۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ چار اصول ایسے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء نے  
 دی ہے۔ ہماری شریعت میں بھی یہ اصول رائج ہیں۔ غرضیکہ تمام آسمانی انشراح کا لب لباب  
 یہ چار اصول ہیں۔ پہلا اصول طہارت یعنی پاکیزگی ہے۔ دوسرا خبات یعنی عجز و انکاری  
 ہے۔ تیسرا اصول ساحت یعنی رذیل اخلاق سے پرہیز، اور چوتھا اصول عدل ہے  
 اجتماعی معاملات عدل کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ عدل کے متعلق اللہ تعالیٰ  
 کا فرمان ہے اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ  
 (النساء) جب تمہیں لوگوں پر حاکم بنایا جائے تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ نیز فرمایا  
 ”وَ اِذَا اَقُلْتُمْ فَاَعْدِلُوْا“ (الانعام) جب بات کرو تو انصاف کی کرو۔  
 اللہ نے یہ بھی فرمایا ”اَعْدِلُوْا فَهُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی“ (المائدہ) عدل کیا  
 لے ہمعات ۵۹ و حجة اللہ البالغہ ص ۵۳ ج ۱



کرو، کہ یہ تقویٰ سے قریب تر عمل ہے۔ شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ معاملہ اپنوں کا ہو یا بیگانوں کا عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑو چاہئے تمہیں کتنا بھی نقصان اٹھانا پڑے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن کستوری کے میمنروں پر بٹھایا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے انصاف کرتے وقت اپنے بیگانے کا لحاظ رکھا، نہ دوست اور دشمن میں فرق کیا۔ ہتھار کو حق ادا کرنا، معاشرے میں عدل اور توازن قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے آج دنیا میں عدل ملتا نہیں بلکہ خریدنا پڑتا ہے۔ عدالتیں بڑی مہنگی ہیں۔ عدلیہ کی فیس اور وکیلوں کا معاوضہ ادا کرنا کمزور آدمی کے بس کی بات نہیں، مالدار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر اپنا ہر جائز اور ناجائز مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ منصف اور وکیل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس لیے غریب آدمی کو انصاف نہیں ملتا۔ کہاں اسلام کا نظام عدل ہو جو حاکم اور محکوم، بڑے اور چھوٹے، آقا اور غلام، گورے اور کالے، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ افراط و تفریط کی وجہ سے کوئی پلٹا جھکے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، انسان کے ظاہر و باطن یکساں ہوں، جو بات اپنے لیے ناپسند کرے، وہ بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ عدل میں سب سے پہلے توحید کا درجہ ہے کیونکہ توحید تعطیل اور تشریک کے درمیان والا راستہ ہے۔ ایک طرف تعطیل ہے یعنی خدا تعالیٰ کو محض معطل تصور کر لیا جائے کہ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتا، اس کی کوئی صفت نہیں، وہ کسی کا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، بس محض نام کا خدا ہے (نحوذ باللہ) اور دوسری طرف عبادت، ریاضت اور صفات میں غیروں



کو شریک بنایا جائے۔ ان دونوں خرابیوں کے درمیان توحید ہی نقطہ عدل ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی عین عدل ہے۔ اس کے برخلاف عبادت میں اس قدر غرق ہو کہ انسان راہب بن کر دنیا ہی ترک کر دے، یہ افراط ہو گا دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کی عبادت سے بالکل ہی منہ موڑ جائے اور بالکل بیکار ہو کر بیٹھ جائے، یہ تفریط ہوگی تو گویا صحیح طریقے سے عبادت کرنا بھی عدل کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسی طرح سخاوت یا جود ہے جو سخی اور اسراف کے درمیان عدل کی منزل ہے۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ انسان سخی اور فضول خرچی سے بچے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرے جسے جود کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) **احسان** تین مثبت چیزوں میں سے دوسری چیز فرمایا **وَإِلْحُسَّانٍ** وہ احسان ہے۔ ایک حدیث کی اصطلاح میں اعلیٰ درجے کی عبادت کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جسور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ احسان اس چیز کا نام ہے **أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَكَأَنَّهُ يَبَاطِلُكَ** کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے سے کر کہ گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو تصور کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے یہ تو احسان کا ایک معنی ہے۔ البتہ اس مقام میں احسان سے مراد نیکی، ہمدردی، فیاضی، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح، ان کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے **كَيْفَ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** (آل عمران) فاروق سے بھی لوگوں نے کہا تھا **أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ** (القصص) تم بھی لوگوں پر احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے مگر وہ کہنے لگے **إِنَّمَا أُوتِينَاهُ عِلْمًا عِنْدِي**



میں نے یہ دولت اپنے علم و ہنر کی بنا پر جمع کی ہے، اس میں اللہ کے احسان کی کیا بات ہے؟ اس پر اللہ نے اسے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا احسان کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا کرے۔ اگر خود نیکی عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو تبلیغ کرنے کا کیا اثر ہوگا؟ اگرچہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا بجا ہے خود اچھی بات ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ بڑی کمزور بات ہے کہ خود تو فرائض کا تارک ہے مگر دوسروں کو حکم دیتا ہے، یا خود سنت پر عمل نہیں کرتا مگر دوسروں کو اس کی تلقین کرتا ہے۔ اچھا نتیجہ اسی وقت نکلے گا جب خود عامل بن کر دنیا کے سامنے آئے گا۔ اگر قول و فعل میں تضاد پایا گیا تو دنیا ایسی نیکی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی۔ آج بھی یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ کے لوگ مبلغ کے کردار کو دیکھتے ہیں جس شخص کا کردار درست ہوتا ہے اس کی بات بھی آگے چلتی ہے۔

بہر حال نیکی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہنا بہت بڑی بات ہے سورۃ الرحمن میں موجود ہے ”هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ“ احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے، یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہے، اور یہ نیکی اپنے بیگانے دوست اور دشمن سب کے ساتھ ہونی چاہیے۔ یہی احسان کی منزل ہے

فرمایا، تیسری مثبت چیز یہ ہے وَإِيتَاكَ ذِي الْقُرْبَىٰ قرابت داروں کا حق ادا کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان کی منزل ہے جب کہ قرابت داروں کا حق ڈیل ہوتا ہے۔ ایک دین کا رشتہ ہوتا ہے اور دوسرا قرابت کا۔ لہذا دوسرے لوگوں کی نسبت ان کا حق فائق ہوتا ہے۔ اسی لیے اس آیت کریمہ میں احسان کے بعد حق قرابت کو علیحدہ عنوان کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قرابت داروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

(۳)  
قرابت داروں  
کا حق



رشتہ دار خواہ مخالف ہوں یا موافق ان کا خیال رکھو، اگر محتاج ہیں تو ان کی اعانت کرو۔ شریعت میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لہذا اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ بہت بڑا اصول ہے۔

تین منفی  
چیزیں  
(۱)  
فحاشی

تین مثبت چیزیں بیان کرنے کے بعد اللہ نے تین منفی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ تمہیں بے حیائی سے روکتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تین قومیں ایسی ہیں جو ساری خرابیوں کی جڑ ہیں۔ پہلی قوم بہیمیہ شہوانیہ ہے۔ دوسری قوم بہیمیہ شیطانیہ ہے اور تیسری مغضبہ سبعیہ ہے۔ یہ تینوں قومیں فحاشی سے تعلق رکھتی ہیں جن کا منشا شہوت اور بہمیت کی زیادتی ہوتا ہے۔ عبرانی، زنا، لواطت، گالی گلوچ، رقص و سرود، بد اخلاق ڈرامے وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسانیت شہوانیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ فحاشی قول کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور عمل کے ذریعے بھی۔ اگر انسان کا معنیہ اور اخلاق خراب ہو جائے تو عرب لوگ اس کو بھی فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک بخل بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ مگر آج پوری دنیا عبرانی کی لپیٹ میں ہے اور اس سے اجتناب کرنے کی بجائے اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ نیم برہنہ تصاویر، ناچ اور گانا وغیرہ بد اخلاقی کی باتیں ہیں جن سے خدا نے منع کیا ہے۔ جو شخص فحاشی کی باتوں میں ملوث ہو گا۔ وہ فلاح نہیں پاسکتا۔

(۲) دوسری منفی بات وَالْمُنْكَرِ ہے۔ اس میں وہ تمام مجبھی چیزیں آتی ہیں جن سے شریعت بھی منع کرتی ہے اور عقل بھی برا مناتی ہے ہر نامعقول بات جو فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ کے خلاف ہو منکر کی تعریف میں آتی ہے۔ اس کا منشا قوتِ بہیمیہ اور قوتِ شیطانیہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ نے ایسی تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

(۳)  
سرکشی

تیسری ممنوع چیز کے متعلق فرمایا وَالْبُغْيِ یہ بغاوت اور سرکشی ہے

جس سے اللہ نے منع فرما دیا ہے، ہر قسم کا ظلم، زیادتی، تعدی، مار پیٹ  
گالی گلوچ، چھینا جھپٹی، بے عزتی، قانون شکنی، چوری ڈاکہ وغیرہ بغی کی تعریف  
میں آتے ہیں ان سے بچنا چاہیئے۔

الغرض تین کام کرنے اور تین کام نہ کرنے کا بیان فرما کر اللہ  
نے اس آیت کریمہ میں اہل اسلام کا اجتماعی پروگرام واضح کر دیا اور آخر میں  
فرمایا **يَعِظُكُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ تَمَّ كَوْنُ نَصِيحَتِكُمْ تَابَهُ** اور سمجھانا ہے  
**لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** تاکہ تم نصیحت پکڑ لو، اور اوامر و نواہی کو سمجھ  
جاؤ اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔



النحل ١٦

آیت ٩١ تا ٩٥

ربما ١٢

رسبت پنج ٢٥

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا  
الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ  
عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا  
تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ  
غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۖ تَتَّخِذُونَ  
أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ  
هِيَ أَرْبَابٌ مِنْ أُمَّةٍ ۖ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۖ  
وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ  
تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً  
وَّاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
مَنْ يَشَاءُ ۖ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾  
وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ  
قَدَمُ بَعْضٍ ثُبُوتَهَا وَتَذُوقُوا الشُّوْءَ بِمَا  
صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ  
عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا  
قَلِيلًا ۖ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

## کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑨۵

ترجمہ :- اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب کہ تم عہد کرو، اور نہ توڑو تم قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد اور تحقیق ٹھہرایا تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ⑨۱ اور نہ ہو اُس عورت کی طرح کہ جس نے توڑ دیا اپنا کانا ہوا مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ بناتے ہو تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فاد کا ذریعہ، اس لیے کہ ایک گروہ زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے دوسرے سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو آزماتا ہے اس کے ساتھ، اور وہ کھول دیگا تمہارے سامنے ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے ⑨۲ اور اگر اللہ چاہتا تو کر دیتا تم کو ایک ہی امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے، اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے، اور تم سے سوال کیا جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کیا کرتے تھے ⑨۳ اور نہ بناؤ تم اپنی قسموں کو فاد اور خرابی کا ذریعہ اپنے درمیان پس پھل جائیں گے قدم پختہ ہونے کے بعد۔ اور چکھو گے تم سزا اس وجہ سے کہ تم نے روکا اللہ کے راستے سے۔ اور تمہارے لیے عذابِ عظیم ہو گا ⑨۴ اور نہ خریدو اللہ کے عہد کے ساتھ قیمت حقوڑی۔ بیشک جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ⑨۵



درابطہ آیات

گزشتہ سے پیوستہ درس میں قرآن کریم کی جامعیت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ”تَبْدِیْکًا نَاقِلًا شَیْءٍ“ بنایا ہے، یعنی اس کتاب میں بنیادی طور پر ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ اس کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جامع ترین آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَالْاِیّٰتِ میں تین مثبت اور تین منفی اشیاء کا ذکر فرمایا یعنی تین کام کرنے کا حکم دیا اور تین سے منع فرما دیا۔ کرنے والے امور میں عدل و احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نہ کرنے والے کام بے حیائی، برائی اور سرکشی ہیں۔ یہ آیت کرمیہ قرآن کے بیان کی بہترین مثال ہے کہ کوئی اچھی یا بُری چیز ایسی نہیں جو ان چھ باتوں سے باہر ہو۔ اس کی تشریح سابقہ درس میں عرض کر دی گئی تھی۔ یہ آیت خطبہ جمعہ میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

تحریف معنوی  
کی جارت

قرآن پاک کی اس عظیم آیت کے معانی بدلنے میں بعض فرقوں نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ مثلاً روافض کی بد نصیبی ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے مثبت چیزوں کو تو اپنے اصلی معانی پر محمول کیا ہے۔ جب کہ منفی چیزوں میں اس طرح معنوی تحریف کی ہے کہ فحشاء سے مراد ابوبکرؓ، منکر سے مراد حضرت عمر فاروقؓ اور غبی سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں (العیاذ باللہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں بزرگ ترین ہستیوں سے منع کیا ہے اور اس طرح لوگوں کو ان حضرات سے متنفر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تحریف معنوی میں قادیانی بھی روافض سے پیچھے نہیں ہے انہوں نے از خود ایک بستی آباد کی جس کا نام ربوہ رکھا۔ پھر جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہہ دیا کہ دیکھو اس بستی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ سورۃ المؤمنین میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک انعام یاد دلایا ہے ”وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَامَّةً اٰیَةً وَاَوْثِنُہُمْ اِلَیْہِ رِبْوَةَ ذَاۃِ فَتْرٍ وَّمَعِیْنِ“ ہم نے مسیح علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو اپنی نشانی بنایا اور انہیں



جائے قرار اور جاری پانی والی جگہ پر پناہ دی۔ قادیانی طبقہ کہتا ہے کہ یہاں پر ابن مریم سے مراد خود اُن کا گروہ ہے۔ کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن پاک میں ہمارا ذکر ہے۔ ہم دریا ئے چناب کے کنارے پر ربوہ میں آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے اور ایسی تحریف سے اپنی پناہ میں رکھے۔ کہاں ابن مریم اور آپ کی والدہ اور کہاں قادیانی فتنہ اور اُن کا خود ساختہ ربوہ۔

عہد کی  
پابندی

بہر حال اللہ تعالیٰ نے تین مثبت اور تین منفی چیزوں کا حکم دینے کے بعد عہد و پیمان پر قائم رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ عہد و پیمان ایک انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کرتا ہے اور اپنے ہم جنس بندوں کے ساتھ بھی۔ دونوں قسم کے عہد کا مطلب یہ ہے کہ جو عہد و پیمان اللہ کے نام پر، اس کو حاضر ناظر جان کر یا اس کے نام کی قسم اٹھا کر کیے جائیں، اُن کو پورا کیا جائے۔ پھر یہ ہے کہ عہد عمومی بھی ہوتے ہیں اور خصوصی بھی۔ عمومی عہد یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اور اللہ کی وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی شریعت کی پابندی اپنے ذمے لازم قرار دیتا ہے، تو اب اس کا فرض ہے کہ اس عہد کو پورا کرے اور اس کے خلاف نہ چلے۔ خصوصی معاہدات وہ ہوتے ہیں جو ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے ورنہ انسان اخلاقی طور پر منافق ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرو وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا اور قسموں کو سچتہ کرنے کے بعد مت توڑو۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَاكُمْ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر کفیل یا ضامن بنایا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو گواہ بنا کر عہد کی پابندی کا وعدہ کیا ہے۔ تو پھر اپنے وعدے کی پوری پوری پاسداری کرنا اور عہد شکنی کے لیے کسی حیلے بہانے کا سہارا نہ لینا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری



کارگزاری کو جانتا ہے۔

عہد شکنی کی مثال اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ  
نَقَضَتْ غَزْلَهُمَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا اور اس عورت  
کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے کلتے ہوئے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔  
مشہور ہے کہ مکے کی ایک صاحب مال عورت دن بھر سوت کا تتی اور شام کو ان  
کٹی ہوئی ایٹوں کو توڑ ڈالتی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عورت سال کا اکثر حصہ سوت  
کاتتی رہتی کہ جب کپڑا بنانے کا موسم آئیگا تو اس سے کپڑا بنا کر کسی کو تحفہ میں دے  
دوں گی، جب وہ موسم آتا تو کپڑا بنوانے کی بجائے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے  
پھینک دیتی۔ یہ ایسی بوقوف عورت تھی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ عہد و پیمان کی مثال  
کتے ہوئے سوت جیسی ہے۔ پیمان کو پختہ کرنے کے بعد توڑ ڈالنا کتے ہوئے  
سوت کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے۔

عہد شکنی کی  
مانعت

ارشاد ہوتا ہے تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا لِّأَبْنَائِكُمْ  
تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد اور خرابی کا ذریعہ بناتے ہو ان تَكُونُ أُمَّةً  
ہی اَرْجَا مِنْ أُمَّةٍ اس واسطے کہ ایک گروہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے  
پہلے تم ایک گروہ سے معاہدہ کرتے ہو، پھر دیکھتے ہو کہ دوسرا گروہ اس سے  
بڑھا ہوا ہے تو پہلے گروہ کا عہد و پیمان توڑ کر دوسرا گروہ کے ساتھ سمجھوتا کر لیتے  
ہو۔ فرمایا یہ بہت بُری بات ہے۔ عہد و پیمان پر سختی سے قائم رہو۔ عہد شکنی  
منافق کی صفت ہے اِذَا عَاهَدَ غَدَرَجَبٌ وہ عہد کرتا ہے تو اس  
کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے لیے حکم یہ ہے۔  
”أَوْفُوا بِالْعُقُودِ“ (المائدہ) عہد کو پورا کرو۔ عہد شکنی کے نتائج بڑے خراب  
نکلتے ہیں، انسان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور وہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ مکی زندگی میں بھی بعض لوگوں نے حضور  
علیہ السلام کی حمایت کا عہد کیا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں کی حالت بڑی کمزور تھی۔



جب انہوں نے قریش کا پلہ بھاری دیکھا تو آپ سے کیے گئے معاہدہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور قریش کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے عہد و پیمان کی سختی سے پابندی کی، جس کی وجہ سے ان کا اعتماد بحال ہوا اور اسلام کو ترقی حاصل ہوئی۔

بخاری کی  
عہد شکنی

انگریزوں نے اپنے دورِ عروج میں مختلف اقوام سے جو معاہدے کیے، ان کی پابندی نہیں کی۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے ترکوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا مگر جب انگریزوں کو فتح حاصل ہو گئی تو معاہدے کی تکمیل میں لیت لعل کرنے لگے۔ جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی تو برطانیہ کے وزیر جنگ لارڈ جارج نے ہر ملا کہہ دیا کہ اس قسم کے معاہدے پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض وقت گزاری کے لیے کیے جاتے ہیں۔ امریکہ پاکستان کا شروع سے حلیف ہونے کا دعویٰ کرتا رہا ہے مگر جب بھی ضرورت پڑی اس نے وعدہ ایفاء نہ کیا۔ پاک ہند ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں امریکہ نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی۔ ملک دو بخت ہو گیا۔ مگر یہ جہاز ہی دوڑاتا رہا ہے اور عملی طور پر معاہدے کا حق ادا نہ کیا۔ یہ منافق قسم کے لوگ ہیں، جو بھی ان پر اعتماد کرے گا، دھوکا کھا جائے گا، امریکہ اور برطانیہ عربوں کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر دلی ہمدردی اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنانے والے ہی لوگ ہیں، ورنہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ بہر حال غیر مسلم اقوام کے برخلاف اسلام ہر قسم کے عہد کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے، خواہ اس میں کتنا بھی نقصان کیوں نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا، اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناتے ہو کہ ایک قوم کے ساتھ معاہدہ کرتے ہو اور پھر دوسری طرف پلہ بھاری دیکھ کر اُدھر ہو جاتے ہو۔ یہ ہرگز روا نہیں۔

فرمایا اِنَّهَا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ بِهٖ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ تَعَالٰی تَمِيْنُ اس قسم کے واقعات سے آزماتا ہے کہ یہ عہد و پیمان میں کس قدر سچتے ہیں اور اپنی



بات پر کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ فرمایا، یاد رکھو! وَلَكِنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیگا۔ جن میں تم اختلاف کرتے ہو، اُس وقت حقیقت حال پورے طریقے سے واضح ہو جائے گی۔

گمراہی اور  
ہدایت کا راستہ

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت ہے کہ سب لوگ ایک جیسے نہیں، کوئی سون ہے کوئی کافر اور کوئی نیا۔ فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت یا گروہ بنا دیتا، مگر یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے۔ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے ”وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَكُمْ عَلَى الْهُدَى“ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ مگر یہ جبری ہدایت ہوتی جو اس کے منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی خود انسان کی صوابدید پر رکھی ہے۔ ایمان وہی قابل قبول ہوگا جو وہ اپنی رضا و رغبت سے اختیار کرے گا، اور اگر کفر کا راستہ اختیار کرے گا۔

فرمایا اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ میں شامل کر دیتا۔ مگر وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ بَلْكَ وہ جسے چاہتا ہے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اور گمراہ وہی ہوتا ہے جو بہت دھرمی اور ظلم و زیادتی کی بنا پر اپنی استعداد کو خراب کر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے واضح طور پر اعلان فرمایا رِیَاسٌ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (الصف) اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا ”وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ“ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو راہِ راست پر نہیں لاتا۔ ”وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ“ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ”بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ“



(النساء) اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر ٹھپے مار دیے ہیں سورۃ مطففین میں ہے مَکَلَّا بِلَّحْزَنِیْ اَنْ عَلٰی فُلُوْیْهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اُن کی کارکردگی کی وجہ سے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی کے دل پر مہر لگا کر اسے ہدایت سے محروم نہیں کر دیتا اور نہ اسے ایمان سے محروم کرتا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کے منافی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی ہماری باتیں واضح کرنے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اُسی طرف ڈال دیتا ہے۔

فرمایا اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور اس کی اصل مثبت ہدایت کی طرف ہی ہوتی ہے۔ جو شخص ہدایت کا مثلاًشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نصیب کر دیتا ہے، بلکہ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اٰهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًی (محمد) جو ہدایت کے راستے کی طرف آنا چاہتے ہیں، اللہ اُن کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔ اور رجوع کرنے والے کو زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ فرمایا وَلَیْسَ لَکُمْ عَمَّا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ اُوْرَاقٌ اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں کے متعلق جو تم کرتے تھے۔ آگے منزل آنے والی ہے جب کوئی عذر نہیں سنا جائے گا، لہذا کسی کے ساتھ بے عہدی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہر مومن اور کافر کے عہد کو پورا کرنا چاہیے۔

فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوا اٰیْمَانَكُمْ دَخَلًا لِّبٰیْنِکُمْ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔ پہلے قسم اٹھا کر سچے عہد کر لیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی، یہ اخلاقی طور پر بھی محبوب بات ہے۔ اگر ایسا کرو گے فَتَرْکُزْکُمْ بَعْدَ ثَبُوْرَتِکُمْ۔ تو قدم مضبوط ہونے کے بعد پھر پھسل جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ بے اعتمادی کی صورت میں نکلے گا۔ کوئی تمہارا

بے عہدی  
ذریعہ فساد  
ہے



حامی نہیں ہوگا۔ اگر تم عہد کی پابندی نہیں کرو گے تو لوگوں کو دین سے بےزار کرنے کا ذریعہ بنو گے۔ اور اس طرح تمہاری یہ بد عہدی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔  
 قرن اول کے مسلمانوں کی طرح اگر عہد پر قائم رہو گے، ذاتی اور اجتماعی معاملات میں صلح و جنگ کے معاملات میں اگر بد عہدی نہیں کرو گے تو ساری دنیا اسلام کی بہتری کی قابل ہوگی اور دین کو سچا مذہب تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیگی۔  
فرمایا بد عہدی کا نتیجہ یہ بھی ہوگا وَتَذُوقُوا الشَّوْءَ بِمَا صَدَقْتُمْ  
 عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اور تم اس وجہ سے سزا کا مزہ اچکھو گے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور تم بہت بڑے عذاب کے مستحق بن جاؤ گے۔ تمہیں دنیا میں بھی ناکامی ہوگی اور آخرت میں سخت سزا سے دوچار ہو گے۔ دنیا کے حقیر مال کی خاطر کی گئی بد عہدی دنیا میں بھی کام نہیں آئے گی۔

فرمایا وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا اور نہ خریدو اللہ کے عہد کے ساتھ حقوڑی قیمت۔ اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر عہد کیا مگر اُس عہد کو توڑ کر حقیر مال کو قبول کر لیا۔ یہ بڑا ہی خباثت کا سودا ہے۔ اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے اِذَا مَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تَوَلَّوْا اللّٰہ کے ہاں اس کا نتیجہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر تم جانتے ہو۔ عہد و پیمان کی پختگی کی صورت میں تم پر دنیا میں بھی لوگ اعتماد کرتے نہیں یہاں بھی محبت حاصل ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر اجر پاتے۔  
 کاش کہ تمہیں اس بات کا علم ہوتا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٌ وَلَنَجْزِيَنَّ  
 الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا  
 يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ  
 ذَكَرٍ أَوْ أَنُشِيَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً  
 طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ  
 بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ  
 لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ  
 رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى  
 الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهٖ  
 مُّشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰

ترجمہ :- اور جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے  
 گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔  
 اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے اُن لوگوں کو جنہوں نے  
 صبر کیا۔ اُن کا اجر بہتر ہو گا اُن کاموں کے بدلے  
 میں جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۹۶﴾ جس شخص نے اچھا کام  
 کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔



پس ہم زندگی بسر کرائیں گے پاکیزہ۔ اور ہم ضرور بدلہ دیں گے اُن کو اُن کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ۹۷ پس جب تو قرآنِ کریم پڑھے، تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطانِ مردود سے ۹۸ بیشک وہ (شیطان) کہ نہیں ہے اُس کا تسلط اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ۹۹ بیشک اس کا زور اُن لوگوں پر ہے جو کہ اس کے ساتھ دوستانہ رکھتے ہیں، اور جو اس کی وجہ سے شرک کرنے والے ہیں ۱۰۰

فانی اور  
باقی مال

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کو پورا کرنے کی سخت تلقین فرمائی تھی۔ اپنی قسموں کے ذریعے حقیر مال حاصل کرنے کی مذمت بیان فرمائی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُس مال کی حقیقت بیان فرمائی ہے جو عہد شکنی کے ذریعے کمایا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ تو ختم ہو جائے گا۔ جس مال کی خاطر تم نے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور پھر عہد کو توڑا، وہ تمہارے پاس نہیں ہے گا۔ مفسرین کرام فرماتے کہ لفظ مَا عام ہے اور اس سے صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز زندگی، صحت، زمین، مکان، باغات، کھیتیاں، کارخانے وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ تمہیں اس دنیا سے بالآخر جانا ہے اور پھر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے گا، اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ ہر چیز کا والی و وارث اللہ ہی ہے۔ اُن کا ایمان، نیکی، اخلاص، خضوع، طہارت، اعمالِ صالحہ سب اللہ کے پاس محفوظ رہتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ لہذا دنیا کی ناپائیدار چیزوں کی خاطر ہیرا پھیری کرنے کی بجائے نیکی کو اپنا شعار بنالو کہ یہی چیز باقی رہنے والی ہے

جو تمہیں کام دیگی۔

صبر بھی ملت ابراہیمی کا اہم اصول اور نیکی کی بات ہے۔ اللہ نے فرمایا  
 وَلَنَجْزِيَنَّكَ الَّذِيْنَ صَابَرُوْا اَجْرَهُمْ صَبْرًا كَمَنْ صَبَرَ كَمَنْ صَبَرَ  
 کو ضرور اُن کا اجر عطا کریں گے۔ جنہوں نے ایضاً عہد کے لیے تکالیف برداشت  
 کی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی اس نیکی کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں اجر دے گا  
 بِاَحْسَنِّ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان بہتر کاموں کے بدلے میں جو  
 وہ انجام دیتے ہیں اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم صبر کرنے والوں کو اُن  
 کی کارکردگی کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے۔ گویا ان کا بدلہ اُن کے اعمال سے  
 بہر صورت بہتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ  
 فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَلِهَا (الانعام) ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہے، تو  
 معلوم ہوا کہ ہر نیکی کا بدلہ اُس نیکی سے بہتر ہوگا اور نیکی میں جس قدر اخلاص برطھتا  
 جائیگا اسی قدر اجر میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔

حیاتِ طیبہ

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ حَسَنَةً  
 نیک اعمال کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ نیک اعمال کے صلے میں مرد و زن  
 میں کوئی تفاوت نہیں۔ ہر صنف کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے  
 گا۔ نزولِ قرآن کریم کے زمانے میں بعض عورتوں کے دل میں خیال پیدا ہوا تھا  
 کہ ہر میدان میں مرد ہی پیش پیش ہیں اور ہر مقام پر اللہ نے انہی کا تذکرہ کیا ہے  
 حالانکہ ہم بھی نصفِ انسانیت ہیں۔ اُن کے اس تردد کے جواب میں  
 اللہ کے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں  
 کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کی اولین مثال تو یہی آیت ہے جس میں مرد اور عورت  
 دونوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں صنفوں میں سے کوئی بھی ہو۔ اس کے اچھے  
 اعمال کا بہتر بدلہ دیا جائے گا۔ سورۃ نساء میں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا  
 كَتَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ یعنی مردوں کے



لیے بھی اُن کی کمائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی ان کی کمائی میں سے حصہ ہے، یعنی ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ آیت زبردست کی طرح کی آیت سورۃ نسا میں بھی موجود ہے "وَمَنْ لَّغِيَ مَلٌّ مِنْ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰی" یعنی عملِ صالح ہونا چاہیے خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، اللہ تعالیٰ سب کو رحمت میں داخل کرے گا۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ نے مردوں اور عورتوں کا ان کی تعریف کے ساتھ اکٹھا ذکر کیا ہے "اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِقِيْنَ وَالصَّابِقَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّكِرِيْنَ اللّٰهُ كَثِيْرًا وَالذَّكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا" ان صفات کے حاملین تمام مردوں اور عورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

فرمایا جس نے بھی نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، شرط یہ ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہ اسے ایمان کی دولت حاصل ہو۔ اگر ایمان کی بنیاد موجود ہوگی تو اعمالِ صالحہ پھل لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے وعدہ فرمایا فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً کہ ہم انہیں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے یعنی اس دنیا میں وہ اچھی زندگی بسر کریں گے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حیاتِ طیبہ سے مراد محض خوشحالی کی زندگی نہیں جس میں مال و دولت اور ظاہری آرام و راحت میسر ہو، کیونکہ یہ چیزیں تو بعض اوقات بچے بچے ایمانداروں کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ پاکیزہ زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو رزقِ حلال اور قناعت نصیب ہو، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام



نے ارشاد فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرِزْقُكَ فَاوْقَنَهُ  
 اللَّهُ بِمَا آتَاهُ تَحِيْقًا وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو حقیقت اسلام حاصل ہو  
 گئی، جسے بقدر کفاف روزی میسر آگئی اور جسے اللہ نے عطا کردہ روزی پر  
 قناعت نصیب فرمادی۔ یہی حیات طیبہ ہے کہ زبان پر اللہ کا ذکر ہو، دل  
 میں اللہ کی محبت اور سکون حاصل ہو۔ فرائض کو ادا کرتا ہو اور مستقبل کے متعلق  
 اچھا عقیدہ رکھتا ہو۔ جب کسی شخص کو رزق حلال میسر آجائے گا تو اسے اطاعت  
 میں حلاوت، سکون اور مزا آئے گا۔ جو شخص قناعت کرتا ہے، اور اللہ کے  
 ہر فیصلے پر راضی ہوتا ہے اُسے نیک کام کرنے کی توفیق ملتی ہے اور صحیح  
 معنوں میں اللہ بھی اُس پر راضی ہوتا ہے۔ یہی حیات طیبہ ہے۔

سعدی صاحبؒ نے ایک نیک آدمی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ چیتے کا  
 زخم خوردہ دریا کے کنارے بیٹھا شکر خداوندی بجالاتا تھا۔ کسی نے کہا کہ اتنی تکلیف  
 کے باوجود اللہ کا شکر کس بات پر ادا کرتے ہو تو کہنے لگا "الحمد للہ بہ مصیبت  
 کہ گرفتار آدم نہ بہ معصیت۔"

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مصیبت میں تو گرفتار کیا ہے مگر  
 معصیت سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت مولانا شیخ الحدادؒ مالٹا جیل میں انگریزوں  
 کے اسیر تھے، ہر روز دس پارے تلاوت بھی کرتے تھے، کثرت سے درود شریف  
 بھی پڑھتے اور ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کرتے کہ اس نے مصیبت میں  
 مبتلا کیا، کہیں معصیت میں مبتلا نہیں کر دیا۔ آپ نے جان پر کھیل کر انگریزوں  
 کے خلاف فتویٰ دیا جس کی پاداش میں آپ کو سخت ترین تکالیف برداشت  
 پکڑنا پڑیں مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ بہر حال ایمان سے خالی  
 لوگوں کو اگر دنیا میں آرام و راحت بھی میسر آجائے۔ تو یہ حیات طیبہ نہیں بلکہ  
 حیات نجیشہ ہوگی کہ جلدی ہی وہ جہنم کے کندہ نائراش بننے والے ہیں۔

فرمایا ہم اعمالِ صالحہ انجام دینے والے مومنوں کو حیات طیبہ سے نوازیں گے۔



وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے ان کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ۔  
 اس سے مراد جنت کی زندگی ہے کہ وہ بھی بہترین حیاتِ طیبہ ہوگی، ایسی زندگی  
 ہوگی جس کو موت نہیں، ایسا غنا ہوگا جس کے بعد فقر نہیں، ایسی صحت ہوگی  
 جس کے بعد بیماری نہیں اور ایسی سعادت ہوگی جس کے بعد شقاوت نہیں  
 ہوگی بغرض یہ دنیا میں اگر مصائب و آلام بھی ہوں تو پھر بھی مومن کی زندگی پاکیزہ زندگی ہوگی  
 اللہ نے اسے اطاعت کی توفیق دی، وہ فرائض ادا کر رہا ہے، یہی حیاتِ طیبہ  
 ہے۔ اس کے برخلاف ایمان سے محروم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ان  
 کی زندگیاں بڑے کاموں میں صرف ہو رہی ہیں، ہمیشہ جاہ و اقتدار کے بھوکے  
 رہتے ہیں، نہ اللہ کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہے اور نہ بنی نوع انسان کے ساتھ  
 ہمدردی ہے، نہ فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ آخرت پر ایمان ہے۔  
 ایسے لوگ ناپاک زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں حیاتِ طیبہ حاصل نہیں ہو سکتی۔  
 گزشتہ درس میں اللہ کا یہ احسان ذکر ہو چکا ہے **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ**  
**الْكِتَابَ تَبْيَاثًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** ہم نے یہ قرآن پاک نازل فرمایا جس میں  
 ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ اب اگلی آیت میں اس عظیم کتاب کے آداب  
 کے سلسلے میں فرمایا ہے **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ** جب آپ قرآن کریم  
 کی تلاوت کریں **فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**  
 تو سب سے پہلے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ طلب کریں۔ قرآن کریم  
 کی تعلیم و تعلم اور اس کی تلاوت چونکہ اعلیٰ و ارفع کام ہے اس لیے شیطان  
 اس میں گھل ملنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان  
 تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کرے۔ اس لیے فرمایا کہ تلاوت شروع  
 کرنے سے پہلے اللہ کے ساتھ پناہ مانگ لیا کرو۔ نماز کی رُوح رواں بھی  
 تلاوتِ قرآن پاک ہی ہے۔ حدیث شریف میں تمعوز کے مختلف کلمات

تلاوت سے  
پہلے تمعوز



اُنے ہیں جیسے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ یا  
اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ نماز میں سورۃ فاتحہ  
کی تلاوت سے پہلے تعوذ ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء و کرام  
فرماتے ہیں کہ ہر حصہ نماز کی پہلی رکعت میں تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم دونوں  
سنت ہیں جب کہ باقی رکعتوں میں صرف بسم اللہ مستحب ہے۔ تاہم امام  
شافعیؒ ہر رکعت کی ابتداء میں تعوذ اور بسم اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید  
کی تلاوت سے پہلے تعوذ تو اس آیت میں آگیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض  
مقامات پر تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً بیت الخلا میں جلتے وقت  
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبَاثَاتِ وَالْكَبَائِثِ کے الفاظ سکھلائے گئے ہیں۔ مہر  
سے پہلے بھی شیطان سے تعوذ کر لینا چاہیئے اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ  
اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ۔ اسی طرح ہر نیک کام کی ابتداء میں تسبیح  
کا حکم دیا گیا ہے۔ پکڑا پہنتے وقت، کھانا کھانے وقت سواری پر سوار ہوتے  
وقت، باہر قدم رکھتے وقت بسم اللہ پڑھ یعنی چاہیئے کہ یہ باعث برکت  
اور مسنون ہے۔

شیطانی غلبہ

فرمایا تلاوت کرتے وقت شیطان مردود سے پناہ پکڑ لیں مگر یاد  
رکھیں اِنَّهٗ لَيَسُرُّكَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
بیشک اس کا غلبہ ایمان والوں پر نہیں ہوگا۔ اور اُن پر بھی نہیں ہوگا۔ وعلیٰ  
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ گو یا کہ کامل  
الایمان لوگوں پر شیطان کا دَاو نہیں چلتا۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ جب شیطان  
اُن سے چھپر چھاڑ کر تارتا ہے تو انہیں فوراً سمجھ آ جاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ  
کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلٰی الَّذِيْنَ  
يَتَوَكَّلُوْنَ کہ شیطان کا غلبہ تو اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے ساتھ  
دوستی کرتے ہیں۔ جو اس کی رفاقت کرتے ہیں۔ وہ اُسی کے دوسرے



میں پھنسنے سہتے ہیں اور پھر برائیوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ گویا تمام معصی  
شیطان کی دوستی اور رفاقت کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں۔

فرمایا شیطان کا تسلط اُن لوگوں پر بھی قائم ہو جاتا ہے وَالَّذِينَ  
هُم بِهٖ مُشْرِكُوْنَ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہوتے  
ہیں۔ شرکیہ رسوم ادا کرتے ہیں اور شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں  
پھر وہ بدھر چلے انہیں لیے پھرتا ہے بدھ کا ترجمہ دو طریقے سے کیا جاتا  
ہے ایک یہ کہ بدھ سے مراد اللہ کی ذات ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ  
کی ذات کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ وہ شیطان کے جال میں پھنس جاتے  
ہیں۔ نیز بدھ کی ”ب“ بے بھی تسلیم کیا جاتا ہے یعنی جو لوگ شیطان کے  
سبب کی وجہ سے شرک کرتے ہیں اُن پر بھی شیطان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے  
حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگ شیطان کی وسوسہ اندازی اور اغوا کی وجہ سے  
شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ  
کرتے ہیں، اُن پر شیطان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا  
يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتِرٌ بَلْ أَكْثَرُهُمْ  
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ  
رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ  
هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ  
أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ  
الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَىٰ وَهَذَا لِسَانٌ  
عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمْ اللَّهُ وَلَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ  
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ :- اور جس وقت ہم تبدیل کر دیں ایک آیت  
کو دوسری آیت کی جگہ ، اور اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ بھی  
وہ اتارتا ہے ۔ تو کہتے ہیں (یہ نافرمان لوگ ) کہ بیشک تو  
افتراء کرنے والا ہے ۔ نہیں ، بلکہ اکثر ان میں سے بے سمجھ  
ہیں ﴿۱۰۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اتارا ہے اس کو روح القدس



نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ، تاکہ ثابت کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لیے (۱۰۲) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بیشک یہ لوگ کہتے ہیں کہ سکھاتا ہے اس کو ایک انسان۔ اُس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجیب ہے۔ اور یہ قرآن عربی اور صفا زبان میں ہے (۱۰۳) بیشک وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیتوں پر، اللہ اُن کو راہ نہیں دکھاتا۔ اور اُن کے لیے عذاب الیم ہے (۱۰۴) بیشک افراد باندھتے ہیں جھوٹ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہی لوگ ہیں جھوٹے (۱۰۵)

گزشتہ درس میں آداب تلاوت قرآن سکھائے گئے تھے۔ اللہ ربّ آیات نے فرمایا کہ تلاوت شروع کرتے وقت شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ پکڑ لیں تاکہ آپ اس کے وسوسے سے بچ جائیں۔ فرمایا شیطان کا تسلط اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستانہ رکھتے ہیں اور پھر اسی کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والے کامل الایمان لوگوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

اب آج کی آیات میں قرآن پاک ہی سے متعلق مشرکین کے بعض شکوک و شبہات کا دلائل کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ اس طرح گویا ان آیات کا گزشتہ مضمون کے ساتھ ربط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھے بغیر ایمانیات اور دین کے صحیح اصول معلوم نہیں ہو سکتے، حالانکہ ایک مومن ان کا محتاج ہے اسی طرح فروعی مسائل کا حل بھی قرآن کریم کو پڑھے بغیر معلوم نہیں ہو

سکتا، چنانچہ یہی بات آئے اسی روح میں رہی ہے کہ کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے ہم اپنی زبان سے کسی شے کو حلال و حرام قرار نہیں دے سکتے۔ غرضیکہ اللہ کا یہ پاک کلام زندگی کے ہر موڑ پر ہماری راہنمائی کرتا ہے اور یہ راہنمائی اس کی تلاوت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

نسخ آیات

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے اس اعلیٰ وارفع کلام کا ہر قسم کی تحریف اور شک و شبہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر اسی میں شک پیدا ہو گیا تو پھر اس کے احکام پر عمل درآمد کیسے ہو گا اور اس کی تلاوت سے صحیح نتیجہ کیسے مرتب ہو گا۔ چونکہ مشرکین مکہ قرآن پاک کے متن میں بعض اعتراضات کرتے تھے، اس لیے اللہ نے ان کا بدل جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ اور جب ہم تبدیل کرتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ یعنی کسی حکم کی تبدیلی پر قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ "کافر اور مشرک" لوگ کہتے ہیں کہ تو تو افتراء کرتا ہے۔ یعنی جھوٹ باندھتا ہے کہ فلاں حکم فلاں کے ساتھ بدل گیا ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اللہ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم اُس کی مخلوق کے لیے موزوں ہے العیاذ باللہ اس سے تو اللہ تعالیٰ پر جہالت صادق آتی ہے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے درمیان آیت فرمایا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز کو وہ نازل کرتا ہے۔ اسے اپنے پہلے حکم کا بھی اچھی طرح علم ہے اور وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو بھی جانتا ہے نیز وہ اپنے نئے حکم یا آیت کی حکمت و مصلحت سے بھی خوب واقف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جس طرح زمانہ اور واقعات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

نسخ آیات کی حکمت

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض کو کسی وقت میں کسی دوا کی ضرورت



ہوتی ہے جب کہ کچھ وقت کے بعد اس کی حالت کے مطابق دوا تبدیل کرنا پڑتی ہے۔ کبھی سرد دوا مناسب حال ہوتی ہے اور کبھی گرم، گویا مریض کے مرض میں تبدیلی کے ساتھ طبیب دوا بھی تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانی معاشرے کے حالات و ضروریات سے واقف ہے اس لیے وہ ان کے مناسب حال ہی احکام نازل فرماتا ہے۔ پھر جب معاشرے میں قدرے تبدیلی آجاتی ہے اور اسے دوسرے احکام کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے احکام منسوخ کر کے

دوسرے جاری کر دیے جاتے ہیں۔ اب اللہ کی آخری شریعت پیغمبر آخر الزمان پر مکمل ہو چکی ہے۔ اب یہ دائمی احکام ہیں جن میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا جب تک دنیا کا یہ نظام قائم ہے۔ یہ احکام بھی بدستور نافذ العمل رہیں گے۔

نزل قرآن کے زمانہ میں بعض احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ مکی زندگی میں جو حکم تھا وہ مدنی زندگی میں جا کر تبدیل ہو گیا۔ مثلاً کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق مکی زندگی میں قانون یہ تھا "كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" (النساء) یعنی لڑائی سے ہاتھ روک کے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اس وقت جماعت المسلمین کمزور تھی، اس لیے عدم جنگ میں ہی مسلمانوں کی مصلحت تھی۔ پھر جب مدنی دور میں مسلمانوں نے طاقت جمع کر لی اور وہ علی الاعلان جنگ کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو اللہ کا حکم آگیا "قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ" (التوبة) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے ان کے خلاف اعلان جنگ کرو گویا یہود و نصاریٰ، کفار اور مشرکین سب کے ساتھ لڑائی لڑنے کا حکم دے دیا گیا کہ اس وقت مصلحت کا یہی نقصان تھا۔



سورة بقرہ میں آتا ہے "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا  
 "نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا" جب ہم کوئی حکم منسوخ کرتے ہیں  
 یا فراموش کر دیتے ہیں تو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا کم از کم اُس  
 جیسا حکم لے آتے ہیں۔ بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم اپنی نوعیت اور اجر و ثواب  
 کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے۔ ایسے حکم پر عمل پیرا ہونے میں بھی تسہیل کا پہلو  
 نمایاں ہوتا ہے، لہذا ہم اسے تبدیل کر دیتے ہیں بَلْ أَكْثَرُهُمْ  
 لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ بے سمجھ ہوتے ہیں جو اس کی حکمت اور  
 مصلحت کو نہیں جانتے۔

نزول قرآن  
 کی غرض

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسُ مِنْ رَبِّكَ  
 بِالْحَقِّ اِس کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ  
 اتارا ہے۔ برعکس خویش یہ افتراء اور جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس کی غرض و نیت  
 یہ ہے لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنَّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اہل ایمان کو پختہ کر دے  
 چنانچہ تلاوت قرآن سن کر ایمان والوں کے دل مضبوط ہو جاتے ہیں، ان کا  
 ایمان پختہ ہو جاتا ہے، وہ اس پر یقین رکھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے  
 ہیں۔ فرمایا قرآن وَهُدًى وَاصْخٰرَ اٰیٰتِہٖ لِقَوْمٍ عَلٰی اَنْفُسِہُمُ اللّٰہِ لَعَنَہُ  
 پر راہنمائی کرتا ہے، انسانوں کی سمیت درست کرتا ہے اور انہیں اندھیروں  
 سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے وَبَشٰرِیْ لِّلْمُسْلِمِیْنَ یہ  
 مسلمانوں کے لیے خوشخبری کا ذریعہ ہے۔ اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے  
 والوں کے لیے دائمی اور بہتر زندگی کی بشارت بھی ہے۔ سورة یونس میں ایسے  
 لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے اَنْ لَّہُمْ قَدْ مَرَّ صِدْقٌ عِنْدَ رَبِّہُمْ  
 ان کیلئے انکے رب کے پاس سچائی کا پایا ہے ایمان لانے والے سچائی کے پائے میں  
 قدم رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والوں کو خوشخبری دی جاتی ہے۔ یہ سلی کا مضمون بھی ہو گیا۔  
 اس آیت کہ یہ میں روح القدس کا لفظ توجہ طلب ہے اس سے

روح  
 القدس



مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں جن کے واسطے سے قرآن کریم حضورؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔ سورۃ الشعراء میں موجود ہے: "إِنَّهُ لَكُنْزٌ يُّنْزِلُ رَبُّ  
الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ  
مِنَ الْمُنْذِرِينَ" اس قرآن کریم کو روح الامین نے رب العالمین  
کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا تاکہ آپ ڈرانے والوں  
میں سے ہو جائیں۔ شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کے واقعہ میں بھی آتا  
ہے کہ مشرک لوگ شاعر اسلام اور پیغمبر اسلام کی ہجو کرتے تھے اس پر آپ  
علیہ السلام نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ ان کے اشعار کا جواب  
دو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تائید روح القدس کے ساتھ کرے گا۔ چنانچہ حضرت  
حسانؓ مشرکوں کو شعروں میں جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ  
محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ روح القدس کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ ملا اعلیٰ  
کے تمام گروہ کسی خاص امر کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اسی کا نام روح القدس  
کی تائید ہے۔

نزول قرآن  
پر اعتراض

فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ بِمَنْ خُوب جَانَتْ هِيَ أَنَّهُمْ كَقَوْلُونَ  
إِنَّمَا نَعْلَمُ بِبَشَرٍ كَمَا كَفَرُوا وَمَشْرُكَ لَوْ يَدْعُونَ هِيَ أَنَّهُمْ كَقَوْلُونَ  
حضور علیہ السلام کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبرائیل  
یعیش یا بلعام نامی ایک رومی غلام تھا۔ اس کا پہلا مذہب عیسائیت تھا  
انجیل پڑھا کرتا تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ شخص رات کے وقت  
کبھی کبھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے دین سیکھتا  
بعض اوقات حضور علیہ السلام خود بھی اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس  
پر مشرکین نے یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ عجمی شخص آپ کو باتیں سکھاتا ہے  
جسے آپ قرآن کے نام پر پیش کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب

اس بہتان کے جواب میں اللہ نے فرمایا لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ



اَلَيْسَ اَعْجَبَ يَہ لوگ جس شخص کی طرف قرآن کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجیب ہے۔ یعنی وہ شخص تو عربی زبان پر ہی قادر نہیں۔ وَلِهَذَا اَلِسَانُ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ اور اللہ کا یہ کلام فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ بھلا وہ شخص جو خود اپنا ما فی الضمیر بھی ٹھیک طریقے سے عربی زبان میں بیان نہیں کر سکتا وہ قرآن پاک جیسا معجز کلام کیسے گھڑ سکتا ہے یہ ان لوگوں کا صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس کلام کو سن کر تو عرب کے بڑے بڑے ادیب اور شعراء انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، بھلا اس رومی عجیب کی کیا حیثیت ہے کہ ایسے اعلیٰ و ارفع کلام کی تعلیم دے سکے۔ قرآن کریم نے تو واضح چیلنج دے رکھا ہے کہ اگر تمہیں اس کلام میں کوئی شک ہے "فَاتُّوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ" (البقرہ) تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر دے آؤ۔ اس چیلنج کو قبول کرنے سے تو عرب کے بڑے بڑے شاعر بھی عاجز آ گئے چہ جائیکہ اس کا مصنف کوئی عجمی آدمی ہو۔

منکرین  
قرآن کے  
ایسے منرا

فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ بِشَکٍّ ہو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے لَا یُھْدِیْہُمْ اللّٰهُ اللّٰهُ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب تیار ہے فرمایا اِنَّمَا یُفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ بِشَکٍّ وہی لوگ جھوٹ بانڈھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ اُس نے قرآن خود گھڑ لیا ہے یا اُسے کسی عجمی نے سکھا دیا ہے۔ یہ مفسری لوگ ہیں وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ اور حقیقت میں ہی لوگ جھوٹے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس اعتراض کا رد فرمایا ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے اور یہ کہ اُسے کسی غیر عربی نے سکھا یا ہے۔ فرمایا یہ ایمان سے خالی لوگوں کا کام ہے اور یہی چیز قناد کی جھڑ ہے جو انہیں غلط پراپیگنڈے پر آمادہ کرتی ہے



مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ  
 أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ  
 مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ  
 مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ①۰۶  
 بَأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى  
 الْآخِرَةِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِيَ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ①۰۷  
 أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ  
 وَسَمِعَ عَنْهُمْ وَابْصَارُهُمْ ۚ وَأُولَئِكَ هُمُ  
 الْغَافِلُونَ ①۰۸ لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ  
 هُمْ الْخَاسِرُونَ ①۰۹ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ  
 هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا  
 وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ  
 رَحِيمٌ ①۱۰

ترجمہ :- جس شخص نے کفر کیا اللہ کے ساتھ

بعد ایمان لانے کے ، مگر وہ شخص کہ جس کو مجبور کیا

گیا اور اس کا دل مطمئن تھا ایمان کے ساتھ

لیکن (گناہ اس پر ہے ) جس نے دل کھول کر کفر کیا

ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔ (۱۰۶)

یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو پسند کیا آخرت کے مقابلے میں اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اُس قوم کو جو کفر کرنے والی ہو (۱۰۷) یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے مہرِ کریم ہے اُن کے دلوں پر، اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر، اور یہی لوگ غافل ہیں (۱۰۸) ضرور بہ ضرور بیشک یہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں (۱۰۹) پھر بیشک تیرا پروردگار، اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن کو فتنے میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، البتہ اس کے بعد بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۰)

گزشتہ آیات میں رسالت کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ یہ اللہ کا کلام ہے جسے جبرائیل امین نے اللہ کی جانب سے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ مشرکین بہتان لگاتے تھے کہ قرآن پاک سنجانب اللہ نہیں بلکہ ایک عجمی شخص سے سیکھ کر آپ اے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن حکیم تو فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے، بھلا ایک عجمی آدمی یہ کیونکر پیش کر سکتا ہے حالانکہ وہ تو اپنا مافی الضمیر بھی عربی زبان میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ایسا افتراء وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اکراہ و اضطرار کی حالت کے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ کلمہ کفر کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی

ربط آیات



شخص مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی زبان پر کلمہ کفر لاتا ہے، تو وہ شخص کافر یا مرتد نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے شخص کو کفر کا کلمہ کہنے کی وقتی طور پر رخصت ہوگی۔

وقتی طور پر  
رخصت

تاریخ اسلام ان واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں مشاہیر اسلام نے بے شمار ذاتی قربانیاں دے کر کلمہ حق کو بلند رکھا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ کفار نے آپ کو کلمہ کفر کہتے پر مجبور کیا، حتیٰ کہ جان سے مار دینے کی دھمکی دی آپ نے مجبوری کی حالت میں کفار کی بات مان لی۔ جان چھوڑا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا ماجرہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ تَمَّارَے دل کی کیفیت کیسی ہے۔ زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کے باوجود دل دین پر مطمئن ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، حضور! دل تو بالکل مطمئن ہے۔ فرمایا کوئی بات نہیں اِنْ عَادُوا فَقَدْ اُكْرِهُوا بارہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے اور کافر تمہیں مجبور کر دیں تو تم اسی طریقے سے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ امام ابو بکر حباصؓ اپنی تفسیر ”احکام القرآن“ میں رقمطراز ہیں کہ خواہ جان کا خطرہ ہو یا جسم کے کسی عضو کے کٹ جانے کا ڈر ہو، متعلقہ شخص کو کفار کی بات ماننے کی صرف رخصت ہے، البتہ بلند درجہ پر ہے کہ انسان حق کی بات پر ڈٹ جائے خواہ اس کے لیے شہادت ہی کیوں نہ قبول کرنی پڑے۔

دین کی خاطر  
قربانیاں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبِ غزویت صحابہ میں سے حضرت بلالؓ کا نام کسی متعارف کا محتج نہیں۔ آپ کو کفار نے مجبور کیا اَرْجِعْ یعنی اسلام کو چھوڑ کر پرانے دین میں واپس آجاؤ۔ آپ نے جواب دیا لَا اَرْجِعُ یعنی میں واپس نہیں پلٹوں گا۔ کفار کفر کا کلمہ کہلوانا چاہتے تھے مگر آپ احد احد ہی پکارتے رہے۔ آپ کو گرم ریت پر لٹا کر اوپر پتھر رکھا گیا، آپ کے جسم کو گرم سلاخوں سے داغا گیا، مگر آپ اللہ اللہ کا ورد ہی کرتے رہے اور

کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ آپ نے فرمایا کہ کفار اللہ کے نام سے چڑتے ہیں۔  
 اگر مجھے کوئی کلمہ بھی معلوم ہو جس سے یہ چڑتے ہیں تو میں وہ بھی زبان پر لاسکتا ہوں۔  
 سے نہیں رکوں گا۔ حضرت بلالؓ نے کمال عزیمت کا مظاہرہ کیا، سخت ترین  
 جسمانی سزائیں برداشت کیں مگر کفر کا کلمہ نہ کہا۔ اگرچہ آپؐ شہید نہیں ہوئے مگر  
 آپؐ نے دین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ حضرت عمارؓ کے والد حضرت  
 یاسرؓ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ سخت ترین سزائیں برداشت  
 کرتے ہوئے شہید ہو گئے، مگر کفر کا کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے۔ آپؐ کی والدہ حضرت  
 سمیہؓ کی دونوں ٹانگیں دو مختلف اونٹوں کے ساتھ باندھ دی گئیں۔ پھر ابو جہل نے  
 ان کے مقام مخصوصہ میں نیزہ مار کر آپؐ کو ہلاک کر دیا اور اللہ نے انہیں بلند ترین  
 مرتبہ عطا فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت خبیب ابن زید انصاریؓ  
 کسی طرح میلہ کذاب کے ہاتھ آ گئے۔ میلہ کہنے لگا۔ کیا تم محمدؐ کی رسالت کو مانتے  
 ہو؟ آپؐ نے فرمایا، وہ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔  
 پھر میلہ نے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اللہ کا  
 رسول تسلیم کرتے ہو؟ حضرت خبیبؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں سننے کے  
 لیے بھی تیار نہیں چاہتا۔ تمہاری رسالت کا اقرار کروں۔ کہنے لگا میں تمہارا  
 ایک ایک عضو کاٹ کر ہلاک کر دوں گا۔ فرمایا تو جو چاہے کہ بغرضیکہ آپؐ  
 کا جوڑ جوڑ کاٹ کر آپؐ کو شہید کر دیا گیا۔ مگر آپؐ کلمہ کفر زبان پر نہ لائے  
 حضرت خبیبؓ کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔ کافروں نے کفر کا کلمہ  
 کہلوانا چاہا، سولی پر چڑھانے کی دہکی دی مگر آپؐ کے پائے استقلال میں  
 لغزش نہ آئی اور فرمایا اللہ کے راستے میں اُسی کی عطا کردہ جان قربان کر دینا کوئی



بڑی بات نہیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ کو سولی پر لٹکا کر شہید  
 کر دیا گیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت زید ابن دوسہ  
 کو کافروں نے ایک ہی دن شہید کیا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے حضور علیہ السلام  
 کی خدمت میں سلام بھیجا کہ اے اللہ! ہمارا اسلام ہمارے پیارے نبی تک پہنچا  
 دے۔ جب یہ پیغام حضور علیہ السلام کو ملا تو آپ نے دونوں کے لیے دو عظیم سلام کہا۔  
 امام ابن کثیرؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل  
 کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن خدیجہؒ بھی اور آپ کے بعض ساتھی رومیوں کے  
 خلاف جہاد کرتے ہوئے اُن کے قیدی بن گئے۔ انہیں بادشاہ کے سامنے  
 پیش کیا گیا۔ تو اُس نے آپ کو دین سے پھیرنے کے لیے لالچ دینے کی  
 کوشش کی۔ کہنے لگا اگر دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لو تو میں تمہیں نہ  
 صرف اپنی حکومت میں شریک کر لوں گا۔ بلکہ ازواجِ بنتیٰ اپنی بیٹی کا نکاح  
 بھی تجھ سے کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اپنا سارا ملک اور پورا عرب بھی  
 مجھے دیدو تو میں آنچھ جھپکنے کی مقدار بھی محمد کے دین سے پلٹنے کے لیے  
 تیار نہیں ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا جائے۔  
 آپ نے فرمایا۔ اللہ کے راستے میں ہلاک ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ میں اس  
 کے لیے تیار ہوں۔ پھر بادشاہ نے تانبے کی ایک بہت بڑی دیگ منگوانی  
 بعض روایات میں تانبے کا بنا ہوا گائے کا بہت بڑا مجسمہ بھی آتا ہے۔ بہر حال اس دیگ  
 یا گائے میں تیل یا کوئی اور چیز ڈال کر اُسے خوب گرم کیا گیا۔ پھر آپ کے ساتھیوں  
 میں سے ایک شخص کو اس تیل میں پھینک دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا  
 جسم جل کر کوئلہ بن گیا اور اُس کی ہڈیاں زائل ہونے لگیں۔ اس کے بعد پھر حضرت  
 عبداللہؒ سے کہا کہ مان جاؤ، نور نہ تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ آپ نے  
 فرمایا کہ میں ایک لمحہ بھر کے لیے بھی دین حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں  
 بادشاہ نے پھر حکم دیا کہ اُسے سولی پر چڑھا کر اس کے دائیں بائیں تیر چلاؤ۔ مگر آپ

سیدنا  
 عبداللہ بن خدیجہؒ  
 کا ایمان



پھر بھی اپنے ایمان پر قائم ہے۔ بادشاہ نے سولی سے اتروالیا اور کہا کہ اسے  
تپتی ہوئی دیگ میں پھینک دو۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بادشاہ نے  
اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنا دین چھوڑ کر نصرانی بننے پر تیار ہو گئے  
ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، میں اپنی جان کے اتلاف کے تصور سے  
نہیں روتا، بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ اللہ نے مجھے ایک ہی جان دی ہے  
جو میں اُس کے راستے میں قربان کر رہا ہوں۔ اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں  
تو ایک ایک کر کے اللہ کے نام پر قربان کر دیتا۔ اس پر بادشاہ نے اپنے  
قرب بلا کر کہا کہ اگر تم میری پیشانی کو بوسہ دے دو تو تمہیں رہا کر دوں گا۔  
فرمایا اس کام کے عوض میں اپنے سارے ساتھیوں کی رہائی چاہتا ہوں۔ بادشاہ  
نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت عبداللہؓ نے بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر  
اپنے لشکر کے ہمراہ رہائی پا کر واپس آ گئے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے سارا  
واقعہ بیان کیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، لوگو! سب  
سے پہلے میں عبداللہؓ کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہوں، تم بھی ایسا کرو۔ پھر سب لوگوں نے  
آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اب مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ عزیمت تو اسی میں ہے کہ انسان کفر کا  
کلمہ کہنے کی بجائے شہادت قبول کرے، مگر مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی  
اپنی "تفسیر مظہری" میں لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب  
جان جانے کا خطرہ ہو تو انسان کلمہ کفر زبان سے ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل  
ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ یہ اجازت ہے اگرچہ عزیمت اس کے خلاف  
ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مجبور کیا جائے کہ دو مسلمان کا مال  
تلف کر دو ورنہ جان سے مار دیے جاؤ گے یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے  
جائیں گے۔ تو ایسے شخص کے لیے گنجائش ہے کہ وہ دو مسلمانوں کا مال تلف  
کر کے اپنی جان بچالے۔ ایسی صورت میں اگر انصاف والی حکومت ہوگی تو

اضطرابی  
حالت کے  
مسائل



مجبور کرنے والے شخص سے ضمانت لی جائیگی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو مال تلف کرنے والا مسلمان بھی مال کا ازالہ کر سکتا ہے مگر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے۔ ہاں اگر کوئی دوسرے مسلمان کی جان تلف کرنے پر مجبور کرے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ مجبور آدمی اپنی جان کو دوسرے کی جان پر ترجیح نہ دے بلکہ خود ہلاک ہو جائے اور دوسرے مسلمان کی جان کے درپے نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی کو مجبور کیا جائے کہ فلاں عورت سے زنا کرو ورنہ تمہاری جان ماری جائے گی تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ اللہ کے نزدیک مسلمان عورت کی عزت و آبرو بڑی اہم ہے لہذا ایسا شخص اپنی جان پر تھیل کر مسلمان عورت کی عزت کو بچائے

ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ جس نے کفر کیا اللہ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد اَلَا مِّنْ اَكْرَهٍ وَّ قُلُوبٌ مَّطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ مگر وہ جس کو مجبور کیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا وَالَّذِينَ مَنَّ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا لیکن گناہ اُس پر ہے جس نے سینہ کھول کر کفر کیا۔ فَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ مِّنَ اللّٰهِ ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لیے تو کلمہ کفر کہا جاسکتا ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ مگر جو کوئی دل کی گہرائی سے کلمہ کفر ادا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

عزیمت اور  
خصمت

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحْيَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور کفر کا کلمہ زبان سے ادا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔ صراطِ مستقیم اسی کے حصے میں آتا ہے جس میں طلب اور خواہش ہو۔ اور جو

کوئی کفر پر مصر ہو اُسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ اُن کے دلوں پر اللہ نے مهر کر دی ہے۔ اُن کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔ وَسَمِعَهُمْ اور ان کے کان بند ہو چکے ہیں کہ حق بات کو سنتے ہی نہیں، سنتے ہیں تو گوارا نہیں کرتے۔ وَأَبْصَارِهِمْ اور اُن کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ غرضیکہ وہ حق بات کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ یہ ان کے کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے ہے فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَافِلُونَ اور یہی لوگ غافل ہیں دنیا کی زندگی کو پسند کر کے خواہشات نفسانہ پر چلنے والے لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لَا حَبْرَ مَرَّ أَنَّهُمْ فِي الْأَخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ضرور بر ضرور یعنی یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہ لوگ آخرت کی زندگی میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

فرمایا ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا بَعْدَ مَا فُتِنُوا پھر بیشک تمہارا پروردگار ان لوگوں کے لیے البتہ بہت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ اگر ان سے کوئی معمولی لغزش ہو بھی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور وسیع رحمت سے اُن کو معاف فرما دیگا۔ ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کمزور لوگوں کو تسلی بھی دیدی تاکہ



النحل ۱۶

آیت ۱۱۱ تا ۱۱۴

رب ما ۱۳

درس بستی و نہ ۲۹

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا  
وَتُؤْفَفُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهِيَ لَا  
يُظْلَمُونَ ۝۱۱۱ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً  
كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ  
كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا  
اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا  
يَصْنَعُونَ ۝۱۱۲ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ  
فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝۱۱۳  
فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَلًا طَيِّبًا  
وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ  
تَعْبُدُونَ ۝۱۱۴

ترجمہ :- جس دن آئے گا ہر ایک نفس جھگڑا

کرے گا اپنے نفس کی طرف سے وہ پورا پورا دیا جائے

گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا ، اور اُن پر ظلم نہیں

کیا جائے گا ۝۱۱۱ اور اللہ نے بیان کی ہے ایک مثال

ایک ایسی بستی کی جو امن والی اور اطمینان والی تھی ۔ آتی

تھی اس کی روزی کشادہ ہر طرف سے ۔ پس اس بستی

والوں نے کفر کیا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ۔ پس چکھایا اللہ نے اس کو بھوک اور خوف کا لباس، اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے (۱۱۲) اور البتہ تحقیق آیا اُن کے پاس رسول اُن میں سے۔ پس جھٹلایا انہوں نے اُس کو، پس پکڑا اُن کو عذاب نے، اور وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۱۳) پس (اے لوگو!) کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے روزی دی ہے تم کو حلال اور پاک، اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہو (۱۱۴)

رابط آیات

پہلے قرآن حکیم کی صداقت و حقانیت کا بیان ہوا۔ فرمایا قرآن پاک کو خود ساختہ یا کسی عجمی شخص کا سکھلایا ہوا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ نیز یہ کہ جس نے اپنے اختیار اور ارادے سے اپنی زبان سے کفر کی بات نکالی وہ خدا کے غضب اور لعنت کا نشانہ بنے گا۔ ہاں! اضطراری حالت میں جب کہ جان جانے یا کسی عضو کے کٹ جانے کا خطرہ ہو، تو جان بچانے کے لیے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا کہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اس لیے وہ کفر کی بات زبان پر لاتے ہیں۔ اے لوگوں کو محاسبہ اعمال کی کچھ فکر نہیں۔ یہ غامدی لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہیں، کان بند ہیں، اور آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ نہ حق بات کو محسوس کرتے ہیں، نہ سننے ہیں اور نہ اُسے دیکھتے ہیں۔ فرمایا حقیقت میں یہی لوگ غافل ہیں۔

اس حقیر دنیا کی خاطر کفر اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آخرت اور مجاہدہ عمل کی منزل یاد دلائی ہے۔ فرمایا يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ اُسْ وَنِذْرٌ لِّهَا۔ جب ہر نفس آئے گا تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا اپنے نفس کی

ذاتی طور پر  
جواب دے گی



طرف سے خود سوال و جواب کرے گا۔ اُس کی طرف سے کوئی وکیل، بیرسٹر، والدین، بھائی بہن یا اولاد کو جواب دینے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ اُسے اپنے اعمال کا خود ہی جواب دینا پڑے گا۔ جہنم کے میدان میں ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف توجہ نہیں کر سکیں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے  
 يُؤْتَفُّ بِجَهَنَّمَ جَهَنَّمُ کی ستر ہزار زنجیریں ہوں گی اور ہر زنجیر کو کھینچنے والے ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ جو اُسے کھینچ کر قریب لائیں گے۔ اُس وقت اس قدر دہشت کا سماں ہوگا کہ اللہ کے مقرب نبی بھی "نفسی نفسی" پکار رہے ہوں گے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب محاسبے کی منزل آئے گی  
 لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجَمَانٌ تو اس وقت اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر شخص کو براہ راست جواب دینا ہوگا۔ سورۃ عبس میں فرمایا "لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ" اس دن حالت یہ ہوگی کہ ہر شخص کو دوسرے سے مستغنی کر دے گی۔ کوئی کسی کے کام نہیں آنے گا، ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کہ کسی طرح میں نکج جاؤں۔ بہر حال فرمایا کہ اس دن کو یاد کرو جس دن ہر نفس اپنی طرف سے خود جواب دہی کرے گا۔  
 وَتُؤَفَّقُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو اُس نے عمل کیا۔ ہر نیکی اور ہر برائی کی پوری پوری جزا یا سزا ملے گی۔  
 وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائیگی۔ نہ تو کسی کی نیکی میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کی کوئی برائی دوسرے کے سر پر ڈالی جائے گی۔ ہر ایک کے سامنے اُس کا اپنا کیا ہوا آئے گا۔ ہر شخص کا اپنا عقیدہ، اخلاق اور عمل ہی کام لائے گا۔ سورۃ مدثر میں ہے "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" ہر شخص اپنی ہی کھائی میں پھنسا ہوا ہوگا، جس سے نکل نہیں سکے گا۔ اور کسی پر زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک ٹھیک معاملہ کیا جائے گا۔

پورا پورا بدلہ

خوشحال بستی  
کی مثال

اگلی آیت میں اللہ نے ایک خوشحال بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جس کے



باشندوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے ان پر عذاب مسلط کر دیا۔  
 ارشاد ہوتا ہے وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً اللہ نے ایک بستی کی مثال  
 بیان فرمائی ہے كَانَتْ أَمِينًا مُّطْمَئِنَّةً جَوْالِمِ الْأَمْنِ وَاطْمِئْنَانٍ میں  
 تھی۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس بستی سے مراد مکہ  
 کی بستی ہے کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور اس بستی کا ذکر ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہ  
 محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال کسی ایک بستی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے  
 بلکہ ہر وہ بستی مراد لی جاسکتی ہے جہاں اس قسم کے حالات پائے جائیں۔  
 بہر حال مکہ کی یہ بستی ایک خوشحال بستی تھی۔ تمام ضروریات زندگی آسانی  
 کے ساتھ دستیاب تھیں۔ امن و سکون تھا، کوئی شخص متفکر نہیں تھا اور نہ کوئی  
 پریشان حال تھا۔ اشیائے خورد و نوش کی حالت یہ تھی يَا أَيُّهَا رِزْقُهَا  
رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ اس کی کٹادہ روزی ہر طرف سے آتی تھی۔  
 غلہ، پھل اور کھانے پینے کی دیگر چیزیں بافراط موجود ہوتی تھیں۔ جہاں تک اس  
 بستی کے مامون ہونے کا تعلق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی  
 ”رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا“ (البقرہ) مولائے کریم اس  
 بستی کو امن والا بنائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ”وَمَنْ دَخَلَهُ  
 كَانَ آمِنًا“ (ال عمران) جو اس میں داخل ہوگا امن میں ہو جائے گا۔  
 یہاں پر کوئی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ فتنہ فساد کا کوئی ڈر نہیں۔ باوجود اس  
 کے کہ یہ جگہ بے آب و گیاہ ہے، نہ زمین، نہ باغات، نہ چشمے اور نہ  
 ہریالی مگر وہاں پر سارا سال رزق کی فراوانی رہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 نے دعا کی ”وَارْزُقْ أَهْلَكَ مِنَ الثَّمَرَاتِ“ (البقرہ) اس کے  
 رہنے والوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما، چنانچہ دنیا کے کسی بھی خطے میں پیدا  
 ہونے والے ہر قسم کے پھل اس بستی میں پہنچتے رہے ہیں، اب بھی پہنچتے ہیں  
 اور انشا اللہ ہمیشہ پہنچتے رہیں گے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس بستی کی کٹادہ



روزِ ہر طرف سے آتی تھی۔

ناقدری  
کی سزا

مگر اُس بستی والوں کی حالت یہ تھی فَكَفَرْتُمْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ کفر کا معنی ایمان اور توحید کا انکار بھی ہے اور اس سے ناشکری اور ناقدری بھی مراد ہوتی ہے۔ عام طور پر بھی انسان کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (ابراہیم) بیشک انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں مگر وہ زبان سے الحمد للہ تک نہیں کہتا۔ تو اس بستی کے لوگ بھی خدا تعالیٰ کے انعامات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ إِنَّ يَوْمَ اللَّهِ کے تین خاص انعامات تھے۔ یعنی امن، اطمینان اور کشادہ روزی مگر ان کی ناقدری کی وجہ سے فَإِذَا قُهِمَ اللَّهُ لَبِاسًا الْجُمُوعِ وَالْخُوفِ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چھایا۔ ان کا وسیع رزق بھوک میں تبدیل ہو گیا اور امن و اطمینان کی بجائے ان پر خوف طاری ہو گیا۔ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بُری کارگزاری کی یہ سزا دی۔

انکارِ رسالت  
پہ عذاب

پہلے اللہ نے اپنے تین احسانات کا ذکر کیا، اب چوتھے بڑے احسان کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ البتہ تحقیق اللہ کا عظیم الشان رسول اُن کے پاس آیا، جس کو وہ پہچانتے تھے کہ اُن کے خاندان کا آدمی ہے، صادق اور امین ہے، راست باز اور نیک ہے، اُس کے اخلاق اتنے حمیدہ ہیں کہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ پھر جب اللہ کے اُس رسول نے لوگوں کو پیغام سنایا فَكَذَّبُوهُ تو انہوں نے اُس عظیم الشان رسول کی تکذیب کی اور اُسے اللہ کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ پس اللہ کے عذاب نے انہیں آپکڑا وَهُمْ ظَالِمُونَ در انجالی کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔ حضور علیہ السلام نے مکہ والوں کے لیے بددعا فرمائی اللَّهُمَّ اجْعَلْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ

اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والے سال یعنی قحط ڈال دے  
 اللہ نے مکے والوں پر بھی قحط مسلط کر دیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ہر طرف  
 خشکی تھی، اوپر دھواں سا نظر آتا تھا، کھلنے کے لیے کچھ نہیں ملتا تھا۔ حتیٰ کہ  
 لوگ چمڑا اور مردار تک کھلنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کی کشادہ روزی کو  
 ایسی تسکین میں بدل دیا۔

اُدھر امن و امان کی حالت بھی بگڑتی چلی گئی جب انہوں نے اللہ کے نبی  
 کو جھٹلایا۔ اُسے طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں تو وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے  
 اور بالآخر مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو دارالاسلام بنالیا۔ اللہ نے وہاں پر مسلمانوں کی مدد  
 فرمائی، انہوں نے طاقت جمع کی اور مکے والوں پر مسلسل خوف کی حالت طاری  
 ہو گئی اور جب تک مکہ فتح نہ ہو گیا۔ ان کے دن کا سکون اور رات کا چین ختم  
 ہو کر رہ گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ حالات صرف مکہ کی بستی تک  
 ہی محدود نہیں بلکہ جس جگہ بھی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور اللہ کے رسولوں کا انکار  
 ہوگا۔ وہاں ایسے ہی حالات پیدا ہوں گے۔ آگے سورۃ سبا میں اللہ تعالیٰ  
 نے اہل سبا کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ اُن لوگوں کو بھی اللہ نے عیش و آرام کے  
 بڑے سامان مہیا فرمائے مگر انہوں نے ناشکری کا اظہار کیا تو اللہ نے بہت  
 بڑا سیلاب بھیجا جس کی وجہ سے ان کی زمینیں، باغات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں  
 اللہ نے زمین سے روئیدگی کی طاقت ہی سلب کر لی۔ وہاں پر غلے اور پھلدار  
 درختوں کی بجائے خشکی بے پیر پیدا ہونے لگی۔ ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں نظر  
 آنے لگیں حالانکہ وہاں پر ڈھم کا پانی میسر تھا جس کی بنا پر سیلوں لمبے باغات  
 اور غلے کے کھیت ہوا کرتے تھے۔ اللہ نے ہر چیز تباہ کر دی اور فرمایا  
 ”وَهَلْ يُخْلِیٰ اِلَّا الْكَافِرُوْنَ“ (سبا) ہم ناشکر گزاروں کو ایسا ہی بدلہ  
 دیا کرتے ہیں۔



امن وامان  
کی ضرورت

انسانی زندگی کے لیے امن وامان بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر کاروبار زندگی ٹھپ ہو جاتا ہے، کارخانے، زراعت، صنعت و صرقت غرضیکہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ دوسرے ملک کے ساتھ جنگ کی حالت ہو تو ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے۔ بمباری ہوتی ہے۔ املاک تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ مرنے لگتے ہیں۔ اندرونی طور پر بھی بد امنی ہو تو ہر وقت چوری، ڈاکے کا خطرہ رہتا ہے، لوگوں کی جان، مال اور عزت غیر محفوظ ہو جاتی ہے، آج دنیا میں ہر طرف بد امنی کی فضا پھیلی ہوئی ہے۔ ہر یہ دارانہ نظام معیشت نے حرص اور لالچ کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص جائز اور ناجائز طریقے سے سرمائے کی فکر میں رہتا ہے، خواہ اسمیں دوسروں کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اشتراکی نظام اس سے بھی بدتر ہے جس میں کسی انسان کی عزت نفس محفوظ نہیں ہوتی، انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا ہے وسائل آمدن چند ماحضوں میں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح بد امنی اور بے چینی مسل سا یہ فتنہ رہتی ہے اس کے برخلاف آسمانی شرائع ایسا نظام حیات قائم کرنا چاہتی ہیں جس میں کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو، ہر شخص کو اس کے حسب حال روزی میسر ہو اور پورا معاشرہ امن وامان دوستی اور اخوت کا گوارہ ہو۔

حدیث شریف میں حضرت حذیفہؓ کا بیان آتا ہے کہ ابتدائی دور میں مجھے بالکل اطمینان حاصل تھا میں کسی بھی آدمی سے بلا خوف و خطر معاملہ کر سکتا تھا، لیکن بعد میں حالات تبدیل ہو گئے۔ اب میں خاص خاص آدمیوں سے معاملات کرتا ہوں۔ امن کے زمانہ میں میں سمجھتا تھا کہ اگر میں کسی مسلمان سے معاملہ کروں گا اور مجھے کوئی نقصان پہنچے گا لَیْسَ دَنْ اِلَیَّ دِیْنُکَ، تو اس مسلمان کا دین میرے اس نقصان کو بڑا ثروت نہیں کرے گا یعنی وہ مسلمان مجھے دھوکہ دینے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا کسی غیر مسلم یعنی یہودی، عیسائی یا مشرک سے معاملہ کرتے وقت مجھے یقین ہوتا تھا کہ اگر مجھے نقصان ہوا لَیْسَ دَنْ اِلَیَّ



سُلْطَنہ تو حاکم اس نقصان کی تلافی کرے گا یعنی میں اگر حاکم وقت کے پاس شکایت کروں گا تو وہ میرے نقصان کو برداشت نہیں کرے گا بلکہ میرا حق ۵۰ دلا دیگا۔ مجھے بالکل اطمینان تھا اور اچھے نظام کا یہی خاصہ ہے۔ اس کے برخلاف ہم برے نظاموں کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں، نہ دن کو سکون اور نہ رات کو آرام ہر وقت دشمن، چور، ڈاکو، پڑوسی کا خطرہ رہتا ہے۔ کسی سے معاملہ کرتے وقت تسلی نہیں ہوتی۔ یہ نظام معیشت کی خرابی ہے کہ نہ امن و چین حاصل ہے اور نہ کشادہ روزی نصیب ہے، مکان، خوراک، لباس، عزت نفس، صحت، تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ جو ہر آدمی کو حاصل ہونی چاہیئیں مگر یہاں حالت یہ ہے کہ ایک طرف سرفیلک عمارات اور بے تکلف زندگی ہے تو دوسری طرف دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں سر چھپانے کو سایہ نہیں اور علاج کے بغیر لوگ موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ ان حالات میں امن و امان کا تصور کہاں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بڑے احسانات کیے ہیں مگر یہ ان کی قدر نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا پس کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں۔ حرام اور ناپاک کے قریب بھی نہ جاؤ۔ حرام دین اور اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اللہ نے اپنے سارے نبیوں کو یہی تعلیم دی "كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا" (البقرہ) زمین کی پاک اور حلال چیزیں استعمال کرو۔ نجس اشیاء کو استعمال نہ کرو۔ ظاہری نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز گل مٹر جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے، ایسی چیز مضر صحت ہوگی اور مکروہ تحریمی کے حکم میں آئے گی اور باطنی نجاست یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا نام لے کر بکری ذبح کرے مگر ہو وہ چوری کی تو یہ طیب ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ ظاہری طور پر بے عیب بننے

حلال اور  
طیب روزی



کے باوجود نجس ہی رہے گی۔ اگے اللہ نے محرمات کی مختلف اقسام بھی بیان فرمائی ہیں۔ چوری، ڈاکہ، رشوت، سمگلنگ کا مال کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ لہو و لعب کی کمائی، فوٹو سازی اور فلمی صنعت سے کمایا ہوا مال کیسے طیب ہو سکتا ہے، کھیل تماشہ ہو یا گانا بجانا سب حرام ذرائع آمدنی ہیں، ان ذرائع سے حاصل کردہ مال حلال نہیں ہو گا اور پھر یہ ہے کہ حرام اور نجس مال کھانے والے کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا۔ ایسی چیزیں انسان کے لیے جہنم کا زاد راہ بنیں گی۔

شکر گزاری

ایک تو حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی تلقین کی اور دوسرا فرمایا۔ وَاشْكُرُوا لِعِمَّتِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ اللّٰهُ تَعَالٰی کی نعمتوں کی قدر کرو، اگر تم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کا یہی مطلب ہے کہ ہر نعمت جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اور اس کا استعمال بھی جائز ہو۔ فضول اور حرام کاموں پر مال ضائع نہ کیا جائے۔ حلال و حرام میں امتیاز رکھا جائے اور اللہ کے قانون کی پابندی کی جائے۔

اِیَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمِیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ  
 الْخِزْرِ وَمَا اٰهْلٌ لِّغَیْرِ اللّٰهِ بِهِ ؕ فَمَنْ اضْطُرَّ  
 غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱۵ وَلَا  
 تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ السِّیْنَةُ الْكُذِبَ  
 هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْزَرُوْا عَلٰی  
 الْكُذِبِ ۚ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْزَرُوْنَ عَلٰی  
 الْكُذِبِ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّ لَهُمْ  
 عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۱۷ وَ عَلٰی الَّذِیْنَ هَادَوْا حَرَمْنَا  
 مَا قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ  
 وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۸ ثُمَّ  
 اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهٰلَةٍ  
 ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا  
 اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱۹

۱۵

ترجمہ :- بیشک حرام قرار دیا ہے تم پر (اللہ نے)

مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے

سوا غیر کا نام پکارا گیا ہو پس جو شخص مجبور ہوا (اس حال



میں کہ) وہ سرکشی کرنے والا نہیں ہے اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۵) اور نہ کہو اس چیز کو کہ بیان کرتی ہیں تمہاری زبانیں جھوٹ، یہ حلال ہے اور یہ حرام، تاکہ افتراء باندھو تم اللہ پر جھوٹ۔ بیشک وہ لوگ جو افتراء باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، وہ نہیں فلاح پائیں گے (۱۱۶) فائدہ ہے ٹھوڑا سا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۱۷) اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے، ہم نے حرام و حلال کی وہ چیز جو ہم نے بیان کی ہے آپ پر اس سے پہلے۔ اور ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کرتے تھے (۱۱۸) پھر بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے برائی کی نادانی کے ساتھ پھر توبہ کی ہے اس کے بعد اور اصلاح کی ہے انہوں نے، تو بیشک تیرا پروردگار اس کے بعد البتہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۹)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان ہو چکا ہے کہ حلال اور طیب چارہ چیزیں کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے چار قطعاً حرام چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ حلت و حرمت کا یہ قانون اس سے پہلے سورۃ بقرہ، سورۃ مائدہ اور سورۃ النعام میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جس کی پابندی اہل ایمان کے لیے نہایت ضروری ہے ان محرمات میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ماکولات میں شمار ہیں اور لوگوں کا اکثر و بیشتر ان اشیاء سے

واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مسئلہ بیان کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر مشرک  
مذکورہ محرمات کو بُرا نہیں سمجھتے تھے اور ان کو بلا دریغ استعمال کرتے تھے،  
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قطعی حرمت کا حکم لگایا ہے۔

(۱)  
مردار

ارشاد ہوتا ہے اِنَّهَا حَرَّمٌ عَلَیْكُمْ الْمِیْتَةُ بِشَکِّ  
اللہ نے تم پر مردار حرام قرار دیا ہے۔ اگر کسی حلال جانور کو شریعت کے بدلے  
ہوئے طریقے کے مطابق ذبح نہ کیا جائے، تو اگرچہ وہ ذبح کیا گیا ہے، مگر  
وہ مردار کے حکم میں ہی آئے گا۔ اگر کوئی جانور بھیسٹر بکری وغیرہ خود بخود مر گئی تو  
ظاہر ہے کہ وہ تو مردار ہی ہوگی اور اللہ کے اس حکم کے مطابق اس کا کھانا  
قطعی حرام ہوگا۔ سورۃ مائدہ میں مردار کی بعض دوسری صورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے  
یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جو کلا گھٹ کر مر جائے، یا چوٹ لگنے سے مر جائے  
یا کسی اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے، یا جسے درندے پھاڑ کھائیں یا جو کسی استخوان  
پر ذبح کیا گیا ہو۔ اگر کوئی جانور عذرا اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کر دیا جائے تو وہ بھی  
مردار کی تعریف میں آئے گا۔ کچھ حبشوں کا کہنا ہے کہ یا انگریز جانور کی پیشانی میں  
گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں طریقے حرام ہیں، کوئی مسلمان ایسے جانور  
کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی زندہ جانور کے جسم سے کوئی حصہ کاٹ  
لیا جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کسی پر مجبوری کی حالت  
ہوتی تھی، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا تو اینٹ کی کوہان کاٹ کر کھا لیتے تھے۔  
زخم بعد میں ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی دنبے کی چچی کاٹ لی جائے  
تو وہ حرام کے حکم میں آئے گی حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَا أُبِیْنَا  
مِنَ الْحِیِّ فَهُوَ مِیْتٌ جو عضو زندہ جانور سے کاٹ کر الگ کر لیا  
جائے وہ مردار تصور ہوگا۔ مفسرین کرام مردار کی حرمت کی یہ حکمت بیان کرتے  
ہیں کہ جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے اور مردار کھانے میں لطف و نشاط کا عنصر  
مفقود ہوتا ہے۔ انسان میں اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، لہذا اس کو حرام



قرار دیا گیا ہے۔

فرمایا ایک تو مردار حرام ہے اور دوسرا وَالَّذِينَ يَبْنُونَ یعنی بننے والا خون بھی حرام ہے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت جو خون بہہ جاتا ہے۔ یہ ناپاک اور حرام ہے۔ چونکہ خوراک انسانی اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے خون کے استعمال سے انسان میں درندگی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ خونخوار درندے، شیر، چیتا وغیرہ کی طرح انسان بھی درندگی پر اثر آتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے خون حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اضطراری حالت کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں آ رہا ہے۔ اگر کسی شخص کے جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم ہو جائے کہ اس کی زندگی کا بچاؤ مشکل ہو جائے تو ایسی حالت میں فقہائے کرام نے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ عام حالات یا معمولی تکلیف میں انتقال خون درست نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ طہارت، سماحت، اخبات اور عدالت جیسے پاکیزہ اخلاق کی نشوونما میں خوراک کو بڑا دخل حاصل ہے۔ انسان جس قسم کی خوراک استعمال کرے گا۔ اس کے اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔

تیسری حرام چیز فرمایا وَالْخَنزِيرِ خنزیر کا گوشت ہے درحقیقت خنزیر کی ہر چیز بال، کھال، ہڈیاں، خون وغیرہ حرام ہیں تاہم چونکہ بعض اقوام میں عام طور پر اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے گوشت کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کی شرائع میں خنزیر حرام ہی رہا ہے مگر یہ سب علیائیوں کی بدبختی ہے جو اسے بھڑکھڑی کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نزول فرمائیں گے تو وہ اپنی قوم سے سخت ناراض ہوں گے کہ جس جانور کو سارے نبیوں کی شریعت میں حرام قرار دیا گیا۔ اُسے آپ کی قوم نے خوب

(۳)  
خون

(۳)  
خنزیر کا  
گوشت



کھایا، چنانچہ اس کی تذلیل کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ مولانا  
 عبید اللہ رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس جانور میں دو ایسی قبلیں خصلتیں پائی  
 جاتی ہیں، جو انسانی فطرت کے خلاف ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جانور گندگی کھاتا ہے۔  
 لہذا اس کا گوشت کھانے والے شخص کے دل و دماغ میں بھی گندگی کے اثرات  
 پیدا ہوں گے۔ دوسری بری خصلت یہ ہے کہ یہ ایسا بے غیرت جانور ہے کہ  
 کسی کئی نر ایک مادہ سے بیک وقت جفتی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خنزیر خود  
 قوموں میں انتہائی درجے کی بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ جس کا مشاہدہ دنیا میں  
 کیا جا رہا ہے۔ بغیر ضیاع اللہ نے خنزیر کا گوشت بھی حرام قرار دیا ہے۔  
 چوتھی حرام چیز نذر غیر اللہ ہے۔ وَمَا أَهْلُ الْغَيْبِ لِلَّهِ بِهِ  
 جو جانور اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے تقرب اور خوشنودی کے لیے مشہور  
 کیا گیا ہو، وہ بھی حرام ہے۔ اگر کوئی جانور یا دیگر کوئی چیز لات، منات یا عزی  
 وغیرہ کی نذر کی گئی تو وہ حرام ہوگئی۔ اسی طرح شیخ سدھو کی گائے یا دام کا بکرا  
 اسی تعریف میں آتا ہے اہلال کا معنی ہی آواز بلند کرنا یا تشہیر کرنا ہوتا ہے  
 مقصد یہ کہ اگر کوئی چیز اللہ کے نام پر منسوب کی گئی تو حرام ہو جائے گی۔  
 البتہ ایصالِ ثواب مختلف چیز ہے۔ کوئی شخص اس نیت سے اللہ کے  
 نام پر جانور ذبح کرے کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ یا فلاں شخص کو ایصال کرنا  
 مقصود ہے، تو اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ پیران پیر کی گیارھویں کا بھی  
 صحیح تصور ہی ہے۔ اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ پیران پیر یا کسی دوسرے بزرگ  
 کے لیے قربانی نہیں کریں گے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور جان و مال میں  
 نقصان کا خطرہ ہوگا تو یہی چیز نذر غیر اللہ ہے۔ بغیر اللہ کے نام پر جانور  
 ذبح کیا جائے یا چاول پکائے جائیں یا مسٹھائی تقسیم کی جائے تو اگرچہ بظاہر تو اس  
 میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی مگر محققین فرماتے ہیں کہ ایسی چیزیں روحانی  
 سجاوٹ پائی جاتی ہے۔ ایسا مال کھانے والوں کی روح ناپاک ہو جاتی

(۲۲)  
 غیبی فیوض



ہے اور ان کا باطن مسخ ہو جاتا ہے۔ ان میں اچھے جذبات کی بجائے غلیظ جذبات جنم لیتے ہیں۔ اس سبب سے اس شخص کو صاحبِ روحانیت لوگ بخوبی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی توجہ طلب ہے۔ جس شخص کا عقیدہ گندہ ہے اگر وہ اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے گا، تب بھی اس کا ذبیحہ مردار کی طرح حرام ہی ہوگا۔ ذبیحہ ان کا پاک ہوتا ہے۔ جن کا عقیدہ صحیح ہو۔ البتہ اہل کتاب کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو وہ جائز ہوگا کیونکہ وہ اپنی نسبت آسمانی کتاب کی طرف کرتے ہیں۔ البتہ کسی بت پرست مجوسی یا مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ خواہ وہ ہزار دفعہ اللہ کا نام لیکر ذبح کرے بہر حال اللہ نے ان چار چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

بجالت  
اضطراری

اس قطعی حکم کے بعد استثنائی صورت بھی بیان کر دی ہے فَحَمَنِ اضْطُرَّ حَوْكُوْیَ اضْطَرَّیْ حالت میں ہو۔ اس کے پاس حرام اشیاء کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ ہو اور اس کی زندگی کو خطرہ پیدا ہو جائے تو اسے ایسی اشیاء استعمال کرنے کی وقتی طور پر اجازت ہے بشرطیکہ غَیْوَ بَیْغِ مضطرب شخص سرکشی کرنے والا نہ ہو۔ بَیْغِ سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جان بچانے کے لیے نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کے لیے حرام چیز استعمال کر رہا ہے۔ ایسی صورت یہ کوئی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نافرمانی کے کام کے دوران کسی شخص پر اضطراری حالت وارد ہو جائے تو اس کے لیے بھی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ اہم شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چوری یا ڈاکے کی نیت سے سفر کر رہا ہے تو اسے سفر میں روزہ افطار کرنے اور نماز میں قصر کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ وہ بڑے مقصد کے لیے جا رہا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا شخص گنہگار تو



ضرور ہے مگر افطار اور قصر کا حق اُسے بہر حال حاصل ہے۔

فرمایا حرام کی اباحت کے لیے دوسری شرط یہ ہے وَلَا عَادٍ کہ مضطرب شخص حد سے بڑھنے والا نہ ہو۔ مثلاً اگر باؤ بھر حرام چیز کھا کر جان بچا سکتا ہے تو ادھر سیر کھانے کی کوشش نہ کرے۔ زیادہ کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اضطراری حالت میں اگر اس اباحت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس کی جان چلی جاتی ہے تو وہ آدمی گنہگار ہوگا کہ اُس نے اللہ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور اگر ایسی حالت میں حرام کھا لیا ہے تو اللہ نے اس کی اجازت دی فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وہ نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا نَعْمَلُ نَحْنُ صَالِحُونَ اَلَسِنْتُمْ كُمُ الْكُذِبِ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ کسی چیز کو اپنی زبانوں سے حلال اور حرام قرار نہ دو۔ حلت و حرمت تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ اَلْحَدَلُ مَا اَحَلَّ اللَّهُ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اگہ میں اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت پر ایمان رکھوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں تو کیا مجھے نجات حاصل ہو جائے گی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہاں، بیشک تم جلتی ہو۔

کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں۔ حلت و حرمت کا اختیار نہ کسی بادشاہ کو ہے، نہ صدر کو اور نہ کسی پارلیمنٹ کو۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں تحلیل و تحریم ایک تکوین نافذ کا نام ہے یعنی خدا تعالیٰ کے ہر چیز کے مالک ہونے کی وجہ سے یہ ایک قطعی حکم ہے کہ یہ کام

حلت و  
حرمت  
کا قانون



کرو گے تو مؤاخذہ ہوگا اور فلاں چیز ترک کرو گے تو ماخوذ ہو گے بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کا کام تو نبی کی طرف بھی منسوب ہے "وَيُحِلُّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمْ الْخَبَائِثَ" (الاعراف) کہ وہ پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی اپنی طرف سے کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم نہیں لگاتا۔ بلکہ نبی کا بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہوتا ہے کہ اللہ نے اس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مجتہد حضرات بھی بعض چیزوں پر حلت و حرمت کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ وہ قرآن و سنت میں غور کر کے بیان کرتے ہیں کہ بات اس طرح سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام اور اس کی یہ دلیل ہے سو اللہ نے فرمایا کہ اپنی زبانوں سے یوں مت کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے جب اللہ نے کسی چیز کو حرام نہیں کیا تو قسم کیسے یہ حکم لگاتے ہو۔ مشرکوں نے بکھرہ۔ ساٹہ وغیرہ کئی قسم کے محرمات بنا رکھے تھے۔ آج بھی مختلف علاقوں میں لوگ نذر و نیاز کی بعض چیزوں کو بعض مردوں یا بعض عورتوں کے لیے حرام بھڑکتے ہیں حالانکہ اللہ نے تو ان کو حلال قرار دیا ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ مشرک بھڑے گا۔

فرمایا اپنی زبانوں سے حلال یا حرام قرار نہ دو لِفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ کہ یہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔ فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو خود حلال یا حرام بھڑانے کی بجائے شریعت کا حکم تلاش کرو کہ اللہ نے کیا فرمایا ہے اور اللہ کے نبی نے کس طرح بیان فرمایا ہے۔ پھر مجتہدین اور علمائے کرام کی تحقیق کیا ہے۔ خود ساختہ حکم لگانے والوں کے



متعلق فرمایا مَتَاعٌ قَلِيلٌ یہ چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھانے والی بات ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ آگے ان کے لیے دردناک عذاب بھی موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حلت و حرمت کے سلسلہ میں اللہ کی حدوں کو نہ توڑو ورنہ عذاب الیم کا شکار ہو جاؤ گے۔

وقتی  
محرمات

مزید فرمایا وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ صِرَ قَبْلُ یہودیوں پر اللہ نے وہ چیزیں حرام قرار دیدیں جن کا ذکر ہم نے آپ کے ساتھ پہلے کیا ہے یہودیوں کے وقتی محرمات کا تذکرہ سورۃ مائدہ اور سورۃ النعام میں بھی موجود ہے کہ ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ نے ان کے لیے ناخن مارے جانور اور چربی حرام قرار دے دی تھی۔ سورۃ النعام میں حَرَّمْنَا عَلَيْكَ ذِي ظُنْفُرٍ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے ناخن مارے جانور، جن کا پنجہ بچھا ہوا ہوتا ہے، حرام قرار دے دیے وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمْ اور ان کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی اور یہ سب کچھ انکی سرکشی کی سزا کے طور پر کیا تھا۔ البتہ بڑیوں یا آنٹوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی حلال تھی۔ گوشت میں سے چربی کا ذرہ ذرہ علیحدہ کرنا پڑتا تھا۔ فرمایا یہ سخت حکم دے کر وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی وَالسَّكَنُ کا لفظ الْأَنفُسُ کی ظلمتوں کے لیے ہے وہ خود ہی اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے تھے۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو توڑا تو اللہ نے ان کے لیے بعض چیزیں حرام قرار دے دیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا تُشَدُّ دُورَ الْأَنفُسِ اپنے نفسوں پر تشدد نہ کیا کرو۔ لوگ خود ہی بعض رسومات جاری کر لیتے ہیں اور پھر ان کی پابندی بھی خود ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ کسی کام کے لیے اپنے آپ کو پابند کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تو مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ رسومات کی پابندی کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کرو گے



رحمتِ الہی

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ  
 پھر بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی کے ساتھ  
 برائی کا ارتکاب کیا۔ عقل و شعور پر پردہ پڑ گیا اور کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے  
 ثُمَّ تَابُوا مِنْ ذَلِكُمْ فَكَفِّرْنَا عَنْهُمْ اُولَٰئِكَ پھر اس کے بعد توبہ کمر لی غلطی کا  
 احساس ہو گیا وَاَصْلَحُوا اور اپنی اصلاح بھی کمر لی۔ یعنی اگر کسی کا حق تلف  
 کیا تھا تو وہ ادا کر دیا اور آئندہ کے لیے محتاط ہو گئے۔ تو فرمایا اِنَّ رَبَّكَ  
 مِنْ بَعْدِ هَٰذَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ بیشک تیرا پروردگار اس  
 کے بعد بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے اگر کوئی شخص  
 سچے دل سے تائب ہو جاتا ہے اور اپنی اصلاح کمر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ  
 بھی اپنی بخشش اور رحمت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے، اس  
 کی تمام سابقہ خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا  
 وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (۱۲۰) شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ  
 اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (۱۲۱)  
 وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۝ وَإِنَّا فِي  
 الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (۱۲۲) ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ  
 أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۝ وَمَا كَانَ  
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (۱۲۳)

ترجمہ :- بیشک ابراہیم علیہ السلام تھے پیشوا اور  
 اطاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے، ایک طرف  
 لگنے والے۔ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں  
 سے (۱۲۰) وہ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے  
 اللہ نے اُن کو برگزیدہ بنایا، اور ہدایت دی سیدھے راستے  
 کی طرف (۱۲۱) اور دی ہم نے اُن کو دُنیا میں بھلائی،  
 اور بیشک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے  
 ہیں (۱۲۲) پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ آپ  
 پیروی کریں ابراہیم کی ملت کی جو ایک طرف لگنے والے  
 تھے، اور نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے (۱۲۳)







مصاحب کے متعلق آتا ہے "وَأَذْكُرُ بَعْدَ أُمَّةٍ" کہ اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس سے کوئی بات کی تھی۔ امرت، کا معنی اطاعت اور مکت بھی آتا ہے۔ تاہم اس آیت کرمیہ میں امرت کا لفظ امام اور پیشوا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے امام تھے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" اے ابراہیم علیہ السلام! میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا کہ جس کا اتباع ضروری ہوگا۔ ویسے امرت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی صادق آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں وہ تمام کمالات جمع فرمائیے تھے جو ایک پوری جماعت میں بحیثیت مجموعی ہو سکتے ہیں۔ وہ مالک ہے، چاہے تو ایک شخص میں جہاں بصر کی خوبیاں جمع کر دے جیسا کہ مقولہ ہے لَيْسَ عَلَيْكَ اللَّهُ بِمُسْتَنَكِرٍ أَتَّيِّجُمَعُ الْعَالَمُ فِي وَاحِدٍ۔ تاہم اس مقام پر مقتدا و پیشوا اور معلم مراد ہے۔

امام ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے۔ اِنَّ مَعَاذًا كَانَتْ اُمَّةٌ قَانَتْ لِلَّهِ یعنی حضرت معاذؓ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ایک مکمل امت تھے۔ کسی شخص نے آپ کے حق میں لفظ امرت کے استعمال پر اعتراض کیا تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ امرت کا ایک معنی معلم الخیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت معاذؓ بڑے پائے کے نبی کی بات بتلانے والے معلم تھے، اس لیے ان کے حق میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ آپ کی ذات وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے قرآن سیکھا ہو وہ ان چار آدمیوں سے سیکھے یعنی عبداللہ بن مسعودؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ ابی بن کعبؓ اور سالمؓ۔ تو گویا آپ معلم الخیر تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر نبی کی بات بتلانے والا کون ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا



اطاعت اور  
حنیفیت

ابراہیم علیہ السلام ایک امت یعنی امام، پیشوا، مقتدا اور معلم الخیر تھے۔  
فرمایا ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے قَانِتًا لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ کی اطاعت اور  
فرمانبرداری کرنے والے بھی تھے۔ قنوت کا معنی اطاعت اور خشوع و خضوع بھی  
ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الزمر میں ہے ”اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اَنْكَاءِ  
الْبَلِّ سَاجِدًا وَقَانِيًا مَّا تَجِدُ مِنْ رِجَالٍ فِي مَسْجِدٍ“  
اور قیام کے ذریعے اطاعت کا حق ادا کرتا ہے کیا وہ ناشکر گزاروں اور  
نافرمانوں کی طرح ہو سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے  
مکمل اطاعت گزار تھے اور ساتھ ساتھ حنیف بھی تھے، یعنی  
ہر طرف سے کٹ کر، ہر باطل دین سے ہٹ کر صرف اور صرف خدا کے  
سچے دین کی طرف نکلنے والے تھے۔ لغوی طور پر حنف کا معنی چلتے وقت پاؤں  
کا اندر کی طرف مائل ہونا ہے اور حنیف اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پاؤں ٹھکڑا  
کر چلتا ہو یعنی ایک طرف کو مائل ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس لحاظ سے حنیف ہیں  
کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک طرف نکلنے والے تھے۔

امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الفوز البکیر میں مزید وضاحت فرمائی ہے  
فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا ہو، نماز پڑھتے وقت  
اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرتا ہو۔ بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہو۔ ختنہ کرتا  
ہو اور غسل جنابت کرتا ہو، وہ حنیف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ  
ساری خوبیاں موجود تھیں۔ آپ یکے بعد دیگرے تھے۔ خود خانہ کعبہ تعمیر کیا، خود اس  
کا حج کیا، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، ختنہ کیا اور غسل جنابت تو آپ  
کے بعد عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا جو کہ ملت ابراہیمی کا ایک  
جزوہ ہے تو اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے عام مومنوں کو بھی حنیفیت کا درس دیا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے  
”حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرِ مُشْرِكِينَ بِهِ“ تم سب کے سب حنیف



یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور مشرک نہ بنو۔ حضرت ابراہیم کے مشرک نہ ہونے کے متعلق اللہ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام، النحل) آپ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ابراہیم علیہ السلام  
کی طرف نسبت

ابراہیم علیہ السلام تو اس قدر خدا پرست تھے، لہذا مشرکوں کو شرم آنی چاہیے جو تمام تر شرک کے باوجود اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں کہ ہم ان کے دین پر ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ حلال و حرام خود اپنی طرف سے ٹھہرا لیتے ہیں، خدا تعالیٰ کی صفات، عبادت اور نذر و نیاز میں اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں، شریک رسوم ادا کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود ابراہیمی کہلانا چاہتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ضعیف تھے، ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی طرف لگے ہوئے تھے وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور مشرکوں میں سے قطعاً نہیں تھے بلکہ کفر اور شرک سے سخت بیزار تھے آپ نے کفر اور شرک کی تردید میں بڑے دلائل پیش کیے ہیں اور توحید پرستی کے عملی دلائل بہم پہنچائے ہیں۔ قیام عراق کے دوران بادشاہ اور تمام لوگ آپ کے مخالف تھے حتیٰ کہ سکا باپ اور پورا قبیلہ بھی آپ کے خلاف تھا۔ بابل جیسے وسیع و عریض شہر میں آپ کا ایک بھی حامی نہیں تھا۔ آپ تنہا کفر اور شرک کا مقابلہ کرتے رہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر مشرک لوگ اپنی نسبت ان کی طرف کر کے حقائق کا مذاق اڑاتے رہے۔

شکر نعمت

فرمایا ابراہیم علیہ السلام ضعیف تھے۔ شاکراً لَا نَعْمَ لَكَ اَللّٰہُ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے۔ ادھر مشرکین کا حال گیارہویں رکوع میں گزر چکا ہے "يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوهَا" کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے تھے مگر ان کا انکار اور نافرمانی کرتے تھے۔



جیسا کہ گذشتہ رکوع میں بیان ہو چکا ہے، ان کے لیے اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ تھا ”وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ“ کہ ان کے پاس اپنی  
 میں سے اللہ کا عظیم الشان رسول آیا ”فَكَذَّبُوهُ“ مگر ان بد بختوں نے  
 اُسے بھی جھٹلادیا، ایمان نہ لائے اور اس طرح اللہ کی ایک عظیم نعمت کی قدر دانی  
 کی۔ کفرانِ نعمت کے متعلق سورۃ ابراہیم میں گزر چکا ہے ”الَّذِينَ كَفَرُوا  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَعَنَ اللّٰهُ كُفْرًا“ کیا آپ نے نہیں دیکھا  
 اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کی سخت نا قدری کی۔ یہ نعمت اللہ  
 کا رسول ہی تھا جسے جھٹلادیا گیا۔ ان کے برخلاف ابراہیم علیہ السلام تو انعاماتِ الہیہ  
 کے حد درجہ قدر دان تھے اور اس کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر  
 میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف سے عطا کردہ روزی کے اس قدر قدر دان  
 اور شکر گزار تھے کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے کہ کہیں اللہ کی نعمت کی  
 نا قدری نہ ہو جائے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ مسافر کے انتظار میں رہتے  
 حتیٰ کہ جب فرشتے قومِ لوط پر عذاب لے کر آئے اور آپ کے پاس انسانی  
 شکل میں حاضر ہوئے ”فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ“ (دھود)  
 تو آپ فوراً بچھڑا تل کر لے آئے تاکہ مہمانوں کی خدمت کر سکیں۔ قرآن پاک  
 نے آپ کی یہ صفت بھی بیان کی ہے ”وَابْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفَّ“  
 (النجم) ابراہیم علیہ السلام نے اپنا عہد پورا فرمایا۔ جب ابتداء کا وقت آیا،  
 آپ کو آگ میں پھینک دینے کی تیاری ہو گئی تو آپ کو ذرا بھی تردد یا وہم نہیں  
 ہوا بلکہ حکمِ خداوندی پر راضی ہے۔ سورۃ الصافات میں ہے ”اِذْ جَاءَ رَجُلٌ  
 بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ“ آپ اپنے پروردگار کے پاس قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوئے  
 آپ ابوالانبیاء اور امام الانبیاء ہیں۔ آپ حقیقت کے سب سے پہلے  
 اور سب سے بڑے امام ہیں۔ فرمایا اِجْتَبَاہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے آپ کو  
 برگزیدہ بنایا و ہذہ الخ صراطِ مُسْتَقِيْمٍ اور آپ کو سیدھے



راستے کی طرف ہدایت دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جو اس نے  
ابراہیم علیہ السلام پر کیے۔ اور پھر آپ نے بھی ان احسانات کا پورا پورا شکریہ ادا  
کیا، اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا اور ایک لحظہ بھڑکے لیے بھی اُس کی یاد  
سے غافل نہیں ہوئے۔

دنیا کی  
بھلائی

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا **وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً**  
ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھلائی عطا فرمائی۔ روزی میں فراخی عطا کی۔  
صاحب وجاہت اور کمال درجے کی اولاد دی۔ تمام حق پرست آپ کی  
عزت کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو نیکی اور شہرت عطا فرمائی، آپ کی اولاد  
میں سلسلہ نبوت قائم کیا۔ چنانچہ قیامت تک کے لیے آپ کے حق میں دعائیں  
ہونے لگیں۔ ہم آخری امت کے لوگ بھی جب نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود پڑھتے ہیں۔ **اللَّهُمَّ صَلِّ**  
**عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ** تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔  
**كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ**  
اے مولا کریم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آل پر اپنی رحمتوں کا نزول  
فرما، جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو اپنی رحمتوں  
اور برکتوں سے نوازا۔ یہود و نصاریٰ غلط کار ہونے کے باوجود حضرت  
ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں۔ یہی دنیا کی بھلائی ہے۔ پھر واضح کیا کہ دنیا  
میں بھلائی حاصل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ آخرت سے محروم رہ  
جائیں گے، بلکہ **وَإِنَّكَ فِي الْأَخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ** آپ آخرت  
میں بھی نیکو کار لوگوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ نے دنیا میں آپ کو مقتدار اور  
پیشوا بنایا۔ دین قیم اور صراط مستقیم پھیلایا اور سب لوگوں کو اسی راستے پر چلنے کا حکم  
دیا، تو آخرت میں بھی آپ اگلی صلفوں میں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے یہ  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل کا بیان بھی ہو گیا۔



ملتِ ابراہیمی  
کا اتباع

پھر فرمایا ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی  
یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا إِنْ أَتَّبِعْ مِلَّةَ  
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی اختیار کریں۔ آپ کی  
ملت وہی دین حق اور دین اسلام ہے جو ابتداء سے چلا آرہا ہے۔ دین  
تمام نبیوں کا ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، ملت بھی تقریباً سب کی ایک ہی  
ہے۔ دین اور ملت سے مراد موٹے موٹے اصول ہیں جو ہمیشہ یکساں رہے  
ہیں البتہ مختلف انبیاء کی شرائع میں مکان و زمان کی مناسبت سے بعض  
تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور صغیرات ہوتی ہیں  
جو مصلحت کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ البتہ ملت اور دین تبدیل  
نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ بھی ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں۔ وہ  
ابراہیم علیہ السلام جو حنیف یعنی ہر طرف سے کٹ کر اور ہر دین سے  
بیزار ہو کر صرف ایک اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف رجوع  
کرنے والے تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور آپ  
مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ نے شرک کی دوبارہ تائید کر دیدی کہ  
دی کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سب سے بھی احتمال نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں  
نے کبھی کسی قسم کے شرک کی حمایت کی ہو۔ وہ تو بچے ٹوحد تھے، لہذا مشرکوں  
کو آپ کا نام لیتے ہوئے اور آپ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے  
کچھ تو شرم آنی چاہیئے۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۲۴) ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (۱۲۵)

ترجمہ :- بیشک مقرر کی گئی ہفتے کے دن کی تعظیم اُن لوگوں پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا - اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ۝ (۱۲۴) آپ دعوت دیں اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ - اور جھگڑا کریں اُن سے اس بات کے ساتھ جو بہتر ہے - بیشک تیرا پروردگار بہتر جانتا ہے اُس کو جو اُس کے راستے سے بہک گیا اور وہ بہتر جانتا ہے ہدایت والوں کو ۝ (۱۲۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل و کمالات بیان فرمائے، اُن کی ملت کا ذکر کیا اور اُن کی پیروی کا حکم دیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ مشرکین



عرب اگرچہ نسلی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ آپ کا طریقہ چھوڑ چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو حنیف اور موحد تھے اور شرک سے قطعی طور پر بیزار تھے، مگر عرب کے لوگ شرک میں ملوث ہو چکے تھے، ان کی اکثریت کفریہ اور شرکیہ رسوم ہی میں پھنس کر رہ گئی تھی اور اصل دین قبول چکی تھی عرب میں کوئی جگہ بت پرستی سے خالی نہ تھی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ بھی بت پرستی کا گڑھ بن چکا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان شرکیہ اور کفریہ افعال کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا کتنی زیادتی اور مشرکوں کے لیے باعث شرم ہے۔

ہفتہ کے دن کی تعظیم

بعض اہل کتاب اعتراض کرتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں تو پھر ہفتے کے دن کی تعظیم اور اس دن خاص عبادت کیوں نہیں کرتے۔ اللہ نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا إِنَّمَا جَعَلَ السَّابِتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ بیشک ہفتے کے دن کی خصوصیت (تعظیم اور خاص عبادت) ان لوگوں کے لیے مقرر کی گئی تھی جنہوں نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ ہفتے کے دن کی خصوصیت کا ذکر سورۃ بقرہ اور سورۃ مائدہ میں بھی موجود ہے، مگر اس دن کو یہ حیثیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور بعد والے انبیاء کے زمانہ میں نافذ ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دور میں لوگوں نے اس خاص دن کے متعلق اختلاف کیا تھا۔ اس اختلاف کی حقیقت کا تذکرہ حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ میں ملتا ہے۔ تفسیری روایات میں بھی آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے جمعہ کا خصوصی دن مقرر فرمایا ہے، لہذا اس دن کا روز بار تہک کہہ کے محض اللہ کی عبادت کیا کرو۔ مگر یہودیوں نے اس دن کی فضیلت کو تسلیم کرنے میں اختلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو



اُس دن کو خاص دن تسلیم کریں گے۔ تعطیل منائیں گے اور کاروبار چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کریں گے جس دن اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد فارغ ہوا تھا، اور وہ ہفتے کا دن بنتا ہے۔ اس کی تفصیل تورات میں موجود ہے اور قرآن میں بھی اشارۃً ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ دن میں مکمل کیا اور پھر آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے دن آخری وقت میں ہوئی۔ کائنات کی تخلیق کا سلسلہ تو چھ دن میں مکمل ہو گیا۔ اور ہفتہ کا دن خالی تو انسانوں نے اس دن کو اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے جمعہ کے دن میں اختلاف کیا۔ اسی طرح نصاریٰ پر بھی جمعہ کا دن پیش کیا گیا کہ اس دن اللہ کی خاص عبادت کیا کریں مگر انہوں نے بھی اس طرف توجہ نہ کی اور کہنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود کی عید ہمارے بعد ہو، لہذا انہوں نے یہودیوں کے ہفتہ سے بعد والا دن اتوار اختیار کر لیا کہ ہم اس دن چھٹی کر کے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عبادت کیا کریں گے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی سعادت ہمارے حصے میں رکھی تھی جب کہ یہود و نصاریٰ اس سے محروم ہے، آپ کا ارشاد مبارک ہے  
 هُنَّ الْآخِرُونَ وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَعْدَ أَنْ أُوتِيَ الْكِتَابُ مِنْ قِبَلِنَا هُمْ سَرَبٌ آخِرِينَ آتِئَةً  
 ہیں مگر قیامت والے دن سب سے اول ہوں گے۔ یہود ہم سے ایک دن بعد اور نصاریٰ ان کے ایک دن بعد یعنی علی الترتیب ہفتہ اور اتوار کو پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو تمام ایام پر فضیلت بخشی ہے اور اُسے یہ ایام کا خطاب دیا ہے کہ یہ ان تمام دنوں کا سردار ہے۔  
 صاحب تفسیر حنبلی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو ہفتے کے دن سامان اٹھائے کاروبار کے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اُسے روک لیا اور حکم دیا کہ اس کی گھر دن اتار دو کیونکہ اس نے ہفتہ کے دن کی تعظیم نہ کر کے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ چنانچہ اُس شخص کو



قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کھلے عام پھینک دی گئی جسے چالیس دن تک زندہ اور پرندے نوچ نوچ کر کھاتے رہے۔ اس دن کی تعظیم کا اہتمام سخت حکم تھا۔ پھر داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اس دن کی تحفیر کی۔ اُن کو ہفتے کے دن شکار سے منع کیا گیا تھا مگر وہ اس دن براہ راست تو مچھلی کا شکار نہیں کرتے تھے، البتہ انہیں حوض میں بند کر دیتے اور اتوار کو علی الصبح پکڑ لیتے تھے، اس طرح وہ جیلہ سازی سے اللہ کے حکم کی نافرمانی اور ہفتے کے دن کی نافرمانی کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ان لوگوں کی شکلیں بندروں اور خنزیروں میں تبدیل ہو گئیں اور پھر صفحہ ہستی سے بالکل ہی ناپید کر دیے گئے۔ اللہ نے اتنی سخت سزا دی۔

جمعہ کے دن آسانی

اللہ تعالیٰ نے امتِ آخر الزمان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا ہے مگر زیادہ سختی نہیں کی بلکہ اہل ایمان کے لیے آسانی پیدا فرمائی ہے۔ اس دن کے متعلق سورۃ جمعہ میں موجود ہے۔ اے ایمان والو! "إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ" جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوری طور پر نماز کے لیے حاضر ہو جاؤ اور کاروبار ترک کر دو۔ اس حکم میں دو چیزیں ہیں ایک ذکر الہی یعنی خطبہ سناؤ اور دوسرا نماز پڑھنا۔ فرمایا "إِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ" پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل کر روزی تلاش کرو۔ سارا دن تعطیل منانے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز کے بعد اپنے کاروبار، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت، مزدوری، جہاں بھی تم کام کرتے ہو جا سکتے ہو۔ صرف نماز جمعہ کا حکم مٹوا کر ہے۔ اگر کوئی شخص بلا عذر تین جمعے مسلسل ترک کرے تو وہ منافقوں میں شمار ہوگا، دل پر مہر لگ جائے گی۔ بہر حال اللہ نے ہمارے لیے بڑی آسانی فرمادی ہے کہ سیدہ الايام بھی عطا فرمایا اور زیادہ سختی بھی نہیں فرمائی



ہفتے کے دن کی سختی ان لوگوں پر تھی جنہوں نے جمعہ کا دن تو قبول نہ کیا اور اس کی بجائے ہفتہ کو پسند کیا اور پھر اس پر پورے نہ اترے۔ فرمایا وَأَنَّ رَّبَّكَ لَيُخَكِّمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ بیشک تیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے تھے ان کا حتمی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی آخری عدالت میں ہی ہوگا۔

فرضیہ تبلیغ  
(۱)  
حکمت

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی بات کی ہے۔ اور تبلیغ کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیں جس کے لیے اللہ نے تین طریقے تجویز کیے ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ تاہم ہر نبی دعوت الی اللہ کا داعی ہوتا ہے کہ یہ امر اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ خود حضور خاتم النبیین کے متعلق قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ دَاعِيَ الْحَيِّ اللہ بِإِذْنِهِ وَرَسُولًا جَاهِلِيًّا (الاحزاب) ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چرخ ہیں۔ اللہ نے عام اہل ایمان کے متعلق بھی فرمایا وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ (حکم سجدہ) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کے راستے کی دعوت دیتا ہے۔ خود بھی ایمان رکھتا ہے اور عامل بالاحکام بھی ہے۔ مومن، عامل اور داعی ہونا انبیاء کا طریق کار ہے۔ بہر حال اللہ نے دعوت کے تین طریقے بیان فرمائے ہیں جن میں سے پہلا طریقہ فرمایا بِالْحِكْمَةِ حکمت اور دانائی کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیں امام مالکؒ نے سنت کہ حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کی تمام صحیح، یقینی اور قطعی باتیں حکمت میں داخل ہیں۔ ان کے ذریعے شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں اور دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ



فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" جس کو حکمت دے دی گئی، سمجھ عطا کر دی گئی، اُسے گویا کہ بہت بڑی بھلائی مل گئی جب حکیم اور دانا لوگوں کے سامنے حقائق بیان کیے جائیں تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا اللہُمَّ ارِنَا الْحَقَّ اَقْوَمَ كَمَا هِيَ اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت سمجھا دے۔ جیسا کہ وہ واقع میں ہیں۔ یہ پہلے درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے سامنے کوئی چیز پیش کی جائے تو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ پھر دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے درجے کی عقل و فہم نہیں رکھتے۔ بات سمجھانے کے لیے ان کے سامنے کوئی مثال، اچھا کلام یا کوئی اچھا شعر پیش کیا جائے جس سے ان کی طبیعت متاثر ہو تو پھر وہ بات کو سمجھتے ہیں۔

(۲) موعظتِ حسنہ

وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ ایسے لوگوں کے لیے موعظتِ حسنہ کا طریقہ کارآمد ہوتا ہے۔ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لِسِحْرًا۔ اچھا بیان جادو اثر ہوتا ہے۔ اچھے اشعار بھی بعض اوقات بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں ہمارے دور کے لوگوں میں مولانا ابوالکلام کو اپنی تحریر و تقریر پر کمال حاصل تھا۔ آپ کوئی چیز پیش کرنے کے بعد اس کے مناسب حال شعر نقل کرتے ہیں تو ساری بات ذہن میں اتر جاتی ہے۔ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی اللہ نے کمال ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنے موعظ و تقاریر میں ایسے بر محل اشعار پیش کرتے تھے کہ ایک آن پڑھ آدمی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہتا تھا گویا عمدہ الفاظ اور اعلیٰ بیان کے ذریعے کسی چیز کو پیش کرنا موعظتِ حسنہ یا اچھی نصیحت کہلاتا ہے۔ ایسا وعظ و نصیحت جس میں طعن و تشنیع اور گالی گلوچ نہ ہو، ضرور اثر کرتا ہے۔ "الفتح الربانی" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہفتہ وار موعظ میں جن میں اللہ نے کمال درجے کا اثر رکھا ہے۔ عربی زبان میں یہ نصلح دل میں اترتے چلے



جاتے ہیں، لوگ ذوق و شوق کے ساتھ سنتے ہیں۔

خود قرآن پاک کا ایک نام مَوْعِظَةٌ بھی ہے کہ اسے پڑھ کر لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اس سے عقیدے اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے عمدہ طریقے سے نصیحت کی مثال خود قرآن نے بھی بیان کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طہ) اُس سے نرم لہجہ میں بات کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ غرضیکہ نصیحت کرتے وقت ہمیشہ نرم بات کرنی چاہیے تاکہ مخاطب کے لیے مؤثر ثابت ہو۔

حضور علیہ السلام ایک موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک شخص آیا اور دوران خطبہ ہی کہنے لگا کہ حضرت! آپ مجھے وہ بات سکھائیں جس سے میں ناواقف ہوں اور اللہ نے آپ کو اس سے واقف کیا ہے۔ آپ نے لوہے کی کمر سی منگوائی، اُس پر تشریف فرما ہوئے، اس شخص کو بات سمجھائی اور اس کے بعد اپنا پہلا خطبہ جاری رکھا۔ اسی طرح ایک دیہاتی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اِنِّیْ سَاْیِلُکَ فَصَدِّقْ عَلَیْنَا۔ حضرت! میں ایک سائل ہوں۔ دیہاتی آدمی ہوں، ادب و آداب کی پاسداری نہیں، لہذا سختی سے سوال کروں گا، آپ ناراض نہ ہونا بلکہ میرے سوالوں کا جواب دینا۔ آپ نے فرمایا، پوچھ کر کیا پوچھتا ہے، اس نے سوالات کیے اور آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیے۔ ایک اور موقع پر آپ علیہ السلام اونٹنی پر سوار جا رہے ہیں کہ ایک شخص آگے بڑھ کر اونٹنی کی مہار پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ آگے پھر جائیں، پہلے میری راہنمائی کر دیں۔ اُس شخص نے سوال کیا۔ حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ شخص سوال پیش کر رہا ہے، تم بھی سنو، پھر اس شخص نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ سائل کی تسلی ہو گئی اور صحابہ کو بھی اطمینان حاصل ہوا۔ آپ نے اُس شخص



سے فرمایا خَلِّ یعنی اب ہمارے چھوڑ دے اور ہمیں جانے دے۔ چنانچہ آپ  
اگے تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک  
شخص آیا اور نماز کے دوران ہی گفتگو شروع کر دی۔ لوگوں نے خاموش رہنے  
کا اشارہ بھی کیا، مگر وہ شخص غصے میں بولتا رہا۔ پھر جب نماز ختم ہو گئی تو حضور  
علیہ السلام نے اُسے قریب بٹھا کر سمجھایا کہ نماز اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تہلیل  
کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ اس میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے، اس لیے  
نماز کے دوران کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے اچھے طریقے سے اسکی اصلاح فرما  
دی تو وہ شخص کہنے لگا، خدا کی قسم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں  
نے آج تک ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔ آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ  
کی، نہ مار پیٹا اور نہ ہی کسی قسم کی زبردست کی بلکہ نہایت اچھے طریقے سے  
بات سمجھادی بغرضیکہ تبلیغ کا دوسرا طریقہ اچھی نصیحت ہے جو عمدہ پیرائے  
میں کی گئی ہو اور جو مخاطب کے دل و دماغ پر اثر کرے۔ فرمایا دوسرے  
درجے کے لوگوں کو اچھے طریقے سے نصیحت کریں۔

(۳۱)  
مباحث  
بطریق حسن

فرمایا تبلیغ دین کا تیسرا طریقہ یہ ہے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هُمْ  
أَحْسَنُ اور اگر مخاطب سے بحث مباحثہ کی ضرورت پیش آجائے۔ سوال و جواب کا  
موقع ہو، اعتراض کا جواب دینا مطلوب ہو تو سختی اور تند خوئی کی بجائے نرمی اور  
حکمت عملی سے ہر سوال کا جواب دیں گالی گلوچ کی نوبت نہیں آنی چاہیئے کسی  
کے ساتھ جھگڑنے کی ضرورت نہیں، اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے ہر اعتراض کو  
خندہ پیشانی سے نہیں اور اس کا اچھے طریقے سے جواب دیں۔ اگر اچھے طریقے  
سے معاملہ کو سمجھائیں گے تو اس کا مثبت اثر ہوگا۔ برخلاف اس کے ہمارے  
ہاں ہر فرقہ کے پیروکار دوسرے فرقہ والوں کو مغلوب کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں  
اور پھر اس سلسلہ میں اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے گالی گلوچ اور طعن و تشنیع



ایک نوبت پہنچ جاتی ہے جو کہ کسی طرح بھی احسن طریقہ نہیں۔ اس سے نہ تو مقرر کو کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے لیے کچھ پڑتا ہے۔ یہ طریقہ تبلیغ ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے اور اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اہل کتاب بڑے جھگڑاؤ قسم کے لوگ ہیں مگر ان کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا ”وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ“ (العنکبوت) ان کے ساتھ بھی بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو اچھے طریقہ سے مجادلہ کریں تقریر و تحریر میں دوسرے کے خلاف گندی زبان و قلم کا استعمال قطعاً پسندیدہ امر نہیں۔ اللہ کے نزدیک دوسرے کی تذلیل کہنا بہت بری بات ہے لہذا مباحث میں شرعیت کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوگا۔

تین قسم کے لوگوں کے لیے اللہ نے تین طریقے بتلا دیے ہیں کہ ان اصولوں کی روشنی میں فریضہ تبلیغ ادا کرو۔ تمام انبیاء نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ مخالفین نے انبیاء کے حق میں سخت ترین الفاظ استعمال کیے، جسمانی اور ذہنی اذیت پہنچائی مگر انہوں نے ہمیشہ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم گفتاری کو اپنا شعار بنایا۔ نوح علیہ السلام کی قوم آپ کے خلاف سخت ترین الفاظ استعمال کرتی تھی۔ کہتے تھے تیری بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ قوم نے کہا، ہم تمہیں کھلی گمراہی میں مبتلا پاتے ہیں مگر اللہ کے سچے نبی نے جواب میں صرف ”اَنَا فَرَايَا لِقَوْمٍ لِّسَانُكَ بِجِيْضَلَلَةٍ“ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ تمام جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اور تمہیں ان کا حکم سنا رہا ہوں۔ سورۃ سبا میں حضور علیہ السلام کی زبان سے کسلا یا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں ”اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنًا وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا“ کہ تم خدا کے لیے دو دو ہو کر یا فرداً فرداً کھڑے ہو کر غور کرو تو اسی نتیجے پر پہنچو



گے ”مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جَنَّةٍ“ کہ تمہارے صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو علم و حکمت کے دریا بہا رہا ہے۔ اُس کے ایک ایک کلمے میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ دین کے لیے ہمیشہ نرم خوئی کو اختیار کیا اور یہی طریقہ اللہ نے عام لوگوں کو بھی سکھلایا ہے۔

ہمارے دور کے مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اس طریقہ تبلیغ کے مجسم نمونہ تھے۔ اُن کے مواعظِ حزنہ سے کمالِ حُکمت اور ایمان کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ جب کوئی آپ کو کسی دورِ سفرِ فرقہ کے ساتھ مناظرے کی دعوت دیتا تو آپ انکار کر دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر مخالف نے کوئی صحیح بات کہہ دی تو میں فوراً مان جاؤں گا اور تم کہو گے کہ میں نے تمہاری تحقیر کر دی ہے، لہذا میں مناظرہ بازی کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ ہمارے مدارس میں علمِ مناظرہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔ اگر کوئی مخالف فریقِ حق بات کہتا ہے تو اس کو تسلیم کرنے میں تامل نہ کرو اور جو غلط بات کہتا ہے اس کا احسن طریقہ سے جواب دو۔ مگر اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی کسی کی حق بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مخالفت برائے مخالفت کا بھوت سر پر سوار ہے اور یہی چیز اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ آج ہم اسلام کا نام لے کر اُسی کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک بھی نہیں ہے۔

فرمایا کسی کے ساتھ مناظرہ، مباحثہ یا جھگڑا کرو تو بہتر طریقہ سے۔  
إِنَّ زَيْدًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ  
 بیشک زیدؒ پروردگار اُس شخص کو جانتا ہے جو راستے سے بہکا ہوا ہے  
وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب

جانتا ہے۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے سب  
 لوگوں کے درمیان فیصلہ بھی اُسی نے کرنا ہے، لہذا تم کبھی غلط راستہ  
 اختیار نہ کرو۔

---



وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ  
 وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (۱۲۶)  
 وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (۱۲۷) إِنَّ  
 اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (۱۲۸)

۱۶  
۹  
۲۲

ترجمہ :- اور اگر تم بدلہ لو، پس بدلہ لو اس کی  
 مثل جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو  
 تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے (۱۲۶) اور  
 (اے پیغمبر!) آپ صبر کریں۔ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا  
 مگر اللہ (کی توفیق) سے۔ اور نہ غمگین ہوں آپ اُن  
 (مخالفوں) پر، اور نہ ہوں تنگی میں اُس چیز سے جو یہ تدبیر  
 کرتے ہیں (۱۲۷) بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے  
 جو ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں (۱۲۸)

سورۃ النحل کی ان آخری تین آیات کے زمانہ نزول کے متعلق مفسرین کی دو  
 رائیں ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے استاد مکہ کے استاد السجدیث حضرت عطاءؒ کی روایت  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ ہذا کی ان تین آیات کے سوا باقی ساری سورۃ مکی  
 دور میں نازل ہوئی جب کہ یہ آیات مدنی زندگی میں نازل ہوئیں اور ان کا زمانہ نزول  
 فتح مکہ کے قریب ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری سورۃ مکی

شانِ نزول

ہے اور ان آیات میں بیان کردہ انتقامی کارروائی کا قانون غزوہ احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر مکان و زمان کے لیے نافذ العمل ہے۔ اس لحاظ سے غزوہ احد کے موقع پر پیش آمدہ حالات پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے پہلے نظریہ کے مطابق ان تین آیات کا شانِ نزول غزوہ احد سے وابستہ ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے ساتھ کفار نے بڑی زیادتی کی۔ ان شہداء کے اعضاء کاٹ کر ان کا منہ بنایا گیا حتیٰ کہ سید الشہداء امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گیا۔ اس کارروائی کا مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے اپنے شہداء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا بخدا! اگر اللہ نے ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو ہم ان کے ساتھ اس سے دگنی انتقامی کارروائی کریں گے۔ ہم بھی ان کے مردوں کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کو یہ شکل بنائیں گے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس عزم کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں اللہ نے زیادتی کرنے سے منع فرمادیا، چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے ارادے سے رجوع کر لیا اور دوسرے لوگوں کو بھی کسی کا منہ بنانے سے منع فرما دیا۔ امام سیوطیؒ نے منہ بزار کے حوالے سے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قسم کا کفارہ بھی ادا کیا اور آئندہ ایسی منتقامانہ کارروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ عَاقَبْتُمْ اِذَا قُتِلْتُمْ لِيُنَاجَا هُوَ فَعَا قِبُوا  
بِمِثْلِ مَا عُو قِبْتُمْ بِهِ تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بدلہ لیتے وقت زیادتی نہ کرو۔ بلکہ پہنچائی گئی تکلیف کی حدود میں رہتے ہوئے دشمن کو اتنی ہی اذیت پہنچاؤ۔ اور یہ بھی محض اجازت ہے، ضروری نہیں۔ اس کے برخلاف وَلَٰكِنْ صَبَرْتُمْ اِذَا قُتِلْتُمْ اَسْ تَكْلِيْفٌ كُوْبِرَ دَا شْتُكُمْ تے ہوئے صبر سے کام لو، یعنی بدلہ لینے کا ارادہ ہی ترک کر دو، دشمن کو ایسے ہی معاف کر دو لَٰهُوَ خَيْرٌ

انتقامی  
کارروائی  
کی حد



لِّلصَّابِرِينَ تُوِيَّ بَات صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔  
 گویا معاف کر دینا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ یہ معافی تمہارے لیے گناہوں کا  
 کفارہ بنے گی۔ اور تمہارے درجات بلند ہوں گے۔ اس سے آخرت میں  
 بہت فائدہ ہوگا۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ان آخری آیات کا تعلق سورۃ ہذا کی  
 آیت نمبر ۹۰ کے ساتھ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پرگنا  
 پیش کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ... الخ  
 اللہ نے جن تین مثبت چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں پہلی چیز عدل ہے اور عدل  
 کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن جس قدر اذیت پہنچائے اسے اُسی قدر تکلیف دی  
 جائے اور زیادتی نہ کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہی چیز بیان کی ہے کہ عدل  
 والنصاف کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو خواہ تمہارے سامنے تمہارا دشمن  
 ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ مکی سورتوں میں بالعموم توجید و رسالت، قرآن پاک کی صداقت  
 اور معاد کا ذکر ہے تاہم عدل ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کا ذکر اللہ نے مکی  
 زندگی ہی میں کر دیا اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھا دی کہ غالب آنے کی صورت میں اگر  
 انتقام لینا چاہو تو کسی پر زیادتی نہ کرنا اور نہ تم خود ظالم بن جاؤ گے اور اگر صبر کرو  
 اور بالکل معاف ہی کر دو تو یہ عزیمت کا مقام ہے، اس کا نتیجہ مزید بہتر  
 صورت میں نکلے گا۔ اس قانون کی ضرورت مکی زندگی میں اس لیے بھی  
 تھی کہ اُس وقت مسلمان فریضہ تبلیغ ادا کر رہے تھے، لوگوں پر اسلام پیش  
 کر رہے تھے اور اس کے جواب میں مشرکین کی طرف سے بڑی تکلیف دہ  
 باتیں سننا پڑتی تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں میں انتقامی آگ بھڑک اٹھتی تو اللہ  
 نے پیشگی قانون تبلا دیا کہ بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کر دو اور اگر بدلہ ہی لینا  
 ہو تو حد سے تجاوز نہ کرو۔

انتقامی کارروائی کے ضمن میں امام ابو بکر حباصؓ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اگر دشمن نے تمہارے آدمی کی جان تلف کی ہے تو تم بھی اس کی جان لے سکتے ہو۔ اور اگر دشمن نے کسی کا کوئی عضو کاٹا ہے تو تم بھی اُس کا وہی عضو تلف کر سکتے ہو۔ اس قانون کی تفصیل اللہ نے سورۃ مائدہ میں بیان فرمادی ہے: "أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ" یعنی قصاص کی صورت یہ ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کا بھی قصاص ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا۔ قتل کے معاملہ میں قانون یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو قاتل کو ویسے ہی قتل کیا جائے جس طرح اُس نے خود قتل کیا تھا۔ مثلاً اگر کسی نے کسی شخص کا پہلے کوئی عضو قطع کیا اور پھر اُس کو مکمل طور پر جان سے مار دیا، تو اس کے قصاص میں بھی ایسا ہی کیا جاسکتا ہے۔ تاہم عام قانون یہ ہے کہ قتل کے قصاص کے لئے تلوار سے یکجہازگی گھر دن اڑادی جائے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا ہے تو اس میں بعینہ قصاص ممکن نہیں، لہذا اس کے بدلے میں اُسے تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ جہاں مماثلت ممکن ہو، وہاں ایسا ہی عمل کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے کسی شخص کی ٹانگ گھٹنے سے کاٹ دی ہے تو اس کے بدلے گھٹنے سے ہی ٹانگ کاٹی جائے گی، اگر کسی کا ہاتھ کسی سے کاٹا گیا ہے تو قصاص میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی نے کسی کی ٹانگ پر ضرب لگائی ہے اور وہ درمیان سے ٹوٹ گئی ہے تو اب عین اتنی ہی ضرب لگانا اور بالکل اس مقام سے ٹانگ کو توڑنا، یا بالکل وہی آلہ استعمال کرنا اور پھر اس کے نتیجہ میں بالکل اتنی ہی ہڈی کا ٹوٹنا اور اتنی ہی درد پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسی صورت



میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قصاص کی بجائے اتنی سزا کی ضمانت دینا ہوگی۔  
یعنی مضر و ب شخص کو معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔

امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے  
کہ جس طرح اعضاء کا معاوضہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مالی نقصان کا بھی  
معاوضہ ادا ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی نے دوسرے شخص کی لکڑی چوری کر کے  
اُسے چھت میں استعمال کر لیا ہے یا اس کا صندوق یا فرنیچر بنا لیا ہے۔ اسی  
طرح کسی کی گندم چوری کر کے اُسے سپوا کر روٹی کھالی ہے، تو ایسی صورت میں  
چوری شدہ چیز کا البعیدہ واپس ہونا ممکن نہیں رہتا ہے۔ لہذا امام صاحبؒ  
فرماتے ہیں کہ اُس مغمصوبہ چیز کی قیمت ادا کرنا پڑے گی، یہ انتقامی کارروائی  
کا قانون اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔

صبر کی  
ترغیب

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیمت کے منقام پر صبر کی خاص طور پر تلقین  
فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے مگر اس  
خطاب میں آپ کے پیروکار بھی شامل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاصْبِرْ  
أَبْصِرْ وَمَا صَكَبُكَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لیکن آپ کا صبر کرنا اللہ تعالیٰ  
کی معاونت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ  
اللہ کی توفیق کے بغیر انسان نیکی کا کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، لہذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ  
سے توفیق کا طلبگار رہنا چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا۔  
”وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ“ (ہود) جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
توفیق حاصل نہ ہو، میں سمجھ نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی کی توفیق سے انسان کام کاج  
کر رہا ہے، صبر اور برداشت کرتا ہے۔ بہر حال اللہ نے صبر پر قائم رہنے کی  
تلقین فرمائی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی ہے کہ آپ، کافروں، مشرکوں،  
مخالفوں اور منافرانوں کی کارگزاریوں کے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ وَلَا تَحْزَنْ

صلی اللہ علیہ وسلم  
حضور کے لیے  
تسلی



عَلَيْهِمْ أَيْ أَنْ يَرْغَبُوا فِيهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا  
يَكْمُرُونَ اور اُن کی تدبیروں سے تنگ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی  
چالوں کا خود توڑ پیدا کرے گا، لہذا آپ کے دل میں تنگی نہیں پیدا ہونی چاہیے  
اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی آپ کے شامل حال ہے گی۔ لہذا آپ غمزدہ نہ  
ہوں۔ "وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُنْكَرِينَ" اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر  
کرنے والا ہے، وہ خود ان سے فرط لے گا۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بَشِيْكَ اللّٰهُ تَعَالٰی  
کی مہربانی اور مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں اور دوسری بات  
یہ وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُونَ اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں۔ مطلب  
یہ کہ اللہ کی معیت اس سے ڈرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو حاصل  
ہوتی ہے۔ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہنا ضروری ہے اور اس  
کے لیے تقویٰ اور نیکی کی ضرورت ہے۔ جس شخص میں خوفِ خدا ہو گا وہ شریعت  
کی حدود کی پاسداری بھی کرے گا، کفر، شرک، نفاق اور بدعتیہ کی سے بچتا ہے گا۔  
اللہ کے ساتھ معاملہ ہمیشہ سچائی کے ساتھ درست رہ سکتا ہے۔ اگر دل میں  
کسی قسم کا کھوٹ ہو گا تو تعلق باللہ درست نہیں رہ سکتا۔ البتہ مخلوق کے  
ساتھ تعلقات کی درستگی احسان پر موقوف ہے۔ انسان اپنے بھائی بندوں کے  
ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا، اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کرے گا تو  
اس کا تعلق مخلوق خدا کے ساتھ درست ہو جائیگا۔ غرضیکہ اس حصہ آیت میں  
حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر آگیا ہے اور یہی دو چیزیں پورے  
دین کی جڑ اور بنیاد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی معاملہ صحیح ہو اور مخلوق کے  
ساتھ بھی نیکی کا سلوک ہو۔

تعلیم اور شفقت  
امام رازی فرماتے ہیں کہ دین کا پتھر دو باتیں ہیں۔ ایک بات التَّعْظِيمُ  
لَا مِسَّ لِلَّهِ یعنی اللہ کے احکام کی تعظیم اور ان پر عمل درآمد ہے اور دوسری



الشَّفَقَةُ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ عَنِ اللَّهِ کی مخلوق پر شفقت و مہربانی کرنا ہے۔ ان دو باتوں کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ تقویٰ اور احسان ہی نکلے گا جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن میں یہ دو چیزیں پائی جائیں۔ سلف صالحین میں یہ چیزیں موجود تھیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہمیشہ ان کے شامل حال رہتی تھی۔ جب ان دو چیزوں میں کمزوری واقع ہو گئی تو امت تنزل میں چلی گئی۔ اب کئی صدیوں سے امت مسلمہ کا حال دنیا کے سامنے ہے۔ وجہ یہی ہے کہ نہ ان میں تقویٰ باقی رہا ہے اور نہ احسان۔ عدل و انصاف مفقود ہے۔ حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ تمام طبقات میں سرکشی پائی جاتی ہے۔ اللہ کے احکام سے علی الاعلان بغاوت ہو رہی ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ کی رحمت اور مدد کیسے حاصل ہو گی۔ ہمارے اندر وہ شرائط ہی نہیں پائی جاتیں جو معیت الہی کا سبب بنتی ہیں تو ہمیں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

معیۃ الہی

اللہ تعالیٰ کی معیت بہت بڑی چیز ہے اور اس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں کرتے تھے۔ غار ثور والا واقعہ دیکھ لیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ اس غار میں پناہ لے رکھی ہے۔ حضرت صدیقؓ کے دل میں دشمن کا خوف پیدا ہوتا ہے تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" (قوبہ) خوف نہ کھائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہمیں کس بات کا غم ہے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے تو آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ لوگوں میں کس قدر خوف پیدا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح قوم کو تسلی دی تھی کہ "فَنُكْرُوهُ" "إِنَّ مَعِيَ رَجَاءً" (الشعراء) میرا کہہ دوں گا کہ میرے ساتھ ہے۔ وہی راہ نکالے گا۔ ہم اسی کے حکم سے باہر نکلے ہیں لہذا اس کی مدد ہمارے شامل حال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔



# خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ  
مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ  
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت  
رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علما حق کی فیصلہ کن  
جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ  
یکجا نہیں تھے جمعیتہ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مد نظر بعض محترم ہستیوں نے  
ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے  
جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرا کار کے خطبات  
یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے  
تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام  
حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ  
اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف  
مبذول نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض  
احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ  
خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سر دست یہ  
گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ  
(۲) خطبہ زنگپور بنگال (۳) خطبہ دہلی (۴) کوکناڈا (۵) علی گڑھ (۶) جونپور (۷) لاہور  
(۸) سہارنپور (۹) بمبئی (۱۰) حیدرآباد دکن (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۱۸x۲۳، ضخامت ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت ۸۰ روپے  
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ



مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ کی

مایہ ناز اور مقبول عام تفسیر

## معالم العرفان فی دروس القرآن

مکمل طبع ہو گئی ہے

اللہ رب العزت کے کلام پاک کو عوام کے اذہان کے قریب کرنے لیے مفسرین کرام نے بے شمار کوششیں کی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ یہ تفسیر بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ رواں دواں اور آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر، ضروری مسائل کی توضیح، ضروریات وقت، زمانہ و ماحول کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج، قرآن کریم کی آیات سے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرام، ائمہ کرام اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توضیحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور مذاہب باطلہ اور نظامات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رد اس تفسیر کا خاص امتیاز ہے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اس تفسیر کی قیمت ۳۱۵۵ روپے ہے۔

علماء، طلباء، خطباء، اور عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات افزا ہے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ، فون ۲۱۸۵۳۰

# معجم العرفان - دوسرا القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا  
صوفی عبد الحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہدین اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب صاحب

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (علیہ السلام)

محمد منیر صاحب Ph: 221943

مکتبہ دوسرا القرآن گوجرانوالہ